مقدمہ تفسیر انوار القرآن

مطالعۂ قرآن



از:

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

باسمہ سبحانہ

مطالعۂ قرآن

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577

نام کتاب : ـــــــــــ مطالعۂ قرآن

مصنف : ـــــــــــ علامہ السید ذیشان حیدر جوادی

کتابت : ـــــــــــ جے۔ احمد

سن طباعت : ـــــــــــ ١٩٩٩ء جون

تعداد : ـــــــــــ ١١٠٠

بہ تعاون : ـــــــــــ تنظیم المکاتب۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

قیمت : ـــــــــــ [redacted]

فہرست

باسمہ سبحانہ

عرضِ تنظیم

صدر ادارہ سرکار علامہ جوادی مدظلہ العالی کا "قلم" جس تیز رفتاری سے جادۂ تبلیغ و تحقیق میں گامزن ہے، وہ ارباب ملت سے پوشیدہ نہیں۔ تقریباً تمام دینی اور علمی موضوعات پر ان کی تصنیفات ہمارے مذہبی لٹریچر اور اردو زبان کا سرمایہ بن چکی ہیں۔ کل تک ہماری زبان قرآنی موضوعات سے تقریباً محروم تھی مگر آج اس قابل ہو رہی ہے کہ دوسری زبانوں سے آنکھیں ملا سکے۔

"مطالعۂ قرآن" علامہ محترم کی تازہ ترین تصنیف ہے جس کے اجزا بالاقساط اخبار تنظیم المکاتب میں شائع ہوتے رہے ہیں ـــــ تاریخ انسانی اس موڑ پر پہونچ چکی ہے جہاں اس کے سامنے قرآن کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں رہ گئی ہے۔ ضرورت تھی کہ نئی نسلوں کو قرآن تک پہونچانے کے لئے عصری تقاضوں کے مطابق زمین ہموار کر دی جائے۔ "مطالعۂ قرآن" قرأت قرآن سے لے کر تفہیم قرآن تک کے مسائل اور ان کے حل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

دنیا کی ہر اک کتاب اور ہر کلام اپنے مطالعہ کے لئے مخصوص قوانین و ضوابط کا طلبگار ہے۔ ادبی کتابیں پڑھنے کے لئے ان ضابطوں پر نظر رکھنا ضروری ہے جو ادب کی تفہیم کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور تاریخی کتابوں کا مطالعہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تاریخی اصطلاحوں سے واقفیت حاصل کی جائے۔

قرآن جو ہمارے مالک کا کلام ہے اس کا مطالعہ بھی اصول و آئین کا طلبگار ہے ـــ یہ اصول و قوانین خود قرآن، حدیث پیغمبر اور معصومین علیہم السلام کے فرمودات سے حاصل ہوئے ہیں جنھیں علامہ نے اپنے وسیع مطالعہ کے ذریعہ اس طرح ترتیب دے دیا ہے کہ یہ کتاب اردو دنیا

کے لیے قیمتی تحفہ بن گئی ہے۔

امید ہے کہ طلاب علوم دینیہ، ذاکرین کرام، قرآن خوانی و قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے صاحب ایمان اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کریں گے۔ اور اس کتاب کے ذریعہ عہد حاضر کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو گی۔

ہم بارگاہ الٰہی میں شکر گذار ہیں کہ اس کے فضل و کرم سے ہمارے علمی نشریات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ مالک حقیقی علامہ جوادی اور ادارہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہماری توفیقات میں اضافہ فرماتا رہے۔ والسّلام

صفی حیدر

سکریٹری تنظیم المکاتب۔ لکھنؤ

۵ر نومبر ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارشِ احوالِ واقعی

خدا غریق رحمت کرے میرے والدین مرحومین کو۔ جنھوں نے بچپنے میں مکتب میں بٹھا کر میری تعلیم قرآن کا انتظام کیا۔ اور خدا سلامت رکھے میرے ابن العم حجۃ الاسلام مولانا السید علی عابد الرضوی کو۔ کہ انھوں نے جامعہ ناظمیہ میں تعلیم کے دوران روزانہ صبح کی نماز کے بعد ایک جزءِ قرآن کی تلاوت کو جزءِ نصابِ زندگی بنا دیا تھا۔

میرے خصوصی محسن تھے سرکار آیۃ اللہ مدنی طاب ثراہ جنھوں نے نجف اشرف میں لمعہ و قوانین کی تدریس کے ساتھ درس تفسیر کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ ان کے مخصوص تلامذہ اس درس میں ضرور شرکت کریں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ان کے درس میں شرکت کے بعد پہلی مرتبہ تفسیری نکات سے آشنا ہونے کا موقع ملا اور مطالعۂ قرآن کا ذوق بیدار ہوا۔ سطحیات کے خاتمہ کے بعد جب درس خارج کی منزل میں قدم رکھا تو وہاں بھی دو ایسے اساتذۂ کرام ملے جن کے پاس تفسیر قرآن کا مخصوص ذوق تھا۔ ایک آیۃ اللہ السید محمد باقر الصدر طاب ثراہ جنھیں تفسیر موضوعی سے خاص دلچسپی تھی اور دوسرے سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی طاب ثراہ جن کے مقدمۂ تفسیر نے علمی حلقوں میں ہلچل مچا رکھی تھی اور یہ بات مسلمات میں تھی کہ قرآنیات پر اس سے زیادہ محکم، متقن اور استدلالی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ خیال تھا کہ سرکار موصوف کی تفسیر بھی اسی معیار کی ہوگی لیکن اس خبر نے ذہن کو سخت صدمہ پہونچایا کہ سرکار محترم نے تفسیر "المیزان" کے اعلان کے بعد کسی حد تک اس ارادہ کو ملتوی فرما دیا ہے کہ جب ایک کام خاطر خواہ انداز سے ہو رہا ہے تو دیگر افراد کو

دوسرے اہم کام انجام دینے چاہئیں اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ "معجم رجال الحدیث" جیسی کتاب منظر عام پر آگئی جو فقہی مسائل کے استنباط میں استفادہ کے اعتبار سے تفسیر قرآن سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ان تمام شخصیتوں کے علاوہ بھی متعدد شخصیات سے ملاقات ہوتی رہی اور ان سے تفسیری استفادہ کا موقع حاصل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے کثیر التصانیف اور بیدار مغز عالم و محقق الشیخ محمد جواد مغنیہ کی کتابیں بازار میں آنے لگیں اور انھوں نے طلاب میں ایک مخصوص ذوق مطالعہ پیدا کر دیا۔

مجھے ان کی تالیفات سے بہت زیادہ دلچسپی تھی کہ ان کا معیار اوسط درجہ کا ہوتا تھا اور وہ زبان و بیان کے اعتبار سے نہایت درجہ مفید ہوتی تھیں اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مجھے بہت سے علمی مسائل کی حقیقت کا اندازہ ان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی ہوا ہے جب کہ علمی اصطلاحات کے اعتبار سے مسئلہ زبانی یاد تھا۔

خدائے کریم ان تمام بزرگوں کو اجر جزیل و جمیل عنایت فرمائے۔

مرحوم علامہ الشیخ محمد جواد مغنیہ کی تفسیر قرآن کو دیکھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اس کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ اردو داں مومنین کرام سادہ زبان میں تفسیر قرآن کے مسائل سے آشنا ہو سکیں ــــ لیکن یہ کام بہت بڑا تھا اور اُس وقت میرے پاس نشر کتاب کے وسائل یکسر مفقود تھے اور میری اپنی کتابوں کے صفحات بھی پبلشرز کے رحم و کرم سے طے ہوتے تھے۔ کسی مفصل کتاب کی اشاعت کا تصور تو وہم و جنون سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یہ تو بہت بعد کے حالات تھے کہ خطیب اعظم مولانا غلام عسکری مرحوم نے مختصر ترجمہ و تفسیر کی خواہش ظاہر کی اور عزیز محترم مولانا کرار حسین نے اس اصرار کو برابر جاری رکھا یہاں تک کہ میری یہ دیرینہ تمنا اس شکل میں پوری ہوگئی کہ انوار القرآن کی اشاعت ہوگئی۔ اگرچہ تفسیر قرآن کا واقعی خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔

سرکار آیۃ اللہ الخوئی طاب ثراہ کی کتاب البیان کے مطالعہ کے دوران مجھے قرآنیات پر ایک کتاب ترتیب دینے کا خیال پیدا ہوا جس میں مختلف مسائل قرآن پر اوسط درجہ کے افراد کے لئے معلومات فراہم کی جائیں اور انھیں عظمت قرآن سے آشنا بنایا جائے اور اسی خیال

کے تحت میں نے آیۃ اللہ البلاغی رحمہ کا مقدمہ تفسیر بھی دیکھا اور آیۃ اللہ علامہ السید محمد حسین الطباطبائی طاب ثراہ کے بیانات سے بھی استفادہ کیا اور ایک کتاب "مطالعۂ قرآن" کے نام سے مرتب کردی، جو حالات زمانہ کے تحت تقریباً ۲۰ سال تک محروم اشاعت رہی اور آخر میں اس کے مطالب کو بشکل مضامین "تنظیم المکاتب" میں شائع کیا گیا تاکہ میری زندگی میں یہ مطالب منظر عام پر آجائیں۔

خدا بھلا کرے ڈاکٹر تہذیب الحسنین رضوی اور ڈاکٹر ظفر جعفری (ڈیٹرائٹ) کا کہ انہوں نے اس کی اشاعت میں سہارا دینے کا وعدہ کیا اور میں نے حجم کتاب میں خاطر خواہ اضافہ بھی کردیا۔

گذشتہ اصل کتاب میں تین طرح کے موضوعات کا مزید اضافہ کیا گیا ہے:

ایک موضوع "تلخیص سور" کا ہے کہ اگر کوئی شخص مکمل قرآن مجید کی تلاوت کا موقع نہیں رکھتا ہے تو اسے کم سے کم اتنا تو معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید کے مختلف سوروں میں کیا مضامین پائے جاتے ہیں اور ان کا ہماری زندگی سے کیا تعلق ہے۔

دوسرا موضوع "آیات الفضائل" کا ہے کہ اردو زبان میں منتشر طور پر فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کی آیتیں ضرور نقل کی جاتی ہیں اور ان پر بظاہر بحث بھی کی جاتی ہے لیکن مجموعی طور پر اس کا ذخیرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں نے تقریباً ان تمام ۳۰۰ آیات کو یکجا طور پر جمع کردیا ہے جو اول قرآن سے آخر قرآن تک پائی جاتی ہیں اور جن کے بارے میں علماء اہلسنت کا بھی بیان ہے کہ یہ آیات کریمہ اہلبیتؑ طاہرین کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

تیسرا موضوع "آیات الاحکام" کا ہے، یعنی قرآن مجید کی وہ ۵۱۲ صریحی آیات جن سے احکام شریعت کا استفادہ کیا جاتا ہے یا وہ دیگر آیات جن سے اس سلسلہ میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام اردو زبان میں اس انداز سے کبھی نہیں ہوا ہے اور اس کی بہر حال ضرورت تھی کہ دانشور طبقہ اجتہاد کی زحمتوں کا اندازہ لگا سکے اور مومنین کرام بھی ہر دو چار سال دینی درسگاہ میں گذار لینے والے کو "مجتہد" کے معزز لقب سے نوازنے کی زحمت نہ کریں۔

ارادہ تو یہ تھا کہ ان تمام آیات پر بحث کی جاتی اور یہ ظاہر کیا جاتا کہ کس آیت سے کتنے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے اور ان کا طریقۂ استنباط کیا ہے لیکن اس میں تین طرح کی مشکلات تھیں:

ایک مشکل یہ تھی کہ اس طرح کتاب کے حجم میں کم سے کم ایک ہزار صفحات کے اضافہ کا خطرہ تھا کہ ہر آیت پر کم سے کم دو صفحات میں بحث ہوتی اور کتاب نہ اشاعت کے قابل رہ جاتی اور نہ استفادہ کے لائق رہ جاتی۔

دوسری مشکل یہ تھی کہ یہ کام بھی میرے امکان سے باہر تھا اور یہ خطرہ شدید تر تھا کہ اگر بعض "ضرورت سے زیادہ سمجھدار" افراد کو استدلال کے مختلف پہلوؤں کا اندازہ ہوگیا تو وہ کسی بھی پہلو کو ذہن میں رکھ کر گمراہ ہو سکتے ہیں اور اس کی ذمہ داری بھی کسی حد تک میرے سر آسکتی ہے۔

تیسری مشکل جو عظیم ترین مشکل تھی۔ یہ تھی کہ اس طرح بے شمار افراد کے اردو میں "مجتہد" ہو جانے کا خطرہ تھا اور وہ کسی بھی موضوع پر ایک رائے اختیار کرکے ہر اجتہاد و تقلید کا دروازہ بند کر سکتے تھے جب کہ میرے بیانات پر اعتماد کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہے۔ اجتہاد اس سے کہیں زیادہ بلند تر مقام کا نام ہے جس تک رسائی کے لئے ایک عمر درکار ہے۔

میں نے فقط آیات اور ان کے ابواب کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو ان کی حقیقت سے آشنا ہونے کا خیال پیدا ہو جائے تو وہ "حوزات علمیہ" کا رخ کرے اور وہاں دس بیس سال تحصیل علم کرکے اس قدر صلاحیت پیدا کر لے کہ ان آیات کریمہ سے اجتہادی انداز سے استفادہ کر سکے۔

میں نہیں جانتا کہ میری اس کتاب سے کس قدر استفادہ ہو سکے گا۔ اس لئے کہ اس دور میں مطالعۂ قرآن اور فہم قرآن کا ذوق تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔ مجلس کے طفیل میں بعض آیات کا ذکر ضرور آجاتا ہے لیکن ان پر بھی خاطر خواہ بحث نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کی تلاوت بھی بطور رسم قدیم ہوتی ہے یا بغرض حصول ثواب ہوتی ہے۔

مدارس دینیہ کا بھی یہ حال ہے کہ اکثر مدارس کے نصاب میں جا بجا سے تفسیر و ترجمہ کا کام جزو نصاب بنایا گیا ہے۔ لیکن مکمل قرآن کے ترجمہ و تفسیر یا مکمل دورۂ حدیث کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا ہے کہ وہ ان مدارس کے نصاب میں شامل ہو سکے جب کہ انھیں دینی مدارس کہا جاتا ہے اور دینی مدارس کا مقصد عربی زبان کی تعلیم نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی تعلیم ہے۔

بہر حال اس موضوع پر اس سے زیادہ تبصرہ مناسب نہیں ہے کہ اس سے سوءِ ظن اور توہین مدارس کا الزام بھی آسکتا ہے اور حقیر کی یہ مخلصانہ کوشش بھی نذرِ تعصب ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ خواہش اور گذارش اب بھی ہے کہ دینی مدارس کے ذمہ دار سب سے پہلے پورے قرآن مجید کے ترجمہ اور مختصر تفسیر و تشریح کا درس دیں۔ اس کے بعد دیگر علوم کو مرکزی اہمیت دیں کہ درس قرآن و حدیث کے بغیر دینی درسیات کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اور اس شخص کو قطعاً عالم دین نہیں کہا جا سکتا ہے جو قرآن و حدیث کے مضامین سے ناآشنا ہو۔ رسالۂ عملیہ سے مسائل کا بیان کر دینا پڑھے لکھے مومن کا کام ہے عالم دین کا کام نہیں ہے، عالم دین کا کام اس سے بالاتر ہے اور اس کے معلومات کو بہر حال اس سے بہتر ہونا چاہیئے ـــــ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد وآلہ اجمعین۔

"ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم"

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

السید ذیشان حیدر جوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولہ الحمد

مطالعۂ قرآن

السید ذیشان حیدر جوادی

قرآن

وہ مقدس کتاب۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور وہ صاحبانِ تقویٰ واحتیاط کے لیے مجسم ہدایت ہے۔

وہ پاکیزہ ذکر۔ جسے اللہ نے نازل کیا ہے اور وہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔

وہ کتاب مکنون میں چھپا ہوا خزانہ۔ جس کے حقائق تک پاکیزہ نفس افراد کے علاوہ کسی کی رسائی نہیں ہے۔

وہ دفتر معارف۔ جسے جبرئیلؑ نے قلب رسولؐ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کی ہدایت کریں اور انھیں عذاب آخرت سے ڈرائیں۔

وہ خشک و تر کا عظیم مجموعہ۔ جس میں کل کائنات سمٹی ہوئی ہے۔

وہ ثقل عظیم۔ جو پہاڑ پر نازل ہو جاتا تو پہاڑ خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

وہ طاقتوں کا مخزن۔ جس کے ذریعے راستے طے کیے جا سکتے ہیں، مُردوں سے بات کی جا سکتی ہے اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

وہ آیات بینات۔ جنھیں صاحبانِ علم کے سینوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے اور جن کی تاویل کو خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

وہ مسلسل و مربوط دستور۔ جس کے دفعات پر غور کرنا ہی اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ وہ غیر خدا کا نازل کیا ہوا نہیں ہے۔

وہ حقائق کا سمندر۔ جس میں غوطہ زنی نہ کرنا دلوں پر قفل لگ جانے کے مرادف ہے۔

وہ سماوی وحی۔ جس نے جملہ کتابوں اور رسالتوں کی تصدیق کر کے انھیں پھر سے زندہ کیا ہے۔

....

ایہا الناس! جب فتنے شب تاریک کی طرح چھا جائیں تو قرآن سے تمسک کرنا ___ وہ حق دار شفاعت بھی ہے اور فتنوں کا ازالہ کرنے والا بھی ہے۔ جو اسے سامنے رکھے گا وہ جنت کی طرف جائے گا اور جو پس پشت ڈال دے گا اس کا راستہ جہنم کی طرف ہوگا۔ وہ بہترین راستے کا بہترین راہبر ہے، اس میں تفصیل، بیان و تحصیل سب کچھ ہے۔ وہ قول فیصل ہے کوئی مذاق نہیں ہے، اس میں ظاہر و باطن دونوں ہیں، ظاہر میں حکم ہے تو باطن میں علم ___ ظاہر میں حسن ہے تو باطن میں گہرائی ___ گہرائیوں پر گہرائیاں، بطون بر بطون اس کے عجائب کا شمار نہیں ہو سکتا اور اس کے نوادر میں بوسیدگی نہیں۔ اس میں ہدایت کے چراغ اور حکمت کے منارے روشن ہیں۔ وہ راہنمائے معرفت ہے۔ اسے جولان گاہ نظر اور میدان بصیرت بنانا ہلاکتوں سے نجات اور تباہیوں سے چھٹکارے کا باعث ہے۔ اس میں تفکر صاحب بصیرت کے دل کی زندگی ہے وہ تاریکیوں کے مسافر کی روشنی ہے۔

___ رسولِ اکرمؐ

قرآن کیا ہے؟

خالقِ کائنات نے اپنے کلام کے تعارف کے لیے حسب ذیل الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

یہ کتاب ہے ــــــ الٓمٓ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ۔

یہ نور ہے ــــــ قد جاءکم من اللّٰہ نور وکتٰب مبین۔

یہ قرآن ہے ــــــ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔

یہ فرقان ہے ــــــ الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ۔

یہ آیات بیّنات ہے ــــــ بل ھی آیات بیّنات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

یہ تنزیل ہے ــــــ تنزیل العزیز الحکیم۔

یہ قول ہے ــــــ انہ لقول رسول کریم۔

یہ ذکر ہے ــــــ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

یہ ہدیٰ ہے ــــــ ھدیً للمتقین

اس کے علاوہ اور بھی تعبیریں ہیں، لیکن یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ان تعبیرات کی روشنی میں قرآن کریم کی واقعی حیثیت کیا قرار پاتی ہے۔

اہلِ قلم اس مقدس کلام کو کبھی کتاب سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام کے آئین ودستور سے۔ لیکن کتاب سے ان کی مراد عموماً وہ قرآنی تعبیر نہیں ہوتی جو "الٓمٓ ذٰلک الکتٰب" میں پائی جاتی ہے، اس لیے کہ قرآنی تعبیر کے لحاظ سے کتاب کو باقی دوسرے اوصاف سے متصف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہماری تعبیر کے لحاظ سے کتاب میں وہ تمام خصوصیات نہیں پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں۔

دیکھنا یہی ہے کہ قرآن مجید کو دوسری تصانیف کی طرح تصنیف یا دساتیر کی طرح دستور

کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟ یہاں اس بات سے بحث نہیں ہے کہ قرآن تصنیف ہے تو اس کا مصنف کون ہے، خدا ہے یا اس کا رسولؐ ؟ اور اگر قرآن تالیف ہے تو اس کا مولف کون ہے، خالقِ کائنات، رسولِ اکرمؐ یا خلفاءِ اسلام ؟۔

یہاں تو صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآن نہ دنیا کی کتابوں کے طرز کی کتاب ہے اور نہ دنیا کے دساتیر کے قسم کا کوئی دستور۔

اس کا انداز ترتیب اسی طرح ساری کائنات سے منفرد و ممتاز ہے جس طرح اس کے اصول و معارف۔ وہ نہ اصول و معارف کے اعتبار سے دنیا کی کسی کتاب سے ہم رنگ ہے اور نہ سلیقۂ ترتیب کے اعتبار سے کسی تصنیف و تالیف سے ہم آہنگ۔

اور درحقیقت یہی بات اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن رسولِ اکرمؐ کا کلام نہیں ہے۔ اس لیے کہ دنیا کا کوئی انسان کتنی ہی بلند کتاب کیوں نہ تصنیف کرے سلیقۂ تصنیف کو ہاتھ سے نہیں دے سکتا۔ سلیقۂ تصنیف ہی سے مصنف کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم میں وہ انداز ہی نہیں ہے جو تصنیف کا ہوا کرتا ہے۔ لہذا نہ اسے تصنیف کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے انداز و سلیقہ کو کسی بشر کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔

تصنیف کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ مصنف اپنے ذہن میں ایک خاکہ تیار کرتا ہے۔ اس کے بعد مطالب کو چند حصوں پر تقسیم کرتا ہے، تقسیم کے اعتبار سے باب قائم ہوتے ہیں، باب کو فصلوں پر بانٹا جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایک باب کا مفہوم دوسرے باب میں، ایک فصل کی بات دوسری فصل میں نہ آنے پائے، تکرارِ کلام، تکرارِ واقعات وغیرہ سے گریز کیا جائے۔ اندازِ کلام وہ اختیار کیا جائے جو ہر قاری کے لیے قابلِ فہم ہو۔ الفاظ کے ماورا کوئی ایسی بات نہ رکھی جائے جس تک مصنف یا اس کے اپنے افراد کے علاوہ کسی کا ذہن نہ پہونچ سکے، اور قرآن مجید میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اس میں نہ ابواب ہیں نہ فصول۔ نہ سُرخی ہے نہ عنوان۔ نہ مطالب کے یک رنگ ہونے کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ مفاہیم کی یکسانیت کا۔ ایک ہی مقام پر کہیں اصول کا ذکر ہے تو کہیں فروع کا، کہیں واقعات ہیں تو کہیں احکام۔ کہیں قصے ہیں تو کہیں عبرتیں۔

انداز بھی وہ نہیں ہے جو ہر شخص کے لیے قابلِ فہم ہو بلکہ سوروں کے شروع میں حروفِ مقطعات رکھ دیے ہیں جن کا سمجھنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

سارے مطالب کھول کر بھی بیان نہیں کیے گئے بلکہ پوری کتاب کی پشت پر ایک تاویلی حقیقت رکھ دی گئی ہے جسے صاحبِ کلام جانتا ہے یا اس کے پڑھائے ہوئے افراد۔ اس تک رسائی کے لیے پاکیزگیٔ نفس و کردار کی ضرورت ہے۔ اس کے ادراک کے لیے راسخ فی العلم ہونا ضروری ہے۔ اس کی سمائی کے لیے وہ سینہ درکار ہے جس میں علم رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے وہ انسان درکار ہے جس کی خلقت مادی بعد میں ہو اور تعلیم قرآن پہلے ہو۔ (علّم القرآن خلق الانسان)۔

قرآن مجید میں سوروں کی تقسیم بھی ابواب و فصول کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ایک ہی سورے میں مختلف موضوعات، مختلف مطالب کی وضاحت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ بقرہ یا آل عمران کا طولانی سورہ کسی ایسے موضوع کے لیے الگ نہیں کیا گیا ہے جو حمد یا توحید میں نہ پایا جاتا ہو بلکہ یہ تقسیم بھی کسی خاص مصلحت کے تحت کی گئی ہے۔

سوروں کا مکی یا مدنی ہونا بھی محلِ تصنیف کے اعتبار سے نہیں ہے کہ جو سورہ جہاں مرتب کیا گیا ہو اس کا نام وہیں کے اعتبار سے رکھ دیا گیا ہو بلکہ اکثر مکی سوروں میں مدنی آیات رکھی گئی ہیں اور اکثر مدنی سورتوں میں مکی آیات کو جگہ دی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ قرآن مجید کا یہ معجزنما اور منفرد انداز جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رسولِ اکرمؐ کا کلام نہیں ہے، وہاں اس بات کا بھی محکم ثبوت ہے کہ اس کے جمع کرنے میں کسی بادشاہِ وقت یا خلیفۂ رسول کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ کوئی بھی خلیفہ یا بادشاہ اگر رسول اکرمؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد قرآن کریم کو ترتیب دیتا تو اس کی دو ہی صورتیں ہوتیں یا وہ ترتیب ٹھیک تنزیل کے مطابق ہوتی یا پھر اس میں وہ سلیقہ برتا جاتا جو عموماً تصانیف و تالیفات میں برتا جاتا ہے حالانکہ جمع قرآن کی کسی ایک روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ جمع کرنے والوں نے صاحبانِ آیات و سور سے یہ سوال کیا ہو کہ یہ آیت کب اور کہاں، کس آیت کے پہلے اور کس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

قرآن کریم کا عام کتابوں کے سلیقے سے الگ ہونا اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ اس کے

لیے کسی ثبوت و برہان کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

غیر رسول یا غیر وحی الٰہی کے قرآن کو مرتب کرنے کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی پوری ترتیب کو بدسلیقگی کا نتیجہ سمجھ لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ مرتب کرنے والوں کو نہ آیات کے نزول کا حال معلوم تھا اور نہ انھیں تالیف ہی کا کوئی سلیقہ تھا۔ انھوں نے جس آیت کو جس جگہ چاہا رکھ دیا اور جس مضمون کو جہاں چاہا چسپاں کر دیا۔ حالانکہ یہ بات کوئی بھی صاحب عقل و شعور مطالعۂ قرآن کرنے والا تسلیم نہیں کر سکتا۔ قرآن کا سلیقۂ ترتیب، قرآن کا انداز بیان اس امر کا زندہ ثبوت ہے کہ اس کی جمع آوری میں غیر وحی کا ہاتھ نہیں ہے" ان علینا جمعہ وقرآنہ " اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔

یہ ضرور ہے کہ بعض آیات اپنے محل پر نامناسب معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان دو تین آیات کے بظاہر بے محل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جامعین قرآن کی فوق البشر صلاحیت تسلیم کر لی جائے اور یہ کہا جائے کہ انھیں منتشر آیات کو جمع کرنے کا فوق البشر سلیقہ حاصل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے چند آیات کو اپنی خاص غرض کے تحت اِدھر سے اُدھر کر دیا ہے۔ زید بن ثابت جیسے نوجوان کے لیے ایسے بے پناہ علم کا عقیدہ یا خلیفۂ ثالث جیسے حضرات کے لیے ایسے اتھاہ ادراک کا تصور وہی انسان کر سکتا ہے جو نہ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے باخبر ہو اور نہ اس کی ترتیب و تنظیم کی شانِ اعجاز سے اور نہ ان حضرات کی تاریخی صلاحیت سے باخبر ہو۔

اس موضوع کی تفصیل تو تحریف قرآن کی بحث میں آئے گی، یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن کا انداز ترتیب اور سلیقۂ تنظیم عام تصانیف و کتب جیسا نہیں ہے وہ کتاب ہے لیکن انسانی اصطلاح میں نہیں بلکہ قرآنی اصطلاح میں۔ وہ مجموعہ ہے لیکن انسانی ترتیب و تالیف کے اعتبار سے نہیں بلکہ سماوی ترتیب و تالیف کے اعتبار سے۔

کیا قرآن دستور ہے؟

واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح قرآن عام کتابوں کی طرح کی کتاب نہیں ہے اسی طرح عام دساتیر کی طرح کا دستور بھی نہیں ہے۔ دستور کا موجودہ تصور قرآن مجید پر کسی طرح صادق نہیں آتا ورنہ اسے انسانی اصطلاح کے اعتبار سے دستور کہہ سکتے ہیں۔

دستور کی کتاب میں چند خصوصیات ہوتی ہیں جن میں سے کوئی خصوصیت قرآن مجید میں نہیں پائی جاتی ہے۔

دستور کی تعبیرات میں قانون دانوں میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن دستور کے الفاظ ایسے نہیں ہو سکتے جن کا بظاہر کوئی مطلب ہی نہ ہو اور قرآن مجید میں حروف مقطعات کی یہی حیثیت ہے کہ ان کی تفسیر دنیا کا کوئی بھی عالم عربیت یا صاحب زبان نہیں کر سکتا۔

دستور میں ایک مقام کو واضح اور دوسرے کو مجمل نہیں رکھا جاتا کہ مجمل کی تشریح کے لیے واضحات کی طرف رجوع کیا جائے اور کسی ایک دفعہ کا بھی مستقل مفہوم نہ سمجھا جا سکے اور قرآن مجید میں ایسے متشابہات موجود ہیں جن کا استقلالی طور پر کوئی مفہوم اس وقت تک نہیں بیان ہو سکتا جب تک محکمات کو نہ دیکھ لیا جائے اور ان کے مطالب پر باقاعدہ طہارت نفس کے ساتھ غور نہ کر لیا جائے۔

دستور ہمیشہ کاغذ پر لکھا جاتا ہے یا اس چیز پر جمع کیا جاتا ہے جس پر جمع کرنے کا اس دور اور اس جگہ پر رواج ہو۔ دستور میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اسے کاغذ پر لکھ کر قوم کے حوالے کرنے کے بجائے کسی خفیہ ذریعہ سے کسی ایک آدمی کے سینے پر لکھ دیا جائے اور قرآن مجید کی یہی حیثیت ہے کہ اسے روح الامین کے ذریعے قلب پیغمبرؐ پر اُتار دیا گیا ہے۔

دستور کسی نمائندہ مملکت کے عہدے کا ثبوت اور حاکم سلطنت کے کمالات کا اظہار نہیں ہوتا اس کی حیثیت تمام باشندگان مملکت کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی

یہ نوعیت نہیں ہے، وہ جہاں اصلاح بشریت کے قوانین کا مخزن ہے وہاں ناشر قوانین مرسلِ اعظم کے عہدہ کا ثبوت بھی ہے۔ وہ ایک طرف انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے اور دوسری طرف ناطق راہنما کے منصب کا اثبات کرتا ہے۔

دستور کا کام باشندگان ملک کے امور دین و دنیا کی تنظیم ہوتا ہے، اس کا کام سابق کے دساتیر یا ان کے مبلغین کی تصدیق نہیں ہوتا ہے اور قرآن مجید کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ ایک طرف اپنی عظمت اور اپنے رسول کی برتری کا اعلان کرتا ہے تو دوسری طرف سابق کی شریعتوں اور ان کے پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتا ہے۔

دستور تعلیمات و احکام کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں گذشتہ ادوار کے واقعات یا قدیم زمانوں کے حوادث کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم جہاں ایک طرف اپنے دور کے لیے احکام و تعلیمات فراہم کرتا ہے وہاں ادوار گذشتہ کے عبرت خیز واقعات بھی بیان کرتا ہے، اس میں تہذیب و اخلاق کے مرقع بھی ہیں اور بد تہذیب امتوں کی تباہی کے مناظر بھی!

دستور کے بیانات کا انداز حاکمانہ ہوتا ہے اس میں تشویق و ترغیب کے پہلوؤں کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔ اس میں سزاؤں کے ساتھ انعامات اور رعایات کا ذکر ضرور ہوتا ہے، لیکن دوسروں کے فضائل و کمالات کا تذکرہ نہیں کیا جاتا اور قرآن مجید میں ایسی آیتیں بکثرت پائی جاتی ہیں جہاں احکام و تعلیمات کا تذکرہ انسانوں کے فضائل و کمالات کے ذیل میں کیا گیا ہے اور جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن صرف ایک دستور کی کتاب یا تعزیرات کا مجموعہ نہیں ہے، اس کی نوعیت دنیا کی جملہ تصانیف اور کائنات کے تمام دساتیر سے بالکل مختلف ہے، وہ کتاب بھی ہے اور دستور بھی، لیکن نہ عام کتابوں جیسی کتاب ہے اور نہ عام دستوروں جیسا دستور۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے تعارف میں دستور جیسا کوئی انداز نہیں اختیار کیا بلکہ اپنی تعبیر ان تمام الفاظ و القاب سے کی ہے جس سے اس کی صحیح نوعیت کا اندازہ کیا جا سکے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن مجید ہے کیا؟ — اس کا جواب صرف ایک لفظ سے دیا جا سکتا ہے کہ قرآن خالق کائنات کے اصول تربیت کا مجموعہ اور اس کی شان ربوبیت کا مظہر ہے۔ اگر خالق کی حیثیت عام حکام و سلاطین جیسی ہوتی تو اس کے اصول و آئین بھی ویسے ہی ہوتے۔ لیکن

اس کی سلطنت کا انداز دنیا سے الگ ہے اس لیے اس کا آئین بھی جُداگانہ ہے۔
دنیا کے حکام و سلاطین ان کی اصلاح کرتے ہیں جو ان کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہوتے، ان کا کام تخلیق فرد یا تربیتِ فرد نہیں ہوتا، ان کی ذمہ داری تنظیم مملکت اور اصلاح فرد ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ تنظیم کے اصول اور ہوں گے اور تربیت وتخلیق کے اصول اور۔ اصلاحِ ظاہر کے طریقے اور ہوں گے اور تزکیۂ نفس کے قوانین اور۔
قرآن کے آئین ربوبیت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کی وحی اول کا آغاز لفظ ربوبیت سے ہوا ہے۔
"اقرأ باسم ربك الذی خلق" یعنی میرے حبیب تلاوتِ قرآن کا آغاز نام رب سے کرو۔ وہ رب جس نے پیدا کیا ہے۔
"خلق الانسان من علق"۔ وہ رب جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا ہے یعنی ایسے لوتھڑے سے بنایا ہے جس کی شکل جونک جیسی ہوتی ہے۔
"اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم"۔ پڑھو کہ تمھارا رب وہ بزرگ وبرتر ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔
"علم الانسان مالم یعلم"۔ اور انسان کو وہ کچھ پڑھا دیا جو اُسے نہیں معلوم تھا۔
آیات بالا سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا آغاز ربوبیت سے ہوا ہے۔ ربوبیت کے ساتھ تخلیق، مادہ تخلیق، تعلیم، تعلیم بالقلم کا تذکرہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ قرآن مجید کے تعلیمات و مقاصد کا کل خلاصہ تخلیق و تعلیم میں منحصر ہے، اس کا نازل کرنے والا تخلیق کے اعتبار سے بقائے جسم کا انتظام کرتا ہے اور تعلیم کے اعتبار سے تزکیۂ نفس کا اہتمام کرتا ہے۔
میرے خیال میں (واللہ اعلم)، قرآن مجید میں سورہ حمد کے ام الکتاب ہونے کا راز بھی یہی ہے کہ اس میں ربوبیت کے جملہ مظاہر سمٹ کر آگئے ہیں اور اس کا آغاز بھی ربوبیت اور اس کے مظاہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ اسی خیال کی روشنی

میں اس حدیث مبارک کی بھی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ "جو کچھ تمام آسمانی صحیفوں میں ہے وہ سب قرآن میں ہے، اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سب سورۂ حمد میں ہے"۔ یعنی قرآن مجید کا تمام تر مقصد تربیت بشریت ہے اور تربیت کے لیے تصور جزا ــ احساس عبدیت، خیال بیچارگی، کردار نیک و بد کا پیش نظر ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اور سورۂ حمد کے مالک یوم الدین، ایاک نعبد، ایاک نستعین، صراط الذین انعمت علیھم، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین میں یہی تمام باتیں پائی جاتی ہیں، حدیث کے باقی اجزاء کہ "جو کچھ سورۂ حمد میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ سب بائے بسم اللہ میں ہے" اس کی تاویل کا علم راسخون فی العلم کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے، البتہ "انا النقطۃ التی تحت الباء" کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالق کی ربوبی شان کا مظہر ذات علیؑ ابن ابی طالب ہے اور یہی کل قرآن کا مظہر ہے۔

قرآن کریم اور دنیا کے دوسرے دستوروں کا ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ دستور کا موضوع اصلاح حیات ہوتا ہے تعلیم کائنات نہیں یعنی قانون سازی کی دنیا سائنس کی لیبارٹی سے الگ ہوتی ہے۔ مجلس قانون ساز کے فارمولے اصلاح حیات کرتے ہیں اور لیبارٹی کے تحقیقات انکشاف کائنات ــ اور قرآن مجید میں یہ دونوں باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں۔ وہ اپنی وحی کے آغاز میں "اقرأ" "علّم" بھی کہتا ہے اور "خلق الانسان من علق" بھی کہتا ہے یعنی اس میں اصلاح حیات بھی ہے اور انکشاف کائنات بھی" اور یہ اجتماع اس بات کی طرف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ تحقیق کے اسرار سے ناواقف، کائنات کے رموز سے بے خبر کبھی حیات کی صحیح اصلاح نہیں کر سکتے۔ حیات کائنات کا ایک جزء ہے۔ حیات کے لوازم و ضروریات کائنات کے اہم مسائل ہیں، اور جو کائنات ہی سے بے خبر ہوگا وہ حیات کی کیا اصلاح کرے گا۔ اسلامی قانون تربیت کا بنانے والا رب العالمین ہونے کے اعتبار سے عالم حیات بھی ہے اور عالم کائنات بھی۔ تخلیق، علم کائنات کی دلیل ہے اور تربیت، علم حیات و ضروریات کی۔

عناصر تربیت

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم شانِ ربوبیت کا مظہر اور اصول و آئین تربیت کا مجموعہ ہے تو اب یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ صحیح و صالح تربیت کے لیے کن عناصر کی ضرورت ہے اور قرآن مجید میں وہ عناصر پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

تربیت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: تربیت جسم، تربیت روح۔

تربیت جسم کے لیے ان اصول و قوانین کی ضرورت ہوتی ہے جو جسم کی بقا کے ضامن اور سماج کی تنظیم کے ذمہ دار ہوں ــــ اور تربیت روح کے لیے ان قواعد و ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کر سکیں، اس کے ذہن کے دریچوں کو کھول سکیں اور سینے کو اتنا کشادہ بنا سکیں کہ وہ آفاق میں گم نہ ہو سکے بلکہ آفاق اس کے سینے کی وسعتوں میں گم ہو جائیں "وفیک انطوی العالم الاکبر" اے انسان! تجھ میں ایک عالم اکبر سمٹا ہوا ہے۔

اب چونکہ جسم و روح دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق اور غیر مربوط نہیں ہیں، اس لیے یہ غیر ممکن ہے کہ جسم کی صحیح تربیت روح کی تباہی کے ساتھ یا روح کی صحیح تربیت جسم کی بربادی کے ساتھ ہو سکے بلکہ ایک کی بقا و ترقی کے لیے دوسرے کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے یہ دونوں ایسی مربوط حقیقتیں ہیں کہ جب سے عالم مادیات میں قدم رکھا ہے دونوں ساتھ رہی ہیں اور جب تک انسان ذی حیات کہا جائے گا دونوں کا رابطہ باقی رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جب اتحاد اتنا مستحکم اور پائدار ہو گا تو ضروریات میں بھی کسی نہ کسی قدر اشتراک ضرور ہو گا اور ایک کے حالات سے دوسرے پر اثر بھی ہو گا۔

ایسی حالت میں اصولِ تربیت بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں جن میں دونوں کی منفرد اور مشترک دونوں قسم کی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ وجود انسانی میں اصل روح ہے اور فرع مادہ۔ ارتقائے روح کے لیے بقائے جسم اور شفقت جسمانی ضروری ہے لیکن اس لیے نہیں کہ دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہے بلکہ اس لیے

کہ ایک اصل ہے اور ایک اس کے لیے تمہید و مقدمہ۔

جسم و روح کی مثال یوں بھی فرض کی جاسکتی ہے کہ انسانی جسم کی بقا کے لیے غذاؤں کا استعمال ضروری ہے۔ لباس کا استعمال لازمی ہے، مکان کا ہونا ناگزیر ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غذا و لباس و مکان کا مرتبہ جسم کا مرتبہ ہے۔ بلکہ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ جسم کی بقا مطلوب ہے اس لیے ان چیزوں کا مہیا کرنا ضروری ہے۔ بالکل یہی حالت جسم و روح کی ہے، روح اصل ہے اور جسم اس کا مقدمہ۔

جسم اور اس کے تقاضوں میں انسان و حیوان دونوں مشترک ہیں لیکن روح کے تقاضے انسانیت اور حیوانیت کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب تک روح انسان و حیوان کے درمیان حد فاصل بنی رہے گی اس کی عظمت و اہمیت مسلّم رہے گی۔

بہر حال دونوں کی مشترک ضروریات کے لیے ایک مجموعہ قوانین کی ضرورت ہے، جس میں اصول بقا و ارتقا کا بھی ذکر ہو اور ان اقوام و ملل کا بھی تذکرہ ہو جنھوں نے ان اصول و ضوابط کو ترک کر کے اپنے جسم یا اپنی روح کو تباہ و برباد کیا ہے۔ اس کے بغیر قانون تو بن سکتا ہے لیکن تربیت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ اصلاح و تنظیم کو صرف اصول و قوانین کی ضرورت ہے لیکن تربیت روح و دماغ کے لیے ماضی کے افسانے بھی درکار ہیں، جن میں بداحتیاطی کے مرقع اور بدپرہیزی کی تصویریں کھینچی گئی ہوں۔ قرآن مجید میں احکام و تعلیمات کے ساتھ قصوں اور واقعات کا فلسفہ اسی تربیت اور اس کے اصول میں مضمر ہے۔

تربیت کے لیے مزید جن باتوں کی ضرورت ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ انسان کے قلب میں صفائی پیدا کی جائے۔

۲۔ اس کے تصورِ حیات کو ایک خالق کے تصور سے مربوط بنایا جائے۔

۳۔ دماغ میں قوتِ تدبر و تفکر پیدا کی جائے۔

۴۔ حوادث و وقائع میں خوئے توکل ایجاد کی جائے۔

۵۔ افکار میں حق و باطل کا امتیاز پیدا کرایا جائے۔
۶۔ قانون کے تقدس کو ذہن نشین کرایا جائے۔
۷۔ اخلاقی بلندی کے لیے بزرگوں کے تذکرے دُہرائے جائیں۔
اور قرآن مجید کے مختلف القاب میں یہی عناصر کار فرما نظر آتے ہیں۔
وہ قوانین کے مجموعہ کے اعتبار سے کتاب ہے اور صفائے قلب کے انتظام کے لحاظ سے نور۔
قوت تدبّر کے اعتبار سے وحی مرموز ہے اور خوئے توکل کے لحاظ سے آیات محکمات و متشابہات۔
تصورِ خالق کے لیے تنزیل ہے اور تقدس قانون کے لیے قول رسول کریم۔
امتیاز حق و باطل کے لیے فرقان ہے، اور بلندیٔ اخلاق کے لیے ذکر و تذکرہ۔
ان اوصاف سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نہ تصنیف ہے نہ دستور، وہ اصول تربیت کا مجموعہ اور شان ربوبیت کا مظہر ہے، اس کا نازل کرنے والا کائنات سے مافوق، اس کے اصول کائنات سے بلند اور اس کا انداز بیان کائنات سے جداگانہ ہے۔
یا مختصر لفظوں میں یوں کہا جائے کہ قرآن اگر کتاب ہے تو کتاب تعلیم نہیں بلکہ کتاب تربیت ہے۔ اور اگر دستور ہے تو دستور حکومت نہیں ہے بلکہ دستور تربیت ہے۔ اس میں حاکمانہ جاہ و جلال کا اظہار کم ہے اور مربیانہ شفقت و رحمت کا مظاہرہ زیادہ۔ اس کا آغاز بسم اللہ رحمت سے ہوتا ہے قہر ذوالجلال سے نہیں۔ اس کا انجام استعاذۂ رب الناس پر ہوتا ہے جلال قہار و جبار پر نہیں۔
دستورِ حکومت کا موضوع اصلاح زندگی ہوتا ہے۔ اور دستورِ تربیت کا موضوع استحکام بندگی۔ استحکام بندگی کے بغیر اصلاح زندگی کا تصور ایک خیالِ خام ہے اور بس!
قرآن مجید کے دستور تربیت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اس کی تنزیل ہے کہ وہ حاکمانہ جلال کا مظہر ہوتا تو اس کے سارے احکام یکبارگی نازل ہو جاتے اور عالم انسانیت

پر ان کا امتثال فرض کر دیا جاتا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ پہلے دل و دماغ کے تصورات کو پاک کرنے کے لیے عقائد کی آیتیں نازل ہوئیں، اس کے بعد تنظیم حیات کے لیے عبادات و معاملات کے احکام نازل ہوئے، جب تربیت کے لیے جو بات مناسب ہوئی کہہ دی گئی، جو واقعہ مناسب ہوا سُنا دیا گیا، جو قانون مناسب ہوا نافذ کر دیا گیا۔ جیسے حالات ہوئے اسی لہجہ میں بات کی گئی جو تربیت کا انتہائی اہم عنصر اور شان تربیت کا انتہائی عظیم الشان مظہر ہے۔

تنزیل قرآن

قرآن مجید نے اپنی وحی کے بارے میں دو قسم کے بیانات دیے ہیں:

۱۔ "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر"۔ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

"انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ"۔ ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے۔

"شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن"۔ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔

"نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک"۔ اس قرآن کو روح الامین لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں۔

۲۔ "وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبت بہ فوادک ورتلناہ ترتیلا ولا یأتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا"۔ (فرقان - ۳۲) کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل ہو گیا۔ انھیں کہنے دو۔ ہم تو دھیرے دھیرے اسی لیے نازل کرتے ہیں کہ تمہارا دل بھی مضبوط رہے اور بات بھی صاف اور واضح ہو جائے۔ یہ کوئی بھی مثل لے آئیں ہم اس کا حق تمھیں پہلے دے چکے ہیں اور زیادہ واضح طریقہ پر دے چکے ہیں۔

"ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ"۔ میرے رسول! قرآن کے بیان میں جلدی نہ کرنا جب تک کہ وحی مکمل نہ ہو جائے۔

پہلی قسم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ماہ رمضان کی مبارک اور ذیقدر رات میں یکبارگی نازل ہوا ہے۔ اور دوسری قسم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تنزیل تدریجی طور پر ہوئی ہے۔

انھیں آیات کو دیکھ کر ارباب علم کا ایک بڑا طبقہ کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور ان کے لیے اس عقدے کا حل کرنا ایک مسئلہ بن گیا۔ لیکن ہماری نظر میں ان آیات میں نہ کوئی اختلاف ہے اور

نہ اس کشمکش کو حل کرنے کے لیے کسی تاریخ و روایت سے مدد لینے کی ضرورت ہے اوپر کی آیتوں میں آخری آیت نے اس عقدے کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ رسول کریم کو پروردگار عالم نے عالم کون و مکان میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہے ان کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں مشیت کی ترجمانی کر کے ربوبیت کی جلوہ گری دکھائیں، اور عالم انسانیت کو ترقی کے آخری درجے تک پہونچائیں ــــ اور سفیر مملکت کی ہمیشہ دو نوعیتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ جب ملک سے روانہ ہوتا ہے تو اسے ملک کے جملہ قوانین کی آگاہی رہتی ہے، پورا دستور مملکت اس کی نگاہوں میں ہوتا ہے، سارے آئین دولت اسے بتا دیے جاتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ اس کا فرض ہوتا ہے کہ ہر مسئلے میں حکومت کی طرف رجوع کرتا رہے، اور ہر حادثے میں سلطنت کے احکام کا انتظار کرتا رہے۔ حکومت جس بات کو مناسب سمجھتی ہے سفیر کو اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے معلوم دستور میں سے اس دفعہ کو نافذ کر دیتا ہے ــــ فرق یہ ہے کہ دنیاوی حکومتوں کا سفیر دوسرے ممالک میں کام کرتا ہے، اس کی ذمہ داریاں صرف ایک قسم کی ہوتی ہیں یعنی وہ روابط و تعلقات سے متعلق احکام کو نافذ کرتا ہے اور اصلاح و تنظیم کے احکام سے اجنبی ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ملک کے اندر کام کرنے والے حکام پر ہوتی ہے۔ انھیں بھی آئین سلطنت معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ بھی تنفیذ قانون میں افسر اعلیٰ کے حکم کا انتظار کرتے ہیں، ایک پولیس کے آفیسر کو یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کن نازک مواقع پر فائرنگ کرا دی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فائرنگ میں مجسٹریٹ کے حکم کا انتظار کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قانون کا علم اور ہے اور قانون کے نافذ کرنے کا اختیار اور۔ اور جب یہ بات دنیا کی حکومتوں میں پائی جاتی ہے جہاں کے حکام تمام تر حکومت کے پرستار یا پابند نہیں ہوتے۔ وہ مخالفت بھی کر لیتے ہیں اور انھیں بغاوت کا اختیار بھی ہوتا ہے تو وہ سفیر جو حکومت کے اشاروں کا ایسا پابند ہو کہ بغیر اس کے اشارے کے بات نہ کر سکے، بغیر اس کی مشیت کے قدم نہ اٹھا سکے، بغیر اس کے حکم کے کوئی کام انجام نہ دے سکے اس کے یہاں یہ بات بطریق اولیٰ پائی جائے گی کہ وہ قوانین کو جانتے ہوئے بھی تنفیذ قانون میں حاکم کے حکم کا انتظار کرے۔

رسول اکرمؐ کی تقریباً یہی حیثیت تھی کہ وہ دستور اسلام سے مکمل طور پر واقف تھے۔ انھیں

قرآن دے کر بھیجا گیا تھا۔ پھر ان پر قرآن آئینی طور پر نازل کر کے ان کی رسالت و سفارت کا اعلان کرا دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ تنفیذ قانون میں حیثیت کے پابند تھے اور تدریجی طور پر نزول کا مطلب یہی تھا کہ جبریل امین آیات پڑھ کر سنایا کرتے تھے کہ آج اس آیت کا اعلان ہونا چاہیے، آج اس قانون کو نافذ ہونا چاہیے، آج اس حکم کی تعمیل ہونا چاہیے لیکن قدرت کو یہ اندازہ تھا کہ لوگ اس طرز نزول سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ رسول کو گویا دستور کا علم ہی نہیں تھا اس لیے اس نے نہایت ہی لطیف پیرائے میں اس نکتہ کی بھی وضاحت کر دی کہ میرے رسول وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن نہ پڑھنا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کو قرآن کا علم تھا لیکن وہ اس کی تنفیذ و تلاوت میں حکم الٰہی کے پابند تھے۔

رسول اکرمؐ کی حیثیت کا قیاس دنیا کے سفیروں پر صرف بطور مثال کیا جاتا ہے ورنہ رسول کی حیثیت دوسرے سفیروں سے بالکل مختلف ہوتی ہے، سفیر ہمیشہ اپنی مملکت کے باہر کام کرتا ہے یعنی سفارت کا عہدہ وہاں تفویض کیا جاتا ہے جہاں بادشاہ یا رئیس جمہور کا اقتدار محدود ہو۔ کچھ علاقے حدود مملکت کے اندر ہوں اور کچھ حدود مملکت سے باہر۔ باہر کے علاقوں میں سفیر کام کرتا ہے اور اندر کے علاقوں میں کمشنر، کلکٹر وغیرہ۔

اور رسول اکرمؐ جس حکومت کی ترجمانی کر رہے تھے اس کے حدود اقتدار سے کوئی علاقہ باہر نہیں تھا وہ بمقتضائے "بیدہ الملک" "لہ الملک" "الحمد للہ رب العلمین" ساری کائنات کا حاکم مطلق ہے۔ اس کے حدود مملکت سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے۔ اس لیے رسول کو صرف سفیر کی حیثیت نہیں دی جاسکتی بلکہ وہ ہمہ جہاتی نائب سلطنت ہے۔ وہ بیک وقت سفیر بھی ہے اور مدار المہام بھی۔ سلطان وقت بھی ہے اور نائب السلطنت بھی۔ بادشاہ بھی ہے غلام بھی۔ حاکم بھی ہے محکوم بھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب عہدہ دنیا کے تمام عہدوں سے الگ نوعیت رکھتا ہے تو اصول و آئین بھی ویسے ہی ہوں گے۔ اسی لیے خالق کائنات نے قرآن اور رسولؐ کے رشتے کو تین حصوں پر بانٹ دیا ہے، منزل علم۔ منزل اعلان۔ منزل تنفیذ۔

منزل علم میں اتنا کامل بنایا ہے کہ دنیا میں بھیجا تو کل قرآن کا علم دے کر۔ "ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب

والحکمۃ" وہ خدا وہ ہے جس نے اہلِ مکہ میں ایک رسول بھیجا جس کا کام تلاوت آیات، تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتاب و حکمت تھا۔

بعثت کے اصطلاحی معنی سے قطع نظر آیت صاف طور سے اعلان کر رہی ہے کہ قدرت نے رسول کو دنیا میں بھیجا تو انھیں مقاصد کی تکمیل کے لیے، اب ظاہر ہے کہ جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے لیے آئے گا وہ علم کتاب سے بے بہرہ نہیں ہو سکتا ہے۔

منزلِ علم درحقیقت منزلِ کمالِ عبدیت اور افاضہ ربوبیت ہے۔ اس منزل میں بندے کی صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے اور مالک کے فیضانِ کرم کا اعلان ــــ لیکن ظاہر ہے کہ اس منزل کو عہدہ و منصب سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ عہدہ و منصب کی شرط ہے اصل عہدہ نہیں ہے۔ اسی لیے جب خالق نے رسول کو اعتبارِ منصب کی منزل میں لانا چاہا جسے ہم منزلِ اعلان سے تعبیر کرتے ہیں تو سارا قانون جبریل امین کے ذریعے سینے پر اُتار دیا ــــ ظاہر ہے کہ ایک غیبی طاقت کے بھیجے ہوئے، غیبی طاقت کے لائے ہوئے اور غیبی محل پر اُتارے ہوئے قانون کی کائنات میں کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی لیکن آیت قرآن نے اس کا بھی اعلان کر دیا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دنیا رسول کی حیثیت کو پہچان لے اور نظام ربوبیت سے باخبر ہو جائے کہ یہاں عہدے کا اعلان اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک پورے دستور کے علم کا اعلان نہ ہو جائے۔ آدمؑ کو بھی منصب دیا گیا تھا لیکن علم کے اعلان کے بعد ــــ اور علی ابن ابی طالبؑ نے بھی اپنے منصب نیابت رسولؐ کو پہنچوایا ہے لیکن آغوشِ رسالت میں تلاوتِ قرآن کے بعد۔

یہاں تک تو یہ بات واضح ہو گئی کہ منزلِ اعلانِ منصب کے لیے منزل اعلان علمِ دستور میں لانا ضروری ہے لیکن اس کے بعد ایک دوسری غلط فہمی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور وہ یہ کہ رسول منصب پانے کے بعد مطلق العنان ہو جاتا ہے اور اس کا حکومت سے رشتہ قطع ہو جاتا ہے اب وہ ہوتا ہے اور قانون ــــ اس کے اختیارات ہوتے ہیں اور دستور کے دفعات۔

قرآن مجید نے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھا اور اپنی تدریجی تنزیل کا اعلان کر کے اس بات کو واضح کر دیا کہ رسول مشیت کا تابع اور حکومت کا مکمل ترجمان ہوتا ہے وہ کوئی قانون اس وقت تک نافذ نہیں کر سکتا جب تک حکومت کا اشارہ نہ مل جائے، اس کی اصلاح اپنی صواب دید

پر نہیں ہوتی بلکہ حاکم کی مصلحت پر ہوتی ہے۔ اس کی تنفیذ اپنے اختیار سے نہیں ہوتی بلکہ مالک کی مشیت سے ہوتی ہے۔۔ اس بات کی وضاحت کا منشا یہ تھا کہ قانون کا تقدس محفوظ رہے اور "قانون سازی" کی منزل سے "تنفیذ کی منزل" تک کسی مقام پر غیر خدا کا دخل نہ ہونے پائے تاکہ یہی بات اسلام کی عظمت اور قرآن کی بلندی کی دلیل بن جائے۔

افسوس یہ ہے کہ ملت اسلامیہ نے اس نکتے کو فراموش کر دیا اور تنفیذ سے لے کر تعبیر تک اور تعبیر سے لے کر ترمیم تک جملہ اختیارات اسلامی حکام کے حوالے کر دیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا تقدس دستور کی عظمت خاک میں مل گئی اور آج دنیا کو اسلامی آئین پر انگشت نمائی کا غیر متوقع طور پر موقع ہاتھ آگیا!

قرآن مجید کی دفعی اور تدریجی شانِ نزول کا اندازہ اس کے الفاظ سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے نزول کو کسی مقام پر انزال سے تعبیر کیا ہے اور کسی جگہ پر تنزیل سے۔ انزال کا استعمال عام طور سے دفعی نزول کے موقع پر ہوتا ہے اور تنزیل کا استعمال تدریجی نزول پر، اور یہی وجہ ہے کہ عموماً جہاں جہاں انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں کل قرآن کا اثر بیان کیا گیا ہے، اور جہاں جہاں تنزیل کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں تدریجی نزول کے اثرات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب خالق کائنات نے سارا قرآن اپنے رسولؐ پر اُتار دیا تھا تو بیک وقت سب کا اعلان کیوں نہ کرا دیا، یا اپنے رسولؐ ہی سے سارا قرآن مرتب کرا کے اسے کتابی شکل میں کیوں نہ پیش کرا دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو آج نہ تحریف کے جھگڑے ہوتے نہ ترتیب کے اختلافات۔ نہ شانِ نزول کے تعین میں تضاد ہوتا اور نہ مفہوم و مطلوب کی الگ الگ تعبیریں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تدریجی بیان و اعلان نے قرآن کی شانِ تربیت کو محفوظ کر کے اسے دستورِ حکومت سے الگ کر دیا ہے۔ کہ وہ ایک وقت میں مرتب کر کے پیش کر دیا جاتا تو وہ کتاب یا دستور تو ضرور کہہ دیا جاتا لیکن اس میں جو تدریجی طور پر تربیت کا انداز پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جاتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ قرآن جہاں امت اسلامیہ کو دستورِ زندگی

دے رہا تھا وہاں طریقۂ تربیت بھی سکھا رہا تھا تاکہ تنزیل کے بعد جب تربیت عالم کا کام اسلام کے ذمہ داروں کے حوالے ہو تو انھیں یہ معلوم رہے کہ قرآن نے خود ان کی ذہنی تربیت کس طرح کی ہے۔ ایک جاہل معاشرہ، ایک متعصب سماج اور ایک سرکش انسان کی تربیت کے لیے جو اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ استعمال ہو سکتا تھا قرآن نے اسی کو استعمال کیا ہے ۔ مکہ میں تیرہ سال تک برابر اصول وعقائد کی تعلیم ہوتی رہی تاکہ ذہن میں استحکام اور دل میں حقائق کی قبولیت اور مصائب سے مقابلہ کا جذبہ پیدا ہو، اس کے بعد مدینہ میں آکر موقع موقع سے اعمال و افعال، عبادات و معاملات کی تعلیم دی جاتی رہی تاکہ عقائد کا اظہار بھی ہوتا رہے اور عبادات سے عقائد کا تذکرہ بھی ہوتا رہے۔

قرآن مجید کی تدریجی تنزیل سے جہاں یہ فائدہ ہوا ہے کہ امت دھیرے دھیرے اسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہو گئی۔ اس کے دل و دماغ پر کوئی خاص بوجھ نہیں پڑا وہاں ایک مشکل یہ بھی پیدا ہو گئی ہے کہ ہر آیت کا ایک پس منظر اور ماحول بن گیا ہے جس ماحول میں اس آیت کا اعلان ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس ماحول کو آیت کے مفہوم میں یقیناً دخل تھا ورنہ آیت کو اس موقع پر نازل نہ کیا جاتا اور کسی دوسرے موقع پر نازل کر دیا جاتا لیکن مشکل یہ ہوئی کہ قرآن کو سینے سے لگانے والی امت نے ان تمام حالات و واقعات کو محفوظ نہیں کیا۔ یا اس لیے کہ اسے ان تمام حالات کی خبر ہی نہ تھی اور یا اس لیے کہ اس نے ان واقعات و حالات کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب بعد والی نسل نے آیات کے تیوروں میں واقعات کی جھلک دیکھی اور اسے تاریخ میں واقعہ نہ مل سکا تو اس نے اپنے ذاتی عقائد کی روشنی میں ماحول کا تعین کرنا شروع کر دیا، جس سے عداوت تھی اسے آیات عذاب کا پس منظر بنا دیا اور جس سے محبت تھی اسے آیات رحمت کے ماحول میں داخل کر دیا ۔ ایسا نہ ہوتا تو " من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ " کی آیت کو قاتل مولائے کائنات ابن ملجم کی طرف نہ موڑا جاتا اور " انک لا تھدی من احببت " کو جناب ابوطالب سے متعلق نہ کر دیا جاتا۔

مولائے کائنات علیؑ ابن ابی طالب نے اسی خطرے کا احساس کرتے ہوئے اپنے علم قرآن کا اعلان ان الفاظ میں کیا تھا کہ کوئی آیت قرآن ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھ

یہ نہ معلوم ہو کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی ہے، کب نازل ہوئی ہے، کیوں کر نازل ہوئی ہے اور کس انداز سے نازل ہوئی ہے۔

بظاہر حضرت علیؑ کے اس کلام کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آیت کے ماحول و پس منظر کے جاننے یا نہ جاننے سے خود علم قرآن پر کیا اثر پڑتا ہے لیکن قرآن کی تدریجی تنزیل اور اس کے دستور تربیت ہونے کی مصلحت پر غور کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ شانِ نزول کا معلوم ہونا علم قرآن کا سب سے بڑا عنصر ہے۔ جسے ان حالات کی اطلاع نہیں ہے اسے مزاج قرآن کی خبر ہی نہیں ہو سکتی ہے۔

شانِ نزول کے تعین میں ایک بڑا اختلاف اس لیے بھی پیدا ہوا ہے کہ صدر اسلام کے ناخواندہ مسلمانوں نے آیت کو سننے کے بعد اس بات پر غور کرنا شروع کر دیا کہ یہ آیت آج کیوں نازل ہوئی ہے اور جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو ہر شخص نے اس دن کے نئے واقعے کو شانِ نزول سمجھ لیا اور اس طرح روایات میں عظیم اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی نے اپنے بچے کی ولادت کو آیتِ بشارت کا موضوع سمجھ لیا اور کسی نے اپنے دشمن کی وفات کو۔ کسی نے اپنے خانگی اختلاف کو آیتِ عذاب کا موضوع قرار دے لیا اور کسی نے سماجی جھگڑوں کو۔

بہر حال تدریجی قرآن کے مصالح کچھ بھی کیوں نہ رہے ہوں اس نزول نے آیات کے مفہوم پر اتنا اثر ضرور ڈالا ہے کہ کسی بھی آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کو دیکھنا ضروری ہو گیا ہے، اور مفسرین کے اختلافات کا نوے فیصدی حصہ اسی شان نزول سے غفلت میں مضمر ہے۔ کسی موضوع کے بارے میں ایک مرتبہ ممانعت آ گئی اور دوبارہ تھوڑے عرصے کے بعد حکم آیا تو ظاہر ہے کہ یہ حکم صرف ممانعت کے رفع کرنے کے معنی میں ہو گا۔ لیکن سابق کی ممانعت سے غافل مفسر نے اسے وجوب کے معنی میں لے لیا اور اس طرح شانِ نزول کی مدخلیت نے ایک عظیم اختلاف پیدا کرا دیا۔ ائمہ اہلبیتؑ کی اکثر روایتوں میں یہ فقرہ ملتا ہے کہ "یہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے" یہ درحقیقت اسی شانِ نزول کی طرف اشارہ ہے جسے تعیین مفہوم میں بڑی حد تک دخل حاصل ہے، ورنہ آیت میں اصلاح کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (آیت اور ماحول کی مفصل بحث تفسیر و تحریف کے سلسلے میں بیان کی جائے گی)۔

تنزیل قرآن کے برکات

یوں تو ہر آسمانی صحیفہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا ہے تو اپنے ساتھ ہدایات وبرکات لے کر آتا ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کا مطالعہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ کسی صحیفہ کے برکات کا مقابلہ تنزیل قرآن کے برکات سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تنزیل قرآن کی سب سے پہلی برکت اور قرآن کریم کا عالم بشریت پر سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ اس نے تقریباً پانچ سو برس کے بعد پھر زمین وآسمان کے رشتوں کو جوڑ دیا۔ جناب عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کے بعد سے ہادیوں کا سلسلہ ضرور باقی رہا، زمین پر حجت خدا کا وجود ضرور رہا، اوصیا جناب عیسیٰ تبلیغ دین حنیف ضرور کرتے رہے لیکن وہ سلسلہ مسدود تھا جس سے زمین وآسمان کا رابطہ اور اتصال قائم ہوتا ہے، شریعت عیسیٰ کی تبلیغ ہو رہی تھی لیکن وحی کے رشتے ٹوٹ چکے تھے، کوئی ایسا انسان نہیں تھا جس پر وحی نازل ہوتی اور جس کی کسی وحی کا تذکرہ آج تاریخ قرآن میں ملتا ہو۔

پانچ سو برس تک یہ سلسلہ برقرار رہا۔ پانچ سو برس کے بعد حضور سرور کائنات اس دنیا میں تشریف لائے، آپ اپنے کمال نفس اور پاکیزگی کردار کی بنا پر ہر وقت مبدأ اعلیٰ سے متصل تھے لیکن اس کے باوجود آپ پر کوئی ظاہری وحی نازل نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ ایک دن ملک نے پیغمبرانہ عظمت کا اعلان کرتے ہوئے آواز دی "اقرأ باسم ربك الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔" یعنی وحی ظاہری کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسی آغاز وحی کا نام "تنزیل قرآن" قرار پا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ انجیل کے بعد عالم بشریت برکات وحی سے محروم تھا۔ تنزیل قرآن نے پہلے پہل عالم بشریت کو اس وحی سے روشناس کرایا اور زمین وآسمان

کے رشتے کو متصل کیا۔

عالم بشریت پر قرآن کا یہ احسان کچھ کم نہ تھا کہ وحی نے ایک اور احسان کا اضافہ کر دیا اور وہ تھی وحی کی نوعیت۔ آسمانی پیغام کا آجانا ہی کیا کم تھا کہ پیغام بھی علم و قرات کا پیغام آیا جس سے معلوم ہوا کہ آج کی وحی دنیا کو علم و فہم کے جوہر عطا کرنے آئی ہے اور سوئی ہوئی دنیا کو بیدار کر کے اسے زیور علم و ہنر سے آراستہ کرنے آئی ہے۔

تنزیل قرآن کی دوسری برکت اور الٰہی پیغام کا دوسرا احسان یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے پہلے پہل سارا عالم بشریت الوہیت کا مخاطب قرار پایا۔ قرآن مجید اور تواریخ نے دیگر انبیاء کے پیغامات کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن ان پیغامات میں مخاطب عموماً ان کے دور کے افراد اور ان کی قوم کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے پہلے پہل "یا ایھا الناس" کی آواز بلند کی اور سارے عالم انسانیت کو مخاطب بننے کا شرف حاصل ہوا۔ غور کیا جائے تو قرآن مجید کا یہ احسان عالم انسانیت کے لیے ناقابل فراموش ہے۔ قرآن مجید نے جس انداز سے انبیاء کی دعوت کا تذکرہ کیا ہے اس کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے:

جناب ابراہیمؑ ـ "اذ قال لابیہ وقومہ ما تعبدون" ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ (شعراء ۷۰)

جناب نوحؑ ـ "کذبت قوم نوح ن المرسلین اذ قال لھم اخوھم نوح الا تتقون" جناب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم پرہیزگار کیوں نہیں بنتے تو انھوں نے ان کی تکذیب کر دی۔ (شعراء ۱۰۶)

جناب ہودؑ ـ "کذبت عاد ن المرسلین اذ قال لھم اخوھم ھود الا تتقون" جناب ہودؑ نے قوم عاد کو دعوت تقویٰ دی تو انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ (شعراء ۱۲۴)

جناب صالحؑ ـ "کذبت ثمود ن المرسلین اذ قال لھم اخوھم صالح الا تتقون" جناب صالحؑ نے قوم ثمود کو دعوت تقویٰ دی تو انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ (شعراء ۱۴۲)

جناب لوطؑ ـ "کذبت قوم لوط ن المرسلین اذ قال لھم اخوھم لوط الا تتقون" جناب لوطؑ نے قوم کو دعوت تقویٰ دی تو انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ (شعراء ۱۶۱)

جناب شعیبؑ ـ "کذب اصحٰب الئیکة المرسلین اذ قال لھم شعیب ألا تتقون۔" جناب شعیبؑ نے دعوت تقویٰ دی تو اصحاب الأیکہ نے انکار کر دیا۔ (شعراء ۱۷۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین نے جب بھی عبادت و تقویٰ کی دعوت دی ہے تو ان کا روئے سخن ان کی قوم یا ان کے قبیلے کی طرف تھا اور اگر کبھی ان کی زبان پر یا ایھا الناس آیا بھی ہے تو مقام تعلیم میں نہیں مقام اعلان فضیلت میں۔ یہ قرآن کریم ہی کا کرم تھا کہ اس نے دعوت عبادت و تقویٰ کو عام کر کے سارے عالم انسانیت کو مخاطب بنا لیا اور اعلان کر دیا "یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ۵ (اے انسانو! اس خدا کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے پہلے والوں کو بھی پیدا کیا ہے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ)۔

خطاب کا انداز ہی بتا رہا ہے کہ اس کا تعلق کسی ایک قوم یا دور سے نہیں ہے بلکہ تمام وہ انسان جو اس دور کے انسانوں کی طرح مخلوق ہیں اور از خود پیدا نہیں ہوئے وہ سب اس دعوت و پیغام میں برابر کے شریک ہیں۔

قرآن مجید کا تیسرا احسان یہ ہے کہ یہ عالم بشریت کا پہلا صحیفہ ہے جس میں انسانی ضروریات زندگی کا لحاظ رکھتے ہوئے پوری حیات کا دستور پیش کیا گیا ہے۔ اس کے قبل کے صحیفوں میں ایک دور کے چند افراد و اقوام کی تنظیم کی تعلیم تو ملتی ہے لیکن زندگی کے تمام شعبوں اور انسانیت کی جملہ ضرورتوں پر محیط کوئی تعلیم نہیں ملتی۔ انجیل میں خود مسیح کا قول ہے کہ "میں قوم کے جانوروں کو ہدایت دینے کے لیے آیا ہوں"۔ ظاہر ہے کہ جانور قوم کے لیے جو ضابطہ پیش کیا جائے گا وہ عالم انسانیت کے لیے مفید نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب عالم انسانیت نے ترقی کر کے بشریت کی سرحد میں قدم رکھ دیا تو مسیح کا قانون منسوخ ہو گیا اور قرآن کا وہ ابدی قانون نافذ ہو گیا جو ہمیشہ انسانیت کی اصلاح کرتا رہے گا۔

قرآن مجید کا چوتھا احسان یہ ہے کہ اس نے جہاں ایک طرف اصلاح حیات میں علم و عمل کی دعوت دی ہے وہاں دوسری طرف تعلیم کائنات کے فریضے کو بھی انجام دیا ہے۔ اس کے

قبل نازل ہونے والے صحیفوں میں اصلاحِ زندگی کا سلسلہ تو تھا لیکن مسائلِ کائنات کا حل نہیں تھا۔ قرآن ایک ابدی قانون بن کر آیا تھا اس لیے اس نے اپنے دامن میں مسائلِ کائنات کو بھی جگہ دے دی تاکہ ہر دورِ ارتقا میں اس کی عظمت مُسلّم رہے اور ہر دور کا انسان اس کی بلندیوں کے سامنے سرنگوں رہے، کسی زمانے کا انسان یہ نہ سوچنے پائے کہ قرآن کی نظر ہمارے زمانے پر نہیں تھی یا اس کا قانون آج کے حالات پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی علمی وسعتوں کا اندازہ آئندہ مباحث سے کیا جا سکتا ہے!

قرآن اور علم

قرآن اور علم کے رشتے کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ قرآن عالم انسانیت کی رہبری کے لیے آیا ہے اور عالم انسانیت کا کمال وجوہر علم و دانش ہی سے کھلتا ہے۔ قرآن نے رسول اکرمؐ کی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ رسول کو تعلیم کتاب کے لیے بھیجا گیا ہے۔ "یعلمھم الکتاب" اور کتاب کی تعریف میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ۔ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو اس کتاب مبین میں نہ موجود ہو۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول عالم انسانیت کو ہر خشک و تر کی تعلیم دینے آیا تھا۔

اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے اپنی تنزیل کا آغاز لفظ اقرأ سے کیا ہے اور انجام علّم الانسان مالم یعلم پر کیا ہے یعنی تنزیل قرآن کا مقصد قرات ہے اور اللہ نے انسان کو ہر اس بات کی تعلیم دے دی ہے جو اسے نہیں معلوم تھی۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جو رسول اتنی جامع کتاب کی تلاوت و تعلیم کے لئے آیا ہو وہ کتاب سے بے خبر یا تعلیم سے بیگانہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ اسلامی روایات کا بہت بڑا ظلم ہے کہ انھوں نے تنزیل قرآن کے روایات میں سرکار دو عالم کی جہالت بھی شامل کر دی، حالانکہ لفظ اقرأ کا وجود ہی اس امر کے اثبات کے لیے کافی تھا کہ رسول قرات سے باخبر تھے ورنہ حکم قرات لغو ہو جاتا اس لیے کہ جبریل بحیثیت رسول کے وحی لے کر آئے تھے، اسکول کے کسی بچے کو تعلیم دینے نہیں آئے تھے، واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ مدرس بچے سے بھی کہتا ہے کہ پڑھو جب کہ وہ پڑھنے سے ناواقف ہوتا ہے اور ملک رسول سے بھی کہہ رہا ہے کہ پڑھو جب کہ وہ تعلیم کتاب کے لیے رسول بنایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک بچے اور رسول میں فرق ہوگا تو دونوں جگہ قرات کا تصور بھی الگ الگ ہوگا اور اگر رسول رسالت کے باوجود طفل مکتب اور غار حرا کوئی مدرسہ ہوگا تو جبریل

یقیناً الف۔ ب کی تعلیم دینے آئے ہوں گے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن مجید نے خود ہی رسول کو جاہل قرات وکتابت ثابت کیا ہے تو ہم کہاں سے علم و دانش پر ایمان لے آئیں۔ ارشاد ہوتا ہے "وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولاتخطہ بیمینک اذاً لارتاب المبطلون" آپ اس قرآن سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے ورنہ اہل باطل شبہ میں پڑجاتے۔۔ اور قرآن کو کسی مدرسہ کی تعلیم کا نتیجہ قرار دے دیتے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علماء اسلام نے آیت کے کس لفظ سے رسول کی جہالت کا اندازہ کیا ہے، جب کہ قرآن نے صاف لفظوں میں پڑھنے اور لکھنے کی نفی کی ہے ان دونوں کے جاننے کی نفی نہیں کی ہے بلکہ آگے چل کر اسی سے ملی ہوئی دوسری آیت میں رسول کے علم کی وضاحت بھی کردی ہے "بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" بلکہ یہ قرآن چند آیات بیّنات کا نام ہے جنھیں ان صاحبان علم کے سینوں میں رکھ دیا گیا ہے جنھیں علم دیا گیا ہے۔۔ کیا آیت سے صاف واضح نہیں ہوتا کہ قرآن نے پہلے پڑھنے لکھنے کی نفی کی اور اس کے بعد علم کا اثبات کر دیا۔ یعنی علم قرآن پہلے بھی تمہارے سینے میں تھا لیکن ہم نے تمھیں لکھنے پڑھنے سے روک رکھا تھا تاکہ اہل باطل شبہ میں نہ پڑجائیں اور انھیں سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں شکوک پیدا کرنے کا موقع نہ ملے۔

قیامت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ تنزیل قرآن کے بعد بھی رسول کو قرات وکتابت سے جاہل ہی تصور کرتا ہے اور اسی بنیاد پر دربار رسالت میں کاتبان وحی اور کاتبان خطوط و رسائل کی ضرورت محسوس کرتا ہے حالانکہ تاریخ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ زندہ ثبوت ہے کہ رسول اکرمؐ عالم قرات وکتابت تھے ورنہ اگر عالم قرات نہ ہوتے تو رسول اللہ کے بجائے کوئی دوسرا لفظ کاٹ دیتے اور اگر عالم کتابت نہ ہوتے تو ابن عبداللہ کے بجائے کچھ اور لکھ دیتے۔

میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ رسول کی جہالت کا افسانہ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے گڑھا گیا ہے کہ حضورؐ نے آخری وقت میں قلم و دوات کا مطالبہ کیا تھا تاکہ امت کی نجات کے لیے نوشتہ لکھ جائیں اور امت کے بعض جاننے پہچاننے لوگوں نے آپ کے حکم کو ہذیان قرار دے کر

قوم کو قلم و دوات دینے سے روک دیا تھا۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ رسول کو جاہل کتابت ثابت کر دیا تو کتابت کے لیے کاغذ و قلم مانگنے کو ہذیان آسانی کے ساتھ کہا جاسکے گا ورنہ امت اسلامیہ رسول پر تہمت ہذیان رکھنے والوں کے بارے میں بھی کچھ فیصلہ کر سکتی ہے ؟

بہر حال علمی دنیا کی آفاقی وسعتوں پر قرآن مجید کے احسانات کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ آسمانی کتابوں کی آخری کتاب یعنی انجیل مقدس اپنی قوم کو بنی اسرائیل کی بھیڑوں سے تعبیر کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قوم کی ذہنی سطح بھیڑوں کی سطح ذہن جیسی ہو گی اسے علوم و معارف کے وہ خزانے نہیں دیے جا سکتے جو یا ایہا الناس کی مصداق قوم کو دیے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج سے دو صدی قبل تک مسیح کے پرستاروں اور کلیسا کے ٹھیکیداروں نے جدید تحقیقات کی شدید مخالفت کی ہے اور حرکت زمین، قوت جذب جیسی حقیقتوں کے انکشافات کرنے والوں کو سخت سزاؤں کا اہل قرار دیا ہے جب کہ قرآن مجید نے آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل اس وقت کے ذہن کی برداشت کا لحاظ کرتے ہوئے دو دو لفظوں میں دنیا کے ہر بڑے علم کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور آنے والی ترقی یافتہ انسانیت کے لیے سمندر کو کوزہ میں بند کر کے پیش کر دیا تھا۔ اب ترقی یافتہ انسان قرآن کی ان آیتوں کو پڑھے اور سر دھنتا رہے کہ اگر یہ کتاب آسمانی کتاب نہ ہوتی، اگر اس کے پیغامات ابدی پیغامات نہ ہوتے تو چودہ صدی قبل کے جاہل عرب معاشرے کے سامنے ان حقائق و معارف کے پیش کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ قرآن مجید نے مختصر الفاظ میں جن علوم کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا اجمالی خاکہ یہ ہے :

۱۔ علم ذرہ : "وما یعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔" (زمین و آسمان کی ذرہ برابر چیز یا اس سے کم و زیادہ بھی اللہ کی نظروں سے بعید نہیں ہے، اس نے سب کو کتاب مبین میں جمع کر دیا ہے۔)

آیت میں ذرے کے ذکر کے ساتھ ثقل کا ذکر اور پھر ذرے میں زمین و آسمان کی عمومیت اس بات کی دلیل ہے کہ ذرے کا وجود صرف زمین پر نہیں ہے بلکہ آسمانوں پر بھی ہے

اور یہ وہ چیز ہے جہاں تک ابھی سائنس کی رسائی نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ ذرّے کے ساتھ اصغر و اکبر کا ذکر اس بات کا ثبوت ہے کہ ذرّے سے چھوٹی چیز کا تصور ممکن ہے اور اس کا وجود واقع بھی ہے بلکہ علم خدا میں محفوظ بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ذرّے سے چھوٹی چیز ذرہ نہیں ہے اس لیے کہ اس پر بہرحال ذرے کا اطلاق ہوگا بلکہ ذرے سے چھوٹی چیز وہی کہربائی موجیں ہیں، جنھیں آج کی دنیا میں الکٹرون و پروٹون وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ قرآن کریم کی نظر اس سے زیادہ لطیف مادہ کی طرف ہو جسے اس نے اصغر کہہ کر چھوڑ دیا ہے اور لفظ موج کا استعمال نہیں کیا ہے۔

۲۔ علم طبیعت: "اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقناھما" (کیا کفار نے اس بات پر غور نہیں کیا ہے کہ سماوات و ارض آپس میں جڑے ہوئے تھے ہم نے ان دونوں کو الگ کیا ہے۔)

سماوات و ارض کے جڑنے اور الگ ہونے کا جو مفہوم بھی ہو، آیت نے علماء طبیعت کے ذہنوں کو اس امر کی طرف ضرور متوجہ کر دیا ہے کہ ہر آسمان اپنی زمین کے ساتھ یا ہر آسمان و زمین دوسرے آسمانوں اور زمینوں کے ساتھ مادہ اور طبیعت میں اتحاد رکھتے ہیں۔ فضا کے بدل جانے سے آثار میں فرق ہو سکتا ہے لیکن اصلی مادہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب دو چیزوں کو ایک ہی چیز سے الگ کیا جاتا ہے تو دونوں کے طبیعی مادہ میں اتحاد ہوا کرتا ہے۔ آپ ایک لوٹے پانی کو دو گلاسوں میں تقسیم کر دیجئے ایک کو آگ کے پاس رکھ دیجئے اور ایک کو برف کے پاس۔ ظاہر ہے کہ جگہ بدل جانے سے دونوں کے آثار میں فرق ہو جائے گا، ایک گلاس کا پانی ٹھنڈا ہوگا اور ایک کا گرم۔ لیکن اصلی طبیعت کے اعتبار سے دونوں پانی رہیں گے اور پانی کے طبیعی اور ذاتی آثار کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد رہے گا۔

۳۔ جغرافیہ: "ارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السماء ماءً فاسقیناکموھا وما انتم لہ بخازنین" (ہم نے ہواؤں کو ذریعہ تخم ریزی بنا کر آزاد کر دیا اور اس کے بعد پانی برسا دیا، پھر تم کو اس پانی سے سیراب کر دیا، حالانکہ تمھارے پاس اس کا خزانہ نہیں تھا۔)

دو: قدیم کے اہل جغرافیہ اس بات سے قطعی طور پر ناواقف تھے کہ ہواؤں کے مصرف

کیا کیا ہیں اور ان کا اثر کہاں کیا ہوتا ہے لیکن قرآن مجید نے عرب کو اس کے ذوق کے مطابق اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ ان ہواؤں سے تمہارے نرخمے کا مادہ مادہ خرمے تک پہونچ جاتا ہے اور پھر بارش کے اثر سے پیداوار شروع ہو جاتی ہے اور دور حاضر کو یہ سبق دیا کہ ہوا بادلوں کی دو وزنی برقی طاقتوں کو جمع کرتی ہے اور اس کے بعد پانی اسے زمین تک پہونچا دیتا ہے۔

۴ علم نبات: "ھو الذی انزل من السماء ماءً فاخرجنا به نبات کل شیئ" (وہی خدا وہ ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے اور اس کے بعد ہم نے اس پانی سے ہر نبات کو زمین سے نکال دیا ہے۔)

آیت کا کھلا ہوا اشارہ ہے کہ نبات کی پیداوار میں پانی کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور پانی کے آسمان سے نازل ہونے کی بھی پیداوار میں بڑی اہمیت ہے اس لیے کہ شدید گرمی سے فضا میں پیدا ہو جانے والی سمیت اور بجلیوں کی چمک سے پیدا ہونے والے نیٹروجن کو پانی زمین کے اندر پہونچا دیتا ہے تو زمین کی طاقتوں میں ایک قسم کا ابال آجاتا ہے اور اس طرح نبات کو طاقت ملنے کا بہترین ذریعہ نکل آتا ہے۔ اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو اثر بارش کے پہلے پانی میں ہوتا ہے وہ بعد کے سیلاب میں بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ پہلا پانی اپنے ساتھ فضا کے تمام اثرات کو لے کر آتا ہے اور بعد کے پانی کو اس قدر اثرات میسر نہیں ہوتے۔

۵ علم الحیوان: "أفلا ینظرون الی الابل کیف خلقت"۔ (آخر یہ لوگ اونٹ کو کیوں نہیں دیکھتے کہ اُسے کیسے پیدا کیا گیا ہے؟)

"ان الله لا یستحي ان یضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها" (اللہ کو چھوٹی سے چھوٹی مثال کے بیان میں شرم نہیں ہے چاہے وہ مچھر ہی کیوں نہ ہو۔)

"فبعث الله غراباً یبحث فی الارض" (اللہ نے کوّے کو بھیجا تاکہ زمین کھود کر قابیل کو دفن کا طریقہ سکھائے۔)

"یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنوده" (اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخ میں چلی جاؤ کہیں سلیمان کا لشکر تمہیں پامال نہ کر دے۔)

"واوحیٰ ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً" (اللہ نے شہد کی مکھی

کو تعلیم دی کہ وہ پہاڑوں میں گھر بنائے۔)

"الم تر کیف فعل ربك باصحٰب الفیل" (کیا تم نے اصحاب فیل کی حالت نہیں دیکھی کہ ان کے ہاتھی بھوسا ہو کر رہ گئے۔)

"وارسل علیھم طیراً ابابیل" (اللہ نے اڑتے ہوئے ابابیل کو بھیج دیا کہ ہاتھیوں کو تباہ کر دیں۔)

"وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت" (سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے)

مذکورہ بالا آیات میں مختلف مواقع پر یہ بتایا گیا ہے کہ اونٹ کی خلقت میں ایک خصوصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے حیوانوں میں نہیں ہے۔ مچھر میں ایک خصوصیت ہے جو ہاتھی میں نہیں ہے۔ کوا چیزوں کو چھپانے کے فن میں ماہر ہوتا ہے اسی لیے کسی نے کوّے کو اپنی مادہ سے جوڑا کھلتے نہیں دیکھا ہے۔ چیونٹی سیاست کے فن سے واقف ہوتی ہے اور وہ کمزوری کے مواقع پر محاذ چھوڑ دینے ہی کو مناسب سمجھتی ہے۔ شہد کی مکھی پہاڑوں میں رہ کر اپنے کام کو بہتر انجام دے سکتی ہے۔ ہاتھی میں کوئی ایسا جز بھی ہوتا ہے جو ایک کنکری سے اسے ہلاک کر سکتا ہے۔ ابابیل میں سنگ باری کی بہتر صلاحیت ہوتی ہے۔ مکڑی ظاہری حسن کے اعتبار سے بہترین گھر بناتی ہے لیکن اس کا باطن بہت کمزور ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ان آیتوں میں عالم بشریت کو تنبیہ کی تھی کہ جانور کو حقیر نہ سمجھے اس کی قوت برداشت انسان سے زیادہ ہوتی ہے۔ چھوٹے افراد کو ذلیل نہ سمجھو اس لیے کہ مچھر کی طاقت ہاتھی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اپنی سیاست اور اپنے مقابلہ پر ناز نہ کرو کہ تم سے بہتر سیاست جانور جانتے ہیں، اپنی صنعت پر نازاں نہ ہو کہ شہد کی مکھی جو شہد بنا لیتی ہے وہ تم نہیں بنا سکتے ہو، اپنے جثہ پر ناز نہ کرو کہ ہاتھی ابابیل سے ہلاک ہو سکتا ہے۔ اپنے دشمن کو کمزور نہ سمجھو کہ ابابیل ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ علم الحیوان کے عظیم نکتوں سے بھی آگاہ کر دیا اور درحقیقت یہی قرآن کا اعجاز بیان ہے کہ وہ ایک بات کہتے کہتے ضمناً دوسرے اہم نکتہ کی طرف اشارہ کر دیتا ہے اور مخاطب کا ذہن ادھر متوجہ بھی نہیں ہونے پاتا، پھر جب بعد کے زمانے میں وہ اس بات پر غور کرتا ہے تو اس کی عظمتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔!

۶۔ تاریخ طبیعی: "ما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" (زمین کا کوئی چلنے والا یا ہوا کا کوئی اڑنے والا ایسا نہیں ہے جس میں تم جیسی قومیت اور اجتماعیت نہ پائی جاتی ہو۔)

دنیائے فلسفہ حیوانات میں اجتماعی شعور کی قائل ہو نہ ہو، وہ عقل و ادراک کو انسان سے مخصوص کہے یا عام لیکن قرآن مجید کھلے الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اجتماعی شعور صرف انسان کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس میں جملہ حیوانات اور پرند شامل ہیں سب کے مشترک مسائل ہیں اور سب کی ایک اجتماعی سیاست ہے جس کے تحت ان مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔ آپ صبح و شام دیکھا کرتے ہیں کہ اگر محلہ کے ایک کتے پر حملہ کر دیا جائے تو سارے کتے بیک آواز جواب دیتے ہیں۔ ایک جانور مر جائے تو سارے جانور اس کے غم میں نوحہ و زاری کرتے ہیں۔ ایک بھیڑ آگے چلتی ہے تو ساری بھیڑیں اس کے پیچھے چلتی ہیں۔ ایک چیونٹی کسی مٹھاس کی طرف جاتی ہے تو ایک قطار لگ جاتی ہے، ایک پرندہ آشیانہ بناتا ہے تو سارے پرند اسی مرکز کی طرف سمٹ آتے ہیں اور اس طرح کے بے شمار واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ خود قرآن مجید نے چیونٹیوں کی اجتماعی دفاعی سیاست کا تذکرہ کیا ہے اور امیرالمومنین علی ابن ابی طالب نے اس کے زراعتی شعور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۷۔ کیمیاگری: "ان لکم فی الانعام لعبرۃ" (تمہارے لیے جانوروں میں عبرت کے سامان مہیا ہیں۔)

ہرن کے نافے میں مشک، کیڑے کے منہ میں ریشم اور مکھی کے جسم میں مختلف پھولوں کے رس سے شہد کا تیار ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ حیوانات میں کیمیاگری کا شعور انسان سے زیادہ ہوتا ہے اور ان باتوں میں انسان کے لیے عبرت کا سامان مہیا ہے۔

۸۔ زراعت: "کمثل جنۃ بربوۃ اصابہا وابل فآتت اکلہا ضعفین" (اس کی مثال اس بلندی پر واقع باغ کی ہے جس پر تیز بارش ہو جائے اور اس کی پیداوار دگنی ہو جائے)

آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلندی کے باغ کو مناسب پانی مل جائے تو پیداوار کے زیادہ ہونے کے امکانات قوی ہیں اور عجب نہیں کہ اس کا راز یہ ہو کہ پست زمینوں تک

بارش کا پانی پہونچتے پہونچتے اپنی اصلی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے اور اس میں زمینوں کے اثرات شامل ہو جاتے ہیں لیکن بلند زمینوں کو یہ اثرات براہ راست ملتے ہیں اس لیے پیداوار کے امکانات زیادہ رہتے ہیں۔

"قال تزرعون سبع سنین دابًا فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ"

جناب یوسف نے تعبیر خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سات برس تک مسلسل زراعت کرو اور جو کچھ پیداوار ہو اس کا زیادہ حصہ بالیوں سمیت محفوظ کر لو اس لیے کہ اس کے بعد سات سال بہت سخت آنے والے ہیں۔

اس واقعہ نے صاحبانِ زراعت کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ غلہ بالیوں سے الگ کر کے رکھا جائے تو اس کے خراب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور بالیوں سمیت رکھا جائے تو اس کی زندگی بڑھ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم زراعت کا اہم ترین نکتہ ہے جس سے ہر دور میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

۹۔ علم ولادت: "یخلقکم فی بطون امہاتکم خلقا من بعد خلق فی ظلمات ثلٰث۔" (اللہ تم کو شکم مادر میں مسلسل بناتا رہتا ہے اور یہ کام تین تاریکیوں میں انجام پاتا ہے۔)

دور حاضر کی تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ انسانی تخلیق کا سلسلہ نطفہ سے لے کر بشریت تک برابر جاری رہتا ہے اور یہ کام تین پردوں منباری، خوربون، لفائفی کے اندر ہوتا ہے جس کی وجہ سے نر اور مادہ کا امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ صحت غذائی: "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" (کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو۔)

ان فقرات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے امراض کا زیادہ حصہ اس کے اسراف سے تعلق رکھتا ہے۔ اسراف کا مطلب مال کو بیکار پھینک دینا نہیں ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ کھا لینا بھی اسراف کی حد میں داخل ہے اور اسی لیے اس کا ذکر صرف مال کے بجائے کھانے پینے کے ساتھ ہوا ہے یعنی کھانے میں بیجا زیادتی نہ کرو کہ موجب ہلاکت ہے۔

۱۱۔ حفظانِ صحت: "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر" (تمہارے اوپر مردار،

خون اور سور کے گوشت کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ان چیزوں کے استعمال سے تمہاری صحت پر غلط اثر پڑتا ہے۔)

مُردار کا کھانا بے حسی پیدا کرتا ہے، خون کا پینا سنگ دلی کا باعث ہوتا ہے اور سور کا گوشت بے حیائی ایجاد کرتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ ان چیزوں کے جسم پر طبی اثرات بھی ہوتے ہیں جن کا اندازہ آج کے دور میں دشوار نہیں ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مریض کو خون دیتے وقت ہزاروں قسم کی تحقیق کی جاتی ہے اور جانوروں کا خون پیتے وقت انسان ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

۱۲۔ وراثت: "یا اخت ھارون ما کان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا۔"

(اے ہارون کی بہن مریم نہ تمہارا باپ کوئی بدکردار مرد تھا اور نہ تمہاری ماں بدکردار تھی آخر یہ تمہارے یہاں بچہ کیسے ہو گیا؟)

قرآن مجید نے مخالفین کے اس فقرے کی حکایت کر کے اس نکتے کی وضاحت کر دی کہ انسانی کردار پر ماں باپ کا اثر پڑتا ہے اور سیرت کی تشکیل میں وراثت کا بہر حال ایک حصہ ہوتا ہے اسی لیے جناب مریم نے بھی قانون کی تردید نہیں کی بلکہ یہ ظاہر کر دیا کہ نہ میرا باپ خراب تھا نہ میری ماں بُری تھی اور نہ میں نے کوئی غلط اقدام کیا ہے بلکہ یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں جس کا زندہ ثبوت خود یہ بچہ ہے تم اس سے سوال کر لو سب خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

۱۳۔ ماوراء الطبیعۃ: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔"

(اللہ ہی وقت موت روح کو لے لیتا ہے اور جس کی موت کا وقت نہیں ہوتا ہے اسے خواب کے بعد بیدار کر دیتا ہے۔)

آیت عالم طبیعت کے علاوہ ایک عالم نفس و روح کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ نفس عالم خواب میں جسم کو چھوڑ کر اپنے عالم کی سیر کرتا ہے اگر اس کی موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ اپنے عالم میں رہ جاتا ہے اور اگر حیات باقی رہتی ہے تو پھر جسم سے پہلا جیسا رشتہ جوڑ لیتا ہے۔

۱۴۔ کہربائی طاقت: "واذا البحار سجرت۔" (وہ وقت بھی آئے گا جب سمندر بھڑک اٹھیں گے۔)

آگ کے ساتھ پانی اور پانی کے ساتھ آگ کا تصور آج کی دنیا میں بھی ناممکن خیال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ چودہ صدی قبل عرب کی جاہل دنیا۔ لیکن قرآن مجید نے سمندر کے ساتھ بھڑکنے کا لفظ استعمال کر کے علمی دنیا کے ذہنوں کو ان کہربائی اور برقی طاقتوں کی طرف موڑ دیا جو آج بھی پانی کے دل کے اندر موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ آج ان طاقتوں سے استفادہ کرنے کے لیے آلات واسباب کی ضرورت ہوتی ہے اور کل قیامت کا دن وہ ہوگا جب یہ طاقتیں از خود سامنے آجائیں گی اور سارے سمندر بھڑک اٹھیں گے، واخرجت الارض اثقالہا زمین سارے خزانے اگل دے گی تو پانی بھی اپنی ساری طاقتوں کو سر عام لے آئے گا۔

۱۵۔ خلاء: "یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان۔ (اے گروہ جن وانس! اگر تم میں اطراف زمین وآسمان سے نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل جاؤ لیکن یاد رکھو کہ تم بغیر غیر معمولی طاقت کے نہیں نکل سکتے۔)

آیت نے اقطار سماوات وارض کی وسعتوں کا ذکر کرنے کے باوجود خلا تک پہونچنے کے امکان پر روشنی ڈالی ہے اور ظاہر ہے کہ جب غیر معمولی طاقت کے سہارے فضائے بسیط کی وسعتوں کو پار کر کے خلاء بسیط تک رسائی ممکن ہے تو چاند سورج تک پہونچنے میں کیا دشواری ہے؟ اگر چہ بعض سادہ لوح عوام نے اس آیت سے چاند تک جانے کی محالیت پر استدلال کیا ہے لیکن انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ چاند اور سورج وغیرہ سماوات وارض کی وسعتوں میں شامل ہیں اور قرآن مجید نے جس شے کو تقریباً ناممکن بتایا ہے وہ ان وسعتوں کے باہر نکل جانا ہے نہ کہ ان وسعتوں میں سیر کرنا۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا تو کم از کم جنّات کو مخاطب نہ کیا جاتا جو اس فضا میں ہمیشہ ہی پرواز کیا کرتے ہیں۔

۱۶۔ علم الافلاک: "ثم استوىٰ الى السماء وھی دخان" (خالق نے آسمان کی طرف توجہ کی جو اس وقت دھواں تھا۔)

آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آغاز خلقت افلاک دھوئیں سے ہوا ہے۔

"الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقا وجعل القمر فیھن

نورًا وجعل الشمس سراجًا۔" (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح ہفت طبق آسمان پیدا کر دیے اور ان میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنا دیا)

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سورج کا نور ذاتی ہے اور چاند کا نور اس سے کسب کیا ہوا ہے۔

"اللہ الذی رفع السمٰوٰت بغیر عمد ترونھا۔" (خدا وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا بغیر کسی ایسے ستون کے جسے تم دیکھ سکو۔)

معلوم ہوتا ہے کہ رفعت سماوات میں کوئی غیر مرئی ستون کام کر رہا ہے جسے آج کی زبان میں قوت جذب و دفع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

"ومن یرد أن یضلّہ یجعل صدرہ حرجًا کأنما یصّعّد فی السماء" (خدا جس کو اس کی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اس کے سینے کو اتنا تنگ بنا دیتا ہے جیسے وہ آسمان میں بلند ہو رہا ہو۔)

آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان کی بلندی تنگی نفس کا باعث ہے اس لیے کہ فضاؤں میں ہوا کی مقدار زمین سے کہیں زیادہ کم ہے۔

"ومن آیاتہ خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیھما من دابۃ وھو علی جمعھم اذا یشاء قدیر۔" (اللہ کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے آسمان و زمین اور دونوں میں مخلوقات پیدا کیے ہیں اور وہ جب چاہے دونوں کو جمع بھی کر سکتا ہے۔)

معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعض آسمانوں میں بعض مخلوقات کا وجود ہے جو کسی وقت یہاں کی مخلوقات کے ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہے خواہ قیامت ہی کے دن کیوں نہ ہو۔

"الشمس تجری لمستقر لھا" (آفتاب اپنے مستقر کے لیے دوڑ رہا ہے۔)

یعنی آفتاب کا کوئی آخری مرکز ہے جس کی تلاش میں مسلسل سرگرم سفر ہے اور اس کی یہ صرف دَوری نہیں ہے بلکہ وہ تیزی کے ساتھ آگے کی طرف بھی بڑھ رہا ہے اب خدا ہی جانے کہ اس فضائے بیکراں میں اس کا آخری مستقر اور مرکز کیا ہوگا؟

۱۷۔ طبقات الارض: "جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا" (اللہ نے تمھارے لیے زمین کو سبک رو ناقہ بنا دیا ہے اب اس کے کاندھوں پر سفر کرو۔)

معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں بھی ہلکی ہلکی حرکت پائی جاتی ہے اور اس کی شکل گول ہے ورنہ سفر کاندھے کے بجائے سینے یا پشت پر ہوتا۔

"ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" (وہ خدا وہ ہے جس نے زمین کے اندر کی تمام چیزیں تمھارے لیے پیدا کی ہیں۔)

آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مخلوقات ارضی صرف سطح ارض سے متعلق نہیں ہیں بلکہ دوسرے طبقات الارض میں بھی مخلوقات کا وجود ہے اور وہ سب انسانی فائدے کے لیے خلق ہوئی ہیں چاہے ان کی شکل انسانی ہو یا معدنیاتی۔

"والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاءً احویٰ" (اسی خدا نے چراگاہوں کو نکالا اور پھر خشک کر کے سیاہ بنا دیا۔)

خشکی اور سیاہی کی خصوصیت کا تذکرہ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ اللہ کا الگ سے کوئی دوسرا احسان ہے جس کا تعلق گھاس کی پیداوار سے نہیں ہے اس لیے عجب نہیں کہ اس سے دور حاضر کی اس تحقیق ہی کی طرف اشارہ ہو کہ جن زمینوں میں پٹرول وغیرہ برآمد ہوتا ہے وہاں کی گھاس خشک اور سیاہ ہو جاتی ہے۔ اب خدا ہی جانے کہ اس نے غیر ذی زرع وادیوں کو کن خزانوں سے سرفراز کر دیا ہے اور انسانی فائدے کے لیے کیا کیا چیزیں خلق کر دی ہیں۔

"والارض مددناھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل شیءٍ موزون" (ہم نے زمین کو پھیلایا ہے اور اس میں پہاڑوں کو ڈال کر اس سے وہ چیزیں اگائی ہیں جن کا وزن معین ہے۔ آیت کا اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ نباتات کے جملہ عناصر اور مواد ایک خاص وزن رکھتے ہیں۔ غیر موزوں کوئی شے نہیں ہے۔)

"ومن کل شیءٍ خلقنا زوجین" (ہم نے ہر شے کا جوڑا اسی کے اندر سے پیدا کیا ہے۔)

معلوم ہوتا ہے کہ عالم وجود میں وحدت اور اکائی صرف خالق و مالک کا حصہ ہے باقی ہر شے کی ذات میں دوئی اور زوجیت پائی جاتی ہے چاہے وہ دوئی ظاہری اعتبار سے نر اور مادہ کی ہو یا حقیقی اعتبار سے کہربائی موجوں کی؟

یاد رہے کہ آیات بالا کے پیش کرنے سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دور حاضر نے اپنی تحقیقی منزل کو جس حد تک پہونچایا ہے آیت اسی حد کی طرف اشارہ کر رہی ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ان آیات میں علم کائنات کی طرف کھلے ہوئے اشارے پائے جاتے ہیں چاہے وہ علم وہی ہو جسے آج کی دنیا میں پیش کیا جا رہا ہے یا اس سے بالاتر کوئی منزل ہو جہاں تک آج کا علم نہیں پہونچ سکا ہے۔ اسی لیے میں نے آیات کی تشریح میں صرف اشارہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسے تحقیق و تعیین پر محمول نہیں کیا ہے۔

علوم قرآن کے تذکرے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ علوم اگر بقائے نوع اور ارتقائے بشر کے لیے ضروری نہ ہوں تو کم سے کم نگاہ قرآن میں جائز ضرور ہیں ورنہ قرآن مجید ان حقائق و معارف کی طرف اشارہ کر کے انسانی ذہن کو تحقیق پر آمادہ نہ کرتا لیکن اسے کیا کیا جائے کہ صدر اول کے بعض مسلمانوں نے اس نکتہ سے غفلت برتی اور اسکندریہ کا عظیم کتب خانہ جس سے علوم قرآنی کی تشریح و تفصیل کا کام لیا جا سکتا تھا نذر آتش کر دیا گیا اور اس طرح امت اسلامیہ دیگر اقوام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیچھے ہو گئی، اسکندریہ کے کتب خانہ کا نذر آتش ہونا اتنا بڑا ہولناک کام نہیں تھا جتنا بڑا ہولناک امر اس کی پشت پر کام کرنے والا نظریہ تھا۔ کہا یہ گیا کہ ان کتابوں میں اگر وہی سب کچھ ہے جو قرآن مجید میں ہے تو ہمیں قرآن کے ہوتے ہوئے ان کتابوں کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ان میں قرآن کریم کے علاوہ کوئی شے ہے تو امت قرآن کو ایسی کتابیں نذر آتش ہی کر دینی چاہئیں جو قرآن سے ہٹ کر مطالب بیان کرتی ہوں۔ یہ ایسا خطرناک اور زہریلا نظریہ تھا جس نے ہر موڑ پر بشریت کو گمراہ کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے ___ برہمنوں نے رسالت کے انکار میں یہی طرز استدلال اختیار کیا کہ اگر رسول وہی کچھ کہتا ہے جو عقل کا فیصلہ ہے تو عقل کے ہوتے ہوئے رسول کی ضرورت کیا ہے اور اگر رسول عقل کے خلاف بولتا ہے تو خلاف عقل بات کو تسلیم کرنا انسانیت

اور بشریت کے منافی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا استدلال بھی یہی تھا کہ اگر شریعت موسیٰ وعیسیٰ برحق ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر غلط ہے تو خدا نے ایسی شریعت اپنے انبیاء کو دی کیوں؟ غرض بشریت کے ہر موڑ پر تباہی کا راز اسی غفلت میں پوشیدہ نظر آتا ہے اور میرا خیال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ انداز فکر بھی اپنے ذہن کی پیداوار نہیں تھا بلکہ انھیں اقوام سے لیے ہوئے سبق کا نتیجہ تھا جنھوں نے ہر دور میں بشریت کو گمراہ کیا ہے۔ اور اس گمراہی کا راز صرف یہ ہے کہ ہر قوم نے اصل مطلب کو یاد رکھا اور تفصیلات کو فراموش کر دیا ورنہ برہمنوں کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ نبی کا کام عقل کی مخالفت نہیں ہوتا ہے بلکہ عقل کے احکام کی تفصیل ہوا کرتا ہے۔ عقل مالک کی اطاعت کا حکم دیتی ہے اور نبی طریقۂ اطاعت کی تعلیم دیتا ہے، عقل برائیوں سے الگ رہنے کا فیصلہ کرتی ہے اور نبی برائیوں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اسی طرح یہودیت اور مسیحیت کے پرستاروں کو یہ سوچنا چاہیے تھا کہ کسی قانون کا برحق ہونا اس کے ابدی ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی قانون ایک محدود وقفہ کے لیے بنایا جاتا ہے اور اس وقفہ میں انتہائی صالح اور صحت مند ہوتا ہے لیکن اس وقفہ کے گذر جانے کے بعد وہ بیکار اور غیر صحت مند ہو جایا کرتا ہے ایسے قانون کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ایک وقفہ کے لیے صحت مند تھا لیکن ہر دور میں کارگر اور کارآمد ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کے اس جاہلانہ طرز فکر کی خرابی کی طرف ایک محقق نے بڑے اچھے انداز سے اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر صدر اول کے ان مسلمانوں کو علوم و معارف سے کوئی بھی رابطہ ہوتا تو وہ یہ سوچتے کہ اگر ان کتابوں میں قرآن کے موافق بیانات ہیں تو انھیں دوسری قوموں کے سامنے بطور استدلال پیش کیا جا سکتا ہے اور اگر قرآن کے مخالف نظریات ہیں تو قرآن کی روشنی میں ان کی تردید کر کے دیگر اقوام پر قرآن کی برتری ثابت کی جا سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس دور کے مسلمانوں میں نہ اثبات کی طاقت تھی اور نہ تردید کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکمرانوں نے اپنی جہالت کا پردہ رکھنے کے لیے ایک عظیم علمی سرمایہ کو نذر آتش کر دیا اور بشریت منزل معراج سے صدیوں پیچھے ہٹ گئی۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ مسلمانوں کے اس طرز عمل کے پیچھے کوئی مذہبی جذبہ کارفرما نہیں

تھا بلکہ یہ درحقیقت اقتدار اور آمریت کے مظاہرے کا جذبہ تھا جو اس شکل میں سامنے آرہا تھا قرآن کی موافقت اور مخالفت تو صرف بعد کی تاویلی پیداوار ہے جس کا سب سے اہم ثبوت امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم کی وہ روایات ہیں جنھیں ان حضرات نے کتابت حدیث کے ذیل میں درج کیا ہے اور جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ رسول اکرمؐ کی حدیثوں کو لکھنے اور جمع کرنے کا مخالف تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو مسلمان اپنے رسول کے اقوال کے جمع کرنے کو بدعت سمجھتا ہو وہ اسکندریہ کے کتب خانے کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ بات یہیں تک محدود نہیں رہتی بلکہ ایک منزل آگے بڑھ جاتی ہے اور صاحبِ نظر انسان کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اسکندریہ کی کتابوں میں تو خیر مخالفتِ قرآن کا امکان تھا اس لیے انھیں نذرِ آتش کردیا گیا ـــــ رسول اکرمؐ کی حدیثوں میں کون سی خاص بات تھی جس کی وجہ سے اس کی کتابت حرام تھی کیا یہاں بھی مخالفتِ قرآن کے امکانات تھے ؟ یا قرآنی اجمال کو حدیث کے تفصیلات کی ضرورت نہ تھی ؟ یا کوئی اور جذبہ کام کر رہا تھا جس کے اظہار کے سامنے تاریخ کے منہ میں لگام لگی ہوئی ہے اور مورخ کا ناطقہ گنگ ہے، بات صرف یہی ہے کہ مسلمان اپنی جہالت کی پردہ پوشی کے لیے ایک پوری امت کو علوم دین و دنیا سے محروم کررہے تھے اور اس روشنی میں یہ کہنا پڑے گا کہ آج کا مسلمان جس احساسِ کمتری کا شکار ہے اور آج کی امت اسلامیہ علمی میدان میں جس قدر پیچھے ہوگئی ہے اس کی ذمہ داری دورِ حاضر سے زیادہ صدرِ اول کے ان مسلمانوں پر ہے جنھوں نے ممانعت علم و فن اور پابندی فکر و نظر کی بدعت کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ !

آسمانی کتابیں

قرآن مجید کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے پہلے ایک نظر ان کتابوں پر بھی ڈال لینا ضروری ہے جو قرآن کی طرح آسمانی کہی جاتی ہیں اور جن کا رشتہ مبدا اعلیٰ سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ کتابیں اور صحیفے اگرچہ بہت سے ہیں لیکن ان میں سے وجود صرف انجیل اور توریت کا پایا جاتا ہے جنھیں عہد جدید و قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کے تقدس پر ایک دنیا ایمان لائے ہوئے ہے، صحف ابراہیمؑ اور زبور کا بظاہر نہ کوئی وجود ثابت ہے اور نہ ان پر عمل کرنے والی کوئی امت ہی پائی جاتی ہے۔

توریت وانجیل اور قرآن کریم میں ایک تاریخی فرق یہ ہے کہ قرآن جب سے نازل ہوا ہے ہر دور تاریخ میں اس کے ماننے والے اتنے رہے ہیں جو کسی ایک کتاب کے بالتواتر نقل کے لیے کافی ہوا کرتے ہیں اور ہر دور میں اس کی عظمت و بزرگی پر ایمان لانے والوں اور اس کی حفاظت کرنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد رہی ہے برخلاف توریت وانجیل کے، کہ ان کی تاریخ میں وہ وقت بھی آچکا ہے جب اس کے ماننے والوں کا وجود عنقا ہوگیا تھا اور ان کی ایسی کوئی تعداد نہیں رہ گئی تھی جو تواتر و یقین کے لیے کافی ہو۔

دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ دور حاضر میں پائے جانے والے قرآن کے بارے میں ساری امت اسلامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ بعینہٖ وہی قرآن ہے جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا تھا اس میں کسی ایک آیت کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے، برخلاف توریت و انجیل کے کہ ان کے بارے میں یہ دعویٰ خود ان کتابوں نے بھی نہیں کیا ہے اور تاریخ نے بھی اس دعوے کی تصدیق نہیں کی ہے۔ انجیلوں کے بارے میں یہ مسلّم ہے کہ انھیں جناب عیسیٰؑ کے بعد

ان کے اصحاب نے مرتب کیا ہے اب ظاہر ہے کہ جیسا ان اصحاب کا کردار ہوگا ایسا ہی انجیلوں کا اعتبار بھی ہوگا۔

انجیلوں کا بیان ہے کہ جناب عیسیٰ کے مخصوص اصحاب جنھیں حوارین سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کی تعداد ۱۲ تھی اور یہ سب کے سب بے وفا ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے عقیدے کے مطابق جناب عیسیٰ کے سولی پر چڑھائے جانے کی سازش میں بھی یہی افراد شریک تھے اور اگر یہ بات درست نہ بھی ہو تو اتنا تو بہرحال مُسلّم ہے کہ یہ لوگ مسیح کے آخری وقت میں قطعی کام نہیں آئے۔ ان کے کردار کا مختصر خاکہ اناجیل مقدسہ کی روشنی میں یہ ہے:

حوارین عیسیٰ بارہ تھے اور سب کے سب ریاست طلب تھے۔ (انجیل لوقا فصل ۲۲-۲۴-۲۱)

ان میں سے دس پوری مسیح کے پسران زبیدی کے ساتھ سلوک پر مخالف ہو گئے تھے اور انھیں مسیح کے کردار پر اعتماد نہیں تھا۔ (متیٰ فصل ۲۰)

خود مسیح نے انھیں بے ایمان سے تعبیر کیا تھا۔ (متیٰ ۱۷-۲۰)

یہ سب کے سب سنگدل تھے۔ (مرقس ۶، 52)

یہ سب مسیح کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ (متیٰ ۲۶، ۳۶ — یوحنا ۱۶، ۳۲)

یوں تو عیسائیوں میں چار انجیل بہت زیادہ مشہور ہیں۔ انجیل متیٰ، انجیل لوقا، انجیل یوحنا، انجیل مرقس — لیکن عہد ناموں کی ترتیب میں ان حضرات کے علاوہ پطرس اور پولس کا نام بھی آتا ہے۔ پولس اعمال کے چودہ رسالوں کا مولف تھا اور پطرس ایک بڑی حیثیت وعظمت کا حامل تھا — لیکن اسے کیا کیا جائے کہ خود اناجیل نے جو بیانات ان حضرات کی شان میں دیے ہیں وہ بڑے عبرت ناک ہیں۔

پطرس: یہ مسیح کا منکر تھا۔ (متیٰ ۲۶ — ۶۹، ۷۵)

مسیح نے اسے شیطان سے تعبیر کیا ہے۔ (متیٰ ۱۶ — ۲۲، ۲۳)

پولس: یہ ریاکار اور مخالف مسیح تھا۔ (اعمال ۲۱ — ۲۶، ۲۷) (متیٰ ۲۳) (اعمال ۱۶)

مرقس: یہ حوارین میں سے نہیں تھا بلکہ پولس کا شاگرد تھا، اور شاگرد کا حال استاد ہی کے حال سے واضح ہے۔

متی، لوقا، یوحنا: ان تمام لوگوں کے بارے میں یہ طے نہیں ہے کہ ان کا شمار حواریین میں تھا یا نہیں، لیکن عقلی بات یہ ہے کہ یہ اگر حواریین میں سے تھے تو ان کا حال معلوم ہو چکا ہے، اور اگر اس شرف سے بھی محروم تھے تو ان کی بات کا وزن ہی کیا ہے جب کہ ان کا شمار بنی اسرائیل کے گوسفندوں میں ہوتا تھا، علاوہ اس کے کہ انجیل مسیح کے املا سے نہیں لکھی گئیں ورنہ ان میں مسیح کی سولی کے حالات نہ ہوتے اور ظاہر ہے کہ جس کتاب کے بیانات نبی کی طرف منسوب نہ ہوں ان کا اعتبار ہی کیا رہ جاتا ہے؟

مسیح اور انجیل:

اناجیل کی جملہ باتوں پر تبصرہ کر کے بیان کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے صرف ان مندرجات پر اکتفا کی جاتی ہے جن کا تعلق خود مسیح کی ذات سے ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ خود صاحبانِ انجیل کا عقیدہ مسیح کے بارے میں کیا تھا اور وہ اپنے نبی کے کسقدر مخلص تھے!

مسیح شرابی تھا! (انجیل لوقا اصحاح ہفتم آیت ۳۲-۳۴) (انجیل یوحنا اصحاح دوم آیات ابتداء) (لوقا ۲۲ — ۱۴ تا ۱۸)۔

مسیح امرد پرست تھا، ایک بچہ کو گود میں بٹھا کر اظہار محبت کرتا تھا۔ (لوقا ۹-۴۷، ۴۸) (یوحنا ۱۲-۲۲ تا ۲۵)۔

مسیح کی نظر میں سولی پر چڑھنے والا ملعون ہوتا ہے اور مسیح کو سولی دی گئی۔ (رسالہ پولس بہ اہل غلاطیہ اصحاح سوم آیت ۱۳)۔

مسیح ولد الزنا تھا اس لیے کہ اس کا دادا فارض، یہودا کے زنا سے پیدا ہوا تھا۔ (تکوین اصحاح ۳۸)۔

مذکورہ بالا بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی مہمل کتابیں آسمانی کتاب کہے جانے کے قابل نہیں ہیں اور بفرض محال اگر یہ آسمانی کتابیں بھی ہوں تو جن کتابوں کا لانے والا اس نسل و کردار کا انسان ہو وہ کتابیں انسانی اصلاح کا فریضہ انجام نہیں دے سکتیں۔ علاوہ اس کے کہ خود مسیح کا اعلان تھا کہ میں بنی اسرائیل کے گوسفندوں کو سیدھے راستے پر

لگانے کے لیے آیا ہوں۔ (انجیل متی اصحاح ۱۵، آیت ۲۴)

اور ظاہر ہے کہ جو دستورِ حیات جانوروں کے لیے بنایا جائے گا وہ انسانوں کے حق میں کسی طرح مفید نہیں ہو سکتا ہے۔ (اعاذنا اللہ من ھٰذہ الھفوات)

یاد رہے کہ توریت وانجیل کی امتوں نے جب امت قرآن میں قرآن کی عظمت و برتری اور اس کے تقدس واحترام کو دیکھا اور پھر اپنی کتابوں کی تحریف اور بدذوقی پر نظر ڈالی تو ایک مرتبہ بغض و حسد کا جذبہ بھڑک اٹھا اور اپنی دسیسہ کاریوں سے امت قرآن میں یہ بات مشہور کرنا شروع کر دی کہ قرآن بھی دیگر صحف سماویہ کی طرح رسولؐ کے اصحاب کا جمع کردہ ہے اس کے آیات و بیانات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے اس کی ترتیب و تدوین میں بھی غیر معصوم ہاتھوں نے مداخلت کی ہے اور یہ بات اس طرح مشہور کی کہ تحریف قرآن کا عقیدہ کسی نہ کسی مفہوم میں مسلمات میں شامل ہو گیا اور آج تک مسلمانوں کے مختلف گروہ اس تحریف کے ثابت کر دینے ہی کو اپنا علمی اور مذہبی سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس طرح قرآن کا تقدس خاک میں مل جائے گا اور اس کا اعتبار بالکل ہی اُٹھ جائے گا۔

ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ نظر ڈالی جائے اس لیے کہ مطالعۂ قرآن کا سب سے اہم عنصر اسی بحث میں پوشیدہ ہے۔

تحریف و ترتیب قرآن

تحریف کا مسئلہ امتِ قرآن میں اس قدر زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا صاحبِ قلم ہو جس نے قرآن کے بارے میں کچھ لکھا ہو اور تحریف کو موضوعِ سخن نہ بنایا ہو۔ تصنیف و تالیف کے قرونِ اولیٰ سے آجتک متعدد کتابیں اور رسالے اس موضوع پر منظرِ عام پر آچکے ہیں اور موافق و مخالف دونوں پہلوؤں کو باقاعدہ اُجاگر کیا جا چکا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دورِ قدیم میں مسئلہ تحریف اتنی شہرت حاصل کر چکا تھا کہ مخالفین میں مکمل طور پر مخالفت کرنے کی ہمت نہ تھی اور انھیں بھی یہ احساس تھا کہ کہیں اس مخالفت سے اصولِ مذہب پر کوئی حرف نہ آجائے۔ بہر حال یہ داستان بڑی المناک اور غم انگیز ہے۔ اس کی تفصیلات کا پیش کرنا اور صحیح صورت حال کی وضاحت بڑی حد تک ضروری ہے اس لیے ہم اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھتے ہیں اور کانٹوں کو ہٹا کر پھول چُن لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

معانی تحریف:

تحریف کے اصلی معنی ہیں "کسی شے کو اس کی اصلی حالت سے ہٹا دینا" اور ظاہر ہے کہ کسی شے میں بھی تبدیلی کے بہت سے امکانات ہو سکتے ہیں اور انھیں امکانات کی بنا پر لفظ تحریف بھی علمائے اسلام میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ تحریف معنی: یعنی کسی کلمہ کو اس کی حالت پر باقی رکھ کر اس کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دینا۔ اس صورت کو تحریف اس لیے کہتے ہیں کہ لفظ درحقیقت معنی کے لیے ایک علامت یا آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ایجاد اور اس کا استعمال دونوں معنی کے افہام و تفہیم کے لیے ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں معانی کا وجود اور ان کے نقل و انتقال کی ضرورت نہ ہوتی تو لفظوں

کا کوئی نام ونشان بھی نہ ہوتا اور جب لفظوں کی ساری حیثیت معانی کی وجہ سے قائم ہے ان کے زیر و زبر کا سارا اہتمام ولحاظ معانی کے افہام وتفہیم کے لیے ہوتا ہے تو کسی لفظ کے معنی میں تبدیلی پیدا کر دینا لفظ کو اس کی اصلی جگہ سے ہٹا دینے کا بہترین مصداق ہے گویا الفاظ وکلمات کی اصل جگہ ہے ان کے اصلی معانی اور جب کسی لفظ کو اس کے اصلی معنی سے الگ کر دیا گیا تو گویا اُسے اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا۔ خود قرآن مجید نے بھی یہودیوں کے بارے میں اس تحریف کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "یحرفون الکلم عن مواضعہ" (یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں) — ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کے دور کے یہودی نہ قرآن کے کلمات کی جگہیں بدل رہے تھے اور نہ توریت کے کلمات کی۔ یہ بات ان کے امکان سے باہر ہو چکی تھی۔ توریت بھی ایک خاص شکل میں آچکی تھی اور قرآن کا نگراں و ذمہ دار موجود تھا۔ ان کی تحریف کا مقصد صرف الفاظ کو ان کے اصلی معانی سے ہٹا دینا تھا تاکہ حقائق پر ایمان نہ لانا پڑے —— اور یہ تحریف وہ ہے کہ جو قرآن مجید کے بارے میں ہر دور میں مسلم رہی ہے خود قرآن نے بھی اعلان کیا ہے "فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ" (جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ ان کی کوئی تاویل تلاش کر کے کوئی نیا فتنہ برپا کر دیں) — کھلی ہوئی بات ہے کہ قرآن کو فتنہ گری کا سامان بنانے والے تحریف کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔

دوسرا سب سے بڑا اہم ثبوت یہ ہے کہ اگر آیات قرآنی میں معانی کی تبدیلی نہ ہوتی تو آج قرآن کی پرستار امت میں اتنے فرقے نہ ہوتے — امت اسلامیہ میں ۷۳ فرقوں کا وجود اور سب کا قرآن مجید سے استدلال اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ساری امت نے خدائی معانی پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تحریف قرآن کریم کے تقدس کے لیے کوئی ضرر نہیں رکھتی ہے بلکہ مفید ہے اس لیے کہ معانی کے ساتھ کھیلنے کی ضرورت اسے پڑتی ہے جو خود الفاظ کو برباد نہیں کر سکتا ورنہ ظاہر پر قابو پالینے والے باطن کے پیچھے نہیں دوڑا کرتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ میں عظمت قرآن اس قدر مسلم تھی کہ فتنہ گروں کا فتنہ الفاظ وکلمات پر نہیں چل سکا اس لیے سادہ لوح

عوام کو گمراہ کرنے کے لیے تحریف معانی کا سہارا لیا گیا۔

۲۔ تحریف حرکات: یعنی زیر و زبر وغیرہ کا فرق۔ اس تحریف کے بارے میں گفتگو کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لیے کہ آج بھی ایک ایک لفظ میں متعدد قراتیں پائی جاتی ہیں جن میں حرکات کے اعتبار سے اختلاف ہے اور یہ طے ہے کہ یہ ساری قراتیں نازل نہیں ہوئی تھیں بلکہ یہ قاریوں کے ذاتی ذوق کا نتیجہ تھیں۔ تحریف حرکات کا ایک بڑا سبب مختلف اقوام و قبائل کی تلاوت میں مضر تھا۔ ہر قبیلے کا ایک لہجہ تھا اور ہر قوم کا ایک اصول قرات تھا۔ اسی لہجے کی تبدیلی اور اصولوں کے تغیر نے کلمات میں حرکاتی اختلاف پیدا کرا دیا۔ لیکن یہ بھی قرآن کا ایک تقدس ہے کہ اتنے اختلافات کے باوجود کسی قبیلے نے بھی کسی لفظ کو بدلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ صرف اپنے لہجہ سے تصرف کرتے رہے جس میں وہ کسی حد تک معذور بھی تھے۔

۳۔ تحریف کلمات: یعنی ایک لفظ کی جگہ دوسرے لفظ کا آجانا۔ اس تحریف کے بارے میں علماء اسلام میں اختلاف ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں اس قسم کی تحریف ہوئی ہے مثلاً سورہ حمد میں ولا الضالین کی جگہ غیر الضالین تھا جسے سہولت کی نظر سے بدل لیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا صدر اول سے آجتک قرآن کریم کے بارے میں اہتمام و تحفظ اس امر کا زندہ ثبوت ہے کہ امت اسلامیہ اس قسم کے تغیرات کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ تاریخ نے واقعہ نقل کیا ہے کہ حجاج بن یوسف نے عبدالملک سے یہ خواہش کی کہ "اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین کی آیت میں شہداء کے ساتھ خلفاء کا اضافہ بھی کر لیا جائے تاکہ ان کا شمار بھی صاحبانِ نعمت میں ہو سکے اور اس نے انکار کر دیا تو حجاج نے کہا کہ آج تو اس بات پر تعجب اور انکار کر رہا ہے اور کل تیرے باپ نے یہ خواہش کی تھی کہ "ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحًا وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین" میں آل عمران کے ساتھ آل مروان کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔ (روضۃ الصفا)

ظاہر ہے کہ اس قسم کی خواہش نہ حجاج سے بعید ہے اور نہ عبدالملک سے اور نہ اس کے باپ سے ۔۔۔ لیکن سوال صرف یہ ہے کہ دربار حکومت سے نکلنے والی یہ خواہشیں پوری

کیوں نہیں ہوئیں، کیا اس کا سبب ان لوگوں کا تائب ہو جانا اور اپنے ارادوں سے باز آجانا تھا؟ ہرگز نہیں۔ ایسا ہوتا تو یہ خیالات ذہن میں پیدا ہی نہ ہوتے اور اگر پیدا بھی ہو جاتے تو اس کا سلسلہ نسلوں میں نہ چلتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی تعلق ان حکام کی پاکیزگی نفس سے نہیں تھا اور نہ ایسا ہی ہے کہ ان لوگوں کے اقتدار میں کوئی ضعف اور کمزوری پائی جاتی ہو۔ لاکھوں افراد کو بے دھڑک تہ تیغ کر دینے والا بادشاہ ایک لفظ کے اضافہ کی تمنا دوسرے شخص سے کر رہا ہے اور خود یہ اقدام نہیں کر رہا ہے، کیا یہ تمنا اس بات کا زندہ ثبوت نہیں ہے کہ لاکھوں افراد کی تباہی پر صبر کر لینے والی امت بھی قرآن کے کسی ایک لفظ کی تبدیلی پر راضی نہیں تھی اور مسئلہ تسکین قلب کے لیے صرف دو ایک قرآنوں میں الفاظ کے لکھ لینے کا نہیں تھا ورنہ اس کے لیے کسی سے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ مسئلہ پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے قرآنوں میں ترمیم اور ان کے الفاظ میں تغیر و تبدل کا تھا اور یہ بات ایسے ایسے جابر حکام کے بس کی بھی نہ تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب اسلام کے ایسے ایسے جابر و ظالم بادشاہ قرآن کے تقدس کو کھیل نہ بنا سکے تو دوسرے افراد اور حکام کا کیا ذکر ہے ___ انفرادی طور پر قرآن کو نشانۂ ستم بنا لینا آسان ہے لیکن اجتماعی طور پر پورے قرآن کا بدل لینا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔

ظاہر ہے کہ جو حکومت نژاد اور سلطنت پرست امت اقتدار کی خواہش پر حکومت کے باپ دادا کا ذکر برداشت نہیں کر سکتی وہ یہ کیونکر برداشت کرے گی کہ "غیر الضالین" کی جگہ "ولا الضالین" آجائے ___ یا "ہو الرازق" کی جگہ "ہو الرزاق" آجائے ___ یا "فامضوا الی ذکر اللہ" کے بدلے "فاسعوا الی ذکر اللہ" رکھ دیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ تحریف نقص: یعنی الفاظ یا آیات کی کمی ___ درحقیقت تحریف کے بارے میں یہی مسئلہ ہر دور میں محل نزاع و اختلاف رہا ہے، علماء اسلام کی ایک جماعت اس بات کی قائل رہی ہے کہ قرآن مجید کے آیات میں کچھ نقص ضرور پیدا ہوا ہے اور اسی لیے بعض مقامات پر آیات میں کوئی ربط نظر نہیں آرہا ہے اور دوسری جماعت اس بات پر مصر رہی ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے، اس میں آج بھی اتنے ہی الفاظ و کلمات موجود ہیں

جتنے کل رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے تھے اور قیامت تک یوں ہی رہیں گے جس کے بہت سے قرآنی شواہد موجود ہیں۔ اس مسئلہ پر شیعہ و سنی دونوں فریق کے علماء نے نفی و اثبات میں رسالے تالیف کیے ہیں اور ہر ایک نے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔ میں مسئلہ کی مکمل وضاحت اس وقت کروں گا جب ان تمام روایات کا ذکر آئے گا جن میں اس تحریف کا مفصل ذکر موجود ہے۔

۵۔ تحریف زیادتی: یعنی الفاظ و کلمات کا اضافہ ــ اس مسئلہ پر تقریباً تمام علماء اسلام متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ قرآن جہاں اسلام کا دستور زندگی ہے وہاں رسول اکرمؐ کا معجزہ بھی ہے اور معجزہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ جس کا مثل لانا سارے عالم کے لیے غیر ممکن ہو۔ اب اگر قرآن کے دو چار کلمات بھی اضافہ شدہ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عام انسان بھی اعجازی کلام پر قدرت و اختیار رکھتا ہے اور یہ وہ بات ہے جو قرآن کے اعتبار کو خاک میں ملا دے گی اور اسلام کا دستور تباہ و برباد ہو جائے گا اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا کسی بھی مسلمان کے لیے زیب نہیں دیتا ہے۔

۶۔ تحریف ترتیبی: یعنی آیات اور سوروں کی ترتیب کا بدل جانا ــ تحریف کی یہ قسم بھی اگرچہ علماء اسلام میں محل اختلاف رہی ہے لیکن علماء تشیع کی ایک جماعت ہر دور میں اس تحریف کی قائل رہی ہے اور اس کے اثبات پر بے حد زور صرف کرتی رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر تحریف ترتیب کا مطلب کیا ہے۔ اب تک تحریف کی جتنی قسموں کا ذکر ہوا ہے ان سب میں ایک حرکت، ایک کلمہ، ایک عبارت پہلے سے مسلم تھی بعد کے افراد نے ان میں تغیر و تبدل پیدا کر دیا۔ لیکن قرآن کریم کی ترتیب جب بقول علماء کرام، حیات رسول اکرمؐ میں موجود ہی نہیں تھی تو بعد میں اس کی تحریف کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر تحریف سے ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب ہی تحریف شدہ ہے یعنی ترتیب پیغمبرؐ کے خلاف نہیں ہے بلکہ منشاء پیغمبرؐ کے خلاف ہے اور اس بات کے ثابت کرنے کے لیے دو باتوں کا اثبات کرنا پڑے گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کریم حیات پیغمبرؐ میں مرتب شکل میں نہیں تھا، بلکہ بعد کے

ادوار میں مرتب ہوا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ منشاء رسالت یہی تھا کہ کتاب خدا کو اس کی تنزیل کے مطابق مرتب کیا جائے اور امت نے اس کے برخلاف اپنی مرضی کے مطابق مرتب کر ڈالا۔

بہرحال اس مقام پر تحریف کا جو بھی تصور مراد لیا جائے، ہمیں مستقبل میں انھیں دونوں باتوں پر غور کرنا پڑے گا اور انھیں کی تاریخ سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہوگا۔ فی الحال ان تفصیلات میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آخر قرآن میں تحریف کے قائل ہونے کے اسباب کیا ہیں اور خود قرآن مجید کا اپنی عصمت و تحریف کے بارے میں کیا نظریہ ہے۔ تاکہ تحقیق حق کا راستہ صاف ہو جائے اور منزل تک پہونچنے کے لیے کوئی خاص دشواری نہ رہ جائے۔!

اسبابِ تحریف

جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور علماءِ اسلام کے بیانات سے اندازہ کیا ہے اسلام میں تحریف قرآن کا عقیدہ پانچ بنیادوں پر گردش کر رہا ہے اور ہر تحریف قرآن کے معتقد نے انھیں میں سے کسی ایک بات پر اعتماد کیا ہے۔ یہ پانچوں باتیں بنیادی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعض تاریخی ہیں اور بعض سیاسی، بعض سادگی عقیدہ کا نتیجہ ہیں اور بعض مذہبی عصبیت کا۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

ا۔ حضور اکرمؐ کے ارشادات میں بار بار اس تاریخی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ جو باتیں سابق امتوں میں گذری ہیں اور جو کردار ان لوگوں نے اختیار کیا ہے وہ طریقۂ کار اس امت والے بھی اختیار کریں گے ان میں ذرہ برابر فرق نہ ہوگا۔ حد یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی جانور کے سوراخ میں گھس گیا ہے تو یہ تاریخ بھی اس امت میں دہرائی جائے گی۔ اور جب یہ بات مسلّم ہوگئی تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دور سابق کی امتوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے لہذا اس حادثہ کو بھی اس امت میں مکرر ہونا چاہیے اور یہ بلا بھی اس امت کے سر پر نازل ہونی چاہیے چنانچہ ہوا بھی۔ جیسا کہ بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب حضور اکرمؐ روزِ قیامت اپنی امت سے سوال کریں گے کہ تم نے میرے بعد قرآن و اہلبیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا تو امت کے بہت سے لوگ جواب دیں گے کہ عترت کو قتل کر دیا اور قرآن کو تحریف کر دیا۔!

بظاہر یہ استدلال بہت ہی دقیع اور باوزن معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کے تفصیلات پر غور کیا جاتا ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی ہے اس لیے کہ اوّلاً تو تحریف کی چھ قسمیں ہیں اور سب سے اہم قسم تحریف معنوی ہے جو بہر حال امت قرآن میں واقع ہوئی ہے، لہٰذا

اس کے بعد سابق امتوں کی مساوات کے لیے مزید کسی تحریف کے عقیدے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اور اگر اس بات پر اصرار کیا جائے کہ سابق امتوں میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے لہٰذا اس امت میں بھی ہونی چاہیئے تو گذارش یہ کی جائے گی کہ سابق امتوں نے تو اپنی کتابوں میں تحریف زیادتی بھی کی ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں انبیاء کی شراب نوشی، عیاشی وغیرہ کے تذکروں سے اندازہ ہوتا ہے (العیاذ باللہ) جب کہ امت اسلامیہ میں کوئی شخص بھی قرآن کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ سابق امتوں میں بہت سے ایسے واقعات گذرے ہیں جو بعینہٖ اس امت میں نہیں پیش آئے۔ سابق امتوں نے گوسالے کو خدا بنایا ہے ۔ اپنے نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا ہے ۔ اپنے رسول کو اپنی نظر میں سولی پر چڑھایا ہے ۔ اور اس امت میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ہے۔

دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ سابق امتوں کے کردار کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس کا تعلق امت کے ذاتی کردار سے ہے، ظاہر ہے کہ اس کے دُہرائے جانے میں مذہب کا کوئی نقصان نہیں ہے اس لیے ان واقعات کا اعادہ بھی ہو سکتا ہے اور قدرت اس اعادے کو برداشت بھی کر سکتی ہے ۔ لیکن ایک وہ بھی قسم ہے جس کے اعادے سے بنیاد مذہب کے متزلزل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اعادے کا اس مالک کو مقابلہ کرنا پڑے گا جو اپنے مذہب کو تا قیام قیامت باقی رکھنا چاہتا ہے ۔ سابق دور میں اور آج کے دور میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اس وقت انبیاء کا سلسلہ جاری تھا اس لیے جب ایک امت اپنے دستور کو تباہ کر دیتی تھی تو دوسرا نبی آکر اس کی اصلاح کر دیتا تھا اور رسولِ قرآن کے بعد کسی دوسرے رسول کے آنے کا امکان نہیں ہے ۔ پھر اس وقت کا دستور بھی وقتی ہوا کرتا تھا اس لیے اس کی میعاد ختم ہونے کے بعد اس میں ترمیم و تحریف ہو، یا اسے دریا برد کر دیا جائے قدرت پر اس کا تحفظ لازم نہیں تھا اور شریعت اسلام کا دستور یعنی قرآن کریم قیامت تک کے لیے ہے، لہٰذا اس کا تحفظ قیامت تک خالق کائنات کے ذمہ ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت کسی ایسی ترمیم و تحریف کو برداشت نہیں کر سکتی

جو دستور کی صورت کو مسخ کر دے اور اس کی ابدیت کو فنا کے گھاٹ اتار دے جیسا کہ سابق امتوں میں اس بات کا امکان تھا!

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عترت پیغمبرؐ کے روایات میں ایسے بے شمار فقرات پائے جاتے ہیں جن سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہا بلکہ اس میں سے بہت سے کلمات اور فقرات حذف کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "بلغ ما انزل الیک من ربک فی علی"۔ یا ۔ "ان علیا امیرالمومنین"۔ یا ۔ "کفی اللہ القتال بعلیؑ" وغیرہ۔ اور دوسرے مقامات پر یہ جملہ ملتا ہے کہ ھکذا انزلت ۔ یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ نازل ہونے کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ یہ جملہ تنزیل قرآن میں شامل تھا اور بعد میں الگ کر دیا گیا ہے بالخصوص اس وقت جب کہ اس قسم کے تمام فقرات فضائل کے آیات میں نظر آتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سیاست دنیا نے فضائل آل محمدؐ کے مٹانے کی ہر کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں دولت و اقتدار کے صرف کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان روایات میں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ ان روایات میں اکثر روایتیں وہ ہیں جن کا اعتبار ثابت نہیں ہے اس لیے ان کی کثرت اور تعداد سے متاثر ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۲۔ ان روایات میں اگر "منزلت" سے مراد اس کے اصطلاحی معنی ہیں اور مقصد یہ ہے کہ آیت میں یہ فقرہ موجود تھا اور بعد میں گرا دیا گیا ہے تو خود ائمہ معصومینؑ نے اپنے قرآن میں ان فقرات کا اضافہ کیوں نہیں فرمایا جب کہ آیات فضائل کی اہمیت آیات صوم وصلوٰۃ سے زیادہ تھی۔ آیات صوم وصلوٰۃ کا تغیر فروعی مسئلہ کو مجروح کر رہا تھا ۔ اور آیات فضیلت کا تغیر اصولی مسئلہ پر اثر انداز ہو رہا تھا ۔ آج کے دور میں بعض مقامات پر جو اوراق پائے جاتے ہیں اور جنھیں مختلف معصومینؑ کی طرف نسبت دی جاتی ہے کسی قرآن میں بھی اس قسم کے فقرات کا وجود نہیں ملتا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ائمہ معصومینؑ

مروج قرآن کے علاوہ کوئی قرآن رائج کر دیتے تو اسلام کا دستور بھی دو حصّوں پر بٹ جاتا لیکن یہ بھی ناقابلِ قبول ہے کہ وحدتِ اسلامیہ کو باقی رکھنے کے لیے تحریف شدہ دستور کے رواج کو باقی رکھا جائے۔ ایسے دستور سے کیا فائدہ ہے جو اصل مقصد کی ترجمانی نہ کر سکے، کیا ائمہ معصومینؑ نے اپنے ادوار میں اسلام کی خاطر اس سے بڑے اقدامات نہیں کیے، کیا امیرالمومنینؑ کے دورِ حکومت میں جمل و صفین کے زبردست معرکے نہیں ہوئے، کیا خلفائے ثلاثہ کے اقدامات پر تنقید نہیں ہوئی، اور جب یہ سب کچھ ہوا ہے تو اس تنزیل کو حضرت علیؑ نے کیوں واضح نہیں کیا ہے، اس کی نسبت عموماً بعد کے ائمہ کی طرف کیوں پائی جاتی ہے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے جو انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اسلام کے غیر مخلص عناصر نے ان تاویلی فقرات کو تنزیل کا جز بنا کر یا تو قرآن کو غیر محفوظ دستور بنانا چاہا ہے یا خود آلِ محمدؐ کو نفس پرستی اور خواہشِ بزرگی و ریاست سے متہم کرنا چاہا ہے۔

۲۔ میری نظر میں "ھٰکذا انزلت" یہ آیت اس طرح نازل ہوئی ہے یا اسی طرح نازل ہوئی ہے ۔۔ اس کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو عام طور سے مراد لیا جاتا ہے۔۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے ایک جملہ استعمال کیا اور لوگوں نے اس کے غلط معنی مراد لے کر مشہور کر دیے اور اس کے بعد جب آپ کو پھر دوبارہ موقع ملا تو آپ نے اس جملے کے ساتھ ایک تفسیری جملے کا اضافہ کر دیا اور فرمایا کہ میں نے اس طرح کہا تھا، یا میں نے یہ کہا تھا، تو کیا اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں ۔۔ ہرگز نہیں! بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہی مراد میری پہلے بھی تھی، فرق یہ ہے کہ اس وقت میں نے سامعین کے ذہن پر اعتماد کر لیا تھا اور جب یہ واضح ہو گیا کہ سامعین غلط تفسیر پر آمادہ ہیں تو میں یہ تفسیری جملہ بڑھائے دیتا ہوں ۔۔ بعینہٖ یہی نوعیت ائمہ معصومینؑ کے ارشادات کی تھی کہ جب سیاستِ زمانہ نے آیاتِ فضائل کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا تو ائمہ معصومینؑ نے حاشیہ کے طور پر ان فقرات کا اضافہ کر دیا تا کہ میرے وابستگان پر یہ واضح رہے کہ یہ آیت اس مفہوم کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اور اس کا وہ مفہوم ہرگز نہیں ہے جو ابنائے سیاست مراد لے رہے ہیں۔!

۲۔ علماء اہل سنت نے بھی بکثرت ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے، بعض مقامات پر الفاظ بدل گئے ہیں بعض مقامات پر آیتیں کم ہو گئی ہیں اور بعض جگہوں پر تو سورے کا سورہ بے ربط ہو گیا ہے یا کم ہو گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

یہ قرآن ناقص ہے —— ابن عمر (درمنثور)

سورۂ احزاب سورۂ بقر کے برابر تھا —— ابی ابن کعب (اتقان)

عثمان نے سورۂ احزاب کی آیتیں کم کر دی ہیں —— ام المومنین عائشہ (محاضرات راغب)

قرآن میں چند سورے کم ہو گئے ہیں —— ابو موسیٰ (مستدرک حاکم، درمنثور)

سورۂ برات اول سے مع بسم اللہ کم ہو گیا ہے —— مالک (مستدرک حاکم)، اب یہ سورہ صرف ¼ رہ گیا ہے۔ (درمنثور)

بعض سورے کم ہیں —— (درمنثور، اتقان)

بعض آیات ناقص ہیں —— (جامع الاصول جزری، ترمذی، سیوطی)

آیت رجم کم ہے —— عمر بن الخطاب (صحیح بخاری کتاب الحدود، محاضرات راغب، اتقان، موطا، مسند احمد بن حنبل)

آیتِ رجم و رضاع بکری کھا گئی —— حضرت عائشہ (محاضرات راغب)

آیتِ جہاد ساقط کر دی گئی —— ابن عوف (اتقان، درمنثور، جمع الجوامع، کنز العمال)

سورۂ توبہ سے اصحاب کے عیوب نکال دیے گئے —— (درمنثور، تفسیر کبیر)

صفِ اول کی نماز کم ہو گئی ہے —— (اتقان سیوطی)

ازواج امہاتہم کے ساتھ ابوّت پیغمبر کا ذکر کم ہو گیا ہے —— (درمنثور)

صلوٰۃ عصر کا ذکر نکل گیا ہے —— حضرت عائشہ (صحیح مسلم، فتح الباری، موطا)

عمر بن الخطاب فاسعوا الی ذکر اللہ کو فامضوا الی ذکر اللہ پڑھتے تھے۔ (موطا، درمنثور)

قرآن میں بعض غلطیاں پائی جاتی ہیں جنھیں عنقریب عرب درست کر لیں گے۔ حضرت عثمان

(تفسیر ثعالبی، مشکل ابن قتیبہ، در منثور روایت عبدالاعلیٰ، ابوداؤد روایت عکرمہ، اتقان از عکرمہ، ابن انباری، ابن اشتہ کتاب المصاحف)

سورۂ واللیل ناقص ہے ــــ ابودرداء (صحیح مسلم، بخاری، ترمذی)

مصحف عثمان جلا دینے کے قابل ہے ـ ابن مسعود (محاضرات راغب)

ابن ثابت کافر ہے اسے قرآن نہیں دیا جا سکتا ـ ابن مسعود (فتح الباری ابن حجر عسقلانی)

غرض امت کے جمع قرآن پر ایمان لانے والی قوم نے کتاب الٰہی کو کبھی صحیح و سالم نہیں رہنے دیا اور اس میں ہر طرح کا عیب کر دکھایا ـ حد ہوگئی جب خود جامع قرآن، قرآن میں غلطیوں کا اعلان فرما رہے ہیں تو باقی لوگوں کا کیا ذکر ہے ـ!

۴ ـ تحریف قرآن کے نظریہ کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ ہاتھ مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ تنگ نظری کا تھا ـ خلیفہ سوم کے دور میں جب قرآن کریم کو ایک قرات پر جمع کر کے باقی مصاحف کو نذر آتش کر دیا گیا اور مسلمانوں میں اس آتش زدگی کے خلاف جذبات نفرت برافروختہ ہونے لگے تو بنو امیہ نے اپنے مقتول خلیفہ کی حمایت میں یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مسلمان عثمان غنی کو کتنا ہی برا کیوں نہ کہیں ان کا امت اسلامیہ پر ایک ایسا احسان ہے جو صبح قیامت تک بھلایا نہیں جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے منتشر آیات قرآنی کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دے دی ہے ــــ اور اس پروپیگنڈے کو شام کی مشنری کے ذریعے اتنی اہمیت دی گئی کہ عثمان جامع قرآن کے تلقیبے سے مشہور ہو گئے اور صحاح و مسانید عامہ کی وہ تمام روایتیں تقریباً بیکار ہو گئیں جن میں خلیفہ اول یا خلیفہ دوم کے دور میں جمع قرآن کا تذکرہ تھا ـ نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کے مخالفین نے جذبات کی رو میں بہہ کر یہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ اس پروپیگنڈے کی بنیاد کیا ہے اور اس میں کن عناصر کا ہاتھ ہے، بلکہ انھوں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ قرآن کو عثمان نے جمع کیا ہے اس لیے اس میں انتہائی بے ربطی، بے ترتیبی اور بدعنوانی پائی جاتی ہے ـ عثمان میں اس اہم کام کی صلاحیت ہرگز نہ تھی جسے انھوں نے اختیار کیا تھا اور اس طرح بنی امیہ کے اسلام دشمن عناصر کا مدعا حاصل ہو گیا ــ اب امت اسلامیہ کے لیے دو ہی راستے رہ گئے، اگر عثمان کو جامع قرآن مان کر قرآن کی صحت و سلامتی پر ایمان

لے آئیں تو گویا اموی حاکم کے شرمندۂ احسان ہو گئے اور اس کی لیاقت پر ایمان لے آئے، اور اگر قرآن کو غیر مرتب، بے ربط اور غیر منظم تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دستور بے مصرف اور الٰہی آئین بے مقصد ہو گیا اور یہ بھی بنو امیہ کا ایک اہم مقصد ہے۔

جمع قرآن کے پروپیگنڈے کا ایک اہم راز یہ بھی تھا کہ اس طرح حضرت عثمان کے قرآن کی آتش زدگی کے عیب کو چھپانا تھا اور امت اسلامیہ کو یہ باور کرانا تھا کہ اگر حضرت عثمان نے باقی صحیفے جلا نہ دیے ہوتے تو آج اسلام میں قرآنوں کا ایک ہنگامہ ہوتا اور امت اسلامیہ دستور کے مسئلے میں بھی متعدد حصّوں میں تقسیم ہو جاتی۔ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ قرآن کو ایک قراءت پر جمع کرانا اور ہے اور منتشر آیات و سور کا جمع کرنا اور ___ ایک قراءت کے قرآن کو نشر کرنے کے لیے یہ قطعی غیر ضروری تھا کہ باقی قرآنوں کو نذر آتش کر دیا جائے جب کہ اس سے زیادہ محترم طریقے اسلام میں موجود تھے اور خود ایک نسخے کی اشاعت بھی تھوڑے دنوں کے اندر دوسرے نسخے کو کالعدم بنا سکتی تھی، جیسا کہ حکومتی تاویلوں نے ائمہ معصومینؑ کی تفاسیر کو تقریباً کالعدم بنا دیا۔

(عثمان کے احراق مصاحف کی داستان حسب ذیل کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے:۔ مشکوٰۃ، روضۃ الاحباب، روضۃ الصفا، بخاری، مدارج النبوۃ، تاریخ ابن واضح، سیوطی)۔

۵۔ مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے زیادہ خطرناک عنصر اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا ہے۔ حضور سرور کائناتؐ نے آغاز تبلیغ ہی میں اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ آج کے یہود و نصاریٰ کے پاس جو توریت و انجیل موجود ہے یہ قطعی طور پر آسمانی کتابیں نہیں ہے، اس میں اضافے کیے گئے ہیں، ترمیمات کی گئی ہیں اور ان کی اصل صورت مسخ کر دی گئی ہے۔ اس بات نے دو قوموں پر دو مختلف اثر ڈالے۔ مسلمان قوم پر یہ اثر ہوا کہ اس کے دل میں یہود و نصاریٰ کے کردار سے نفرت پیدا ہوئی اور اپنے دستور کے تحفظ کا جذبہ ابھرا، اور دیگر اقوام پر یہ اثر ہوا کہ وہ قرآنی تقدس کے پیچھے پڑ گئے۔ پہلے یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح اس میں سے اپنی بدکرداریوں کا تذکرہ نکال دیا جائے جیسا کہ اہل انطاکیہ کے وفد کی آمد سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب یہ طے ہو گیا کہ اس میں کسی قسم کی تحریف و ترمیم ممکن نہیں ہے تو مسلمانوں میں گھس کر ایسے پروپیگنڈے

شروع کر دیے جس سے اسلامی تقدس مجروح ہو جائے۔ سرکارِ دو عالمؐ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن اس کی حیثیت صرف ایک ریشہ دوانی کی تھی اس کے بعد جب شام کے حاکم معاویہ ابن ابی سفیان نے حدیث سازی کا کارخانہ کھولا تو ان عناصر کو کام کرنے کا کھلا ہوا موقع ہاتھ آ گیا۔ معاویہ کے کارخانے کا مال اس ترتیب سے برآمد ہوتا تھا پہلے خلیفہ اول کی شان کی حدیثیں، اس کے بعد خلیفہ دوم کی شان کی حدیثیں، اس کے بعد خلیفہ سوم کے فضائل و مناقب، اس کے بعد خلیفہ چہارم کے عیوب و نقائص۔

معاویہ دین و دیانت سے اجنبی ہونے کی بنیاد پر اس بات کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتا تھا کہ ان روایات کا اسلام پر کیا اثر پڑ رہا ہے بلکہ اس کا تمام تر مقصد و مدعا یہ تھا کہ پہلے اپنوں کی مدح کرائی جائے اس کے بعد غیروں کی مذمت، اور یہی وجہ ہے کہ جمع قرآن کے سلسلے میں بھی یہی ترتیب باقی رہی۔ پہلے اس کام کو خلیفہ اول کی طرف منسوب کیا گیا، اس کے بعد خلیفہ دوم کی طرف اور آخر میں خلیفہ سوم کی طرف، اور ان سب کی پشت پر یہی ایک جذبہ رہا کہ اہلبیتؑ کی مخالفت کر کے دنیا پر واضح کر دیا جائے کہ جمع قرآن میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اب چونکہ حضرت عثمان کا تعلق معاویہ کے خاندان سے تھا اس لیے ان کے فضائل کی روایات نے زیادہ زور پکڑ لیا اور وہ جامع قرآن مشہور ہو گئے۔ اور پھر یہ شہرت اس حد تک بڑھی کہ جامع قرآن، عثمان کا دوسرا قافیہ بن گیا۔

سادہ لوح عوام نے یہ سوچا ہی چھوڑ دیا کہ اس پروپیگنڈے کی پشت پر کون سی طاقت کام کر رہی ہے اور اس سے اسلامی دستورِ حیات کس قدر مجروح ہو گا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ کے بعد جمع قرآن کی روایت اتنی ہی مسلّم ہو گئی جتنی مسلّم روایت عبداللہ بن سبا کے کارناموں کی ہے کہ آج اگر کوئی شخص ابن سبا کے وجود پر اعتراض کرتا ہے تو طبری وغیرہ میں واقعات کی ترتیب و تنظیم ایک کھلے ہوئے انکار پر آمادہ کر دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو تاریخ ابن سبا کے کارناموں کو اس سلیقہ کے ساتھ تیار کر سکتی ہے وہ جمع قرآن کی داستان بھی بآسانی وضع کر سکتی ہے، پھر جب کہ دونوں کا تعلق مذہب معاویہ کے دو اہم ارکان

سے تھا جمع قرآن کا تعلق فضائل خلفاء سے تھا اور ابن سبا کا تعلق نقائص مذہب اہلبیتؑ سے۔

معاویہ نے اس بات کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا تھا کہ اس طرح کی بے پناہ حدیثیں ہی واقعہ کی عظمت کو گھٹانے کے لیے کافی ہیں۔ ایک قرآن تین مرتبہ جمع نہیں کیا جاتا اور اگر جمع بھی کیا جاتا ہے تو دوسری تدوین پہلی تدوین کے نقص کی دلیل ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کام تینوں خلفاء نے اپنے اپنے دور میں کیا ہے تو کسی کا کام بھی معتبر نہیں رہا، اور اگر کسی ایک ہی نے کیا تھا تو تینوں کی طرف انتساب روایت کے ضعف کی زندہ دلیل ہے۔

ضرورت ہے کہ اس موقع پر جمع قرآن کی روایات پر ایک عبوری نظر کر لی جائے اور اس کا ایک مختصر خاکہ ذہنوں میں رکھ لیا جائے۔ ان روایات کے خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ یہ تقریباً ۳۰ روایتیں ہیں جن کے سب کے سب راوی اہل سنت میں سے ہیں، علماء تشیع کا ان روایات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ ان روایات میں یہ طے نہیں ہو سکا کہ جمع قرآن کا کام خلفاء ثلاثہ میں سے کس خلیفہ کے دور میں ہوا ہے؟ یا ایک ہی کام ہر دور میں ہوا ہے؟ یا کاموں کی نوعیت مختلف تھی؟

۳۔ ان روایات میں یہ اختلاف بھی ہے کہ اس ضرورت کا احساس کس موقع پر پیدا ہوا اور یہ بات کسی جنگ کے مقتولین کو دیکھ کر ذہنوں میں آئی یا اسلامی ضرورت کی بنیاد پر؟

۴۔ یہ بھی طے نہیں ہے کہ اس ضرورت کا احساس خود خلیفہ کے ذہن میں پیدا ہوا یا امت کے کسی فرد نے فرمائش کی تھی۔

۵۔ اس کاروبار کی کوئی ایک کمیٹی بھی معین نہیں ہے، بلکہ ہر دور کی کمیٹی الگ الگ ہے۔

۶۔ کسی کمیٹی میں خود خلیفۂ وقت نے کوئی حصہ نہیں لیا ہے بلکہ حضرت عثمان نے جمع ہو جانے کے بعد بھی فرمایا کہ ابھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں جنھیں عرب خود ہی درست کر لیں گے۔

۷۔ جمع کمیٹی میں کسی ایک صاحب علم تفسیر کا تذکرہ نہیں ملتا ہے بلکہ دور اوّل ہی میں اس کے سربراہ زید بن ثابت قرار دیے جاتے ہیں جن کی عمر بقول صاحب اسد الغابہ

وقت ہجرت صرف گیارہ سال کی تھی۔ ظاہر ہے کہ گیارہ سال کا بچہ مکی آیات کو کیوں کر جمع کرسکتا ہے؟ اور اس میں کون سی خصوصیت تھی کہ کبار صحابہ کو چھوڑ کر اس کا انتخاب کیا جائے؟

۸۔ اس کمیٹی میں حضرت ابن مسعود جنھیں اعلم امت کہا جاتا ہے اور حضرت ابن عباس جنھیں مفسر اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان کا کوئی نمایاں کارنامہ نہیں ہے۔

۹۔ اس کمیٹی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ جس آیت کے لیے دو عادل گواہ مل جاتے تھے اسے داخل قرآن کرلیتی تھی اور جس آیت کے دو گواہ نہیں ملتے تھے اسے رد کردیتی تھی، چاہے اس کے راوی خود حضرت عمر بن الخطاب ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۰۔ اس کمیٹی کا بیان ہے کہ کچھ مخصوص آیات حضرت عائشہ کے بستر پر پڑی تھیں جنھیں ان کی بکری کھا گئی تھی اور انھیں شامل قرآن نہیں کیا جاسکا۔

(یاد رہے کہ تاریخ اسلام میں حضرت عائشہ کی بکری، حضرت ابوہریرہ کی بلی، حضرت عمر کا کوڑا اور حجاج کی تلوار کا نمایاں رول رہا ہے۔)

جمع قرآن پر ایک نظر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف و بے ترتیبی کا عقیدہ جمع و تدوین قرآن ہی سے پیدا ہوا ہے ورنہ کوئی بھی باخبر مسلمان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ دور رسول اکرمؐ میں قرآن مرتب ہوا تھا اور بعد میں حکام جور نے اس کی ترتیب بدل ڈالی یا اس کے آیات کم کر دیے۔ یہ سب باتیں اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب اصل جمع و ترتیب قرآن کا کام خلفاء اسلام اور حکام جور کے حوالے کر دیا جائے اور یہ عجیب بات ہے کہ جن علماء تشیع نے تحریف و نقص قرآن پر اتنا زور دیا ہے ان کے یہاں جمع قرآن کی کوئی ایک روایت نہیں پائی جاتی ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ صدر اسلام سے مذہبی تعصب نے مسلمانوں کے ذہنوں کو عمومی طور پر ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا جس میں تحقیق سے زیادہ کام تردید کا ہو رہا تھا، ہر شخص دوسرے کے مذہب کو باطل کرنے کی فکر میں تھا اور مناظرانہ روش ذوق تفتیش پر غالب آگئی تھی، علماء شیعہ کی بھی ایک بڑی جماعت اسی روش پر چل پڑی۔ ان حضرات نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ اس قسم کے روایات سے اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں بلکہ اغیار کی روایات کا سہارا لے کر ان پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ ابتدا میں یہ کام علمی سطح پر مناظرانہ انداز سے ہوتا رہا اور ظاہر ہے کہ مناظرانہ بحثوں میں فریق مخالف کے مسلمات پر زیادہ نظر ہوتی ہے اور اصل حقیقت پر کم۔ لیکن بعد کی آنے والی نسل نے اس نکتہ کو نظر انداز کر دیا اور اسی مناظرانہ بحث کو حقیقت کا رنگ دے کر تحریف قرآن کے عقیدے کو جزء مذہب بنا لیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جو شخص خلفاء کے جمع قرآن اور اس سلسلے میں تحریف کا قائل نہ ہو گویا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ اس جمع قرآن کے افسانے کی حقیقت کو تلاش کیا جائے اور یہ دیکھا جائے

کہ اس افسانے کی پشت پر کون سے عناصر کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل توجہ ہیں:

۱۔ یہ تاریخ کا کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ نے تقاضائے بیعت کے جواب میں یہ کہا تھا کہ میں قرآن جمع کر رہا ہوں، اور اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ علیؑ کی نظر میں قرآن کے جمع کرنے کا کام خلافت وحکومت سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے بابت یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب آپ نے وہ قرآن پیش کیا تو حکام وقت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اہلبیتؑ دشمن عناصر نے وضع حدیث کے دور میں جب ان تاریخی حقائق پر نظر ڈالی تو ایک عجیب وغریب کشمکش سے دوچار ہوگئے، ایک طرف حضرت علیؑ کا اہتمام جمع قرآن اور دوسری طرف حکام وقت کی روش، جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ حکومت کا قرآن سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے اس لیے ان لوگوں نے اس فضیلت کو خلفاء کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیا اور ہر خلیفہ کی دلچسپی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی شان میں حدیثیں تیار ہونے لگیں اور اس طرح ایک قرآن تین مرتبہ مرتب ہوگیا۔ انھیں یہ بات یاد نہ رہی کہ اس سلسلے میں جو تفصیلات وضع کی جا رہی ہیں ان سے قرآن کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔

واضعین حدیث نے خلفاء وقت کے اہتمام سے زیادہ زور ان کی احتیاط پر دیا اور یہاں تک روایت تیار کر لی کہ دو ایک آیتیں خود حضرت عمر کی بھی منظور نہیں ہوئیں صرف اس بنیاد پر کہ ان کے پاس دو گواہ نہیں تھے اور یہ بات بھول گئے کہ اس طرح خلیفۂ وقت کا وقار خاک میں مل جائے گا اور دنیائے مستقبل یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گی کہ جس شخص کا قول خود اس کی مقرر کردہ کمیٹی کے نزدیک معتبر نہ ہو وہ قرآن کا ترجمان اور اسلام کا سربراہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

۲۔ ان روایات کے وضعی ہونے کی دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ انھیں جس اہتمام حفظ قرآن کے اظہار کے لیے وضع کیا گیا تھا ان میں وہ بات دور دور تک نظر نہیں آتی ہے بلکہ اہتمام سے زیادہ باہمی اختلاف کا حصہ نظر آتا ہے۔ واضعین حدیث کے پیش نظر کئی قسم کے کام تھے، اہتمام حکومت، مرتبہ صحابیت، علم قرآن، تحفظ سیاست۔ اس لیے انھوں نے

اپنی روایتوں میں تمام باتوں کا بندوبست کیا، کسی کے دل میں یہ احساس پیدا کرایا کہ اب قرآن کو جمع ہو جانا چاہیے، کسی کو منتظم قرار دیا، کسی کے علم کو ظاہر کرنے کے لیے جمع قرآن کمیٹی کا ممبر بنایا اور کسی کی شخصیت کو گرانے کے لیے اس کمیٹی سے نکال دیا یہاں تک کہ ابن مسعود فریاد کرتے رہ گئے، اور کوئی سننے والا نہ پیدا ہوا، ابن عباس کی شخصیت یکسر نظر انداز ہو گئی، دوسرے صحابہ پردہ کر گئے، اور قرآن للہ الحمد کے ساتھ پس پردۂ تقدیر سے باہر آگیا۔ یہ اور بات ہے کہ خلفاء وقت کا علم، ان کا احساس، ان کی صلاحیت اور ان کا اعتبار پردے ہی میں رہ گیا۔

۲۔ ان روایات کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان میں قرآن کمیٹی کا یہ اعلان مسلسل درج ہوا ہے کہ جس آیت کے دو گواہ نہ ہوں گے وہ درج قرآن نہ کی جائے گی اور اس طرح اعتبار قرآن کو دو گواہوں کے اعتبار سے مربوط کر دیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اسلام کا ابدی دستور، امت کا ملجا و ماویٰ، احکام الٰہیہ کا مصدر و مرکز دو صحابیوں کے اعتبار کا ممنون کرم ہو جائے اور وہ بھی دو ایسے صحابی جن کے نام تک صفحۂ تاریخ پر محفوظ نہ ہوں کہ اس آیت کی گواہی میں کون دو بزرگ تشریف لائے تھے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اسلامی آئین کی رو سے ہر حدیث کی صحت و کمزوری کا مرجع قرآن کریم کو قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم کا حال یہ ہے کہ اس کی آیتیں دو دو صحابیوں کی شہادت سے آیت مانی گئی ہیں تو کیا ایسی حالت میں تین گواہ والی حدیث کو قرآن کی آیت پر مقدم نہیں کیا جائے گا؟۔ ہونا تو یہی چاہیے کہ اگر کسی حدیث کے تین راوی ہوں اور اس کا مضمون کسی آیت قرآنی سے ٹکرا جائے تو حدیث کو مقدم کر دیا جائے اور آیت کو ٹھکرا دیا جائے اس لیے کہ آیت کے آیت ہونے پر دو گواہ ہیں اور حدیث کے حدیث ہونے پر تین گواہ ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی بھی باذوق اور ہوشمند مسلمان اس فیصلے پر راضی ہو سکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو کیا یہ بات تنہا اس امر کا زندہ ثبوت نہیں ہے کہ تحریف قرآن و جمع قرآن کا افسانہ صرف خیر خواہوں کی ایجاد ہے اسے نہ حقیقت سے کوئی واسطہ ہے نہ عظمت اسلام سے۔

قیامت یہ ہے کہ قرآن کے دو گواہوں کے نام تک تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں اور نہ کہیں یہ درج کیا گیا ہے کہ اس آیت کے گواہ فلاں فلاں بزرگ تھے جب کہ حدیث کے راویوں کے نام و نسب تک محفوظ ہیں تو گویا معلوم النسب افراد کی شہادت کے ہوتے ہوئے غیر معلوم النسب افراد کی شہادت کو مقدم کر دیا جائے گا؟ اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو ماننا پڑے گا کہ قرآن و حدیث کے ٹکراؤ میں ہمیشہ حدیث مقدم کی جائے گی اور آیت کو ترک کر دیا جائے گا۔

انصاف سے بتلائیے کیا اسلامی دستور کی توہین کا اس سے بڑا کوئی افسانہ تیار ہو سکتا ہے اور کیا جمع قرآن کی اس انوکھی فضیلت نے قرآن کی عظمت کو پامال نہیں کر دیا ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ غیر اسلامی عناصر نے مسلمانوں کے درمیان گھس کر انھیں ایسے خرافات کے تسلیم کرنے پر آمادہ کر دیا ہے جن سے ان کے مذہب کا تقدس اسی طرح ختم ہو جائے جس طرح دیگر مذاہب کا تقدس مجروح ہو چکا ہے۔ ورنہ جمع و ترتیب قرآن کی کیفیت خود گواہ ہے کہ اسے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی مرتب نہیں کر سکتا۔ آیات میں یہ نظم و نسق مضامین میں یہ ترتیب و تنظیم، سوروں میں یہ اجمال و تفصیل سوائے الہامی طاقت کے اور کس کے بس کی بات ہے ــــ یہ اور بات ہے کہ قرآن مجید میں کچھ ایسی آیتیں بھی پائی جاتی ہیں جن کا بظاہر کوئی محل نہیں دکھائی دیتا اور اسی بے ترتیبی سے جمع قرآن کے عقیدے کو تقویت پہونچتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ دو چار آیات کا بے ترتیب معلوم ہونا اور ان کی تنظیم و ترتیب کی مصلحت کا واضح نہ ہونا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ سارے قرآن کو بے ربط اور بے ترتیب تسلیم کر لیا جائے جب کہ دوسری تمام آیتوں میں ایسی حسین تنظیم پائی جاتی ہے جسے جمع قرآن کمیٹی کے ارکان سمجھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس انداز سے مرتب کرنا تو بہت دور ہے۔

واضح لفظوں میں یہ کہا جائے کہ جمع قرآن کمیٹی میں کون ایسا رکن ہے جو چار آیات کے علاوہ قرآن کریم کی چھ ہزار آیتوں کو اتنی خوب صورتی اور ترتیب کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھا سکتا ہو جب کہ آج دنیا کا بڑے سے بڑا حافظ یا قاری بھی کسی ایک آیت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ نہیں رکھ سکتا ہے۔ عمر گذر جائے گی لیکن آیت کی جگہ نہ مل سکے گی اور یہی وجہ

ہے کہ جن حضرات نے بعض آیات کو اپنی جگہ غیر مناسب اور بے ربط خیال کیا ہے وہ بھی آجتک ان آیتوں کی جگہ نہیں تلاش کر سکے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ آج دنیا کے بڑے بڑے مفسرین، مفکرین، صاحبانِ بصیرت ایک آیت کی جگہ تلاش کرنے سے قاصر رہیں اور کل ۲۰۔۲۱ سال کے نوجوان غیر تعلیم یافتہ اتنی لیاقت پیدا کر لیں کہ چھ ہزار آیتوں کو ان کی جگہ پر بٹھا دیں،

"ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے"

سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اگر جمع قرآن کی داستان فرضی اور خلاف واقعہ ہے تو آخر یہ قرآن کب، کس طرح اور کس کے حکم سے جمع ہوا اور اسے یہ موجودہ شکل کس دور میں حاصل ہوئی ـــــ اس کا جواب انشاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔ فی الحال ضرورت ہے کہ جمع و تحریف قرآن کے بارے میں خود اس کے نظریے کا انکشاف کیا جائے تاکہ تاریخ و روایات کے غیر مستند و غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس نظریے پر اعتماد کیا جا سکے۔

تحریف قرآن اور قرآن

کھلی ہوئی بات ہے کہ جب قرآن دنیا کے ہر مسئلہ کے لیے بیان و تبیان اور حیات
و کائنات کے ہر اختلاف کے لیے قول فیصل بن کر آیا ہے تو اپنے بارے میں پیدا ہونے
والے اختلافات کا حل بھی اپنے دامن میں ضرور رکھتا ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ
خود قرآن کریم کے بیانات کی روشنی میں اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ اس کتاب مقدس
میں کسی قسم کی تحریف ممکن ہے یا نہیں۔ اس ذیل میں نمونہ کے طور پر پانچ آیتیں نقل کی جا رہی
ہیں :

۱۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ (ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا
ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

۲۔ انه لکتاب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل
من حکیم حمید۔ (یہ کتاب عزیز ہے باطل اس کے آگے یا پس پشت سے قریب نہیں آسکتا
یہ حکیم حمید کی تنزیل ہے۔)

۳۔ ذٰلک الکتٰب لا ریب فیه۔ (یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی ریب و شک نہیں ہے۔)

۴۔ کتٰب احکمت آیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ (اس کتاب
کی آیتیں محکم ہیں اور انھیں حکیم خبیر کی طرف سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔)

۵۔ کتٰب انزلناه الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ (یہ وہ
کتاب ہے جسے ہم نے تمھاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ظلمات
سے نکال کر نور کی طرف لے آؤ۔)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے حفظ کی ذمہ داری اسی ذات

واجب پر ہے جس نے اسے نازل کیا ہے ـــ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پس پشت سے ـــ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ـــ اس کی آیتیں محکم اور خدائے خبیر کی طرف سے تفصیل دی ہوئی ہیں ـــ یہ عالم انسانیت کو ظلمات سے نکال کر نور میں لانے کے لیے نازل کیا گیا ہے ـــ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر اس میں کسی قسم کی تحریف تسلیم کرلی جائے چاہے وہ کمی میں ہو یا زیادتی میں۔ ترتیب آیات میں ہو یا جمع آیات میں ـــ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس کا تحفظ نہیں کیا اور باطل نے اس پر سامنے یا پیچھے سے قابو پالیا، شک و شبہ کی گنجائش پیدا ہوگئی اور کتاب ظلمت سے نکال کر نور میں لانے کے قابل نہیں رہ گئی ـــ وہ کتاب کیا لاریب فیہ رہے گی جس میں دست غیر معصوم کا دخل ہو جائے اور وہ صحیفہ کیونکر ظلمات سے نکال سکے گا جس کی ترتیب و تنسیق میں غیر ذمہ دار ہاتھوں نے حصہ لیا ہو۔ ہدایت اور اخراج من الظلمات میں ترتیب کلام کو جو دخل ہوتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔

قائلین تحریف نے ان آیات میں طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں، کبھی یہ کہا گیا کہ حفظ قرآن کے لیے کسی ایک نسخہ کا محفوظ رہ جانا کافی ہے۔ کل کا وجود ایک فرد کے وجود سے ثابت ہو جاتا ہے اس لیے سینۂ اہلبیتؑ میں قرآن کا محفوظ رہ جانا اس کے تحفظ کے لیے بہت کافی ہے، کبھی یہ تاویل کی گئی کہ باطل کے سامنے اور پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی باطل اس سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔ لاریب فیہ کے بارے میں یہ توجیہ کی گئی کہ اس میں کوئی شک و شبہ کا مضمون نہیں ہے ـــ لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ ساری تاویلیں اور توجیہیں بالکل بے بنیاد ہیں۔ قرآن کریم نے حفظ و صیانت کے اعلان کے ساتھ ساتھ بار بار لفظ تنزیل کی تکرار کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صیانت کا تعلق اس کتاب سے ہے جسے نازل کیا گیا ہے اور اس میں کوئی بحث نہیں کی جاسکتی کہ حضور اکرمؐ نے علم کتاب کو سینۂ اہلبیتؑ کے حوالہ کیا ہے۔ تنزیل وہی ہے جسے حضورؐ نے قوم کے حوالہ کیا تھا اور اسے بتایا تھا، سنایا تھا، سمجھایا تھا اور محفوظ کرادیا تھا۔ لاریب فیہ کا مصداق بننے کے لیے کلام کا ہر غیر معصوم دخل اندازی سے پاک ہونا ضروری ہے ورنہ غیر معصوم جہاں

ترتیب آیات کو بدل سکتا ہے وہاں سہو ونسیان کا بھی شکار ہو سکتا ہے اور خود ترتیب کا غیر ذمہ دارانہ طور پر بدل جانا بھی مطالب ومفاہیم کے مشکوک بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

باطل کے سامنے یا پس پشت سے قریب آنے کی نفی کے ساتھ حکیم حمید کی تنزیل کا حوالہ دینا بھی یہ بتا رہا ہے کہ اس کی تنزیل پر کوئی باطل اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ سامنے اور پیچھے کا ایک اشارہ یہ بھی ہو سکتا ہے (واللہ اعلم) کہ نہ باطل سامنے سے آ کر اس میں شامل ہو سکتا ہے کہ تنزیل میں اضافہ ہو جائے اور نہ پس پشت سے آ کر اس میں سے کچھ اخذ کر سکتا ہے کہ تنزیل میں نقص واقع ہو جائے جو اس کے کتاب عزیز اور تنزیل حکیم حمید ہونے کا تقاضا ہے۔

انتباہ:

تحریف قرآن کے سلسلے میں یہ بنیادی نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قائلین تحریف اس عمل کو کس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ کام کس نے انجام دیا ہے؟ تاریخی طور پر اس مسئلہ میں تین احتمالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ دور شیخین میں تحریف ہوئی ہو۔

۲۔ دور عثمان میں تحریف ہوئی ہو۔

۳۔ حضرت علیؑ کے دور خلافت کے بعد یہ کام انجام پایا ہو۔

تیسرے احتمال کا تصور اس لیے ناممکن ہے کہ حضرت علیؑ کے دور خلافت تک قرآن کریم اس قدر شائع وذائع اور رائج ومشہور ہو گیا تھا کہ اس کے بعد کسی بڑے سے بڑے حاکم وقت کے بس کی بات یہ نہیں تھی کہ وہ ان تمام مصاحف کو جمع کر کے ان میں کچھ اضافہ کر دے، یا ان میں سے کچھ آیات کم کر دے یا کم از کم ان کی ترتیب ہی بدل دے، حجاج بن یوسف جیسے حکام کے لیے اتنے بڑے اقتدار کا تصور تاریخ سے غفلت کا نتیجہ ہوگا۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں اس وقت تک حجاج کی دلچسپی کا کوئی ایسا موضوع نہیں رہ گیا تھا جس میں وہ تحریف وترمیم کرتا۔ اسلام اس کے قبل ہر رنگ خلافت کو دیکھ چکا تھا اگر

تحریف و ترمیم کی کوئی ضرورت ہوتی تو وہ اس کے پہلے پوری ہو چکی ہوتی۔

دور عثمان میں بھی تحریف کا تصور تقریباً ایسا ہی ہے اس لیے کہ ایک طرف عثمان کا اقتدار اتنا عظیم نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کے سارے جذبات و احساسات پر قابو پا کر قرآن کریم میں تحریف کر دیتے اور کوئی اثر نہ ہوتا، اور دوسری طرف عثمان کے مخالفین کے سکوت کا کوئی محل نہیں تھا۔ جو لوگ اموال کی خیانت، والیوں کی بداعمالیوں پر حاکم وقت کے قتل پر آمادہ ہو جائیں ان کے سامنے اگر تحریف قرآن جیسا جرم آجاتا تو وہ کبھی اسے نظر انداز نہ کرتے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی حربہ کو استعمال کرتے۔ عثمان کی حکومتی کمزوریوں میں تحریف قرآن کا ذکر نہ ہونا اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ تحریف کا کام اس دور میں قطعی طور پر انجام نہیں پایا تھا بلکہ تاریخی حالات تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ جب خلیفہ نے تمام قراءتوں کو منسوخ کر کے حفاظ قرآن کو ایک قراءت پر جمع کر دیا اور باقی قراءتوں کے رواج کو ختم کرنے کے لیے دیگر مصاحف کو نذر آتش کر دیا تو مسلمانوں نے قراءت کے اتحاد کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی اہمیت احراق قرآن کے جرم کو دی، اور تاریخ میں جہاں ایک طرف فضائل عثمان میں جمع قراءت کا ذکر ہوتا رہا وہاں دوسری طرف اسی کے پہلو بہ پہلو احراق قرآن کی مذمت بھی ہوتی رہی۔ ظاہر ہے کہ جس تاریخ نے اصل قرآن کے باقی رہتے ہوئے دیگر مصاحف کے نذر آتش ہونے کو برداشت نہ کیا ہو وہ تاریخ تحریف قرآن کو کہاں معاف کر سکتی تھی جب کہ اس کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں ہے۔

صرف ایک احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ تحریف کا کام دور شیخین میں انجام پایا ہو لیکن یہ تصور بھی اسی وقت روبراہ ہوگا جب یہ طے ہو جائے کہ دور شیخین سے پہلے عہد رسالت میں قرآن کریم کی جمع آوری کا کام انجام نہیں پایا تھا اور یہ وہ بات ہے جس کی ہم مسلسل تردید کرتے چلے آرہے ہیں اور آئندہ بھی مزید وضاحت کرتے رہیں گے۔

شیخین کی تحریف کے بارے میں یہ مسئلہ قابل توجہ ہوگا کہ انھوں نے کن آیتوں میں تحریف کی؟ احکام کی آیتوں کو بدلا؟ یا ان آیتوں کو حذف کر دیا جن سے ان کی حکومت و ریاست پر کوئی اثر پڑتا تھا؟ ظاہر ہے کہ آیات احکام کے بدلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس

لیے کہ جو حکومت اہتمام قرآن کے نام پر قائم ہوئی ہو، اس میں اتنی جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ احکام کی آیتوں ہی میں ترمیم کر دے؟ — ایسا ممکن ہوتا تو مسئلہ فدک میں خلافت کو حدیث آحاد کا سہارا نہ لینا پڑتا بلکہ آیات ارث ہی کو قرآن سے نکال دیا جاتا۔

آیات فضائل اہلبیتؑ و معائب خلفاء کے بارے میں یہ احتمال ضرور ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کریم میں ایسے آیات تھے تو انھیں رسول اکرمؐ نے سُنایا کیونکر؟ جب کہ آپ کی تبلیغ کی بنا منافقین کی تالیف قلب پر تھی اور اسی بنیاد پر آپ نے ہر فتنہ کو دبا رکھا تھا، اور اگر آپ نے سُنا دیا تھا تو مسلمانوں نے آپ کے انتقال کے بعد ان کا ذکر کیوں نہیں کیا جب کہ تاریخ کے بیان کے مطابق اس وقت نہ قرآن جمع ہو رہا تھا اور نہ خلافت طے پائی تھی، اور اگر بفرض محال مسلمان اس وقت غافل ہو گئے تو تحریف کے بعد مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام ہی نے ذکر کیا ہوتا۔ آپ نے خلافت اولیٰ کے خلاف متعدد احتجاجات کیے جنھیں علامہ طبرسیؒ اور علامہ مجلسیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ خلافت ثانیہ کے خلاف برابر بیان دیتے رہے اور اپنے دور میں تو خطبہ شقشقیہ میں سارے پردے چاک کر دیے اور ساری نقابیں نوچ کر پھینک دیں، حکومتوں کے کھانے پینے اور بد ہضمی تک کا تذکرہ کر دیا لیکن تذکرہ نہ کیا تو صرف تحریف قرآن کا۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ علیؑ جیسا نفس پیغمبر ذمہ دار اسلام اپنے سابق حکام کے ذاتی کردار پر تو تبصرہ کرے اور ان کی اسلام کش حرکت کو نظر انداز کر دے؟

علیؑ کا سکوت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قرآن اپنی اصلی حالت پر باقی تھا اس تک کسی حکومت و خلافت کی دسترس نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات خود حضرت علیؑ کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے کہ اگر آپ کے قبل کے حکام نے قرآن کریم میں کوئی تحریف و ترمیم کر دی تھی تو حکومت پانے کے بعد آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ ان آیات کا اظہار کرتے اور قرآن کریم کی تکمیل و تصحیح کا کام انجام دیتے۔

اس سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح ملک میں بغاوتوں کے دروازے کھل جاتے اور علوی دور حکومت ناکامیاب ہو جاتا۔ اس لیے کہ ایسے تصورات علیؑ جیسے ذمہ دار شریعت

کے لیے قطعی نامناسب بلکہ غیر صحیح ہیں۔ علیؑ اس کردار اکمل کا نام ہے جس نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ "اگر کسی مال کے ذریعہ شادی بیاہ ہو چکا ہے تو میں اسے بھی واپس کراؤں گا۔ عدل میرا فریضہ ہے اور جسے عدل راس نہ آئے اسے ظلم کیا راس آئے گا۔"

کیا اس اعلان کے وقت علیؑ کے پیش نظر بغاوتیں نہیں تھیں ؟ کیا اس وقت آپ ہنگاموں کا اندازہ نہیں کر رہے تھے ؟ ۔ یقیناً یہ سب کچھ تھا لیکن آپ نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور اعلان کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جو حاکم معصوم اموال کے بارے میں اتنا محتاط ہو وہ قرآن کے بارے میں کیونکر تساہل سے کام لے سکتا ہے ۔ تاریخ کے جملہ شواہد ایک طرف اور حضرت علیؑ کا یہ سکوت تنہا ایک طرف اس امر کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ دور علوی تک قرآن کریم اسی حالت میں تھا جس حالت میں حضور اکرمؐ پر نازل ہوا تھا اس میں نہ کوئی کمی ہوئی تھی اور نہ زیادتی ۔ اور آپ کے بعد اس کا کوئی امکان اس لیے بھی نہیں ہے کہ آپ کے دور تک قرآن کریم بے حد اشتہار پا چکا تھا۔ اس کے نسخے اس قدر عام ہو چکے تھے کہ ایک جنگ صفین میں پانچ سو قرآن نظر آ گئے ؟

آمدم بر سر مطلب :

تحریف ترتیبی کے ذیل میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ترتیب میں تحریف کے دو ہی تصور ہو سکتے ہیں۔ ایک تصور یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایک طریقہ سے قرآن کو مرتب کر دیا تھا اور بعد کے آنے والوں نے اس ترتیب کو بدل دیا۔ یہ قول وہی حضرات اختیار کر سکتے ہیں جو رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ میں جمع قرآن کے قائل ہوں اور عام طور سے تحریف کا عقیدہ رکھنے والے اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے لیے دوسرا ہی تصور رہ جاتا ہے کہ حضور کی وفات طیبہ کے بعد جامعین قرآن نے ترتیب قرآن میں تنزیل کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ یہ بات ایک پہلو سے بالکل مسلّم ہے کہ ہمارے درمیان رائج قرآن تنزیل کے مطابق نہیں ہے۔ اس کے سورے تنزیل کے بالکل خلاف درج کیے گئے ہیں اور اس کی آیتیں بھی اکثر مقامات پر تنزیل کے تاریخی شواہد کے بالکل برعکس ہیں جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایسا کام مسلمانوں کے ذوق ترتیب

کا نتیجہ ہے یا اس میں حضور اکرمؐ کے ہدایات اور وحی الٰہی کے ارشادات کو بھی دخل ہے فائدہ اس بحث کا یہ ہوگا کہ اگر یہ کام مسلمانوں کے ذوق کا نتیجہ ہوگا تو ترتیب آیات سے کوئی بھی استدلال اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک معصوم کی طرف سے خصوصی یا عمومی سند نہ حاصل ہو جائے یعنی قرآن کریم کے ظواہر اپنی حجیت میں اعتبار معصوم کے محتاج ہو جائیں گے اور اگر اس میں وحی الٰہی کے ارشادات شامل ہوں گے تو قرآن مستقل طور پر اسی طرح حُجّت ہوگا جس طرح معصوم کا ارشاد بغیر خصوصی سند قرآن کے حجت ہوتا ہے۔

علما و محققین کا مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب تنزیل کے خلاف ہوتے ہوئے بھی رسول اکرمؐ ہی کے ہدایات کا نتیجہ ہے۔ آپ مخصوص تبلیغی مصالح کے تحت آیات کی جگہ معین فرماتے تھے اور صحابۂ کرام ان آیات کو انھیں جگہوں پر درج کرلیا کرتے تھے، تاریخ میں اس مطلب کے حسب ذیل شواہد پائے جاتے ہیں:

۱۔ زید بن ثابت ناقل ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرمؐ کے سامنے آیات قرآنی کو مختلف رقعات سے جمع کیا کرتے تھے ـــ امام حاکم کا بیان ہے کہ یہ روایت شیخین بخاری و مسلم کے شرائط کی بنا پر بالکل صحیح ہے، یہ اور بات ہے کہ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی۔ (مستدرک ج ۲، ص ۶۱۱)

۲۔ عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ جب کوئی مہاجر رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو آپ اُسے ہم لوگوں کے حوالہ کر دیتے تھے کہ ہم اُسے قرآن کریم کی تعلیم دیں ـــ (مسند احمد ج ۲، ص ۳۲۴)

۳۔ کلیب کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا، آپ نے تلاوت کی آواز سن کر ارشاد فرمایا، کیا کہنا ان لوگوں کا بڑے خوش قسمت ہیں۔ (کنز العمال ج ۲، ص ۱۸۵)

قرآن مجید کے دو چار سوروں کا حفظ تو اس قدر عام تھا کہ شاید ہی کوئی عورت یا بچہ اس نعمت سے محروم رہا ہو، یہاں تک کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی متفقہ روایت ہے کہ مسلمان عورتیں تعلیم سورہ کو مہر قرار دے کر عقد کیا کرتی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اگر حیات پیغمبرؐ میں قرآن کریم مرتب نہ ہوتا اور سوروں کی تشکیل نہ ہوئی ہوتی تو سوروں کی تعلیم کو مہر قرار دینا یا سوروں کا حفظ کرنا بالکل بے معنی ہوتا۔ خود قرآن کریم میں چیلنج کے مقام پر ایک سورہ دس سورے وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ جو وقت تنزیل سوروں کے وجود کی واضح دلیل ہے۔

شریعت اسلام کا یہ حکم بھی ناقابلِ انکار ہے کہ نماز میں سورۂ حمد کے علاوہ ایک کامل، سورہ کی تلاوت فرض ہے یا نماز آیات میں سورۂ حمد کے علاوہ ایک سورہ کو پانچوں رکوع پر تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فقہ آل محمدؐ سے ثابت ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ اہلبیت اطہارؑ یہ حکم اس وقت تک نہیں دے سکتے جب تک کہ قرآن ان کی نظر میں ہر تحریف سے پاک وصاف نہ ہو اس لیے کہ ایسا نہ ہونے کی صورت میں اہلبیت کرامؑ پر یہ الزام آئے گا کہ انھوں نے ایک سورہ کی تلاوت واجب کردی اور ان سوروں کی تعیین نہیں کی جو تحریف سے محفوظ رہ گئے ہوں اور اس طرح اکثر سوروں کی تلاوت کرنے والوں کی نماز کے باطل ہونے کی ذمہ داری آل محمدؐ ہی پر رہے گی۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ حکم آل محمدؐ کا ایجاد کردہ ہے بلکہ حقیقتاً یہی حضور اکرمؐ کا ارشاد بھی ہے اس لیے کہ آل رسولؐ حضور کے بعد شریعت کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے بلکہ ہر فسخ و ترمیم سے بچانے کے لیے آئے تھے۔

جمع قرآن اور قرآن:

تاریخ و روایات سے پہلے تو اس مسئلہ کو خود قرآن کریم کی روشنی میں حل کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہی دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا ہر حصہ دوسرے کا شارح اور ہر جز دوسرے کا مفسر ہے۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں چند بیانات دیے ہیں:

۱۔ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علينا بيانه ۔" (اے میرے پیغمبر تلاوت قرآن میں زبان کو حرکت دینے میں عجلت نہ کرو اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جس طرح ہم پڑھ دیں ویسے ہی تم بھی پڑھو، پھر اس کا بیان بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔)

آیت سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے جمع و قرات و بیان کی ساری ذمہ داری

پروردگار عالم نے اپنے اوپر رکھی ہے، اور جب بغیر اس کی ہدایت کے حضور اکرمؐ کو قرات کی اجازت نہیں ہے تو دوسرے انسان کو کیونکر ہو سکتی ہے؟ یہ تو خود حضور ہی کی ذمہ داری ہے کہ جس طرح پروردگار نے انھیں ہدایت دی ہے اسی طرح جملہ ہدایات کو امت کے حوالہ کر کے جائیں ورنہ صرف منتشر آیات کو بغیر جمع و قرات و بیان کے چھوڑ دینا کتاب اللہ کے چھوڑ جانے کے مرادف نہیں ہے۔

۲۔ "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللّٰہ ان کنتم صٰدقین۔" (بقرہ) "اگر تم اس چیز کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اُس جیسا ایک ہی سورہ لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے گواہوں کو بھی طلب کر لو، اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔"

۳۔ "ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللّٰہ ان کنتم صادقین۔" (ہود) "کیا یہ کہتے ہیں کہ رسول نے خدا پر افترا کیا ہے؟ تو اے رسول ان سے کہہ دو کہ تم بھی ایسے دس سورے افترا کر کے لاؤ اور اللہ کے علاوہ جسے چاہو اپنی کمک کے لیے بلا لو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔"

۴۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ (بنی اسرائیل) "اے پیغمبرؐ کہہ دو کہ اگر انس و جن مل کر بھی اس قرآن کا جواب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے چاہے باہم ایک دوسرے کی کمک ہی کیوں نہ کریں۔"

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں قرآن کریم کے جمع و ترتیب کا کام برابر انجام پا رہا تھا، حضور نے سوروں کی تشکیل بھی دے دی تھی اور مجموعہ کتاب کا بھی ایک تصور قائم کر دیا تھا، ایسا نہ ہوتا تو دس سوروں کے جواب کا مطالبہ یا پورے قرآن کے جواب کا مطالبہ لغو و مہمل ہو جاتا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دس سورے چھوٹے چھوٹے ایسے ہو سکتے ہیں جن میں ترتیب و تحریف کا کوئی سوال نہ ہو بلکہ وہ مکمل طور پر ایک ساتھ نازل ہوئے ہوں جیسے سورۂ حمد، سورۂ توحید

غور کر کے حالات کے پیش نظر ان کا تجزیہ کرتا ہے، اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ نکتہ بہر حال پیش نظر رکھنا ہوگا کہ قرآن کریم کی تنزیل دفعۃً نہیں ہوئی ہے وہ حالات و مقتضیات کے پیش نظر جستہ جستہ نازل ہوتا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک ایک واقعہ کو مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے اور ہر بیان کو دوسرے سے مختلف رکھا گیا ہے یعنی جہاں جس جزء پر زور دینے کی ضرورت تھی وہاں اسے واضح کیا اور باقی اجزاء کو نظر انداز کر دیا۔ ایسے حالات میں کسی انسان کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ایک واقعہ میں ایسا تضاد اور اختلاف بیان کیوں؟ اس لیے کہ یہ باتیں حالات کی تابع ہوا کرتی ہیں۔ تصنیف کا سلیقہ اور ہوتا ہے اور تبلیغ کا سلیقہ اور ــــ دستور کی زبان اور ہوتی ہے، قانون تربیت کی زبان اور ــــ دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تنزیل قرآن کے ساتھ جمع قرآن کا مرحلہ پیش آیا۔ حضور اکرمؐ نے جس آیت کو دوسری آیت سے موضوع، مقصد یا ماحول کے لحاظ سے یکساں پایا اسے اسی آیت کے ساتھ جمع کر دیا۔ مکی یا مدنی کا لحاظ نہیں فرمایا اس لیے کہ قرآن پورا دستور تربیت بن کر آیا تھا، وہ مکی مدنی کی تقسیم کرنے نہیں آیا تھا۔ یہ تو صاحبان ذوق کا ذوق جستجو ہے کہ انھوں نے آیات کی تنزیل کو تلاش کر کے مکی و مدنی کے امتیازات قائم کر لیے ورنہ مقصد کے اعتبار سے جو مدعا مکی آیات کا ہے وہی مدنی آیات کا بھی ہے، اور جس مقصد کو سمجھانے کے لیے مدنی آیتیں آئی تھیں اسی مقصد کی تفہیم کے لیے مکی آیتیں بھی نازل ہوئی تھیں۔

قائلین تحریف نے یہ تو محسوس کر لیا کہ مکی سوروں میں مدنی آیتیں ہیں، اور مدنی سوروں میں مکی آیتیں ہیں۔ لیکن یہ محسوس کرنے کی زحمت نہیں کی کہ بہت سی مکی آیتیں مدنی آیات سے موضوع و مقصد کے اعتبار سے متحد بھی ہو سکتی ہیں اور ایسے حالات میں انھیں ان آیات سے الگ کر دینا اپنے مقصد کو مجروح کر دینے کے مرادف ہوگا۔ مثال کے طور پر اس مقام پر چند آیتیں نقل کی جا رہی ہیں جن سے مدعا کی باقاعدہ وضاحت ہو سکتی ہے:

۱۔ (ا) "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین۔" (بقرہ)

(ب) "أم یقولون افترٰیہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا

وغیرہ، اس لیے کہ یہ بات حضور کے چیلنج کو کمزور بنا دیتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے سوروں کو مرتب دیکھ کر تحدی کر دی اور بڑے سوروں کے جواب کے مطالبہ کی ہمت نہ کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن اس میں کچھ کمزوریاں نکال دیں یا اس جیسا کوئی کلام ہی بنا لائیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل میں پورے قرآن کے مثل کا مطالبہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے ورنہ اس وقت تو پورے قرآن کا سوال ہی نہیں تھا — لیکن یہ خیال بھی دور از قیاس ہے اس لیے کہ "بمثل ہٰذا القرآن" کہنے کے لیے ایک مجموعہ کی طرف اشارہ تو ضروری ہے لیکن پوری کتاب کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر آج کوئی غالب کے دیوان کے سو ورق لے کر دوسرے کے سامنے پیش کر دے اور یہ دعویٰ کرے کہ اگر ہمت ہو تو ایسا دیوان مرتب کرو تو بات خلاف بلاغت نہ ہوگی لیکن اگر ایک دو غزلوں کو لے کر یا دو چار دس بوسیدہ اوراق کو سامنے رکھ کر ایسا دعویٰ کرے تو بات قوانین بلاغت کے خلاف ہو جائے گی۔ "ھٰذا القرآن" کا اشارہ خود گواہ ہے کہ قرآن کے لفظ سے ایک مخصوص کلام کی طرف اشارہ ہے اس میں کل وجز کی قید نہیں ہے جس طرح کہ ذٰلک الکتٰب میں ایک اشارہ ہی ہے جس کا بظاہر کوئی مصداق موجود نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ذٰلک کا اشارہ بعید کے لیے ہے اس لیے اس میں بظاہر مجموعہ کی ضرورت نہیں ہے اور ھٰذا کا اشارہ سامنے کے لیے ہے اس لیے اس میں ایک مجموعہ کا حاضر ہونا بے حد ضروری ہے۔

چند شبہات:

مذکورہ بالا آیات و بیانات کو دیکھنے کے بعد یہ شبہات ضرور پیدا ہوتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کے جمع و ترتیب میں وحی الٰہی اور اشارۂ خداوندی کو دخل ہے تو اس کے آیات میں بدنظمی اور بے ربطی کیوں ہے۔ قبل کی آیت بعد میں اور بعد کی آیت قبل میں۔ مکہ کی آیت مدنی سورے میں اور مدینہ کی آیت مکی سورہ میں۔ واقعہ سے پہلے کی آیت بعد میں اور واقعہ کے بعد کی آیت پہلے — جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کی ترتیب میں کسی اچھے صاحب ذوق اور سلیقہ مند کا ہاتھ نہیں ہے لیکن یہ شبہات اس وقت فنا ہو جاتے ہیں جب انسان آیات کے خصوصیات اور اس کے پس منظر پر

من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۔" (ہود)

(ج) " قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ اَن یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً ۔" (بنی اسرائیل)

مذکورہ بالا آیات میں قرآن کریم نے اپنے بے مثل اور لاجواب ہونے کی تحدی کی ہے۔ پہلی آیت میں ایک سورہ کا جواب مانگا ہے، دوسری آیت میں دس سوروں کا جواب طلب کیا ہے اور تیسرے سورہ میں کل قرآن کی طرف سے چیلنج کیا ہے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ قاعدہ کے اعتبار سے پہلے پورے قرآن کا جواب طلب کرنا چاہیے تھا پھر جب کفار خاموش رہ جاتے تو دس ہی سوروں کا جواب طلب کیا جاتا، اور جب اس سے بھی عاجز رہ جاتے تو یہ کہا جاتا کہ اگر کچھ ممکن نہیں ہے تو ایک ہی سورہ کا جواب لے آؤ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا پہلی آیت سورۂ بقر میں ہے جو پہلے ہی پارے سے شروع ہو جاتا ہے۔ دوسری آیت سورۂ ہود کی ہے جو گیارہویں پارے میں ہے اور تیسری آیت سورۂ بنی اسرائیل میں ہے جس سے پندرہویں پارہ کا آغاز ہوتا ہے۔ تحدی کی یہ بے ربطی واضح دلیل ہے کہ قرآن کریم میں غیر وحی کا ہاتھ لگا ہے اور اس کی ترتیب مسلمانوں نے درہم برہم کر دی ہے۔

یہ اعتراض اگرچہ بڑے زور شور سے نقل کیا جاتا ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ معترضین نے اتنی شدید غفلت سے کیونکر کام لیا۔ علماء اسلام نے جہاں سوروں کی ترتیب کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی تنزیل کی نوعیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ تفصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ محل بحث آیات کی ترتیب ہے سوروں کی ترتیب نہیں۔ سوروں کی ترتیب بہر حال اختلافی ہو سکتی ہے جس طرح کہ سوروں کے اسماء میں ہر دور میں اختلاف رہا ہے اس لیے کہ اس کا کوئی تعلق وحی الٰہی سے نہیں ہے۔ تاریخ قرآن بھی گواہ ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کے مصاحف میں ترتیب سور میں فرق تھا اور عجب نہیں کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ نے اس امر کی اصلاح بھی ضروری سمجھی ہو اور اس کی طرف اپنے مصحف میں اشارہ فرمایا ہو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مطابق تنزیل ترتیب سے کام لیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ مطالب قرآن پر بحث کرنے کے لیے سوروں کی ترتیب اور

پاروں کے نمبر سے استدلال نہیں ہو سکتا اس کا تعلق تمام تر آیات سے ہے اور انھیں کی ترتیب سے احکام و مسائل کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اعتراض انتہائی بے ربط ہے اس لیے کہ سورۂ بقرہ مدنی سورہ ہے اور ہود و بنی اسرائیل مکی۔ پھر ان دونوں سوروں میں بھی ترتیب یہ ہے کہ پہلے اسراء (بنی اسرائیل)، اس کے بعد یونس اس کے بعد ہودؔ۔ زمانے کے اندازہ کو حذف کرنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالق کائنات نے پہلے مکہ کے کفار کو پورے قرآن کا جواب لانے کی دعوت دی اور جب وہ عاجز رہ گئے تو ایک سورۂ یونس کا فاصلہ دے کر سورۂ ہود میں دس ہی سوروں کا مطالبہ کر لیا اور جب ان دونوں منزلوں پر کفار نے سکوت اختیار کیا تو خلاق کائنات نے بھی کوئی باز پرس نہیں کی یہاں تک کہ مدینہ پہونچنے کے بعد لوگوں نے پھر شکوک و شبہات پیدا کرنا شروع کر دیے تو قدرت نے ایک بار پھر تحدی کی اور اب کی مرتبہ صرف ایک سورہ کا مثل طلب کیا۔

اس تحقیق کا قرآنی شاہد خود آیات کریمہ کا سلیقہ بیان اور انداز گفتگو ہے۔ پورے قرآن کے جواب کے موقع پر انس و جن دونوں کو چیلنج کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کا اختلاف انتہائی شدید تھا اور وہ کسی قیمت پر اس کے الہامی ہونے کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ دس سوروں کے موقع پر یہ لہجہ بدل دیا گیا ہے اور وہاں صرف انسانوں سے خطاب کیا گیا ہے لیکن یہ احتیاط رکھی گئی ہے کہ کمک طلبی کے موقع پر "من استطعتم" کا عموم باقی رکھا ہے یعنی جسے چاہو مدد کے لیے طلب کر و ایسے دس سورے نہیں لا سکتے۔۔ مدینہ پہونچنے کے بعد یہ لہجہ بھی بدل گیا اور وہاں صرف "شہدائکم" اپنے حاضرین اور گواہوں کی مدد کا ذکر کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک سورہ کے جواب کے لیے کتنا مناسب چیلنج کیا گیا ہے۔

آخری دونوں آیتوں میں مکہ و مدینہ کا فرق یوں بھی واضح ہو سکتا ہے کہ مکی آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ لوگ قرآن کو رسول کا افترا و بہتان کہتے ہیں یعنی مخالف

لے تاریخ القرآن، علامہ ابو عبداللہ الزنجانی، مطبوعہ ۱۳۸۸ھ، بیروت

میں اتنی جرأت و ہمت ہے کہ وہ صراحت لہجہ سے کام لے کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا ہے اور مدنی آیت میں ایسے کسی اظہار کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہاں "فی ریب" کا حوالہ دیا گیا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا اس لیے کہ شان وشوکت گھٹنے کے بعد کفار علی الاعلان مخالفت سے مرعوب ہو سکتے ہیں لیکن ریشہ دوانیوں سے غافل نہیں ہو سکتے ہیں۔
مثل مشہور ہے "چور چوری سے جا سکتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جا سکتا ہے"۔

اس مقام پر ابن ندیم کا "فہرست" میں ذکر کیا ہوا یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ علماء اسلام نے سوروں کی جس تنزیلی ترتیب کا ذکر کیا ہے اس میں ۴۸ سورۂ بنی اسرائیل کا ہے اور ۴۹ سورۂ ہود کا (درمیان میں سورۂ یونس کا ذکر نہیں ہے) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ہود سے پہلے کم از کم ۴۸ سورے نازل ہو چکے تھے جن میں توحید و کوثر و عصر و فلق والناس جیسے مختصر سورے بھی تھے اور رحمٰن و یٰسین و مریم و فرقان و واقعہ جیسے طویل سورے بھی ــــ اور قرآن کریم یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ "اب بھی اگر اسے افترا سمجھتے ہو تو کم از کم دس سوروں کا مثل لے آؤ"۔

ظاہر ہے کہ یہ بات اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک یہ تمام چھوٹے بڑے سورے سوروں کی شکل میں نہ آ گئے ہوں ورنہ ۴۸ میں دس مختصر سوروں کا جواب طلب کرنا اور طویل سوروں کے مثل سے گریز کرنا ایک قسم کی کمزوری کی علامت بن جائے گا۔

اس نکتہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات اور حیرت انگیز ہو جاتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے مکی حیات میں ۴۸ چھوٹے بڑے سوروں کو مرتب کر دیا ہو اور مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد وہاں کے طویل سوروں کی ترتیب کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ بعض مکی سوروں میں مدنی آیات بھی موجود ہیں جن کا اس وقت تک وجود نہ تھا تو اس کا حل بالکل واضح ہے اس لیے کہ سوروں کا خاکہ تشکیل دینے کے بعد حضورؐ کو یہ مکمل حق رہ جاتا ہے کہ اس میں سے مصلحت تبلیغ کی بنا پر کوئی آیت دوسرے خاکہ میں رکھ دیں یا دوسرے خاکہ کی آیت کو پہلے خاکہ میں جگہ دے دیں۔

خود سورہ کا بھی کوئی تصور خاکہ کے علاوہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ سورہ بذات خود

ایک چہار دیواری ہے جس میں مشیتِ الٰہی نے آیتوں کو بسایا ہے۔ یا واضح لفظوں میں یہ ایک خاکہ ہے جس میں آیات کا رنگ بھرا گیا ہے۔ اب مرسل اعظمؐ کو مکمل اختیار ہے کہ وہ حالات و حوادث کے اعتبار سے آیات کو ان کی جگہوں پر مقرر کر کے تشریف لے جائیں تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ اندازہ رہے کہ آپ نے تبلیغ کی راہ میں کن حالات کا مقابلہ کیا ہے اور ایسے حالات میں کن آیات کریمہ سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۲۔ آیات تحدی (چیلنج) کے علاوہ دوسری جگہ جہاں ترتیب آیات صریحی طور پر تنزیل کے خلاف واقع ہوئی ہے غدیر خم کی منزل ہے۔ دنیائے اسلام کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ غدیر خم کے میدان میں پہلے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك۔۔۔ کی آیت نازل ہوئی جس کے بعد حضور اکرمؐ نے اصحاب کو جمع کر کے پالان شتر کا منبر تیار کر کے ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے ساتھ علیؑ بن ابی طالب کی ولایت مطلقہ کا اعلان فرمایا اور نتیجہ کے طور پر قرآن کریم کی دوسری آیت نازل ہوئی "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"۔

لیکن آج کے موجودہ قرآن میں اکملت لکم پہلے مندرج ہے اور آیت بلغ ما انزل الیك بعد میں۔ کیا یہ اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ بعد کے مسلمانوں نے آیات کو ان کی جگہ سے ہٹا کر دوسرے مقامات پر منطبق کر دیا ہے اور اس طرح واقعہ غدیر کا تسلسل درہم برہم ہو گیا ہے؟

لیکن گذارش صرف یہ ہے کہ آیات کے خلاف تنزیل موجود ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس موضوع پر کوئی بحث کی جاسکتی ہے۔ گفتگو صرف اس بات پر ہے کہ یہ کام سرکار دو عالمؐ کے زیر نگرانی ہوا ہے یا اسے امت ہی نے انجام دیا ہے۔

محققین مذہب کا دعویٰ ہے کہ یہ سارا کام سرکار دو عالمؐ کے زیر نگرانی انجام پایا ہے اور حضورؐ نے مختلف مصالح و مفادات کے تحت آیات کریمہ کی یہ جگہیں معین فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر اسی آیت مبارکہ میں اعلان ولایت علیؑ بن ابی طالب پر تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان بہت ممکن تھا لیکن تاریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ایسے

موقع پر کفار کی مایوسی اور منافقین کی ناکامی کا اعلان قطعی طور پر ممکن نہ تھا۔ قدرت نے ایک دوسرا اہتمام کیا اور وہ یہ کہ ایک مقام پر تکمیل دین کا اعلان کیا اور دوسرے مقام پر کفار کی مایوسی کا تذکرہ کیا اور سرکار دو عالمؐ نے آیات کو ترتیب دیتے وقت تکمیل کی آیت کو مایوسی کی آیت سے ملا دیا تاکہ آنے والی نسلوں کے ارباب عقل و ہوش دونوں اجزاء کو ملا کر غور کریں اور اس نتیجہ تک پہونچ جائیں کہ اس مایوسی کا تعلق ولایت علیؑ ہی سے ہے۔ یہی ولایت وہ ہے جس نے دین الٰہی کو کامل بنا دیا۔ اور یہی ولایت وہ ہے جس کے بعد کفار و منافقین دین الٰہی کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ قرینۂ مطلب کے لیے دونوں آیتوں میں لفظ الیوم رکھ دیا گیا تاکہ صاحبانِ نظر اس نکتہ کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ جس طرح تکمیل دین کا تعلق کسی دن سے ہے اسی طرح مایوسی کفر کا تعلق بھی کسی دن ہی سے ہے یعنی کفار کسی مسئلہ یا حکم سے مایوس نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کی مایوسی کا اصل راز کوئی دن ہے جس دن اسلام کو اپنی مسلسل حفاظت کا وسیلہ مل گیا اور اہلِ کفر کی طرف سے ہر خطرہ کا اندیشہ ختم ہو گیا۔

۲۔ قرآن مجید میں ترتیب کے خلاف تنزیل ہونے کا واضح ثبوت آیت تطہیر ہے۔ جہاں قبل و بعد "نساء النبی" اور ازواجِ پیغمبرؐ سے خطاب کر کے گفتگو کی گئی ہے اور درمیان میں اہل البیتؑ کی طہارت کا اعلان کر دیا گیا ہے جس سے صاف یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیت تطہیر کا بھی کوئی تعلق ازواجِ پیغمبرؐ سے ہے حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔

ضرورت تھی کہ ہر آیت کو اس کی جگہ پر رکھا جاتا اور اس قسم کے شبہات نہ پیدا کیے جاتے لیکن اربابِ اقتدار نے آیات کی ترتیب کو درہم برہم کر دیا اور ازواج کے ذکر کے درمیان اہلبیتؑ کے تذکرہ کو داخل کر کے ازواج کو اہلبیت کے ساتھ متحد بنا دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مقام پر جتنی آیتیں پائی جاتی ہیں ان میں نساء النبی کا عنوان اہل البیت سے قطعی مختلف ہے، نساء النبی سے مراد ازواج پیغمبرؐ ہیں اور اہل بیت سے مراد آپ کے گھر والے یعنی خمسہ نجباء۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں قسم کے آیات کے ایک مقام پر جمع ہو جانے سے کیا نقصان ہوا کہ اسے اہل ہوس کی سازش کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ میرے خیال میں تو دونوں قسم کے آیات کا اجتماع طہارت اہلبیتؑ کو اور واضح کر دیتا

ہے اور اس سے ان کی عظمت واہمیت اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کے پیش نظر ازواج کے مکانات بھی ہیں اور خانۂ زہراؑ بھی ہے اور بیک وقت دونوں قسم کے گھروں کے ساکنوں سے مخاطب ہے۔ ایک کے بارے میں احکام وتعلیمات کا تذکرہ ہے اور دوسرے کے بارے میں طہارت وعصمت کا۔ یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ازواج کے لیے احکام وتعلیمات نازل کیے گئے تو اہلبیتؑ کی عصمت وطہارت کو پیش نظر رکھ کر۔ اور اہلبیتؑ کی طہارت کا اعلان کیا گیا تو ازواج کی حیثیت کو ملحوظ نگاہ بنا کر۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کا گہرا مطالعہ ایک اور حقیقت کو واضح کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت تطہیر کے قبل وبعد کی آیتوں میں قدرت نے مختلف لہجے اختیار فرمائے ہیں اور ہر لہجہ آیت تطہیر کے لیے ایک زمین ہموار کر رہا ہے۔

آغاز کلام میں ارشاد ہوتا ہے:

"یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً۔"

(اے پیغمبر! اپنی ازواج سے کہہ دیجیے کہ اگر تم زندگانی دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ ہم تمھیں مالا مال کر دیں اور بحسن وخوبی رخصت کر دیں اور اگر اللہ ورسول اور روز آخرت کی طلبگار ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کردار خواتین کے لیے اجر عظیم مہیا فرمایا ہے۔)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

"یانساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذلک علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحاً نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقاً کریماً ۝ یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً
معروفاo وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ
واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید
اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً"

(اے زنانِ پیغمبرؐ! جو تم میں سے کوئی کھلی ہوئی برائی کرے گی اس
پر دُہرا عذاب کیا جائے گا اور یہ کام اللہ کے لیے انتہائی آسان ہے اور جو
خدا اور رسول کے لیے فروتنی کے ساتھ عمل صالح کرے گی، اُسے دُہرا اجر دیا جائے گا
اور اس کے لیے رزق کریم مہیا کیا گیا ہے۔

اے زنانِ پیغمبرؐ! تم اگر صاحب تقویٰ بنی رہو تو تمھارا مرتبہ
عام عورتوں جیسا نہیں ہے لہٰذا اپنی گفتگو میں لگاوٹ نہ آنے دو کہ کوئی
دل کا بیمار غلط طمع پیدا کرلے۔ نیک گفتگو کرو۔ اپنے گھروں میں بیٹھی
رہو۔ جاہلیت اولیٰ کا بناؤ سنگار ترک کردو۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا
کرو۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔

اے اہلبیتؑ! اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے ہر رجس کو علیحدہ رکھے
اور تمھیں حق طہارت عطا کرے۔)

آخر کلام میں ارشاد ہے:

"واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ ان
اللہ کان لطیفاً خبیراً"

(تمھارے گھروں میں جن آیات خدا اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہو
انھیں یاد رکھو۔ اللہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی)۔

آیات کریمہ کا تسلسل صاف واضح کر رہا ہے کہ مالک کائنات نے تین مرتبہ کلام
کے لہجہ کو تبدیل فرمایا ہے۔ آغاز کلام میں خطاب ازواج سے ہوا ہے اور اچھائی یا
برائی کی نسبت تمام ازواج کی طرف دی گئی ہے۔ درمیان میں مخاطبت کا رُخ نساء النبی

کی طرف مڑ گیا ہے جو عربی زبان کے اعتبار سے بھی اور قرآنی استعمالات کے لحاظ سے بھی ازواج سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ لفظ ازواج میں صرف رشتہ زوجیت کا گذر ہے اور لفظ نساء میں زوجہ، ماں، بیٹی عورت کی ہر صنف کا داخلہ ممکن ہے اور غالباً یہی راز ہے کہ اب اچھائی یا بُرائی کو مجموعہ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا بلکہ نساء کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ ایک کے لیے دُہرے عذاب کی تہدید اور دوسرے کے لیے دُہرے ثواب کا وعدہ۔ ان دونوں میں بھی بدکرداری کا ذکر پہلے ہے اور نیک کرداری کا ذکر بعد میں۔ جو آیتِ تطہیر سے قریب تر ہے۔

نیک کردار نساء تک پہونچنے کے بعد قرآن مجید نے لفظ "بیوت" استعمال کر دیا اور آخر میں آیتِ تطہیر میں لفظ "بیت" استعمال کر کے پھر روئے سخن بیوت کی طرف موڑ دیا، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ازواج کے تذکرہ کے بعد دائرہ کلام کو وسیع بنا کر عورتوں کی ہر صنف کو داخل کیا گیا ہے اور پھر ان میں سے بدکردار خواتین کو الگ کر کے نیک کردار خواتین کو دو حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے، ایک کا تعلق بیوت سے ہے اور ایک کا تعلق بیت سے۔

بیوت والی خواتین ازواج ہیں اور بیت والی خاتون "نساء" کی ایک قسم یعنی دخترِ نیک اخترِ مرسلِ اعظمؐ حضرت صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراؑ ہیں۔ اس طرح آیات کا تسلسل وارتباط بھی برقرار رہ جاتا ہے اور حضرت صدیقہ طاہرہؑ کی بے پناہ عظمت بھی سامنے آجاتی ہے۔

آیت کا عنوان "اہل البیت" اگرچہ خمسہ نجباءؑ کو شامل ہے اور اس میں سرکار دوعالمؐ حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرات حسنؑ وحسینؑ سبھی داخل ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر آیات میں شان نزول کو بھی اہمیت دی گئی ہے اور اس کے اعتبار سے بھی عنوان اختیار کیے گئے ہیں، اس لیے کوئی بعید نہیں ہے کہ آیتِ تطہیر میں بیت زہراؑ کی مرکزیت اور عظمت کے پیش نظر لفظ بیت استعمال ہوا ہو ۔۔۔ جیسا کہ خصوصیات واقعہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور سرورِ کائنات نے نزولِ آیت

کے لیے شہزادی کا گھر منتخب فرمایا اور پھر وہاں بھی فاطمہؑ ہی سے چادر لے کر ایک چادر کا مکان تعمیر کیا۔ آنے والے حضرات نے بھی فاطمہؑ ہی سے حضور کا پتہ دریافت کیا اور انھیں کے ذریعہ کسا رتک پہونچے اور قدرت نے بھی ملائکہ سے پنجتن کا تعارف کرانے کے لیے شخصیت فاطمہؑ ہی کو وسیلہ قرار دیا۔

ان حالات کے بعد کیا یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ مرسل اعظمؐ نے اس آیت کو آیات ازواج کے درمیان رکھ کر ازواج و نساء، بیوت و بیت کے فرق کو واضح فرمادیا اور دنیا کو بتادیا کہ بیتِ فاطمہؑ کی عظمت جملہ بیوت ازواج سے بالاتر ہے۔

بیوتِ ازواج میں احکام و تعلیمات کا نزول ہوتا ہے اور بیتِ فاطمہؑ میں عصمت وطہارت کا اعلان۔

۴۔ سورۂ نساء کے آغاز میں اعلان ہوتا ہے:

"وآتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوباً کبیراً وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم"۔

(یتیموں کو ان کا مال دے دو اور اچھے کو بُرے سے نہ بدلو۔ اپنے مال کے ساتھ ان کا مال بھی نہ کھا جاؤ کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اگر تمھیں یہ خوف ہے کہ ان کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کے مطابق دو تین چار نکاح کر لو اور اگر ان میں بھی انصاف نہ کر سکنے کا اندیشہ ہے تو ایک عقد کر دیا کنیزوں کے ذریعہ اپنی جنسی تشنگی کو رفع کرو۔)

کہا یہ جاتا ہے کہ ان آیات میں یتیموں کی تربیت و پرداخت اور تعدد ازواج میں کوئی ربط نہیں ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں آیتیں دو مختلف مقامات کی ہیں اور انھیں بر بنائے غفلت ویسے تو جہی ایک مقام پر جمع کر دیا گیا ہے۔

لیکن بظاہر اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ اولاً تو آیات میں صاف رابطہ موجود ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر یتیموں کی باقاعدہ پرورش و پرداخت نہیں کر سکتے ہو تو شادیاں کر لو تاکہ اس تربیت و نگرانی میں تمہیں ایک شریک کار مل جائے اور زحمت کا بوجھ مختلف کاندھوں پر تقسیم ہو جائے ___ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ پرورش و پرداخت کی زحمتوں کے ساتھ عقد نکاح کا ذکر جس قدر حسین معلوم ہوتا ہے دیگر مقامات پر اس کا حسن واضح نہیں ہو سکتا۔ نکاح کا حکم تو کسی وقت دیا جا سکتا تھا، لیکن یتیم پروری کے تذکرہ کے ساتھ اس کے بیان نے یہ حسن پیدا کر دیا ہے کہ ہم تمہاری زحمتوں کے مقابلہ میں تمہاری جنسی تشنگی کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ یتیموں کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کے بعد زندگی کے دوسرے جذبات پامال کر دو بلکہ ہم نے ان جذبات کی طرف سے بھی تمہیں مکمل آزادی دی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر تسکین جنسی میں عقد کے انتظامات اور اس کی ذمہ داریاں سدِ راہ ہوتی ہیں تو کنیزی کے راستے کو اختیار کر دو اور اپنی جنسی آگ کو بجھانے کا ہر امکانی انتظام کرو ___ یہ اور بات ہے کہ ہم نے اپنے قانون کے تقدس کے پیش نظر تسکین جنس کو بھی ایک مقدس تصور دے دیا ہے اس لیے ہم اس بات سے راضی نہیں ہیں کہ تم اس راہ میں عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دو اور بے راہ روی اختیار کر لو، بلکہ ہمارا مطالبہ اس نازک منزل پر بھی یہی ہے کہ دامن احتیاط ہاتھوں میں رہے اور جذبات کی رو میں مقدس تصورات نہ بہنے پائیں۔

حرف آخر:

ترتیب قرآن کے بارے میں ان تفصیلی مباحث کے بعد یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ اگر اس ترتیب میں وحی الٰہی کے علاوہ کوئی دوسرا بشری سلیقہ کار فرما ہوتا تو دو میں سے ایک بات کا ہونا ناگزیر تھا یا تو سارا قرآن تنزیل کے مطابق جمع کیا جاتا اور مرتب اپنے کمال حفظ و سلیقہ کی داد دیتا یا اسے دیگر تصانیف کی طرح ابواب و فصول قائم کر کے موضوعات کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ___ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ

اس ترتیب میں کوئی بشری سلیقہ دخیل نہیں ہے بلکہ یہ کام تمام تر وحی الٰہی کے اشارے پر مزاج ربوبیت کے مطابق انجام پایا ہے اور سرور کائنات نے اس کی آیات کو مرتب کرنے میں ذہن بشر کی تدریجی تربیت کے مراحل کو پیش نظر رکھا ہے۔

دوسری لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تنزیل کے مطابق مرتب نہ ہونا ہی اس کے مطابق وحی مرتب ہونے کی دلیل ہے جسے عام طور سے انسانی ترتیب کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

اہتمام مسلمین:

حفاظت قرآن کے سلسلے میں مسلمانوں کا عظیم اہتمام بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ تاریخ کے ان حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ارباب ہوس واقتدار نے اس مقدس کتاب کو نذر آتش بھی کیا ہے اور اس پر تیروں کی بارش بھی کی ہے۔ لیکن اس حقیقت کا انکار بھی نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں نے کسی دور میں قرآن کریم میں کسی قسم کی تحریف وترمیم برداشت نہیں کی ہے۔ رسول اکرمؐ اور خلفاء مسلمین کے ادوار کو جانے دیجئے ان کی طرف سے امت کا کل یا اکثر حصہ خوش عقیدہ تھا اور انھیں رسالت یا خلافت کی بنا پر قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ عام قاریان قرآن کو لے لیجئے جن کی یہ حیثیت قطعاً نہ تھی لیکن جب سے قراء سبعہ نے اس کے اعراب وحرکات معین کر دیے ہیں مسلمانوں نے اس میں کسی قسم کا تغیر برداشت نہیں کیا۔ ادبی ذوق نے مخالفت بھی کی۔ لسانی مسائل سد راہ بھی ہوئے۔ نحو وصرف کے قواعد نے دشواریاں بھی پیدا کیں لیکن اس کے باوجود کتابت وقراءت کا جو انداز تھا وہ باقی رہ گیا۔

کتاب مقدس میں آپ کو بے شمار مواقع ملیں گے جہاں علماء ادب ولغت نے اعراب وحرکات پر گوناگوں بحث کرکے اس کی تاویلیں کی ہیں لیکن کسی دور میں یہ جرأت نہیں کی کہ اس اعراب یا حرکت یا حرف کو خلاف قواعد قرار دے کر اس میں ترمیم کر دیتے اور اپنے ذوق خاص کے مطابق تبدیلی پیدا کر لیتے۔

"ان ھٰذان لساحران" میں ان کے بعد "ھٰذان" آج بھی زیر بحث ہے۔ بعض مقامات پر ۃ کی جگہ ت یا بالعکس۔ بعض موارد پر الف زائد وغیرہ جیسے مسائل اہل علم کے درمیان ہر دور میں محل بحث رہے ہیں لیکن اصلاح کا قصد نہیں کیا گیا۔

یہ اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے تمام انفرادی مصائب و مظالم کے باوجود اجتماعی طور پر کتاب کریم میں کوئی تغیر و تحریف برداشت نہیں کیا، اس کے بعد یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ سارا قرآن حسب ذوق مرتب کر لیا جاتا۔ آیات کو اُلٹ پلٹ دیا جاتا، سیاسی مصالح کی بنا پر مفاہیم و مطالب کو منقلب کر دیا جاتا اور امت سیاسی دباؤ کے برطرف ہونے کے بعد بھی خاموش تماشائی بنی رہتی۔ کسی ایک دور حکومت میں تو یہ آواز اٹھنی چاہیے تھی کہ پیش رو حاکم کی خطاؤں کی اصلاح کی جائے اور کتاب مقدس کی عظمتوں کو از سر نو بحال کیا جائے۔

امیر المومنینؑ کا کارنامہ:

اس مقام پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم حیاتِ پیغمبرؐ میں مرتب ہو گیا تھا تو مولائے کائناتؑ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ میں اس وقت تک ردا دوش پر نہ ڈالوں گا جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ اس ارشاد سے تو صاف واضح ہوتا ہے کہ حیاتِ رسولؐ میں قرآن کریم باقاعدہ طور پر مرتب نہ ہو سکا تھا۔

لیکن اس واقعہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم علماء اسلام کے ساتھ حضرتؑ کے جلیل القدر صحابی سلیم بن قیس الہلالی کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس میں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے قرآن کریم کو ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور عام و خاص کے ساتھ جمع فرمایا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ و آیات دورِ پیغمبرؐ میں مرتب ہو گئے تھے لیکن چونکہ حضرتؐ نے حدیث ثقلین میں تفہیم قرآن کا کام اہلبیتؑ کے حوالے کیا تھا اس لیے اہلبیتؑ کا فرض تھا کہ وہ دنیا کے تمام کاموں کو چھوڑ کر اپنے اس فریضہ کو ادا کریں اور امت کو حقائق قرآن سے آگاہ کر کے اس

ضمانت نجات، کا انتظام کریں جس کی طرف سرکارِ دو عالمؐ نے وقت آخر اشارہ فرمایا تھا اور جس کے لیے نوشتہ نجات تحریر فرمانا چاہتے تھے۔

اس بات کا ایک تاریخی ثبوت یہ بھی ہے کہ جب حضرت امیرؑ دربارِ حکومت میں اپنا ترتیب دیا ہوا قرآن لے کر آئے تو امت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ امت اس حقیقت سے آگاہ تھی کہ علیؑ سے بہتر عارف احکام اور عالم قرآن کوئی نہیں ہے تو اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا کہ علیؑ کا ترتیب دیا ہوا قرآن لے لیں اور پھر اپنے حسب منشاء تفسیر و تاویل کریں۔ ترتیب خاص سے کچھ فوائد ضرور حاصل ہو سکتے تھے لیکن تفسیر و تاویل کے دروازے نہیں بند ہو سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود امت نے اس قرآن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت وقت اس حقیقت سے واقف تھی کہ علیؑ نے قرآن کو تفسیر و تاویل اور مفہوم و مطالب کے ساتھ مرتب کیا ہے اب اگر اس قرآن کو امت میں رائج کر دیا گیا تو حکومت کے ہاتھ قطع ہو جائیں گے اور حسب خواہش تاویل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

اس تحقیق کے بعد اس توہم کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ اگر حکومت وقت نے اس دور میں علیؑ کا قرآن لینے سے انکار کر دیا تھا تو علیؑ کا فرض تھا کہ اپنے دورِ حکومت میں اس قرآن کو رائج کر دیتے اور امت کو اپنے مرتب کردہ قرآن سے محروم نہ رکھتے۔ اس لیے کہ حضور سرورِ کائنات نے حدیث ثقلین میں جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ قرآن حکیم کے حقائق و معارف اس کے مطالب و مفاہیم اہلبیتؑ کے پاس محفوظ ہیں۔ امت کو بھی اس حقیقت کا صحیح اندازہ تھا اور اسی لیے ان کے قرآن سے گریز کیا جا رہا تھا۔ امیر المومنینؑ نے اپنے طرزِ عمل سے واضح کر دیا کہ امت مرسل اعظمؐ کے بتائے ہوئے اصولوں پر نہیں چلنا چاہتی اور معانی قرآن کو حکومت و اقتدار کے اشاروں پر چلانا چاہتی ہے۔ اب آپ کے سامنے مناسب ترین راستہ یہی تھا کہ ترتیب قرآن کے مسئلے کو پیچھے ہٹا کر فتنہ گروں کی سازشوں کو شکست دیں اور اپنے مخلصین و تلامذہ کے پاس تفسیر و تاویل کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑ جائیں جو صبح قیامت تک کام دے سکے۔ چنانچہ

آپ نے پوری توجہ اسی امر کی طرف مبذول فرمائی اور اپنے بیانات و ارشادات کیساتھ امت کو اپنی معصوم ذریت کے حوالے کر دیا تاکہ کسی دور میں بھی مشکلات قرآن مشکل نہ رہ جائیں اور ہر دور و زمانہ میں مسائل کا حل فراہم ہوتا رہے۔ اپنے دور حکومت میں نئی ترتیب کے ساتھ قرآن کا پیش کرنا امت کو نئے انتشار کی دعوت دینا تھا اس لیے آپ نے قرآن کے درمیان تفسیر و تاویل کے اضافہ کے بجائے الگ سے تفسیر و تاویل کو بیان کر کے مخلصین کے سینوں میں محفوظ کرانا شروع کر دیا کہ اس طرح وحدت دین و آئین بھی محفوظ رہیگی اور حدیث ثقلین کی طرف سے آنے والی ذمہ داری بھی ادا ہو جائے گی۔

واضح لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کا قرآن امت کے قرآن سے مختلف تھا اور اس میں کچھ زیادہ چیزیں بھی تھیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ان چیزوں کا تعلق اجزاء قرآن سے تھا بلکہ اس کا ثبوت موجود ہے کہ یہ چیزیں تفسیر و تاویل سے تعلق رکھتی تھیں جیسا کہ تفسیر برہان اور تفسیر صافی کے مقدمات اور کتاب وافی کے باب الجمع ۔ ۶، ۷ سے اندازہ ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے اصول

اگر اس حقیقت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ حقائق و معارف کا علم صرف راسخون فی العلم کے پاس ہے اور مطالب و مفاہیم قرآن سرکار دو عالمؐ کی اولاد طاہرینؑ کے سینوں میں محفوظ کر دیے گئے ہیں تو بھی یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ مطالب قرآن کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے اور کنہِ قرآن تک پہونچنے کے لیے صرف عربی قواعد اور لسانیات کا علم کافی نہیں ہے ــ قرآن تو پھر قرآن ہے ــ ادنیٰ تالیف کو سمجھنے کے لیے بھی کچھ شرائط و ضوابط ہوتے ہیں جن کے بغیر اس کتاب کے مطالب ناقابلِ فہم رہ جاتے ہیں۔

۱۔ عبارات و بیانات سے استفادہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اس عبارت کا مزاج دیکھنا ہوگا۔ دنیا میں ہر کلام کا ایک مزاج ہوتا ہے، اس مزاج کا ادراک کیے بغیر اس کلام کی تہ تک پہونچ جانا ناممکن ہے۔

کلام کے مزاج سے میری مراد یہ ہے کہ دنیا کا ہر کلام ایک خاص مقصد کے تحت استعمال ہوتا ہے اور وہی مقصد اس کلام کی عبارتوں کا مزاج مقرر کرتا ہے اور لفظ کے مختلف پہلوؤں میں ایک پہلو کی تعیین بھی کرتا ہے۔ تصنیف و تالیف کا مزاج افہام و تفہیم ہوتا ہے اس لیے کسی بھی تصنیف کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ اس لفظ یا اس عبارت کی مراد صاحب تصنیف کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں محفوظ ہے انتہائی مہمل اور مضحکہ خیز بات ہے۔

دستور اور قانون کا مزاج تعلیم و تنظیم ہوتا ہے اس کی ہر عبارت میں اس پہلو پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ شاعری کا مزاج تسکین نفس و خاطر ہوتا ہے، اس کے اشعار و ابیات کی تشریح اسی روشنی میں کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کا بھی اپنا ایک مزاج ہے جسے میں نے

بار بار ربوبیت اور تربیت سے تعبیر کیا ہے وہ نہ صرف دستور بن کر آیا ہے اور نہ تصنیف وتالیف کا انداز رکھتا ہے، اس کا مقصد ذہنوں کی تربیت اور دماغوں کی پرداخت ہے اس کے مطالب کے ادراک کے لیے اس پہلو پر نظر رکھنا بے حد ضروری ہوگا۔

قرآن کے تربیتی مزاج کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ جس دن نازل ہوا تھا اس دن پہلے پہل ربوبیت اور پرورش ہی کا ذکر کیا گیا تھا، اقرأ باسم ربك.... ثبوت ہے کہ آغاز کار رب کے نام سے ہوگا اور خلق وعلم دلیل ہیں کہ اس تربیت کا دائرہ محدود نہیں ہے بلکہ اس میں ظاہر وباطن، جسم وروح دونوں کی پرداخت شامل ہے۔ "خلق" ظاہری تربیت کی طرف اشارہ ہے اور "علم" باطنی اصلاح کی نشان دہی کرتا ہے۔

علم کے ساتھ "علّم الانسان مالم یعلم" (ہم نے انسان کو وہ سب کچھ سکھادیا جو اس کے علم میں نہ تھا) کی وسعت بتا رہی ہے کہ انسان کو جو کچھ بھی تعلیم دیا گیا ہے اس کا تعلق تربیت جسم وروح ہی سے ہے اور دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رب کریم نے انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا ہے جو تربیت جسم وروح کے لیے ضروری تھا اور یہ قرآن کریم کی جامعیت اور ہمہ گیری کی طرف ایک واضح اشارہ ہے جس کی روشنی میں "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کا سمجھ لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں رہ جاتا ہے۔ گویا رب العالمین کا مقصد یہ ہے کہ تربیت جسم وروح اور ارتقائے بشریت کے لیے جتنے خشک وتر عناصر درکار ہیں کتاب مبین میں ان کا احاطہ اور احصار کر دیا گیا ہے۔

اہل دنیا نے دنیا کے مختلف علوم وفنون کے الگ الگ مقاصد قرار دیے ہیں اور ہر علم وفن کی اہمیت وافادیت کا جائزہ انھیں مقاصد کی روشنی میں لیا ہے لیکن اسلام کا نظریۂ ربوبیت ان سب کے برخلاف ہے۔ اس کی نظر میں کائنات کے جملہ علوم وفنون کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے تربیت بشریت۔ اب وہ تمام علوم وفنون قابل قدر ہیں جو بشری جسم وروح کی تربیت کرتے ہیں اور وہ تمام علوم وفنون لائق صد مذمت ہیں جو بشریت کی تربیت کے بجائے فنا کے اسباب فراہم ہوتے ہیں اور اسی لیے مبلغ اسلام نے علم ادیان اور علم ابدان کو علم شمار کر کے باقی جملہ علوم وفنون کو فضیلت قرار دے دیا تھا

اس لیے کہ تربیتِ جسم کے لیے علم بدن اور تربیتِ روح کے لیے علم دین بے حد ضروری ہیں اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کا براہ راست تعلق تربیت و ارتقاء سے نہیں ہے اس لیے اسے ثانوی حیثیت دی جا سکتی ہے اوّلی نہیں۔

۲۔ تربیتی قانون کا ایک خاصہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے بیانات کسی مخصوص ڈھانچے اور بندھے ٹکے اصولوں کے تحت نہیں ہوتے بلکہ تربیت ہمیشہ حالات اور ظروف کی تابع ہوتی ہے۔ کبھی حالات اتنے سازگار ہوتے ہیں کہ ایک ایک لفظ ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اور کبھی حالات اس قدر ناخوشگوار ہوتے ہیں کہ طویل عبارتیں اور مفصل بیانات بھی مقصد کے حصول کے لیے کافی نہیں ہوا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالب سے استفادہ کرنے کے لیے یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ہو گا کہ قرآن کسی مصنّف کی تصنیف نہیں ہے کہ اس میں ایک موضوع سے متعلق جملہ مواد ایک مقام پر فراہم ہو جائے گا، اور نہ کسی عام دستور کی کتاب ہے کہ اس کی دفعات میں ایک خاص ترتیب رکھی گئی ہو گی بلکہ وہ ایک نظام تربیت ہے جس میں ایک ہی بات کو مختلف حالات اور مختلف ادوار میں مختصر یا مفصّل شکلوں میں بیان کیا گیا ہے۔ جب تک وہ تمام بیانات یکجا نہ کر لیے جائیں اس وقت تک کسی مسئلے میں قرآن حکیم کی واقعی رائے کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

مزاج قرآن کا اندازہ بھی اسی جمع و ترتیب سے ہوتا ہے جب کسی موضوع سے متعلق مختلف آیات کو یکجا کر کے اس کے نصوص اور متشابہات کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس مسئلے میں قرآن کا اپنا مزاج کیا ہے اور اس کے بعد جب کوئی متشابہ عبارت آجاتی ہے تو اسی مزاج کے تحت اس عبارت کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے علماء تفسیر کی بے شمار غلطیوں کی بنیاد اسی مزاج قرآن سے ناواقفیت اور آیات کے جمع و ترتیب سے گریز میں مضمر ہے۔ سہل انگار مفسّرین نے آیات پر باقاعدہ غور کرنے کی زحمت نہیں کی اور مزاج قرآن دریافت کرنے کے بجائے اپنے ہی مزاج کو آیتوں کے سر لاد دیا اور اس طرح ایک نئی تاویل و تفسیر نہیں بلکہ ایک نئے دین و مذہب کی بنیاد پڑ گئی جسے

مفسرین مذہب اسلام ہی سمجھتے رہے لیکن وہ اکبر کے دین الٰہی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

۳۔ نظام تربیت سے استفادہ کرنے کے لیے آیات و بیانات کی یکجائی کے علاوہ یہ امر بھی ضروری ہے کہ ہر آیت کا مفہوم اخذ کرتے وقت اس کے حالات اور پس منظر پر نظر کر لی جائے اس لیے کہ دنیا کا دستور حالات اور مقامات کے پیش نظر مرتب نہیں کیا جاتا لیکن دستور تربیت کے جملہ بیانات حالات و ظروف ہی کے تحت بیان ہوتے ہیں۔ ایسے مقام پر حالات کو نظر انداز کر دینا مفہوم کو غارت کر دینے کے مترادف ہوگا۔

قرآن حکیم میں خود بھی جا بجا اس بات کے اشارات پائے جاتے ہیں کہ مفہوم آیت کو سمجھنے کے لیے تاریخی پس منظر اور وقتی حالات کا پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو جا بجا "الیوم" کا لفظ استعمال نہ ہوتا۔ الیوم خود ہی بتا رہا ہے کہ وہ ایک مخصوص دن تھا۔ اس دن کے اپنے حالات و خصوصیات تھے اور انھیں حالات و خصوصیات کے تحت یہ حکم نازل ہوا تھا۔ اب اگر ان حالات کو نظر انداز کر دیا گیا تو حکم کا صحیح اندازہ کرنا بعید مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

خود عربی زبان میں الفاظ کا مزاج بھی پس منظر کے جائزہ کی دعوت دے رہا ہے۔ اس زبان کا خاصہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک ماحول میں ایک معنی دیتا ہے اور دوسرے ماحول میں دوسرے معنی ۔۔ امر و حکم مستقل طور پر استعمال ہو تو اس میں طلب کا انداز پایا جاتا ہے اور کسی ممانعت کے بعد وارد ہو تو اس میں صرف جواز پیدا ہوتا ہے اور بس ۔۔ "لا باس" اور "لا جناح" کہیں صرف اباحہ و جواز کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کہیں وجوب کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ساری باتیں حالات اور ماحول سے پیدا ہوتی ہیں اسی لیے قرآن حکیم کے مطالب کو سمجھنے کے لیے آیات کے ماحول اور پس منظر پر نگاہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ حالات سے قطع نظر کرنے کے بعد آیات کے صحیح مفہوم کا اندازہ کرنا ناممکن اور محال ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم اور ان کا تجزیہ بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک تربیتی نظام ہے جس میں تعلیم و تربیت کے جملہ اصولوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے ۔۔ مکی سورتوں میں زیادہ حصہ اصول عقائد اور مابعد الطبیعات موضوعات پر روشنی

ڈالی گئی ہے۔ مدنی سورتوں میں مفصل تعلیمات اور مبسوط احکام واضح کیے گئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی تبلیغ میں ذہنوں کو ہموار کیا گیا ہے، دل و دماغ کے دریچے کھولے گئے ہیں اور انسان کو تفصیلی تعلیمات کے قبول کرنے کے لائق بنایا گیا ہے اور جب تیرہ سال کی تبلیغ میں دل و دماغ ڈھال لیے گئے ہیں تو انھیں عبادات کے طریقے اور اعمال کے اصول سکھائے گئے ہیں۔ اور یہی تربیت کا مستحکم نظام ہے کہ تفصیلات سے پہلے اجمال پر آمادہ کیا جائے اور جسمانی اصلاح سے پہلے ذہنی اصلاح پر توجہ دی جائے۔

۵۔ قرآن حکیم کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے میں حالات پر نظر رکھنے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ اکثر مقامات پر حالات سے غفلت ہی حکم الٰہی میں نسخ کے شبہات پیدا کرتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوتا اور حکم اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا ہے، صرف حالات میں تبدیلی ہو جاتی ہے جیسا کہ آئندہ نسخ کی بحث میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا اور اس امر کی وضاحت کی جائے گی کہ علماء تفسیر نے اکثر آیات میں نسخ کا عقیدہ صرف حالات و واقعات سے غفلت کی بنا پر قائم کیا ہے ورنہ اپنے اپنے ظرف اور اپنے اپنے حالات میں دونوں حکم بدستور محفوظ ہیں۔

۶۔ قرآن حکیم کے تربیتی مزاج کی ایک واضح علامت یہ بھی ہے کہ اس کے بعض حصے مکہ میں نازل ہوئے ہیں اور بعض حصے مدینے میں۔ اور دونوں کے موضوعات اور مضامین میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں میں تضاد اور اختلاف ہے یا دونوں کے درجات فصاحت و بلاغت میں کوئی فرق ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قسم کی آیتوں کا مطالعہ صاف آواز دیتا ہے کہ دونوں کے مخاطب دو مختلف قسم کے افراد ہیں اور دونوں کی ذہنی سطح، مزاجی ساخت اور دماغی کیفیت میں ایک نمایاں تفاوت پایا جاتا ہے۔ موضوعات تربیت بھی جُدا جُدا ہیں ایک جماعت کو اصول و اقدار کی تعلیم دی جا رہی ہے اور دوسری جماعت کو تفاصیل کردار کی۔

ان مضامین کے اختلاف کا ایک بنیادی نکتہ یہ بھی ہے کہ اسلام نے حدود مدینہ میں داخل ہونے اور احکام و تعلیمات کے تفصیلات، اس کی ظاہری شکلوں کے پیش کرنے

سے پہلے ذہنوں کو ہموار کر لیا اور انھیں اپنے بنیادی عقائد و مقاصد سے روشناس کرا دیا۔ اس کے دو اہم فائدے ہوئے ایک طرف تو مختلف اعمال و افعال میں محسوس ہونے والا ذہنی بوجھ ختم ہو گیا اور امت مدینہ سابقہ ذہنی تربیت کی بنا پر اعمال و فرائض کے لیے اندرونی طور پر آمادہ ہو گئی اور تبلیغ دین و مذہب کو از سرِ نو کوئی زحمت نہیں کرنا پڑی اور اگر زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا تو انھیں افراد کی طرف سے جو سابقہ اصول و اقدار سے باخبر نہیں تھے یا انھوں نے ذہنی طور پر ان اصولوں سے اتفاق نہیں کیا تھا۔

دوسرا اہم فائدہ یہ ہوا کہ جاہلیت کی تاریکی میں پھیلے ہوئے مذاہب کے درمیان اسلام کا نقطۂ امتیاز واضح ہو گیا اور دنیا کو محسوس ہو گیا کہ گردش یوم او رصوت ہزار میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ جاہلیت کے دور کے جملہ مذاہب و ادیان نے طریقۂ زندگی سکھایا تھا۔ طرز حیات و معاشرت کی تعلیم دی تھی۔ سماجی ڈھانچہ تیار کیا تھا لیکن اس کی پشت پر کسی فلسفہ و فکر کے حامل نہیں تھے، ان کی نظر میں اصنام کی بارگاہ میں خاص انداز سے اظہار عجز و نیاز ضروری تھا، لیکن کیوں؟ یہ بات ان کی عقل و فکر سے بالاتر تھی۔

اسلام نے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں عقل کی شمع روشن کی اور طریقۂ زندگی سکھانے سے پہلے فلسفۂ زندگی سکھایا۔ اعمال و عبادات کی تعلیم سے پہلے اعمال کی بنیاد اور عبادات کا مقصد سمجھا دیا اور اس طرح اپنے نظامِ زندگی کو رسم و رواج سے نکال کر اصول و ضوابط کی شکل دے دی۔ ظاہر داری، عقل پرستی کا لباس اختیار کر گئی اور مذہب نے رسمیت کے بجائے عقلیت کا جامہ پہن لیا۔

اس بات کا ایک واضح سا ثبوت آپ کو سورۂ حمد ہی میں مل جائے گا جہاں بظاہر نماز یعنی رسمی عبادت کے پردے میں پورے فلسفۂ حیات و عبادت سے روشناس کرا دیا گیا ہے۔ الحمد للّٰہ رب العٰلمین! آغازِ حیات کی طرف اشارہ ہے کہ انسانی زندگی ذاتی نہیں ہے، اس کا وجود اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ کسی رب کے فیض کرم کا نتیجہ ہے اور مالک یوم الدین انجامِ حیات کی نشان دہی ہے کہ جس طرح یہ زندگی آغاز میں ایک رب کی محتاج تھی اسی طرح انجام میں ایک مالک کی بارگاہ میں جواب دہی کی ذمہ داری

بھی رکھتی ہے۔ یہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت تھی کہ اس نے خالق کائنات کو آغاز میں رب کہہ کر یاد کیا اور انجام میں لفظ مالک سے تعبیر کیا جس کا کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ وہ جس طرح آغاز تربیت میں شفقت و محبت، رافت و رحمت سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح انجام عمل میں مالکانہ انداز اور حاکمانہ شان بھی رکھتا ہے جہاں انسان کو اس کی بارگاہ جلالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔

فلسفہ حیات و عبادت کی وضاحت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اسلام کوئی رسمی مذہب نہیں ہے اس کے یہاں رسم و رواج کا گذر نہیں ہے وہ ہر حرکت و سکون کا ایک مقصد رکھتا ہے، ہر طریقہ و سلیقہ کے ایک اصول مقرر کیے ہوئے ہے جب تک اعمال ان اصول و قوانین کے تحت انجام پاتے رہیں گے اسلامی اعمال اور عبادات کہے جائیں گے اور جب اصول و قوانین سے ہٹ جائیں گے تو روح عمل مردہ ہو جائے گی چاہے ظاہری شکل سلامت ہی کیوں نہ رہ جائے۔

اسلامی نماز کوئی رسمی عبادت اور کسرت نہیں ہے بلکہ اس کی پشت پر ایک پورا فلسفہ ہے اور اس کی ایک مستقل روح ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے واضح لفظوں میں اشارہ کیا ہے "ولذکر اللہ اکبر" قیام و قعود، تلاوت و قراءت، رکوع و سجود، اپنی جگہ پر ہیں لیکن یاد الٰہی ان سب سے بالاتر ہے۔ اس لیے یہ سب اسی یاد خدا کے مظاہر و آثار ہیں، یاد الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کوئی استقلالی حیثیت نہیں ہے۔

اسلامی اعمال کی اصالت و واقعیت اور رسم و رواج کی پرستش سے اس کے اختلاف کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے احکام و فرائض، واجبات و محرمات پر عمل درآمد کا مطالبہ اس وقت تک نہیں کیا ہے جب تک انسان کا شعور پختہ اور ادراک بالغ نہ ہو جائے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام کا سن بلوغ انسانی شعور کے پختگی کی منزل ہے۔ انسانی شعور دس بارہ برس سے پختگی کی راہوں پر لگ جاتا ہے لیکن اسلام نے فرائض و واجبات کا سلسلہ پندرہ برس بعد رکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شعور کا کمال پہلے ہے اور اعمال کا مطالبہ بعد میں۔ اس کا ایک بلند ترین ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر پندرہ برس کے بعد بھی کسی انسان کا شعور

پختہ نہیں ہوتا اور وہ جنون کی منزلوں میں رہتا ہے تو اسلام اس سے احکام پر عمل درآمد کا مطالبہ نہیں کرتا، اور اگر کسی انسان کا شعور غیر معمولی طور پر مخصوص خداداد صلاحیت کی بنا پر کمسنی میں پختہ ہوتا ہے تو پروردگار اس سے کمسنی ہی میں فرائض پر عمل درآمد کا مطالبہ کر لیتا ہے۔ ایک معصوم اور غیر معصوم کی زندگی کا نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ غیر معصوم فطری طور پر ناقص صلاحیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کا شعور امتداد زمانہ اور تجربات کی روشنی میں کامل ہوتا ہے اس لیے اس سے احکام کا مطالبہ پندرہ برس کے بعد ہوتا ہے لیکن معصوم کا شعور پیدائشی طور پر پختہ اور بنیادی طریقہ پر کامل ہوتا ہے اس لیے اس پر ذمہ داریوں کا بار آغاز خلقت ہی سے ڈال دیا جاتا ہے جس کا واضح ثبوت جناب موسیٰؑ کا واقعہ ہے کہ جب آپ نے مختلف دودھ پلانے والی عورتوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تو قرآن حکیم نے آپ کے اس عمل کی صفائی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وحرمنا علیہ المراضع من قبل" یاد رکھو یہ موسیٰؑ کے بچپنے کی ضد نہیں تھی بلکہ ہم نے موسیٰ پر ان تمام عورتوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ دودھ پیتے بچے کے لیے حرام کا استعمال ہی بتا رہا ہے کہ خدائی منصب داروں کی ذمہ داریاں عام انسانوں سے الگ ہوتی ہیں۔

اس مقام پر بعض دانشور حضرات کا دعویٰ ہے کہ لفظ حرمت حضرت موسیٰؑ کی ذمہ دارانہ حیثیت کا اعلان نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکم تسخیری ہے گویا قدرت نے فطری طور پر موسیٰؑ کا رجحان سلب کر لیا تھا اور وہ اس اعراض پر مجبور تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس کا ثبوت قرآن کی لفظوں میں کہاں تک پایا جاتا ہے؟!

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں لفظ حرمت تکلیف کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا استعمال قہری ممانعت کے لیے ہوا کرتا تھا لیکن پورے واقعہ کا جناب موسیٰؑ کی غیر معمولی صلاحیت کے اعلان سے مربوط ہونا اور جملہ اعمال کا جناب موسیٰؑ کے اختیارات کی طرف منسوب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رب العالمین کی مخصوص صلاحیت کا کارنامہ تھا اور اسے تسخیر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اگر یہ بات صحیح ہے اور یہ موسیٰؑ کا کوئی کارنامہ نہیں ہے تو جناب عیسیٰؑ کے بارے میں بھی یہ کہا جائے گا کہ آپ کا گہوارے میں کلام کرنا ایک

تسخیر الٰہی کی بنا پر تھا اور اس کا کوئی تعلق جناب عیسیٰؑ کے کمالات سے نہیں تھا، حالانکہ یہ بات انتہائی عجیب ہے اس لیے کہ قرآن حکیم نے اس تکلم کے ذیل میں اعلانِ نبوت کا ذکر بھی کر دیا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی صلاحیتیں عام انسانوں کی صلاحیتوں سے بالکل جداگانہ ہوا کرتی ہیں اور ایک کا قیاس دوسرے پر انتہائی عجیب اور قیاس مع الفارق ہے۔

قرآنی معارف:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علماءِ اسلام نے قرآن حکیم کے خصوصیات کو دریافت کرنے میں بڑی حد تک قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ سورے تو سورے اس کی آیات، حروف، کلمات اور حرکات تک کا احصار کر لیا ہے، منزلیں معین ہیں، رکوعات مقرر شدہ ہیں، اعداد و شمار مضبوط و منضبط ہیں اور کتاب کریم پر اس توجہ کے ساتھ کام کیا گیا ہے جیسے واقعتاً یہ کسی قوم کا دستور اور کسی جماعت کا ضابطۂ حیات ہے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ یہ سارا زور ظاہری الفاظ ہی پر صرف کیا گیا ہے اور حقیقی معانی کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ تفسیر کی کتابیں آپ کے پیش نظر ہیں، ایک جلد سے لے کر ۳۰ جلدوں تک کی تفسیریں موجود ہیں لیکن ان میں معانی و مفاہیم کی تحقیق کے بجائے نحو و صرف کے طولانی مباحث، معانی بیان کی ادبی بحثیں، منطق و فلسفہ کے غیر متعلق مسائل، علم الافلاک اور علم الحیوانات کے بے ربط تفاصیل بھرے پڑے ہیں اور اگر کوئی چیز نہیں ہے یا بہت کم پائی جاتی ہے تو وہ واقعی معانی و مطالب کتاب کی تحقیق ہے۔ اس کا راز صرف یہ ہے کہ امت اسلامیہ کی اکثریت نے حضور اکرمؐ کے اس ارشاد پر توجہ نہیں دی کہ "میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتاب خدا اور ایک میرے اہلبیتؑ" — نہ قرآن حکیم کے اس اعلان پر توجہ دی کہ اس کتاب کی تاویل کا علم یا خدا کے پاس ہے اور یا ان افراد کے پاس جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں — نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ذہنوں پر اعتماد کیا گیا، اپنی فکر کو اختلاف میں حَکَم بنایا گیا، اپنی قیاس آرائیوں کو خدائی وحی کا درجہ دے دیا گیا اور کلام الٰہی ادبی قوانین کی روشنی میں حل ہونے لگا۔ کاش! امت نے قرآن حکیم ہی کی طرح اہلبیتؑ کے مسئلے پر بھی تحقیق کی ہوتی

اور ان کے تفسیری و تاویلی کارناموں کو بھی جمع کر لیا ہوتا تو آج امت میں معانی قرآن اور تفسیر و تاویل کا یہ افلاس نہ ہوتا۔ لیکن یہ تاریخ کی بدقسمتی ہے کہ روز اول ہی جب سردار اہلبیت امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنے تاویل و تفسیر کے ذخیرے کو امت کے سامنے لے کر آئے تو امت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور در بدر کی ٹھوکر کھانا امت کا مقدر بن گیا، اب امت اسلامیہ کی پیشانی ہے اور غیروں کے آستانے، پرستارانِ توحید کے سجدہ ہائے نیاز ہیں اور اغیار کے سنگ در۔!

بہر حال ان تمام باتوں کے باوجود ناانصافی ہوگی اگر امت کے ان کارناموں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے جو انھوں نے قرآن حکیم کے سلسلے میں انجام دیے ہیں۔ ذیل میں وہ خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں یہ تمام معلومات مندرج ہیں، لیکن یاد رہے کہ علماء امت نے آیات کے شمار کرنے میں بے حد اختلاف سے کام لیا ہے۔ حروف کی تعداد بھی الگ الگ درج کی گئی ہے اور حیرت یہ ہے کہ تمام ہی شمار کرنے والوں نے سوروں کے آغاز میں بسم اللہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ یہ آیت کریمہ ہر سورہ کا جزو بھی ہے اور آج تک ہر مصحف میں سوروں کے آغاز میں مندرج بھی ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کتابت اور اندراج کے باوجود کون سی شے داعی ہوئی کہ اس آیت کو آیات کے اعداد و شمار میں جگہ نہ دی جائے اور ہر سورے کی آیتیں بسم اللہ الخ کو ہٹا کر شمار کی جائیں۔

قرآن حکیم ـــــ ایک نظر میں

پہلی وحی	اقرأ باسم ربك الذی خلق... آیت ۱ سے آیت ۵ تک۔
آخری وحی	الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔
کل مدت نزول	۲۲ سال ۵ ماہ ۱۴ دن
پارے	۳۰

منزلیں	۷
سورے	۱۱۴
رکوع	۵۴۰ یا ۵۵۸
آیات	۶۲۲۵ یا ۶۲۸۵
کلمات	۸۶۴۳۰
حروف	۳۲۳۷۶۰ یا ۲۶۷۰۵۲
منزل اول	سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء
منزل دوم	سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ
منزل سوم	سورۂ یونس تا سورۂ نحل
منزل چہارم	سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان
منزل پنجم	سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین
منزل ششم	سورۂ والصافات تا سورۂ حجرات
منزل ہفتم	سورۂ قٓ تا سورۂ الناس
آیات وعد	ایک ہزار
آیات وعید	ایک ہزار
آیات نہی	ایک ہزار
آیات امر	ایک ہزار
آیات مثال	ایک ہزار
آیات قصص	ایک ہزار
آیات تحلیل	دو سو پچاس
آیات تحریم	دو سو پچاس
آیات تسبیح	ایک سو
آیات متفرقہ	چھیاسٹھ

اس مقام پر یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ علماء اسلام نے آیات قرآنیہ کے تفصیلات کو جمع کرتے ہوئے فضائل اہلبیت اطہارؑ کی آیتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور اس عنوان کو امثال، قصص، تسبیح اور متفرقات کے ذیل میں درج کر دیا ہے حالانکہ یہ مفاہیم قرآن کیساتھ ایک صریحی ظلم کی حیثیت رکھتا ہے۔

متدین علماء اعلام نے اس عنوان کو پیش نظر رکھتے ہوئے تین سو تیرہ آیتوں کی نشاندہی کی ہے جن میں صریحی طور پر مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ اور دوسرے ائمہ اہلبیتؑ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ موقع رہا تو کسی مقام پر ان آیات کی نشاندہی کیجائیگی۔

فی الحال اسی نکتہ کی طرف توجہ دلا دینا کافی ہے کہ علماء اسلام کے اعداد و شمار قرآن حکیم کے بارے میں اخلاص رکھتے ہوں تو رکھتے ہوں لیکن اہلبیت احمد مختارؐ کے حق میں قطعاً مخلص نہیں ہیں۔

ضرورت ہے کہ باہمت و حوصلہ افراد اٹھیں اور اس طرز عمل میں تبدیلی کی کوشش فرمائیں۔ امت اسلامیہ اس تفریق کی بنا پر ذلت کے گڑھوں میں جا پڑی ہے۔ دنیا کی ساری قومیں اسے حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ کیا اب بھی ضروری نہیں ہے کہ صالح ذہن و دماغ اور صحیح و سالم طبع و مزاج کے ساتھ اقدام کیا جائے اور قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرتے ہوئے حقائق قرآن پر نظر کی جائے، آئینۂ قرآن میں عترت کا کردار دیکھا جائے اور آئینۂ کردار اہلبیتؑ میں مفاہیم و معانی قرآن کی تصویریں دیکھی جائیں۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آیات کی مذکورہ تقسیم بھی مفسرین کے ذوق کا نتیجہ ہے لہذا ممکن ہے کہ ایک آیت دو دو موضوعات میں شمار کر لی گئی ہو اور اعداد و شمار بالکل صحیح نہ ہوں۔

تفاصیل سور

سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی تنزیل تدریجی رہی ہے غار حرا سے غدیر خم کے میدان تک ۲۲ سال تک برابر آیتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہا ہے اور حضور سرور کائنات انھیں آیات کی روشنی میں ایک امت مسلمہ کی تشکیل دے رہے تھے۔ آیتوں کے ذیل میں سوروں کا تصور بھی قرآن حکیم ہی کی دین ہے۔ ایک سورہ، دس سورہ وغیرہ جیسے الفاظ قرآن کریم ہی کے عطا کیے ہوئے ہیں۔ علما اسلام نے ان سوروں کی تعداد ۱۱۴ قرار دی ہے جن میں سے بعض سورے مکی ہیں اور بعض مدنی۔ مکی سے مراد وہ سورے ہیں جن کا نزول مکہ معظمہ کی زندگی میں ہوا ہے، اور مدنی سے مراد وہ سورے ہیں جن کے نزول کا زمانہ ہجرت کے بعد کا ہے چاہے اس کے مضمون کا تعلق مکہ سے ہو یا مدینہ سے، سفر سے ہو یا حضر سے، رزم سے ہو یا بزم سے، سہل سے ہو یا جبل سے، صحرا سے ہو یا آبادی سے۔

سوروں کی اس تقسیم کا تذکرہ علما اسلام کے بیانات میں مکرر پایا جاتا ہے لیکن دو اہم باتوں کا آج تک فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اکثر سوروں کے بارے میں قطعی طور پر یہ طے نہیں کیا جا سکا کہ ان کا تعلق مکہ سے ہے یا مدینہ سے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ کسی بڑے سورہ کے بارے میں حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ اس کی جملہ آیتیں مکی یا مدنی ہی ہیں۔ اور میرا خیال تو یہ ہے کہ سوروں کی مکیت اور مدنیت کا اختلاف بھی انھیں مشکوک آیتوں کی پیداوار ہے۔ کسی سورے کی اکثر آیتوں کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ یہ سورہ مکی ہے لیکن درمیان میں دو ایک آیتیں ایسی آگئیں جو قطعی طور پر مدینہ میں نازل ہوئی ہیں تو یہ فیصلہ دشوار ہو گیا کہ ان آیات کی موجودگی میں سورہ کو مکی کہا جائے یا مدنی۔؟

یہی وجہ ہے کہ سوروں کی تفصیل لکھتے وقت اکثر مقامات پر یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ یہ

سورہ مکی ہے لیکن اس کی فلاں فلاں آیت مدنی ہے یا یہ سورہ مدنی ہے اور اس کی چند آیتیں مکی ہیں۔ میرا موضوع کلام ان آیات پر تبصرہ کرنا اور ان کے مکی یا مدنی ہونے سے بحث کرنا نہیں ہے۔ مجھے فی الحال یہ بھی تحقیق کرنا نہیں ہے کہ سوروں کی مکیت یا مدنیت کا معیار کیا ہے اور دو چار آیتوں کے مختلف ہو جانے سے سورہ مکی یا مدنی رہ جاتا ہے یا نہیں؟ میرا مقصد صرف سوروں کے تفاصیل کا ذکر کر دینا ہے تاکہ ناظرین کو مطالعہ قرآن کرتے وقت یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے۔

مکّی سورے:

فاتحہ ۔ انعام ۔ اعراف ۔ یونس ۔ ہود ۔ یوسف ۔ ابراہیم ۔ حجر ۔ نحل ۔ بنی اسرائیل ۔ کہف ۔ مریم ۔ طٰہٰ ۔ انبیاء ۔ ملک ۔ قلم ۔ حاقّہ ۔ معارج ۔ نوح ۔ جن ۔ مزمل ۔ مدثر ۔ قیامہ ۔ مرسلات ۔ نبأ ۔ نازعات ۔ عبس ۔ تکویر ۔ انفطار ۔ مومنون ۔ فرقان ۔ شعراء ۔ نمل ۔ قصص ۔ عنکبوت ۔ روم ۔ لقمان ۔ سبا ۔ فاطر ۔ یٰسین ۔ صافات ۔ صٓ ۔ زمر ۔ مطففین ۔ تکاثر ۔ بروج ۔ طارق ۔ اعلیٰ ۔ فجر ۔ بلد ۔ شمس ۔ لیل ۔ ضحیٰ ۔ الم نشرح ۔ تین ۔ علق ۔ قدر ۔ مومن ۔ حٰمٓ سجدہ ۔ شوریٰ ۔ زخرف ۔ دخان ۔ جاثیہ ۔ احقاف ۔ قٓ ۔ ذاریات ۔ طور ۔ نجم ۔ قمر ۔ واقعہ ۔ انشقاق ۔ غاشیہ ۔ قارعہ ۔ عصر ۔ ہمزہ ۔ فیل ۔ قریش ۔ ماعون ۔ کوثر ۔ کافرون ۔ لہب ۔ فلق ۔ ناس ۔ عادیات ۔ اخلاص۔

مدنی سورے:

بقرہ ۔ آل عمران ۔ نساء ۔ مائدہ ۔ انفال ۔ توبہ ۔ رعد ۔ حج ۔ نور ۔ احزاب ۔ محمد ۔ فتح ۔ حجرات ۔ رحمٰن ۔ حدید ۔ مجادلہ ۔ حشر ۔ ممتحنہ ۔ صف ۔ جمعہ ۔ منافقون ۔ تغابن ۔ تحریم ۔ دہر ۔ زلزال ۔ نصر ۔ طلاق ۔ بینہ

ان تفصیلات میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ کئی سوروں میں صرف ۶۵ سوروں کا کئی ہونا متفق علیہ ہے اور باقی کا کئی ہونا محل اختلاف ہے۔ اسی طرح مدنی سوروں میں ۱۸ سوروں کا مدنی ہونا اتفاق ہے اور باقی اختلافی ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب حکیم کے ۱۱۴ سوروں میں سے ۶۵ بالاتفاق مکی، ۱۸ بالاتفاق مدنی اور ۳۱ اختلافی ہیں۔

قرآنی معلومات پر لکھی جانے والی کتابوں میں اتفاق و اختلاف کی تفصیلات بھی موجود ہیں لیکن وہ میرے محل بحث سے خارج ہیں، مجھے تو صرف اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ بعض علماء اسلام نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ کئی سوروں کی تمام آیات مکی اور مدنی سوروں کی تمام آیتیں مدنی نہیں ہے۔ اس تقسیم سے غلط استفادہ کرنا چاہا ہے اور سوروں کی اسی تقسیم سے فضائل اہلبیتؑ کی بعض آیتوں کو ان کے مرکز سے ہٹانے کی غیر مشکور سعی کی ہے۔ مثال کے طور پر سورہ شوریٰ کو مکی شمار کیا گیا ہے جب کہ آیت مودت یعنی قل لا اسئلکم علیکم اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ۔ اسی سورہ کی آیت ہے اور یہ باتفاق مسلمین ومفسرین خمسہ نجباء کی شان میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ارباب تفسیر نے اعتراف کیا ہے کہ نزول آیت کے وقت لوگوں نے دریافت کیا۔ سرکار! قربیٰ سے کون حضرات مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ!

کھلی ہوئی بات ہے کہ حسنؑ و حسینؑ کی محبت کا حکم فرمانا دلیل ہے کہ وقت نزول آیت حسنینؑ اس عالم ظہور میں موجود تھے حالانکہ معصومہ عالم جناب فاطمہ زہراؑ کا عقد مبارک مدینہ میں ہوا ہے اور ان شہزادوں کی ولادت بھی مدینہ منورہ ہی کی ہے۔ پھر واقعہ نزول آیت بھی اشارہ کرتا ہے کہ تکمیل دین اور انتہائے تبلیغ کے پیش نظر لوگوں نے آپ کو اجرت دینے کا ارادہ کیا تھا اور مالک کائنات نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میرا حبیب کسی خرچ یا مال دنیا کا محتاج نہیں ہے اس کے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے، ہاں تمہارا یہ فرض ضرور ہے کہ اس کے اقربا سے محبت کرو یہی اس کی رسالت کا اجر اور تمہارے ایمان و عقیدہ کا کمال ہے۔

آیت مودت کی طرح قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق

کو بھی کئی شمار کیا گیا ہے حالانکہ اس کے نزول کے سلسلے میں وارد ہونے والی روایتیں بھی اس امر کی شاہد ہیں کہ اسے مالک کائنات نے اپنے حبیب کے نواسے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لیے بطور جوشن و تعویذ نازل فرمایا تھا اور حضور نے اسے اپنے شہزادوں کے بازوؤں پر باندھ دیا تھا اور اسی لیے بعض علماء نے ازراہ غلط فہمی ان سوروں کو جزء قرآن شمار نہیں کیا ہے بلکہ حسنینؑ کا تعویذ ہی قرار دیا ہے۔ حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ آیاتِ قرآنی جب امت والوں کے بچوں کے لیے بطور تعویذ استعمال ہو سکتی ہیں تو اہلبیتؑ کے بچوں کا تعویذ بننے میں کیا مضائقہ ہے؟ فرق صرف یہ ہے کہ امت کے بچے نزول کے بعد استعمال کرتے ہیں اور اہلبیتؑ کے بچوں کے لیے اسی انداز سے نازل ہوا ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، امت وارثِ کتاب نہیں ہے اور اہلبیتؑ وارثِ کتاب ہیں، امت حاملِ قرآن نہیں ہے اور عترت حاملِ قرآن ہے۔!

روایات جمع قرآن پر ایک نظر

جمع قرآن کی صحیح حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ کسی مناسب موقع پر ان روایات کی صحیح نوعیت کا جائزہ لیا جائے گا جن کی بنا پر مسلمانوں میں خلفاء کو جامع قرآن قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں میں عقیدہ تحریف عام ہوا ہے۔ ضرورت ہے کہ ایک عبوری نظر ان روایات پر بھی ڈال لی جائے تاکہ مسئلہ جمع قرآن کی صحیح نوعیت کا بھی اندازہ ہو جائے۔ یہ روایات کتب احادیث میں بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن مجھے مشت نمونہ کے طور پر صرف چند روایتوں کو نقل کرنا ہے تاکہ مسئلہ کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ارباب نظر کو فیصلہ کرنے میں کوئی خاص زحمت نہ ہو۔ ان روایات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ زید بن ثابت کا بیان ہے کہ یمامہ کے قتل عام کے بعد ابوبکر نے مجھے طلب کیا۔ اتفاق سے اس وقت عمر بن الخطاب بھی موجود تھے۔ ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ عمر کا خیال ہے کہ یمامہ میں بہت سے قارئین قرآن بھی قتل ہو گئے ہیں اور اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو قرآن کا خاتمہ ہی ہو جائے گا، اس لیے اسے جمع ہو جانا چاہیے ــ میں نے عمر سے کہا کہ یہ کام تو رسول اللہ نے بھی نہیں کیا ہے ــ انھوں نے کہا بہرحال کار خیر ہے ــ اس کے بعد اس قدر بحث ہوئی کہ اللہ نے میرے سینے کو کشادہ کر دیا اور عمر کی بات میرے دل میں سما گئی اور ابوبکر نے مجھے اس کام پر مامور کر دیا۔ خدا گواہ ہے کہ ایک پہاڑ کا اپنی جگہ سے منتقل کر دینا اتنا سخت کام نہیں تھا جتنا سخت کام اس قرآن کا جمع کرنا تھا، لیکن میں نے خلیفہ کے حکم کی بنا پر کھال اور چھال اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم" صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس نکلا۔ یہ

صحیفہ ابوبکر کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد عمر کی زندگی میں ان کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ کے پاس محفوظ رہا۔ (صحیح بخاری باب جمع القرآن ج ۲ ص ۹۸)

اس روایت سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ قرآن ابوبکر کے دور میں عمر کے مشورہ سے جمع ہوا ہے۔

۲۔ اس کی چند آیتیں صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھیں۔

۳۔ عمر بن الخطاب کی نظر میں وہ کام بھی جائز ہے جو رسول اللہ کے دور میں نہیں ہوا تھا۔

۴۔ قرآن قاریوں کے سینوں میں اس طرح محفوظ تھا کہ ان کی موت سے قرآن کے تلف ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

۵۔ رسول اکرمؐ کے دورِ حیات میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا اور اسی لیے زید بن ثابت کو بدعت کا شبہ ہوا۔ حالانکہ خود زید کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضور کے عہد جلالت میں اس قرآن کو جمع کر رہے تھے۔ اور حاکم نے اس روایت کو بخاری اور مسلم کے شرائط کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ (مستدرک)

۷۔ ابن شہاب نے انس بن مالک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حذیفہ بن الیمان اسی دوران میں عثمان کے پاس آئے جب وہ اہل عراق کے ساتھ اہل شام سے جنگ کر رہے تھے اور انھوں نے حذیفہ کو مسلمانوں کے اختلاف قرات سے آگاہ کیا تو حذیفہ نے کہا، حضور! یہود و نصاریٰ کی طرح اس امت کے قرآن میں اختلاف کرنے سے پہلے اس کی خبر لیجئے۔ عثمان نے ایک شخص کو حفصہ کے پاس بھیج کر تمام مصاحف کو طلب کیا۔ حفصہ نے ان مصاحف کو دے دیا تو عثمان نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن الحرث بن ہشام کو حکم دے کر ان سے تمام مصاحف کو نقل کرایا اور یہ قانون نافذ کیا کہ جب زید بن ثابت اور قریش کے نمائندوں میں اختلاف ہو تو قریش کی بات مانی جائے اس لیے کہ قرآن انھیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور اس طرح تمام مصاحف کو نقل کر کے حفصہ کو واپس کر دیا گیا اور اپنے مصحف کا ایک ایک نسخہ تمام اطراف ملک میں بھیج کر یہ حکم دے دیا کہ باقی صحیفوں اور مصحفوں کو

نذر آتش کر دیا جائے۔

ابن شہاب نے خارجہ بن زید کے حوالے سے زید بن ثابت کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم نے مصحف نقل کرتے ہوئے ایک آیت کو گم کر دیا جس کو رسول اللہؐ سے سُنا کرتے تھے تو کافی تلاش کے بعد وہ خزیمہ بن ثابت کے پاس برآمد ہوئی۔ آیت یہ تھی: "من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ"۔ (۲۳ : ۲۳) صحیح بخاری ج ۶، ص ۹۹

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ جمع مصاحف کا کام ابو بکر کے بجائے عثمان نے انجام دیا ہے اور شیخین نے اسے صرف صحیفوں کی شکل میں چھوڑا تھا۔

۲۔ جمع قرآن کا کام زید بن ثابت کے بجائے ایک کمیٹی نے انجام دیا ہے جس میں زید کی حیثیت ثانوی تھی۔

۳۔ آیات قرآن کو ایک ایک راوی کے حوالے سے درج قرآن کیا گیا ہے۔

۴۔ عثمان نے اپنا ہی قرآن تمام ممالک میں رائج کیا ہے اور باقی سارے صحیفے منسوخ کر دیے ہیں۔

۵۔ عثمان نے جملہ صحیفوں کو نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا تھا جو قرآن حکیم کے کسی طرح شایانِ شان نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کے سلسلے میں سب سے زیادہ اجر ابو بکر کا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا ہے۔

۴۔ ابو بکر نے قرآن کو کاغذ میں جمع کر دیا تھا اور یہ کام زید بن ثابت اور عمر کے مشورہ سے انجام پایا تھا۔

۵۔ قتل اہل یمامہ کے بعد ابو بکر نے عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ دروازۂ مسجد پر بیٹھ جاؤ اور جس آیت کی دو آدمی گواہی دیں اسے قرآن میں شامل کر لو، چنانچہ اسی طرح قرآن جمع کیا گیا۔

۶۔ محمد بن سیرین راوی ہے کہ عمر کے قتل کے وقت تک قرآن جمع نہیں ہو سکا تھا۔

۷۔ حسن راوی ہیں کہ عمر بن الخطاب سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس کا حافظ یمامہ کی جنگ میں قتل کر دیا گیا اور اس کے بعد جمع قرآن کا حکم دے دیا اور سب سے پہلے جمع قرآن کا شرف انھیں کو حاصل ہے۔

۸۔ جب عمر بن الخطاب نے جمع قرآن کا ارادہ کیا تو لوگوں میں عام اعلان کر دیا کہ جس کے پاس جو آیت ہو وہ لے آئے۔ جس آیت کے دو گواہ ہوں گے اسے درج قرآن کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح جمع قرآن کا کام شروع ہوا اور ختم ہونے سے پہلے عمر کا قتل واقع ہو گیا تو عثمان نے اسی اصول پر کام شروع کیا لیکن آخر میں خزیمہ بن ثابت نے آیت "لقد جاءکم رسول من انفسکم" کو پیش کیا اور خود گواہی دی کہ یہ آیت جزو قرآن ہے تو عثمان نے اسے آخر سورۂ برائت میں رکھنے کا حکم دے دیا۔

۹۔ عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ عمر کسی آیت کو دو گواہوں کے بغیر درج قرآن نہیں کرتے تھے، لیکن جب ایک صحابی "لقد جاءکم" کی آیت لے کر آیا تو انھوں نے مزید شہادت کا مطالبہ کیے بغیر ان دونوں آیتوں کو درج قرآن کر لیا۔

۱۰۔ سلیمان بن ارقم، حسن، ابن سیرین، ابن شہاب زہری کے حوالے سے ناقل ہیں کہ جب یمامہ کی جنگ میں چار سو قراء قرآن قتل کر دیے گئے تو زید بن ثابت عمر بن الخطاب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ دین کا دستور یہی قرآن ہے اور اگر اسی طرح قرآن ضائع ہوتا رہا تو دین ہی برباد ہو جائے گا، اس لیے میں قرآن جمع کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا ذرا ٹھہرو میں ابوبکر سے مشورہ کر لوں۔ دونوں ابوبکر کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا میں مسلمانوں سے مشورہ کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں میں خطبہ دیا اور اس ارادہ سے باخبر کیا۔ سب نے بیک زبان اس رائے سے اتفاق کیا اور اس طرح تمام مسلمانوں کی کوشش سے قرآن حکیم جمع کر لیا گیا۔

۱۱۔ خزیمہ بن ثابت کا بیان ہے کہ میں "لقد جاءکم" کی آیت لے کر عمر بن الخطاب اور زید بن ثابت کے پاس آیا تو زید نے شاہد کا سوال کیا۔ میں نے کہا کہ میرے علاوہ کوئی

گواہ نہیں ہے تو عمر نے کہا کہ میں خود گواہ ہوں لہذا اس آیت کو شامل قرآن کر لیا جائے۔

۱۲۔ ابو اسحاق نے اپنے اصحاب سے روایت کی ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے مصحف کو جمع کر لیا تو پوچھا کہ سب سے زیادہ صحیح تلفظ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا سعید بن العاص۔ پوچھا سب سے اچھا کاتب کون ہے؟ لوگوں نے کہا زید بن ثابت۔ تو آپ نے حکم دیا کہ سعید املاء کریں اور زید لکھیں۔ چنانچہ اس طرح چار مصحف تیار ہوئے اور ایک کوفہ، ایک بصرہ، ایک شام اور ایک حجاز بھیج دیا گیا۔

۱۳۔ عبداللہ بن فضالہ کا بیان ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے قرآن لکھوانے کا ارادہ کیا تو اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ جب آپس میں زبان کے مسئلے میں اختلاف ہو تو قبیلۂ مضر کی زبان لکھی جائے اس لیے کہ قرآن اسی قبیلے کی ایک فرد پر نازل ہوا ہے۔

۱۴۔ ابو قلابہ کا بیان ہے کہ دور عثمان میں معلمین آپس میں مختلف قراءتوں سے طلاب کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور جب آپس میں ملاقات کرتے تھے تو قراءتوں میں اختلاف پاتے تھے اور اس کا تذکرہ اپنے اساتذہ سے کرتے تھے۔ اساتذہ ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ عثمان کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے خطبہ دیا کہ — جب یہاں اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں تو دور دراز شہروں کا کیا حال ہوگا؟ اے اصحاب پیغمبرؐ فوراً ایک نمائندہ قرآن تیار کرلو۔ مالک بن انس کہتے ہیں کہ میں بھی اسی جماعت کی ایک فرد تھا جو قرآن کا املاء کر رہی تھی چنانچہ اگر کسی آیت میں اختلاف ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا حضورؐ سے سننے والا فلاں دیہات یا سفر میں ہے تو ہم لوگ اس آیت کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور اسے بلا کر یا اس کے پاس کسی کو بھیج کر تحقیق کر کے اس آیت کو درج کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب مصحف تیار ہو گیا تو تمام شہروں میں اطلاع کر دی گئی کہ اب ایک قرآن تیار ہو گیا ہے اور تمام نسخے محو کر دیے گئے ہیں لہذا آپ لوگ بھی اپنے نسخے کو محو کر دیں۔

۱۵۔ مصعب بن سعد راوی ہیں کہ عثمان نے لوگوں میں خطبہ دیا کہ ابھی رسول اللہؐ کے

زمانے کو صرف ۱۳ سال گذرے ہیں اور تم میں اس قدر اختلاف ہو گیا ہے کہ اُبی کی قرارت الگ ہو گئی ہے اور عبداللہ کی قرارت الگ۔ ایک دوسرے کو غلط ٹھہراتے ہو اور اختلاف کرتے ہو، لہذا میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ جس کے پاس جس قدر قرآن ہو وہ فوراً لے آئے۔ مسلمان ایک ذخیرہ لے آئے اور خلیفہ نے ایک ایک کو بلا کر قسم دے کر سوال کیا کہ یہ قرآن ہے یا نہیں؟ سب نے قسم کھائی۔ تو دریافت کیا کہ کتابت و قرارت میں سب سے بہتر کون ہے؟ لوگوں نے زید بن ثابت اور سعید بن العاص کا نام لیا تو آپ نے انھیں دونوں سے قرآن جمع کرایا اور مختلف نسخے مختلف شہروں میں بھیج دیے۔" چنانچہ میں نے بعض اصحاب رسول کو یہ کہتے سُنا ہے کہ عثمان نے بڑا اچھا کام کیا۔"

۱۶۔ ابو الملیح کا بیان ہے کہ عثمان نے جمع قرآن میں یہ قانون بنایا تھا کہ قبیلۂ ہذیل املا کرے گا اور قبیلۂ ثقیف لکھے گا۔

۱۷۔ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عبداللہ بن عامر القرشی کی روایت ہے کہ جب مصحف تیار کر کے عثمان کے پاس لایا گیا تو انھوں نے دیکھ کر تعریف کی اور فرمایا کہ اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں جنھیں عرب اپنی زبان سے درست کر لیں گے۔

۱۸۔ عکرمہ راوی ہیں کہ جب مصحف عثمان کے سامنے لایا گیا تو انھوں نے اس میں کچھ غلطیاں پائیں اور فرمایا کہ اگر املا کرنے والا قبیلۂ ہذیل کا ہوتا اور لکھنے والا قبیلۂ ثقیف کا ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔

۱۹۔ عما[illegible] یان۔ [illegible] کہ جب عثمان نے قرآن کے نسخے [illegible]یا، کیے تو اُبی بن کعب کے پاس بھیجا اور انھوں نے زید بن ثابت پر املا کیا جس کی اصلاح سعید بن العاص نے کی — اور اس طرح قرآن اُبی اور زید کی قرارت پر مرتب ہوا ہے۔

۲۰۔ مجاہد کا بیان ہے کہ عثمان نے ابی بن کعب کو املا کرنے، زید بن ثابت کو کتابت کرنے اور سعید بن العاص کو اعراب لگانے کا حکم دیا جس میں عبدالرحمٰن بن الحرث بھی شریک تھے۔

۲۱۔ زید بن ثابت کا بیان ہے کہ جب میں نے قرآن جمع کیا تو ایک آیت جسے میں نے

خود رسول اکرمؐ سے سُنا تھا نہ مل سکی۔ تلاش کے بعد خزیمہ بن ثابت کے پاس برآمد ہوئی تو میں نے انھیں سے لے لیا اس لیے کہ رسول اکرمؐ نے ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا۔

۲۲۔ ابن اشتہ نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے قرآن ابو بکر نے جمع کیا ہے جسے زید نے لکھا تھا اور لوگ زید کے پاس آیتیں لے کر آیا کرتے تھے اور وہ دو گواہوں پر آیت درج کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۂ برارت کے آخر کی آیت صرف خزیمہ کے پاس نکلی تو اُسے بھی درج کر لیا اس لیے کہ خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر تھی اور آیت رجم عمر لے کر آئے تو اسے درج نہیں کیا اس لیے کہ وہ تنہا تھے۔

(الاتقان نوع ۱۸، ج ۱، ص ۱۰۱)

مذکورہ بالا جملہ روایات منتخب کنز العمال میں موجود ہیں اور روایت ۹ کے علاوہ تمام روایتیں خود کنز العمال میں بھی درج ہیں جنھیں جمع القرآن کے ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ان روایات کو دیکھنے کے بعد صاف واضح ہو جاتا ہے کہ حضور سرور کائناتؐ کے بعد جمع قرآن کی روایت ایک فسانۂ عجائب اور طلسم ہوشربا کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ان روایات کے راوی ابھی تک یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ :

۱۔ قرآن کس دور میں جمع ہوا ؟

۲۔ کس نے جمع کیا، فرد نے یا جماعت نے ؟

۳۔ جماعت میں کون کون شامل تھا ؟

۴۔ جمع قرآن کا احساس خلیفہ کو ہوا یا اصحاب اور امت کو ؟

۵۔ قرآن ایک گواہی پر جمع ہوا ہے یا دو گواہیوں پر ؟

۶۔ جمع ہونے کے بعد بھی قرآن صحیح جمع ہوا یا اس میں کچھ غلطیاں رہ گئیں ؟

۷۔ عثمان نے قرآن صحیفوں سے جمع کیا یا مسلمانوں کے بیانات سے ؟

۸۔ سورۂ برارت کی آخری آیتیں ابو بکر نے فراہم کیں یا عثمان نے ؟

۹۔ یہ آیتیں کیوں کر جزو قرآن قرار پا گئیں ؟

۱۰۔ رسول اکرمؐ کا طرزِ عمل قرآن کے بارے میں کیا تھا؟

اتنے شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے ان روایات پر اعتماد کرنا عقلِ سلیم کے خلاف اور منطقِ صحیح سے متضاد ہے۔ یہ اختلافات تو خود ہی اس بات کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ یہ ایک افسانۂ فضیلت ہے جسے ہر دور کے نمک خواروں نے حقِ نمک ادا کرنے کے لیے تیار کیا ہے، جس پر جس کا حقِ نمک زیادہ تھا اس نے فضیلت کو اسی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کسی نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ اس طرح تقدسِ قرآن کا کیا حشر ہوگا؟ ــ اور کتابِ الٰہی کی عظمت کس ٹھکانے لگ جائے گی؟ ــ

سب سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ خلفاءِ امت اور عوامِ امت جمعِ قرآن کی ضرورت کو محسوس کر لیں اور انتہائی احتیاط، دقتِ نظر، دیدہ ریزی کے ساتھ کتابِ خدا کی آیتیں جمع کر لیں تاکہ امت کے پاس دین کا جامع دستور بھی رہے اور قراءت وغیرہ میں باہمی اختلاف امت کے افتراق و انتشار کا سبب نہ بن سکے ــ اور خود امت کا شفیق باپ، رب العالمین کا رحمۃ للعالمین نمائندہ، ضامنِ تبلیغ و ہدایت، حامل و مالکِ قرآن اس حقیقت سے غافل رہے اور اپنے دین کے مکمل دستور کو درختوں کی چھالوں اور جانوروں کی کھالوں کے حوالے کر کے چلا جائے، نہ اس کی کوئی ترتیب ہو نہ تنظیم ــ نہ قراءت کا لحاظ کیا جائے نہ کتابت کا۔ ایسا مہمل تصور ایک صحیح العقیدہ مسلمان کا ذہن برداشت ہی نہیں کر سکتا ــ اور میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ جن افراد نے ان نظریات کو قبول بھی کیا ہے وہ غالباً ان نزاکتوں کی طرف متوجہ نہیں تھے ورنہ کبھی ایسے خیالات کو اپنانے کی جرأت نہ کرتے۔

بہرحال اب وہ زمانہ گذر چکا ہے، امت بیدار ہو چکی ہے، خطرات سامنے آ چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ایسے خیالات کو امت کے ذہنوں سے نکال کر اسے راویوں کے خیالات کے بجائے مُرسلِ اعظمؐ کے بیانات سے قریب تر کیا جائے۔ جہاں سرکارِ دو عالمؐ نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا تھا کہ میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتابِ خدا اور ایک میری عترت ــ اور جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضور

اوراق پریشاں کے بجائے کتاب چھوڑ گئے تھے اور امت کے احساس و جذبات اور اصحاب کے رحم و کرم کے بجائے اپنے اہلبیتؑ اور اپنی عترت کے اعتماد پر چھوڑ گئے تھے کہ قرآن کا مرتب کر کے پیش کر دینا ہمارا کام ہے اور اس کے معانی و مطالب سے آگاہ کرتے رہنا میرے اہلبیتؑ کا فرض ہے ـــــ جس فرض کو ادا کرنے کے لیے خلافت و حکومت کے تمام مسائل سے کنارہ کش ہو کر امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالبؑ خانہ نشین ہو گئے تھے اور آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ جب تک قرآن کو اس کے جملہ حقائق و معارف کے ساتھ جمع نہ کروں گا اپنے دوش پر ردا نہ ڈالوں گا ـــ

کاش! امت اسلامیہ اس موقع کو غنیمت شمار کرتی اور آپ کے حقیقی خدمات سے فائدہ اٹھالیتی لیکن ـــــ وا اسفاہ ـــــ وعلی الدنیا بعدہ العفا۔[1]

ظواہر قرآن

افسانہ جمع قرآن کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے بعد اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے جو معانی بھی ظاہر ہوتے ہیں وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں اور ان ظواہر کو مقام استدلال میں سند بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ قاعدہ کے اعتبار سے اس مسئلہ کو جملہ علماء اسلام کی نظر میں محل بحث بننا چاہیے تھا اس لیے کہ اس سلسلے کے روایات مشترک طور پر ہر فرقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں لیکن عام طور سے دیکھا بھی گیا ہے کہ اس کو صرف علماء شیعہ نے محل نظر بنایا ہے اور علماء اہلسنت اس بحث سے بے نیاز ہو گئے ہیں ـــ مسئلہ کی صحیح نوعیت یہ ہے کہ حضور سرور کائناتؐ نے وقت آخر اپنی وصیت میں یہ فرما دیا تھا کہ میں قرآن اور اہلبیتؑ

---

[1] جمع قرآن کے مذکورہ بالا روایات میں نے استاد علام آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت سید ابوالقاسم الخوئی طاب ثراہ کی کتاب البیان سے اخذ کیے ہیں۔ سرکار موصوف نے ان مسائل پر نہایت تفصیل کیساتھ بحث کی ہے لیکن میں نے صرف بقدر ضرورت استفادہ کیا ہے اور آئندہ بھی بقدر ضرورت مطالب درج کیے جاتے رہیں گے۔ جوادی

دونوں کو چھوڑے جا رہا ہوں اور تمھیں دونوں سے تمسک کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے اور قرآن مجید میں بھی ایسی آیتیں موجود ہیں کہ "ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان بندوں کو قرار دیا ہے جنھیں ہم نے منتخب کر لیا ہے۔"

"یہ قرآن ان آیات بینات کا نام ہے جو صاحبانِ علم کے سینوں میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔"

"اس قرآن کی تاویل خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔"

"اے رسول! آپ کی رسالت کا گواہ خدا ہے اور وہ لوگ ہیں جن کے پاس علم کتاب ہے۔"

وغیرہا۔

ان آیات بینات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا علم کچھ مخصوص افراد کے سینوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے اور ہر شخص معانی قرآن سے استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور اسی بنا پر ایک مستقل بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ظواہر قرآن قابل استناد و اعتماد ہیں یا نہیں؟ علماء اہلسنت نے اس بحث سے اس طرح راحت حاصل کر لی ہے کہ عترت پیغمبرؐ کو کسی منزل پر فہم قرآن کے لیے ضروری نہیں سمجھا ہے اور روز اول ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ قرآن ہمارے لیے کافی ہے اور ہمیں کسی دوسرے رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مطلب کے اثبات کے لیے آیات میں تاویل کی گئی ہے اور احادیث میں شبہات پیدا کیے گئے ہیں۔

لیکن علماء تشیع میں یہ موضوع ہر دور میں قابل فکر و نظر رہا ہے اور بعض روایات نے اس بحث کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے جیسا کہ شعیب بن انس نے امام جعفر صادقؑ کے بارے میں روایت کی ہے کہ آپ نے ابوحنیفہ سے ملاقات کے دوران دریافت کیا۔ "کیا آپ ہی فقیہ عراق ہیں؟"۔

"جی ہاں!"۔ انھوں نے جواب دیا۔

"آپ کے فتوی کے مصادر کیا ہیں؟"

"کتاب خدا اور سنت رسولؐ۔"

"کیا آپ کو کتاب خدا کی معرفت کما حقہ، حاصل ہے۔ کیا آپ ناسخ و منسوخ کا فرق پہچانتے ہیں۔؟"

"بے شک" ابو حنیفہ نے جواب دیا۔

آپ نے فرمایا "اے ابو حنیفہ! تم نے بہت بڑے علم کا دعویٰ کیا ہے۔ افسوس! پروردگار عالم نے تو معانی قرآن کو صرف ان صاحبان کتاب کے پاس محفوظ کیا ہے جن کے گھر قرآن نازل ہوا ہے اور وہ ہمارے نبی کی مخصوص ذرّیت ہے اور بس۔ تمھیں تو اللہ نے اپنی کتاب کے ایک حرف کا وارث نہیں بنایا۔"

دوسری روایت زید الشحام کی ہے جس میں قتادہ اور امام محمد باقرؑ کی ملاقات کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ قتادہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا،

"فقیہ اہل بصرہ آپ ہی ہیں؟"

قتادہ نے کہا "لوگوں کا خیال تو یہی ہے!

"میں نے سنا ہے کہ آپ تفسیر قرآن بھی فرماتے ہیں"؟۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔

"بے شک"۔ قتادہ نے کہا۔

آپ نے فرمایا قتادہ! اگر تم نے اپنے پاس سے قرآن کی تفسیر کی ہے تو خود بھی برباد ہوئے اور قوم کو بھی تباہ کیا۔ اور اگر لوگوں سے سن کر تفسیر کی ہے تو یہ بھی تباہی کی نشانی ہے۔ قرآن کا عرفان صرف انھیں افراد کو حاصل ہے جو اس کے مخاطب ہیں۔

. . . .

ان روایات پر نظر کرنے سے یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا صرف نبی اکرمؐ اور ان کی ذرّیت کے ساتھ مخصوص ہے، امت کے کسی شخص کو الفاظ قرآن سے استفادہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معصوم کا موضوع سخن تفسیر ہے، اور تفسیر باطنی معانی کے اظہار کا نام ہے اس کا کوئی تعلق ظاہری معانی سے نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان دونوں روایات میں روئے سخن ان مخالفین اور مدعیان علم کی طرف ہے جنھوں نے اپنے کو آل رسولؐ سے بے نیاز سمجھ کر ان کے مقابلے میں فہم قرآن کا دعویٰ کیا تھا، ان کا کوئی تعلق ان مخلصین اور وابستگان دامن آل محمدؐ سے نہیں ہے جو ظواہر قرآن پر قانون عربیت کے اعتبار سے عمل کرتے ہیں،

اور فہم باطن کے لیے تفسیر عترت کو سہارا قرار دیتے ہیں، جس کی طرف خود معصومینؑ نے بھی اشارہ کیا ہے کہ "قرآن کی کما حقہٗ معرفت آلِ رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہے"۔ یا "قرآن کریم کی وراثت ان کے لیے ہے اور بس!" ۔ ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ظواہر سے استفادہ کرنا یا ان پر عمل کرنا نہ کما حقہٗ معرفت ہے اور نہ اس کا تعلق وراثت سے ہے۔ یہ کام وہ لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں جن کا کوئی تعلق وراثت کتاب سے نہیں ہے۔

اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اگر کُل قرآن کے ظاہر و باطن سب کا سمجھنا اہلبیتؑ کے بیان پر موقوف ہوتا تو وہ تمام آیتیں مہمل ہو جاتیں جن میں کفار و مشرکین کو مخاطب بنایا گیا تھا یا ان کے ذریعہ سے اصولِ دین اور عقائد کی تعلیم دی گئی تھی۔ سورۂ برائت، سورۂ توحید یہ ایسے واضح حقائق ہیں جن کے سمجھنے کے لیے زبان و لغت کی معرفت کے علاوہ کسی وراثت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وارثانِ کتاب ان آیات سے ایسے معانی کا استفادہ بھی کر سکتے ہیں جو زبان و بیان کے حدود سے بالاتر اور لغت و لسان کے دائرہ سے باہر ہوں۔ لیکن اس استفادہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ظواہر کا استفادہ باطل یا بے معنی ہو جائے۔

خود معصومینؑ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انھوں نے اپنے اصحاب کو آیاتِ قرآن سے استفادہ کرنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ مثال کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ زرارہ نے حضرت صادقؑ سے دریافت کیا کہ آپ نے سر کے بعض حصّے پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے (اور دوسرے مسلمان پورے سر کا مسح کرتے ہیں) تو آپ کے پاس اس حکم کی دلیل کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا "لمکان الباء" یہ حکم اس ب کی وجہ سے دیا گیا ہے جو مسح کی آیت میں موجود ہے "وامسحوا برؤسکم"۔!

اس مقام پر یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ بعض علماء ادب نے حضرت صادقؑ کے اس قول کی تکذیب کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عربی زبان میں ب کا حرف بعض کے معنوں میں نہیں استعمال ہوتا ہے لہذا ب کی موجودگی سے بعض سر کے مسح پر استدلال زبان و بیان کے قانون کے خلاف ہے۔

لیکن افسوس کہ ان بیچاروں نے حضرت کے کلام کی روح کو سمجھنے کی زحمت نہیں کی،

اور اس طرح ایک مرتبہ پھر اقرار کر لیا کہ معصومینؑ سے کنارہ کشی کے بعد خود ان کے بیانات کا سمجھنا دشوار ہے چہ جائیکہ قرآن حکیم کے معانی و مفاہیم۔ ان کی منزل تو بہت بلند ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ عربی زبان میں ب مسلّم طور پر الصاق اور اتصال کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور قرآن حکیم نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ حضرت کا مقصد یہ ہے کہ اگر پورے سر کا مسح مطلوب ہوتا تو آیت کے الفاظ ہوتے" وامسحوا رؤسکم" اپنے سروں کا مسح کرو۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ آیت میں ایک ب کا اضافہ کیا گیا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سر کا مسح مطلوب نہیں ہے بلکہ ایسا مسح مطلوب ہے جو سر سے اتصال والصاق رکھتا ہو اور یہ بات ادنیٰ اتصال سے حاصل ہو جائے گی چاہے انگلی ہی سے کیوں نہ ہو۔ سر کے ابتدائی حصّے کا مسح اس لیے ضروری ہے کہ حقیقی معنوں میں لفظ سر کا استعمال اسی حصّہ کے لیے ہوتا ہے باقی حصّے بالتبع اسی کے ساتھ حساب کر لیے جاتے ہیں۔ والعلم عند اللہ

۲۔ ایک شخص کا دستور تھا کہ وہ بیت الخلاء میں نشست کو طول دے دیا کرتا تھا اور وہاں بیٹھ کر سرود ہمسایہ سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا، آپ نے سخت تنبیہ کی۔ اس نے عرض کی کہ میں اپنے پیروں سے گناہ کی طرف نہیں جاتا ہوں بلکہ رفع حاجت کے لیے جاتا ہوں اور وہاں تھوڑی دیر زیادہ بیٹھ جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا" ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولاً"۔ روز قیامت صرف پیروں کے اعمال کا حساب نہ ہوگا بلکہ سماعت، بصارت، دل، سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

۳۔ حضرت صادقؑ کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ تین طلاق کے بعد تحلیل کے لیے جس نکاح کی ضرورت پڑتی ہے وہ کسی غلام کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک ہو سکتا ہے اور یہ تو قرآن مجید میں صاف طور پر موجود ہے" حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ" یہاں تک کہ وہ دوسرا شوہر کر لے، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ غلام، غلام ہونے کے باوجود شوہر ضرور ہوتا ہے اور اسے عقد کے بعد شوہر ہی کہا جاتا ہے کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جاتا۔

۴۔ اسی سلسلے کا ایک مسئلہ حضرت کی خدمت میں آیا کہ مطلقہ کی تحلیل کے لیے عقد دائم کے بجائے متعہ ہو سکتا ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا کہ متعہ تحلیل کا کام نہیں کر سکتا اس لیے کہ قرآن حکیم نے عقد ثانی کے بعد شوہر اول کے لیے تحلیل کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ "فان طلقھما فلا جناح علیھما ان یتراجعا" اگر شوہر دوم طلاق دیدے تو عورت اپنے شوہر اول کی طرف واپس جا سکتی ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ متعہ میں طلاق کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا ہے۔

۵۔ صادق آل محمدؑ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ٹھوکر کھا گیا اور اس کا ناخون گر گیا اس نے ناخن کی جگہ دوا باندھ لی ہے تو اب مسح میں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دوا پر مسح کرلے اس لیے کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے "ماجعل علیکم فی الدین من حرج" تمہارے لیے دین میں کوئی حرج اور مشقت نہیں رکھی گئی ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر واضح نہیں تھا کہ فوراً آیت کریمہ سے ظاہر ہو جاتا اس لیے کہ دین میں مشقت نہ ہونے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک صورت یہ بھی کہ حکم مسح باقی رہے اور بجائے انگوٹھے کے دوا پر مسح کیا جائے اور ایک یہ کہ اصل حکم مسح ہی ساقط ہو جائے۔ آیت مبارکہ میں دونوں احتمالات موجود تھے لیکن حضرت نے اس شق کو اختیار کر کے اس پر آیت کریمہ سے استدلال فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومینؑ کی نظر میں صرف ظواہر قرآن ہی سے استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے غامض اور دقیق امور سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ صادق آل محمدؑ نے غلام کے نکاح کو باطل قرار دیتے ہوئے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے "عبداً مملوکاً لایقدر علی شیٔ" غلام قانونی طور پر کسی شے پر قادر نہیں ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ سے ایسے مسائل پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جب کہ بظاہر عدم قدرت سے عدم صحت کا اندازہ نہیں ہوتا اور نہ یہی واضح ہوتا ہے کہ آیت کا رُخ اس امر کی طرف ہے۔

۷۔ بعض حیوانات کے جائز ہونے پر بھی حضرت نے آیت قرآن ہی سے استدلال

کیا ہے "قل لا اجد فیما أوحی الیّ محرّماً علی طاعم یطعمه" میں اللہ کی وحی میں اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔

۸۔ احادیث معتبر میں یہ بات متواتر طریقہ پر پائی جاتی ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو انھیں کتاب خدا کے سامنے پیش کرو اور جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہو اسے اخذ کرلو ورنہ دیوار پر پھینک دو۔ حدیث کا مطلب ہی یہ ہے کہ کتاب خدا کا سمجھنا ممکن اور اس کے ظواہر قابل اعتماد ہیں ورنہ اس پر پیش کرنے اور اسے حکم قرار دینے کا کیا مطلب ہے۔ جس بات کا مفہوم واضح نہ ہو اسے کسی مسئلہ میں حکم نہیں بنایا جاسکتا۔

۹۔ حضور سرکار کائناتؐ کی حدیث ثقلین مشہور و معروف اور تواتر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں حضور نے عترت و اہلبیتؑ کے ساتھ کتاب اللہ سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ تمسک کوئی مادی شے نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے مفاہیم سے استفادہ کرکے اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

۱۰۔ خود قرآن حکیم نے متعدد آیات میں اپنے بیانات پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اس کے مضامین پر غور و خوض نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر یہ چند آیتیں ہیں:

أفلا یتدبرون القرآن أم علی قلوب اقفالها۔	یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ کیا ان کے قلوب پر قفل لگے ہوئے ہیں۔؟
ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل۔	ہم نے اس قرآن میں تمام مثلیں اسی لیے بیان کردی ہیں کہ لوگ ان میں غور و فکر کریں۔
بلسان عربی مبین۔	یہ قرآن واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

تلک عشرۃ کاملة

مذکورہ بالا دس دلائل کے علاوہ بے شمار آیات و روایات، احتجاجات و واقعات

ہیں جن سے اس مدعیٰ پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور یہ بات ظاہر کی جا سکتی ہے کہ ظواہر قرآن کا سمجھنا ائمۂ اہلبیتؑ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے ہر صاحب فہم اور واقف اسرار لغت سمجھ سکتا ہے۔ یہ ظواہر حجت بھی ہیں اور ان سے استدلال مطابق قانون اسلام بھی ہے۔ اس کے بعد یہ تصور کرنا کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ کا علم اہلبیتؑ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے انتہائی عجیب اور مضحکہ خیز تصور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ظواہر کا فہم بھی افراد کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ عام ماہرین زبان و بیان ظواہر سے بھی اس قدر استفادہ نہیں کر سکتے جس قدر مطالب ائمۂ معصومینؑ بیان کر سکتے ہیں لیکن یہ ظواہر کتاب کی حجیت سے الگ ایک غیر متعلق بات ہے جس کا کوئی تعلق ہمارے موضوع بحث سے نہیں ہے۔

حجیت ظواہر اور تحریف قرآن

اس مقام پر ایک دلچسپ بحث یہ ہو سکتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنے والے حضرات ظواہر قرآن سے کیونکر استدلال کریں گے اور ان کا اعتماد ان ظواہر پر کیونکر ممکن ہے جب کہ تحریف کا مطلب ہی یہ ہے کہ کچھ آیتیں کم ہو گئی ہیں، کچھ کا محل بدل گیا ہے اور کچھ کا قرینہ حال و مقام مفقود ہو گیا ہے اور کسی کلام کے سمجھنے میں قرائن حال و مقال و مقام کا بیحد دخل ہوا کرتا ہے۔

یہ مسئلہ شیعہ اور سنی دونوں قسم کے علماء کے لیے دلچسپی کا باعث بن سکتا ہے اس لیے کہ جزئی طور پر سہی تحریف کا عقیدہ دونوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔ علماء شیعہ کی اکثریت کے تحریف کے مخالف ہونے کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کچھ حضرات نے ان میں سے بھی تحریف کا دعویٰ کیا ہے اور ان روایات پر اعتماد کر لیا ہے جن میں تحریف کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اہلسنت کی کتابیں بھی اس نکتہ کی غمازی کر رہی ہیں کہ ان کی بھی ایک بڑی تعداد عقیدۂ تحریف کی حامل ہے اور قرآن کریم میں کسی نہ کسی اعتبار سے تحریف کی قائل ہے۔

سنجیدگی سے غور کیا جائے تو شیعہ قائلین تحریف کے لیے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس لیے کہ ان کے یہاں ائمہ معصومینؑ کے ارشادات موجود ہیں جنھوں نے موجودہ رائج طرز قرارت کے اختیار کرنے اور اسی قرآن پر اعتماد کا حکم دیا ہے اور ان کا ارشاد خود ایک حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کے ظواہر تحریف کے بعد غیر معتبر بھی ہو گئے تھے تو معصوم کا امضاء کر دینا اور ان کا ذمہ داری سنبھال لینا دلیل ہے کہ یہ سند بھی ہے اور قابلِ اعتبار بھی۔ اور ہم قول معصوم کی روشنی میں اس کے بیانات سے استفادہ بھی کر سکتے ہیں اور اس کے مندرجات پر عمل بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن علماء اہلسنت کے لیے یہ مسئلہ بیحد گمبھیر ہے۔ ان کے پاس مرسل اعظمؐ کے بعد کوئی معصوم ایسا نہیں ہے جو اپنی ذمہ داری پر کتاب کے بیانات کو معتبر قرار دیدے اور کتاب بھی سرکار دو عالمؐ کے عہد سعادت مہد میں مرتب نہیں تھی کہ حضور کی ترتیب پر اعتماد کر کے ہر تحریف کو قابلِ اعتبار سمجھ لیا جائے۔ ان کے لیے دو ہی راستے ہیں یا کتاب کریم کے حیاتِ رسولؐ میں مرتب ہو جانے اور حضور کے بعد بعینہٖ باقی رہ جانے کا اعتراف کریں یا اس معصوم سلسلے پر ایمان لے آئیں جس کے بیانات رسول اعظمؐ کے بیانات ہیں اور جس کی عصمت نے تمام بیاناتِ کتاب کی ذمہ داری لے کر اسے مستند قرار دیدیا ہے۔

علماء اعلام نے اس مسئلہ کو اس طرح بھی حل کیا ہے کہ تحریف کے عقیدہ کے لیے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تحریف احکام و فرائض کے آیات ہی میں سمجھی جائے بلکہ ایک اہم امکان یہ بھی ہے کہ اس کا تعلق فضائل و مناقب کی آیتوں سے ہے جیسا کہ مفاد تحریف کے روایات و بیانات سے اندازہ ہوتا ہے اور اس طرح تحریف کا اجمالی علم ناقابلِ توجہ ہو جائے گا اس لیے کہ اس کا آیات احکام سے متعلق ہونا ہی غیر معلوم ہے۔ اور دوسری آیتوں میں تحریف سے احکام و فرائض کے استنباط پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ فضائل و مناقب متاثر بھی ہو جائیں تو ان کے فیصلے کے دوسرے راستے موجود ہیں جن کا کوئی تعلق تحریف کتاب سے نہیں ہے۔

اس سلسلے کی باقی بحث محکمات و متشابہات کے ذیل میں آئے گی۔ جہاں یہ واضح

کیا جائے گا کہ قرآن کریم یا اس کے بعض آیات کا متشابہ ہونا اس کی حجیت کو متاثر نہیں کر سکتا ہے اور نہ متشابہات کا مطلب یہ ہے کہ سارے قرآن کے ظواہر اعتبار سے ساقط ہو جائیں اور فہم قرآن صرف معصوم ہستیوں کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔

یہ اور بات ہے کہ مذکورہ بالا طرز استدلال بھی کچھ مناسب نہیں ہے اور یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ قرآن کریم کی حجیت اور اس کا اعتبار اہلبیتؑ کے امضاء سے وابستہ ہو جائے اور اس کی استقلالی حیثیت بالکل ختم ہو جائے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر تحریف کے قائل حضرات ائمہ معصومینؑ کے امضاء سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ قرآن تحریف کی وجہ سے غیر مستند ہو گیا تھا اور اہلبیتؑ کی ضمانت نے اسے معتبر بنا دیا ہے تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ قرآن حکیم میں کوئی تحریف نہیں ہوئی اور نہ وہ کبھی غیر معتبر ہوا تھا جس کا ثبوت ائمہ معصومینؑ کا اپنا اعتماد ہے جو کسی ناقابل اعتماد شے پر نہیں ہو سکتا اور اس طرح علماء شیعہ اور علماء اہل سنت کے قائلین تحریف میں ادنیٰ فرق ہو جائے تو ہو جائے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے قول تحریف دونوں کے استدلال و استنباط پر اثر انداز ہو گا اور قرآن حکیم دونوں کے لیے حجیت و استناد سے ساقط ہو جائے گا۔

قرارت قرآن

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ آج ہمارے ہاتھوں میں وہی قرآن حکیم ہے جو تقریباً چودہ برس قبل سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا تھا، اس میں کسی قسم کی زیادتی ہوئی اور نہ کمی ـــ تغیر و تبدل کی رسائی اس کے ایوانِ عظمت تک ناممکن ہے۔ باطل اس کے کوچۂ تقدس سے گذر نہیں سکتا۔ رب العالمین اس کی برتری کا محافظ ہے اور بیانات کی ندرت و عظمت اس کی یکتائی کی نگراں۔

مسلمانوں کا بے پایاں اہتمام اور ملت اسلامیہ میں کتاب کریم کا بے نہایت احترام دلیل ہے کہ یہ ہر دور میں دست بدست منتقل ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے۔

دورِ حاضر کے بدلے ہوئے حالات میں قرآن مجید سے شغف ثبوت ہے کہ جب ملت اسلامیہ کا کل مذہبی سرمایہ قرآن کریم کی حد تک محدود تھا تو اس کتاب سے کس قدر انس رہا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کاغذ کے فقدان کے دور میں بھی اسے کھالوں اور چھالوں پر محفوظ کیا گیا، سینوں کو اس کا مخزن بنایا گیا اور ذہن و دل و دماغ کو اس کا امانت دار قرار دیا گیا۔

قرآن حکیم کی تاریخ اتنی قدیم نہیں ہے جس کے تسلسل کا تلاش کرنا کوئی بہت بڑا مرحلہ ہو۔ ہزار ڈیڑھ سال قدیم تاریخ میں لاکھوں افراد کے معاشرہ سے گذرنے والی کتاب کا بالتواتر ثابت ہو جانا دشوار گذار نہیں ہے۔ ابھی تو مسلمانوں کی مرتب تاریخ موجود ہے۔ پہلی صدی تک کی کتابیں محفوظ ہیں۔ کتب خانوں کے قلمی ذخیرہ میں قرآن کریم کے قدیم مخطوطہ نسخے موجود ہیں ـــ ابھی اس کے تواتر سے انکار کرنے کا وقت نہیں آیا۔ اہلِ ہوس کا فرض ہے کہ اپنے زعم ناقص کی بنا پر اس وقت کا انتظار کریں جب خدانخواستہ اور بفرضِ محال

یہ اسباب نہ رہ جائیں اس وقت انھیں عظمت قرآن پر حرف لانے کا حق پیدا ہو سکتا ہے، فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن حکیم کے بالتواتر ثابت ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے جملے، کلمات، حروف، صدر اول سے آج تک ایک ہی نوعیت سے محفوظ ہیں۔ اعراب و حرکات و اوقاف کی کوئی ضمانت نہیں ہے اس میں تحریف بہر حال ثابت ہے اور خود اختلاف قرات تحریف کی ایک واضح دلیل ہے ــــ تواتر قرآن اور تواتر قرائات میں کوئی تلازم نہیں ہے۔ تواتر قرآن سے مراد الفاظ و کلمات کا تواتر ہے۔ اور تواتر قرائات سے مراد اعراب و حرکات و اوقاف کا تواتر ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مادہ اپنی ہیئت سے الگ ایک حیثیت رکھتا ہے اور اس میں کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ کلمات کا مادہ متواتر ہو اور اس کے حرکات اختلافی رہے ہوں، ان کا تواتر ثابت نہ ہو۔

یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کے تواتر کا سہارا لے کر تمام قراءتوں کو متواتر ثابت کر دیا جائے اور ساتوں قاریوں کی قرات کو اس قدر باعظمت تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا انکار کفر کے مرادف ہو جائے جیسا کہ بعض علماء اہلسنت نے فتویٰ دیا ہے۔

(مناہل العرفان زرقانی، ص ۴۲۸)

میرا خیال تو یہ ہے کہ قرات قرآن کو سات افراد میں محدود کرنا یہ خود بھی ایک لطیفہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ مرسل اعظمؐ کے دور سے تیسری صدی تک ہزاروں اور لاکھوں قاریان قرآن گذرے۔ ہر ایک نے اپنے ذوق اور فن کے مطابق لہجے مقرر کیے۔ اوقاف وحرکات کا تعین کیا اور تلاوت کا شرف حاصل کرتے رہے۔ تیسری صدی آتے آتے یہ اختلافات اس حد تک بڑھ گئے کہ ارباب نظر کو پھر ایک مرتبہ توحید امت کی ضرورت محسوس ہوئی اور سات قاریوں کے علاوہ باقی قراءتوں کو بیکار سمجھ لیا جانے لگا۔ بعض حضرات کو یہ طریقہ بھی پسند نہ آیا تو انھوں نے اس عدد کو بڑھا کر سات سے دس یا تیرہ تک پہونچا دیا۔ کاش! امت کو اختلاف سے بچانے والوں نے ہمت کر کے ایک ہی قرات کا تعین کر دیا ہوتا تو یہ آئے دن کے اختلافات اور اعداد و شمار کی کمی زیادتی کا جھگڑا نہ رہ جاتا۔

مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور امت جس اختلاف کا شکار تھی اسی میں گرفتار رہ گئی۔

قرّاء سبعہ کے حالات کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ان کی قراءتوں کا متواتر ہونا تو بہت بڑی بات ہے ان میں بعض قاری قابلِ اعتبار بھی نہ تھے اور ان کے دَور میں ایسے حضرات بھی موجود تھے جو فنِ قراءت اور اصولِ زبان سے ان سے کہیں زیادہ ماہر اور صاحبِ معلومات تھے۔ اس مقام پر ان کے حالات کی طرف ایک اجمالی اشارہ کیا جا رہا ہے۔ استاذِ علام حضرت آقای سید ابو القاسم الخوئی طاب ثراہ نے اپنی کتاب البیان میں ان حالات کو نہایت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ لیکن مجھے ان تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا کام صرف ان کے حالات کا بے نقاب کر دینا، ان کے بارے میں علماء کے آراء کا جمع کر دینا اور یہ واضح کر دینا ہے کہ ایسے حالات میں ان قراءتوں کا خود انھیں حضرات تک تواتر ثابت نہیں ہے چہ جائیکہ یہ حضور سرورِ کائناتؐ سے بطریقِ تواتر ثابت ہوں۔ قرّاء سبعہ کے اجمالی حالات یہ ہیں:

قاری اول ـ عبداللہ بن عامر دمشقی

یہ ۸ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۱۱۸ھ میں انتقال کیا ہے۔ (طبقات القراء ص۴)

شام کے رہنے والے تھے اور وہاں بلال بن ابی درداء کے بعد والیِ قضاوت بھی ہوئے تھے۔ ان کی قراءت کی روایت مختلف وسائط سے ہشام اور ابن ذکوان نے کی ہے۔

ہشام کے بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ بعض حضرات نے انھیں ثقہ شمار کیا ہے اور بعض نے حدیث فروش، بے اصل سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۵۳ھ میں ان کی ولادت اور ۲۴۵ھ میں وفات ہے۔ (طبقات القراء ج ۲، ص ۳۵۴، ۳۵۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱، ص ۵۲۔ ۵۴)۔

ابن ذکوان کسائی کے شاگرد تھے، ۱۰ محرم ۱۷۳ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۴۲ھ میں انتقال کیا۔ (طبقات القراء، ج ۱، ص ۴۰۴)۔

ان دونوں کے بعد سلسلہ روایت انتہائی اختلافی ہے اور ان کی تاریخ ولادت بھی گواہ ہے کہ یہ عبداللہ کے انتقال کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اب ان کا سلسلۂ روایت کیا

ہے اور اس کا اعتبار کس حد تک ہے؟ یہ بات تحقیق طلب ہے۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ایسے حالات میں تواتر کا دعویٰ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

قاری دوم۔ عبداللہ بن کثیر مکی

مکہ میں ۴۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ مختلف حضرات کے سامنے قراءت کا درس لیا۔ ان کی قراءت کے راوی احمد بن محمد البزی اور محمد بن عبدالرحمٰن قنبل ہیں۔

بزی ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۰ھ میں انتقال کیا، اور قنبل نے ۱۹۵ھ میں ولادت پائی اور ۲۹۱ھ میں انتقال کیا۔ دونوں کے مشترک حالات یہ ہیں کہ اہلِ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور بدسیرت تھے۔ (طبقات القراء، ج ۱، ص ۱۱۹۔ لسان المیزان ج ۱، ص ۲۸۲۔ طبقات القراء، ج ۲، ص ۱۰۵۔ لسان المیزان، ج ۵، ص ۲۴۹)۔

ان دونوں راویوں نے بھی ابن کثیر کا زمانہ نہیں دیکھا اور ان سے بالواسطہ روایت کی ہے اور خود ان کی حیثیت بھی صاف نہیں ہے اس لیے ان کے اعتماد پر بھی تواتر کا دعویٰ کرنا حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ اور جب انھیں کے حالات واضح اور قابلِ اعتبار نہیں ہیں تو ان کے بعد کے راویوں پر کیا بحث کی جا سکتی ہے!

قاری سوم۔ عاصم بن بہدلہ کوفی

ابو عبدالرحمٰن السلمی کے شاگرد تھے۔ عثمانی المسلک اور مردِ معتبر تھے۔ آخر عمر میں حافظہ بہک گیا تھا اور ناقابلِ اعتبار ہو گئے تھے۔ ان کے انتقال کا زمانہ ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ ہے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۳۹)۔

ان سے دو آدمیوں نے روایت کی ہے، ایک حفص اور ایک ابوبکر۔

حفص ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔ انھیں ثقہ کہا گیا ہے لیکن حدیث میں ان پر اعتبار نہیں کیا گیا اور بعض لوگوں نے تو غیر ثقہ اور متروک تک قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۴۰۱)۔

ابوبکر، اہلسنت کے جلیل القدر عالم اور بقول خود نصف اسلام تھے۔ وقت آخر جب بہن نے رونا شروع کیا تو فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ میں نے فلاں گوشے میں بیٹھ کر ۱۸ ہزار مرتبہ قرآن ختم کیا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ابن سعد نے کثیر الغلط سے تعبیر کیا ہے بلکہ ابو نعیم نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ان سے زیادہ غلطی کرنے والا پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴ھ میں انتقال کیا۔ (طبقات القراء، ج ۱، ص ۳۲۵، ۳۲۷۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲، ص ۳۵-۳۷)۔

ایسے حالات میں ان دونوں کی روایت پر اعتبار کرنا اور ان کے اعتماد پر قرات عاصم کو متواتر قرار دینا عجیب وغریب بات ہے اس کے بعد کے سلسلے پر نظر کرنا بیکار ہے اس لیے کہ بنیاد ہی کمزور ہے تو ثریا تک عمارت کے جانچنے کی کیا ضرورت ہے۔

قاری چہارم۔ ابو عمرو زبان بن العلاء المازنی البصری

انھیں ایرانی بھی کہا جاتا ہے۔ قاریوں میں سب سے زیادہ شیوخ انھیں کے تھے ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۴ھ میں انتقال کر گئے۔ ابو معاویہ ازہری نے تہذیب میں انھیں قرات کا اعلم اور الفاظ عرب، نوادر کلمات اور فصاحت اشعار کا اعرف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲، ص ۱۷۸-۱۸۰)۔

ان سے حفص بن عمرو دوری ازدی بغدادی اور ابو شعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ سوسی نے یحییٰ بن المبارک الیزیدی کے واسطے سے روایت کی ہے۔

یحییٰ بن المبارک یزید بن منصور کی صحبت کی بنا پر یزیدی کہے جاتے تھے۔ ۲۰۲ھ میں مرو میں ۷۴ سال یا ۹۰ سال سے زیادہ کی عمر میں انتقال کیا۔ ابن مجاہد نے انھیں ابو عمرو کے شاگردوں میں سب سے زیادہ اہمیت اس لیے دی ہے کہ انھوں نے صرف ابو عمرو سے روایت کی ہے۔ حالانکہ اُن کے شاگردوں میں ان سے بہتر افراد بھی موجود تھے۔

(طبقات القراء ج ۲، ص ۳۷۵-۳۷۷)

دوری نے شوال ۲۴۶ھ میں انتقال کیا ہے ابن جزری نے انھیں ثقہ کہا ہے لیکن

دار قطنی نے ضعیف شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۴۰۸)

سوسی کو تمام علماء نے ثقہ و صدوق شمار کیا ہے صرف مسلم بن قاسم اندلسی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ان کا کوئی مدرک نہیں ہے اس لیے ان کی بات کا اعتبار بھی نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۳۹۲)

ارباب نظر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا ایسے حالات میں قرأت کے تواتر کا دعویٰ صحیح اور حق بجانب ہے۔

قاری پنجم۔ حمزہ ابن حبیب بن عمار ابن اسماعیل کوفی تمیمی

انھوں نے سلیمان اعمش اور حمران بن اعین سے علم حاصل کیا ہے۔ کتاب التیسیر میں امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے ان کی کافی تعریف نقل ہوئی ہے کہ یہ عاصم و اعمش کے بعد امام القرأت اور عدیم النظیر قاری تھے۔

ابو حنیفہ انھیں خطاب کر کے کہا کرتے تھے کہ آپ قرآن اور فرائض میں مجھ سے آگے بڑھ گئے ہیں اب اس میں کسی مقابلہ کی گنجائش نہیں ہے۔

عبد اللہ بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ان کے استاد اعمش انھیں "حبر القرآن" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

یہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۱۵۶ھ میں وفات پائی ہے۔ (طبقات القراء، ج ۱، ص ۲۶۱)۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بہت سے علماء نے ان کی قرأت سے اختلاف کیا ہے اور انھیں انتہائی مذموم ٹھہرایا ہے۔ ابن درید کی تو یہ تمنا تھی کہ ان کی قرأت کوفہ سے باہر نکال دی جاتی۔ (تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۷)

ان کی قرأت کے دو راوی تھے۔ خلف بن ہشام، خلاد بن خالد۔

خلف، ابو محمد بن ہشام بن ثعلب بغدادی کا نام ہے، جن کا شمار قراء عشرہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے حمزہ کی قرأت کی روایت کی ہے لیکن ۱۲۰ لفظوں میں ان سے اختلاف

کیا ہے۔ سنہ ۱۵۰ھ میں ان کی ولادت اور سنہ ۲۲۹ھ میں وفات ہے۔

ان کے تقدس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پہلے اہل کوفہ کے مشرب کی بنا پر پیا کرتے تھے بعد میں تائب ہوئے تو ۴۰ سال کی نمازوں کی قضا کی۔ لیکن خطیب بغدادی نے محمد بن حاتم کندی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن معین کی نظر میں خلف کو یہی نہیں معلوم تھا کہ حدیث کس چیز کا نام ہے، راوی ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۶)

خلاد بن خالد، کوفی — انھیں امام القرارت، حافظ، محقق، استاد شمار کیا گیا ہے۔ سن وفات سنہ ۲۰۲ھ ہے۔ (طبقات القرار ج ۱، ص ۲۷۴)

ان حضرات کے راویوں کے حالات بھی سابق کی طرح مشکوک و مجہول ہیں اس لیے ان کی قرارت کو بھی تواتر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

قاری ششم۔ نافع بن عبد الرحمٰن بن ابی نعیم مدنی

سنہ ۱۶۹ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ اکثر علماء نے ان کی قرارت کو تمام قراءتوں سے بالاتر اور عاصم کی قرارت پر مقدم قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ مدنی تھے اور مالک بن انس اہل مدینہ کے عمل کو سنت کا درجہ دیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود احمد اور یحییٰ نے ان پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ (طبقات القرار ج ۲، ص ۳۳۰۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۴۰۷)

ان سے بلا واسطہ دو آدمیوں نے روایت کی ہے، عیسیٰ بن مینا، قالون۔ عثمان بن سعید ورش۔

قالون، رومی الاصل اور غلام تھے، سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ قرارت میں قابل اعتماد سمجھے گئے ہیں۔ لیکن حدیث کے بارے میں احمد بن صالح مصری نے ان کی حدیث کو مضحکہ قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان ج ۴، ص ۴۰۸)

ورش، اپنے وقت میں مصر کے رئیس القرار تھے، سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۹۷ھ میں انتقال کیا۔ بعض مقامات پر نافع سے بھی اختلاف کیا ہے۔

(طبقات القرار ج ۱، ص ۵۰۲)

قاری ہفتم۔ علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز الاسدی الکسائی

ایرانی الاصل اور غلام تھے۔ حمزہ زیات کے شاگرد تھے لیکن بعض اوقات ان سے بھی اختلاف کرتے تھے۔ ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ امام جعفر صادقؑ سے بھی علم قرآن سیکھا ہے۔ ہارون رشید اور اس کے بعد اس کے فرزند امین کے استاد تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۱۲)

مرزبانی کا بیان ہے کہ نبیذ کے عادی تھے لیکن اس کے باوجود ثقہ، عالم عربیت اور صدوق تھے۔ (معجم الادباء ج ۵، ص ۱۸۵)

کسائی کے بلا واسطہ دو راوی ہیں، لیث بن خالد اور حفص بن عمر۔

لیث بن خالد، بغداد کے رہنے والے تھے اور کسائی کے جلیل القدر اصحاب میں تھے۔ سن وفات ۲۴۰ھ ہے۔ (طبقات القراء ج ۲، ص ۳۴)

حفص بن عمر، ان کے حالات عاصم کے راویوں کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

ان حالات کو دیکھنے کے بعد ہر صاحب بصیرت اندازہ کر سکتا ہے کہ ساتوں قرأتوں کو متواتر تسلیم کرنا اور تواتر سے انکار کرنے والے کو مفتی اندلس کی طرح کفر کا فتویٰ دینا کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز بلکہ مضحکہ خیز امر ہے۔ یہ قرأتیں کسی قدر عظمت کی حامل کیوں نہ ہوں اور ان سے تلاوت قرآن کی کسی قدر وابستگی کیوں نہ ہو ان کے تواتر کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور نہ قرآن کریم کا تواتر ان کے تواتر سے کوئی تلازم رکھتا ہے۔ قرآن کے تواتر کے معنی مادہ کے تواتر کے ہیں اور قرأت کے تواتر کا مفہوم ہیئت کا تواتر ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مادہ کے احکام ہیئت سے الگ ہیں۔ مادہ اس وقت بھی بالتواتر موجود تھا جب ان ساتوں قاریوں یا قرأتوں کا وجود نہیں تھا اور اس وقت بھی باقی رہے گا جب ان قرأتوں کا وجود نہ رہ جائے گا۔

ان حضرات کے علاوہ تین افراد اور ہیں جن کی قرأت کو اہمیت دی گئی ہے اور ان کو شامل کر کے قاریوں کی تعداد دس تک پہونچائی گئی ہے۔

ایک خلف بن ہشام بزاز ہیں جن کے حالات حمزہ کے حالات کے ذیل میں نقل کیے

جا چکے ہیں۔

ایک یعقوب بن اسحاق ہیں جنھوں نے بالواسطہ امیرالمومنینؑ کے شاگرد ابوالاسود دئلی سے علم حاصل کیا ہے اور علماء کی نظر میں ثقہ و ثبت قرار پائے ہیں۔

احمد و ابو حاتم نے انھیں صدوق کے لقب سے یاد کیا ہے، ۲۰۵ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں انتقال کیا ہے۔ (طبقات القراء ج ۲، ص ۳۸۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱، ص ۳۸۲)

ایک یزید بن القعقاع ہیں، جنھیں ثقہ اور صالح الحدیث کے لفظوں سے یاد کیا گیا ہے۔ مدینہ میں ۱۳۰ھ میں انتقال کیا ہے۔ (طبقات القراء ج ۲، ص ۳۸۲)

قراء سبعہ اور ان کے راویوں کے حالات معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ قاسم بن فیرہ کے قصیدۂ لامیہ پر نظر کی جائے اس میں یہ سارے امور پوری تفصیل کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں۔

قاریان کرام کے حالات ناظرین کرام کے سامنے ہیں۔ ارباب بصیرت خود فیصلہ فرمائیں کہ ان حالات کے پیش نظر ان قراءتوں کو کس حد تک متواتر کہا جا سکتا ہے اور ان کی واقعی حیثیت کیا ہے؟ البتہ ایک مسئلہ ضرور زیر بحث آتا ہے کہ جب ان قراءتوں کا حضور سرورکائناتؐ سے منقول ہونا قطعی نہیں ہے اور خود ان قاریان کرام تک بھی ان کا تواتر ثابت نہیں ہے تو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت قرآن کریم کی تلاوت کیجا سکتی ہے یا نہیں؟ اور نماز میں ان کی قراءت کا اتباع فریضہ کو ادا کرنے کے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟

اور اگر یہ بات کافی نہ ہوگی تو دوسرا کون سا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔؟ کیا یہ مسئلہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے گا اور انھیں آزاد کر دیا جائے گا کہ وہ اپنے ذوق و سلیقہ سے قراءت کا تعین کریں چاہے وہ ان ساتوں قاریوں کے خلاف ہو یا اس سلسلے میں کوئی پابندی کی جا سکتی ہے۔؟

علماء اہلسنت کی نظر میں اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ وہ حضرات اوّلاً تو ان قراءتوں کو متواتر تسلیم کرتے ہیں اور جو حضرات تواتر کے قائل نہیں ہیں ان کے

پاس بھی کوئی چارہ کار نہیں ہے ۔ لیکن فقہا شیعہ کے لیے یہ مسئلہ اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ وہ ہر مسئلہ میں مرسل اعظمؐ کے بعد صرف ائمہ اہلبیتؑ کو سند تسلیم کرتے ہیں اور بس ۔! ان کی نظر میں کسی قاری یا ادیب کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ بات مطابق قانون بھی ہے اس لیے کہ شریعت نے تلاوت قرآن کا مطالبہ کیا ہے اور عقل کا فیصلہ ہے کہ یقینی اشتغال ذمہ کے بعد براءت کا اطمینان تام حاصل کرنا چاہیے اور اطمینان تام کی صرف یہی شکل ہے کہ معصوم کی طرف سے اجازت دے دی جائے ۔ معصوم کی اجازت کے بغیر کسی غیر معصوم کے اجتہاد پر عمل کرنا تلاوت قرآن کا مصداق نہیں بن سکتا ۔ لیکن مسئلہ کا آسان حل یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ نے ان قراءتوں کی اجازت دے دی ہے اور ان کا عام اعلان ہے "اقرؤا کما یقرأ الناس" ــــ "اقرؤا کما علمتم"۔

(کافی باب النوادر اور کتاب فضل القرآن)

جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو قراءتیں عامۃ المسلمین میں شہرت رکھتی ہیں ان کا اختیار کرنا جائز اور براءت ذمہ کے لیے کافی ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ قراءتیں ائمہ معصومینؑ کے دور حیات میں کافی شہرت پا چکی تھیں ۔ اب اگر کوئی قراءت ناقابل اعتماد ہوتی یا معصوم کو اس کے مفاد سے اختلاف ہوتا تو آپ کا فرض تھا کہ اس کی وضاحت کر دیں ۔ وضاحت نہ کرنا دلیل ہے کہ آپ نے تمام قراءتوں کو امضاء کر دیا ہے اور امت اسلامیہ کے لیے ہر قراءت کو جائز قرار دے دیا ہے ــ البتہ اگر کوئی قراءت بالکل ہی نادر ہے تو اس کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس پر لوگوں کی قراءت کا اطلاق نہیں ہوتا اور امضاء کی زبان یہی ہے کہ اس طرح پڑھو جس طرح عام لوگ پڑھتے ہیں ۔

مثال کے طور پر سورہ حمد میں مَالِکِ یوم الدین کو تین طرح سے پڑھا گیا ہے ــ مالکِ یوم الدین ۔ مَلِکِ یوم الدین ۔ مَلَکَ یَومَ الدین ـ پہلی دونوں قراءتیں شہرت رکھتی ہیں اور آخری قراءت انتہائی شاذ اور نادر ہے ۔ اس لیے پہلی قراءتوں کا اختیار کرنا صحیح اور ادائے فرض کے لیے کافی ہے اور آخری قراءت پر اعتماد کرنا غلط اور براءت ذمہ کے لیے قطعی طور پر ناکافی ہے ۔!

داستان ہفت حرف

قرأ سبعہ کی قراءتوں کے تواتر و عدم تواتر کی بحث تمام کرتے ہوئے ان روایات پر بھی نظر کر لینا ضروری ہے جنھیں علماء اہلسنت نے نہایت ہی شد و مد کے ساتھ تواتر قراءات کے ثبوت میں نقل کیا ہے۔ ان روایات کی حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی طرف مختلف لہجوں میں اس بات کی نسبت دی گئی ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ یہ کتاب ہفت حرف ہے۔ اس کا ایک انداز نہیں ہے بلکہ سات انداز ہیں۔ طبری نے اپنی تفسیر ج ۱ ص ۹-۱۵ تک ان روایات کو بالتفصیل نقل کیا ہے اور بخاری و مسلم نے تو مستقل ایک باب اسی موضوع کا قرار دے دیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اُبی بن کعب اور عمر بن الخطاب کے واقعات بھی نقل کیے ہیں کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے پڑھتے ہوئے ٹوکا تو انھوں نے حضورؐ کی تعلیم کا حوالہ دیا اور جب حضورؐ کے سامنے مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور ہر مسلمان کو سات طرح پڑھنے کا اختیار ہے۔ "میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں حضرات اس وقت کہاں تھے جب حضور قرآن خوانی کے اصول تعلیم کر رہے تھے اور مسلمان انھیں اصولوں پر اعتماد کر کے مختلف طریقوں سے تلاوت کر رہے تھے۔ مجھے تو صرف یہ بتانا ہے کہ اس سلسلے کے روایات بے حد دلچسپ ہیں۔ اکثر روایات کا مفہوم یہ ہے کہ جبریل امین ایک طریقہ پر قرآن لے کر نازل ہوئے تو حضورؐ نے امت کا حوالہ دیتے ہوئے فریاد کی۔ انھوں نے اس فریاد کو مالک کی بارگاہ تک پہونچایا اور وہاں سے سات حرفوں کی اجازت ملی۔

بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ ملک بار بار اجازت لے کر آتا تھا اور حضور انکار

فرما دیتے تھے یہاں تک کہ سات حرفوں کی اجازت مل گئی تو آپ نے سکوت فرمایا اور قرآن انھیں سات حرفوں کا نام ہوگیا۔

لطف تو یہ ہے کہ سات حرفوں کی تفسیر بھی سات قسم کے اختلاف رکھتی ہے بلکہ بعض حضرات نے اس اختلاف کو سات سے بھی آگے بڑھا دیا ہے۔

● بعض حضرات کا خیال ہے کہ سات حرفوں سے مراد سات قریب المعنی الفاظ ہیں کہ اگر کسی ایک معنی کے لیے سات الفاظ ہیں تو آپ کسی بھی لفظ کے ساتھ تلاوت قرآن کر سکتے ہیں۔ انسان کے بجائے بشر پڑھ دیجئے، بشر کے بجائے انسان کہہ دیجئے انشاء اللہ سب ٹھیک ہے۔

ظاہر ہے یہ بات انتہائی مہمل ہے اس لیے کہ اولاً تو ہر معنی کے لیے سات لفظ نہیں مل سکتے اور روایت میں پورے قرآن کے ہفت حرفی ہونے کا ذکر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح قرآن کریم کا تواتر بھی غارت ہو جائے گا۔ ہم نے اب تک یہی ثابت کیا ہے کہ ہیئت کے عدم تواتر کے باوجود مادہ کا تواتر بہرحال ثابت ہے اور یہ فرض اس تواتر کی جڑ بھی اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے لہٰذا ایسے مہملات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر حضور اکرمؐ نے سات لفظوں کے ساتھ تلاوت کو جائز اور مستحسن بنا دیا تھا تو عثمان بن عفان کو کیا حق پہونچتا تھا کہ وہ تمام قراءتوں کو ایک قراءت پر جمع کر دیں۔ کیا یہ حضور کے طرز عمل سے انحراف اور آپ کی سیرت مبارکہ پر اعتراض نہیں ہے۔ جمع قرآن کی فضیلت پر سر دھننے والے افراد اس تضاد کے حل کرنے کی کوشش کریں اور دونوں باتوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔

● دوسرے قول کی بنا پر سات حرف سے مراد سات باب ہیں: زجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ، امثال۔

ہم نے بھی آیات کے اعداد و شمار کے ذیل میں بعض علماء اسلام کی طرف سے اسی تفصیل کو نقل کیا ہے لیکن کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ سات حرف کی تفسیر نہیں بن سکتی اس لیے کہ حدیث مذکور میں سات طریقوں پر نازل ہونے کا ذکر ہے۔ سات راستوں سے نازل ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اس قول کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آیات قرآن کے سات موضوعات

ہیں لیکن ہر موضوع کی آیت ایک ہی حرف پر نازل ہوئی ہے اور یہ بات مدعیٰ کے قطعاً خلاف ہے۔ مدعیٰ ہفت حرفی قرآن ہے نہ کہ ہفت بابی قرآن۔!

● بعض حضرات نے سات باب مراد لیتے ہوئے ابواب کی تفصیل یہ لکھی ہے: امر، زجر، ترغیب، ترہیب، جدل، قصص، مثل۔

اس قول کا انداز بھی گذشتہ قول سے کچھ مختلف نہیں ہے اس لیے اس پر بھی مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔

● بعض علماء کی نظر میں سات حرف سے مراد سات فصیح زبانیں مراد ہیں یعنی قریش، ہذیل، ہوازن، یمین، کنانہ، تمیم اور ثقیف۔

لیکن یہ بات اس روایت کے خلاف ہے جس میں قرآن کے لغت مضر میں نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے خلاف وہ روایت بھی ہے جس میں عمر اور ہشام کے باہمی اختلاف کا ذکر کیا ہے حالانکہ دونوں ہی قریش سے تعلق رکھتے تھے اور قریش کے اندر اختلاف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

● بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن زبان مضر ہی میں نازل ہوا ہے۔ لیکن سات حرف سے مراد مضر ہی کی سات شاخوں کے لہجے ہیں، اور وہ سات شاخیں یہ ہیں: قریش، ہذیل، ہوازن، ہذیل، تمیم۔ ضب، قیس۔

یہ قول بھی سابق قول سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اس لیے اس پر بھی مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

● بعض لوگوں نے سات حرفوں کی تفسیر یہ کی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں سات ہی قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں، کہیں حرکت کی صورت بدل گئی لیکن معنی نہیں بدلے، کہیں صورت کے ساتھ معنی بھی بدل گئے ہیں۔ کہیں صورت اور معنی میں تغیر حرکت کے بجائے حرف کے تغیر سے پیدا ہوا ہے۔ کہیں حرف کے تغیر کے باوجود معانی باقی رہ گئے ہیں، کہیں صورت و معنی دونوں بدل گئے ہیں۔ کہیں الفاظ میں تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہو گیا ہے، کہیں زیادتی اور کمی کا اختلاف ہے۔ اور روایت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے

اختلافات جائز ہیں اور ان سے عظمتِ قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اس انداز بیان سے عظمت قرآن اور تواتر کتاب کا مسئلہ مجروح ہی نہیں بلکہ باطل ہو جاتا ہے اور جمع عثمان کی داستان بھی بے معنی ہو جاتی ہے اس لیے مسلمانوں کا کوئی گروہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

● بعض حضرات نے سات حرف سے سات معروف قرأتیں مراد لی ہیں اور انھیں حضور سرورکائناتؐ کی طرف سے مستند و معتبر قرار دیا ہے۔

لیکن اس کا واضح سا اشکال یہ ہے کہ روایات مذکورہ میں ان اختلافات کا ذکر ہے جب قراء سبعہ کا وجود بھی نہ تھا اور ان کی قراءتوں کے تعین کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ایسے حالات میں ان کی قراءتوں کا مراد لینا ایک مضحکہ خیز تصور ہے۔

اس کے علاوہ اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں لیکن ہمیں تمام تفاسیر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارا مقصد صرف اس امر کی وضاحت ہے کہ ہفت حرفی قرآن کا مفروضہ انتہائی بے معنی اور یہ تمام روایات سراسر بے اصل اور عظمت قرآن کے منافی ہیں اس لیے ان پر اعتماد کر کے ساتوں قراءتوں کا صحیح یا متواتر ثابت کرنا ایک غیر مشکور سعی ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ نے اس تصور کی شدت سے مخالفت کی ہے اور اسے عظمت قرآن کا صریحی مخالف قرار دیا ہے چنانچہ اصول کافی کے باب فضل قرآن میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ سے ہفت حرفی تصور کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا!

"ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولکن الاختلاف یجیئ من قبل الرواۃ"

(قرآن ایک ہے اور ایک ہی کا نازل کیا ہوا ہے، یہ سارے اختلافات راویوں کے پیدا کیے ہوئے ہیں، ان کا کوئی تعلق خدا اور رسول سے نہیں ہے۔)

امام جعفر صادقؑ نے تو اس نظریہ کی تردید میں انتہائی سخت لہجہ اختیار فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے:

"کذبوا اعداء اللہ ۔ وانہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد"

(یہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں۔ قرآن ایک حرف پر نازل ہوا ہے اور ایک خدا کے پاس سے نازل ہوا ہے۔)

اس میں پانچ سات حرف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اہلبیت اطہارؑ کے ان ارشادات پر اعتماد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ " اھل البیت ادری بمافیہ" گھر والے گھر کی حالت کو بہتر طور پر پہچانتے ہیں۔

اعجازِ قرآن

گذشتہ صفحات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مالک کائنات نے اپنے نمائندوں کی نمائندگی کے اثبات کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے ہیں اور ہر نبی کو کوئی نہ کوئی ایسا کمال دے کر بھیجا ہے جس سے اس کا امتیاز ثابت ہو جائے اور اس دور کے سارے افراد کو یہ محسوس ہو جائے کہ یہ مافوق البشر طاقت کا حامل ہے اور اس کے کمالات بشری کمالات نہیں ہیں بلکہ ان کی پشت پر کوئی غیبی طاقت کام کر رہی ہے۔

اسی کار نمایاں کا نام معجزہ ہے اور معجزہ کا وجود اسی لیے ضروری ہے کہ نبی یا امام کی نمائندگی ثابت ہو جائے اور سماج کو ان کی عظمت و برتری کا مکمل احساس ہو جائے۔

یہ معجزات ہر دور میں مختلف انداز کے رہے ہیں اور ان کی جامع صفت یہ رہی ہے کہ جس دور نے جس کمال میں امتیاز پیدا کیا ہے اس دور کے منصب دار کو اسی سے ملتا جلتا معجزہ دیا گیا ہے تاکہ پورے دور کو اندازہ ہو جائے کہ یہ بغیر تجربہ و تمرین وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو ہزاروں تجربات کے بعد ہم نہیں کر سکتے ہیں۔

سابق انبیاء کے معجزات اور ہمارے نبی کریمؐ کے معجزات کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ ان کی نبوتیں ختم ہونے والی تھیں انھیں ایسے معجزات کی ضرورت تھی جو وقتی طور سے ان کی برتری کو ثابت کر دیں چاہے ان کے بعد ان کا وجود نہ رہ جائے اور ہمارے نبی کی نبوت صبح قیامت تک باقی رہنے والی تھی۔ آپ کو ایسے معجزہ کی ضرورت تھی جس کا سلسلہ صبح محشر تک قائم رہے۔ قرآن حکیم اسی مقصد کی تکمیل کے لیے معجزہ بنایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سابق شرائع اور شریعت پیغمبرؐ کا ایک نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ ان ادوار میں انسانیت گھٹنیوں چل رہی تھی۔ اس کی ترقی محدود اور طول کے اعتبار سے انتہائی ناقص تھی اور

حضور سرورِ کائنات کا دورِ شریعت قیامت سے مل جانے کی بنا پر اتنا وسیع ہے کہ اس میں انسانیت کی ترقی کی رفتار تیز تر ہونے والی اور طولی اعتبار سے آسمانوں سے بات کرنے والی تھی۔ اس لیے آپ کو ایک ایسے معجزہ کی ضرورت تھی جس میں جملہ علوم وفنون کا ذخیرہ اور ہر بشری ترقی کا جواب موجود ہو۔ تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہہ سکیں کہ قرآن اس دور ترقی کے لیے بیکار ہے اور اس میں کوئی افادیت نہیں ہے۔ قرآن مجید اس ضرورت کی بھی تکمیل کرتا ہے۔ اس کے دامن میں ایسے عظیم مطالب و مفاہیم موجود ہیں جہاں تک ذہن بشر کی رسائی نہیں ہے اور جن کے ادراک سے کمالِ عقل بھی عاجز ہے اور اسی لیے اس نے اپنے چیلنج کو وقتی نہیں بنایا بلکہ اپنے ہی دامن میں محفوظ کر لیا تاکہ ہر دور میں یہ آواز باقی رہے اور ہر زمانے کا انسان اپنی اپنی فکری پرواز کے اعتبار سے اس کی عظمتوں کا اندازہ کرتا رہے۔ کوئی اسے فصاحت و بلاغت کا شاہکار سمجھ کر اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا، کوئی اس کی غیبی خبروں پر ایمان لائے گا، کوئی اس کے علمی انکشافات کے سامنے سر جھکائے گا، کوئی اس کی عصری ترقی سے بلندی پر اعتماد کرے گا اور اس طرح ہر دور ترقی میں اس کی عظمت کا احساس برقرار رہے گا۔

کل کے افراد اس حقیقت کا تجربہ کر چکے ہیں اور آج کے انسانوں کے لیے اس کا چیلنج باقی ہے۔ کل کے فصحاءِ عرب اس کی عظمتوں کے سامنے سر جھکا چکے ہیں اور آج والوں کا سجدۂ نیاز باقی ہے۔ کیا تاریخ اس حقیقت سے انکار کر دے گی کہ جب کتاب حکیم کا جواب تیار کرنے کے لیے بلند ترین ادیب کا تقرر کیا گیا تو اس نے بھی کئی دن تک غور کرنے کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ یہ کلام بشر نہیں ہے یہ تو ایک جادو معلوم ہوتا ہے۔ جادو کہنا فیصلہ کرنے والے کی ذہن کی پستی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جادو میں وہ عظمتیں کہاں ہوتی ہیں جو قرآن کی فصاحت و بلاغت میں پائی جاتی ہیں۔

جادو کی تاثیر وقتی ہوتی ہے اور قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا ڈنکا آج بھی بج رہا ہے۔ جادو کا توڑ عرب کے پاس موجود تھا لیکن معجزہ کا جواب ممکن نہیں تھا ورنہ دیوارِ کعبہ سے اپنے قصائد نہ اُتارے جاتے۔

اتنے واضح حقائق کے ہوتے ہوئے بھی بعض تعصب پیشہ حضرات نے عظمت قرآن کو مجروح کرنے کے لیے مختلف اعتراضات و احتمالات قائم کیے ہیں اور سب کی پشت پر ایک ہی جذبہ رہا ہے کہ کسی طرح کتاب کریم کی عظمت پامال ہو جائے اور دنیا اس کی برتری کا اقرار نہ کر سکے۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ "واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون"۔

صاحب عماد الاسلام نے اس موضوع پر کافی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اعجاز قرآن پر بے شمار اعتراضات نقل کر کے ان کا جواب دیا ہے لیکن مجھے صرف ان چند اعتراضات سے غرض ہے جو آج کی دنیا میں نقل کیے جاتے ہیں اور جنھیں لوگ اپنی قابلیت کا شاہکار سمجھتے ہیں۔ ان اعتراضات کی مختصر فہرست یہ ہے:

۱۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں عربی قواعد و قوانین کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور جو کلام قوانین و قواعد کے خلاف ہوتا ہے اسے فصیح و بلیغ بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ اسے معجزہ کا مرتبہ دے دیا جائے۔

اس اعتراض کا مختصر جواب یہ ہے کہ عربی زبان کے ادبی قواعد کچھ بندھے ٹکے اصولوں کا نام نہیں ہے جن کی مخالفت کلام کو بلاغت و فصاحت سے خارج کر دے بلکہ یہ قرآن مجید کے نزول کے ایک عرصہ بعد اہل زبان کی استقرائی کوشش ہے جس میں کلام عرب کا جائزہ لے کر اکثر کلمات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے کچھ قواعد مقرر کر دیے گئے ہیں اور بعد میں آنے والی نسلوں نے اسی کا اتباع کیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کس قدر مہمل بات ہے کہ عرب کے سارے کلام کو قوانین کا مصدر و مدرک تسلیم کیا جائے اور قرآن حکیم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ صورت حال تو خود اس بات کی دلیل ہے کہ قانون سازوں نے مکمل استقراء نہیں کیا اور اس کلام کی طرف سے بے توجہی برتی ہے جو عربی زبان کی جان اور ادب کی روح ہے۔

اس دعویٰ کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جب آیات قرآنیہ کو عرب کے ادبی شاہکار کے مقابلے میں پیش کیا گیا تو ان لوگوں نے اپنے قصائد اتار لیے اور قرآن کے مافوق البشر ہونے کا اقرار کر لیا۔ اس کا جواب لانے سے عاجز ہونے کا اعتراف کیا اور واضح لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ جس کلام میں اہل زبان کو گنجائش اعتراض نہیں ہے اس کلام پر بعد کے آنے والے

قانون وقواعد کے غلاموں کو انگلی اٹھانے کا حق کیونکر ہو سکتا ہے۔

یہیں سے اس اعتراض کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ کلام کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اسلوب و انداز کو صرف خواص ہی محسوس کر سکتے ہیں اور معجزہ اس غیر معمولی مظاہرہ کا نام ہے جس کا ادراک عوام و خواص سب کے لیے برابر ہو تا کہ سب ایمان بھی لا سکیں۔

اس لیے کہ یہ بات اپنے مقام پر مُسلّم ہے کہ معجزہ کو عوام و خواص سب کے لیے یکساں طور پر معجزہ ہونا چاہیے لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا جواب لانے سے دونوں طبقے یکساں طور پر عاجز ہوں ۔ نہ یہ کہ دونوں ادراک میں مساوی ہوں اور برابر سے معجزہ ہونے کا احساس رکھتے ہوں۔ ایسا ہونا تو غیر ممکن ہے اس لیے کہ نہ دونوں کا ذہن ایک سطح پر آسکتا ہے اور نہ دونوں کا ادراک و احساس برابر ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہی عدم مساوات معجزہ کے کمال کی دلیل ہے کہ عوام تو عوام، خواص بھی اس کا جواب لانے سے قاصر ہیں اور جس بات کے لاجواب ہونے کا اقرار خواص کو ہو۔ عوام کے اقرار نہ کرنے کا کوئی محل ہی نہیں ہے۔

۲۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ وہ واضح و فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عرب دنیا کے سارے کمالات سے عاری فرض کیے جا سکتے ہیں لیکن اپنی زبان سے بہر حال واقف و باخبر تھے۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ نظم و نثر ہر قسم کے کلام کی ترتیب پر قادر ہوں اور تنہا قرآن ہی کے جواب لانے سے قاصر ہوں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اس کلام کو قابل توجہ ہی نہیں سمجھا۔ یا قابلِ توجہ سمجھ کر جواب دیا تھا اور بعد میں وہ جواب زمانے کی دستبرد کا شکار ہو گیا اور آئندہ نسلوں تک نہیں پہونچ سکا۔

واضح سی بات ہے کہ اس اعتراض کے تین گوشے ہیں۔ پہلا رُخ یہ ہے کہ عرب نظم و نثر پر قادر تھے تو قرآن کا جواب لانے پر بھی قادر رہے ہوں گے یہ اور بات ہے کہ جواب نہیں لائے اور جواب نہ دینا کسی کلام کے لاجواب ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دنیا کے ہر ادب میں پائی جاتی ہے جہاں اہلِ زبان الگ الگ کلمات کی ترکیب پر مُسلّم طور پر قادر ہوتے ہیں لیکن کسی ایک کلام کا مثل لانے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ اردو کا کون سا ادیب یا شاعر ہے جس نے نظم و نثر میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار

نہ کیا ہو لیکن کیا کسی کی مرصع نثر طلسم ہوشربا اور فسانۂ عجائب بن سکی۔ کوئی محمد حسین آزاد کی سی نثر لکھ سکا، کسی کی عبارت میں ابوالکلام آزاد کا جلال تحریر اور میرامن کی سادگی پیدا ہو سکی۔ کوئی شاعر اقبال کی فکر اور جوش کی گرج پیدا کر سکا، کسی کے یہاں غالب کا فلسفیانہ تغزل اور انیس کا شگفتہ مزاج دیکھنے میں آیا۔ ذوق کا آہنگ اور میر کا ترنم اب بھی کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ حالانکہ سب کے سب اسی زبان کے نثر نگار اور شاعر ہیں جس کے ادیبوں کی فہرست مرتب کرنا دشوار ہے، اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کلمات و فقرات پر قدرت اور ہے اور مرتب کلام پیش کر دینے پر اختیار اور۔

اس مقام پر یہ تصور نہ کیا جائے کہ ایسی حالت میں دیوان غالب اور مرثیہ انیس کو بھی معجزہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ان کا جواب بھی آج تک اردو ادب میں نہیں پیدا ہو سکا۔ اس لیے کہ ان میں معجزہ کی بنیادی شرطوں کا فقدان پایا جاتا ہے۔ معجزہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ اسے دعوئے نبوت و امامت کے ثبوت میں ہونا چاہیئے اور یہاں کسی شاعر نے منصب الٰہی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ حق و انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر ایسا دعویٰ کر دیا ہوتا تو حکمت الٰہیہ کا فرض تھا کہ یہ قوت فکر سلب کر لے اور ایسا کوئی کلام منظر عام پر نہ آنے دے جو حق و باطل میں التباس و اشتباہ کا سبب بن جائے اور طالبان حقیقت کی راہ میں سنگ راہ واقع ہو جائے۔

دوسری اہم شرط یہ ہے کہ معجزہ کسی مشق و تمرین کا نتیجہ نہیں ہو سکتا وہ ایک غیبی امداد اور قدرتی تائید ہے جو صرف اپنے نمائندوں کے ساتھ رکھی جاتی ہے اور بس۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ان تمام ادیبوں اور شاعروں کا ابتدائی کلام ہمارے پیش نظر ہے یا ہمیں اس کی اطلاع ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کا کمال فن مشق و مہارت کا نتیجہ تھا اور اس کو براہ راست غیبی امداد حاصل نہ تھی جب کہ معجزہ براہ راست غیبی ترجمانی ہی کا نام ہوتا ہے۔

اعتراض کا دوسرا گوشہ یہ ہے کہ عرب اس قرآن کا جواب لانے پر مکمل اختیار رکھتے تھے لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی یا توجہ کی لیکن حالات نے جواب نہیں لکھنے دیا اور مسلمانوں کا اقتدار و اختیار اس راہ میں حائل ہو گیا۔

اس اعتراض کا تاریخی جواب یہ ہے کہ جواب لانے والوں نے توجہ دی اور جواب لانے کی کوشش بھی کی اور آخر میں اسے مافوق البشر کہہ کر اپنی عاجزی کا اقرار بھی کر لیا۔ اسلام وکفر کے درمیان معرکہ آرائیوں کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے اور اس حقیقت سے کیونکر چشم پوشی کی جا سکتی ہے کہ رسولؐ اسلام کو ساکت کرنے کے لیے جنگ وجدل اور تیر وتلوار سے کہیں زیادہ آسان طریقہ یہی تھا کہ ان کے معجزہ کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا جائے اور جس بنیاد پر وہ اپنے نمائندہ الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور جنگ کا میدان گرم ہوتا رہا۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ دشمن آسان طرز جواب پر قادر نہیں تھا اور مجبوراً اسے جنگ وجدل کا راستہ اختیار کرنا پڑا تھا۔

قدرت کے بعد مسلمانوں کے جاہ وجلال کی بنا پر جواب ظاہر نہ کرنے کی بات انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ مسلمانوں کا جاہ وجلال اعجاز قرآن کے کامیاب ہو جانے کا نتیجہ ہے اور رسولؐ اسلام کا چیلنج اس عہد کا ہے جب آپ مکہ کی گلیوں میں پتھر کھا رہے تھے اور کانٹوں پر راستہ چل رہے تھے۔ ایسے حالات میں کس قدر آسان تھا کہ ان کے معجزہ کا جواب پیش کر کے ان کی دلیل کو باطل کر دیا جاتا اور وہ جاہ وجلال پیدا ہی نہ ہو سکتا جسے بعد کے حالات میں خطرہ بتایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کے خوف کی بات عجیب وغریب ہی ہے اس لیے کہ انھیں مسلمانوں کے عہد میں اہل کتاب کی کتابیں محفوظ رہیں، انھیں مسلمانوں سے کفار نے طاقت آزمائیاں کی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ کسی مقام پر مسلمانوں کا خوف غالب نہیں ہوا، اور صرف کتاب حکیم کا جواب لانے کے لیے یہ خوف آڑے آ گیا۔

اعتراض کا تیسرا رُخ تاریخ کے ظلم اور اس کی خیانت سے متعلق ہے جہاں مدعی کا یہ خیال ہے کہ اہل عرب نے کتاب حکیم کا جواب پیش کر دیا تھا لیکن زمانے کے حالات نے اسے تلف کر دیا اور وہ آج ہم تک نہ پہونچ سکا۔ ظاہر ہے کہ یہ رُخ کسی جواب کا مستحق نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہے جسے باطل کرنے کا اہتمام کیا جاتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس توہّم نے جبر تاریخ کی روشنی میں ایک اہم حقیقت کا پتہ دے دیا۔

قانون جبر تاریخ اس بات کا گواہ ہے کہ جب بھی کسی دور میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس میں زندہ و پایندہ رہنے کی صلاحیت اور دوام و استقرار کی استعداد پائی گئی ہے تو تاریخ نے تمام موانع کے علی الرغم واقعہ کو زندہ رکھا ہے اور صفحۂ ہستی سے مٹنے نہیں دیا ہے۔

اسلامی تاریخ میں اس کا واضح ثبوت واقعۂ کربلا ہے جس کے مٹانے کے لیے صدیوں تک اسباب فراہم کیے گئے ہیں، حکومتوں نے زور صرف کیا ہے؛ اقتدار نے طاقت آزمائی کی ہے، تخت و تاج کی بازی لگائی گئی ہے۔ اہلِ حق سے قید خانوں کو آباد کیا گیا ہے۔ باطل کو کھُلی چھوٹ دے کر حق کے دہن پر قفل لگائے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے سرمدی عناصر کی بنا پر تاریخ نے اسے زندہ رکھا ہے اور باطل کی ہواؤں سے اس شمع کو بجھنے نہیں دیا۔

ایسے حالات میں قرآن حکیم کے مقابلے میں پیش ہونے والا کلام اگر اتنا ہی جاندار ہوتا جتنا جاندار قرآن حکیم ہے تو تاریخ اسے بھی اسی طرح زندہ رکھتی جیسے اس نے اس کتاب کو زندہ رکھا ہے لیکن ایسا کچھ نہ ہو سکا اور قرآن زمانے کی تیز و تند ہواؤں اور حکومتی خواہشات کے جھکڑوں کی زد پر اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ زندہ رہ گیا ـــ اور اس کا مذموم جواب فنا کے گھاٹ اُتر گیا، یا عدم کے پردے میں روپوش ہو گیا جو اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ قرآن میں زندگی کے عناصر ہیں اور ان جوابات میں ایسے عناصر نہ تھے۔

اس سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ بعض مختصر جوابی فقرات و کلمات اب بھی تاریخ میں درج ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ زمانے نے جوابات کی بقا پر پابندی نہیں عائد کی تھی اور انھیں اپنی گود میں اسی لیے محفوظ کر لیا تھا کہ آنے والا دور فیصلہ کر سکے کہ قرآن حکیم اور ان منتشر کلمات میں کیا نسبت ہے اور کسے معجزہ کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

بعض انگور کو کھٹا کہہ دینے والے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی شوکتِ الفاظ، جزالت و سلاست اور روانی و آسانی نہ تھی یہ امتدادِ زمانہ اور کثرتِ استعمال کا اثر ہے جو وہ اس قدر رواں دواں معلوم ہوتا ہے اور دنیائے اسلام اس کی سلاست و جزالت کا پرچار کر رہی ہے۔ اس کی طرح دوسرا کلام بھی صبح و شام تلاوت کیا جاتا تو اس میں بھی وہی روانی ہوتی جو قرآن حکیم میں پائی جاتی ہے ـــ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور دیگر بیانات و کلمات

زمانے کی بے رُخی کی نذر ہو گئے۔ لیکن یہ بات خود بھی میرے دعویٰ کی ایک دلیل ہے کہ دنیا نے قرآن حکیم کو اپنا کر اسے مرکز تلاوت و قرات بنایا لیکن دوسرے کلمات کو اہمیت نہیں دی اور اس کے طرز عمل نے فیصلہ کر دیا کہ کون سا کلام گلے لگانے کے قابل ہے اور کون سا کلام طاق نسیاں کی نذر کر دینے کے لائق ہے۔

اس کے علاوہ اس اعتراض کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں کثرت استعمال کو سلاست و روانی اور انس ذہنی کا سبب قرار دیا گیا ہے حالانکہ فطرت بشر کا مُسلّم فیصلہ ہے کہ کوئی بھی کلام کثرت تکرار سے اپنا اثر و لطف کھو بیٹھتا ہے اور لوگ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ ایک قصیدہ ایک وقت میں نادر و نایاب معلوم ہوتا ہے لیکن دوسرے وقت میں وہی قصیدہ انتہائی مہمل اور بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ صرف اس لیے کہ پہلے ابتدائی طور پر سُنا تھا اور ہر جدید میں لذت ہوتی بھی ہے اور اب کئی مرتبہ سُننے کے بعد سُنا ہے اس لیے طبیعت اس کی طرف مائل نہیں ہوتی اور اسے وہ جذب و کشش حاصل نہیں ہے جو ابتدائی طور پر ہوا کرتی ہے۔

۲۔ قرآن کریم کی اعجازی حیثیت پر تیسرا اہم اعتراض یہ ہے کہ اس کے بیانات میں تضاد اور اختلاف بکثرت پایا جاتا ہے اور الہامی کتاب کو ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ تضاد کی چند مثالیں یہ ہیں:

ا۔ جناب ذکریا کے واقعہ میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے کہ "آیتک الا تکلم الناس ثلاثۃ ایام الا رمزا"۔ ۳-۴۱، اور دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے "آیتک الا تکلم الناس ثلاث لیال سویا"۔ ۱۹-۱۰

یعنی ایک مقام پر علامت تین دن کے سکوت کو قرار دیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر تین رات کے سکوت کو۔ جب کہ دونوں صورتوں میں مقدار سکوت میں قطعی طور پر فرق ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اس اعتراض کی تمامتر بنیاد یہ ہے کہ عربی زبان میں یوم کا تصور لیل کے تصور سے بالکل مختلف ہے اور قرآن مجید نے دونوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے، حالانکہ اس کے خلاف شواہد خود قرآن مجید میں موجود ہیں جہاں یوم لیل و نہار کے مجموعہ کو بھی کہا

گیا ہے اور لیل کے مقابلہ میں تنہا نہار کو بھی ـــ اور اسی طرح لیل کا استعمال مجموعہ کے لیے بھی ہوا ہے اور تنہا شب کے لیے بھی ـ

اہلِ نظر ان مقامات کا مطالعہ کرنے کے بعد خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ سارا تضاد انسانی فکر و فہم کا ہے جس نے بیان پر نظر کرنے کے بعد حالات کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا ہے ـ

بعینہٖ اسی قسم کا اعتراض خلقت ارض و سماء کے بارے میں ہے کہ اسے ایک مقام پر ۶ دن کا نتیجہ عمل قرار دیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر اس سے کم ـــ حالانکہ وہاں بھی کوئی تضاد نہیں ہے ـ فرق صرف یہ ہے کہ ایک مقام پر اجمالی طور پر ۶ دن کا تذکرہ ہوا ہے، اور دوسری جگہ پر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بعض اہم اجزاء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسرے غیر اہم اجزاء کو ترک کر دیا گیا ہے ـ

ب ـ مسئلہ جبر و اختیار کے بارے میں قرآن مجید کا موقف واضح نہیں ہے ـ کسی مقام پر افعال عباد کو بندوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور "اما شاکراً و اما کفوراً" "فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر" جیسے اعلانات کیے گئے ہیں، اور کسی مقام پر ان تمام باتوں کو رب العالمین کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے "وما تشاؤن اِلّا اَن یشاء اللہ" ـــ کل من عند ربنا ـــ ختم اللہ علیٰ قلوبھم ـــ وغیرہ ـ

اس اعتراض کے مکمل تجزیہ کے لیے بڑی تفصیل درکار ہے ـــ اجمالی طور پر صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ بندوں کے اعمال و افعال ایک درمیانی کیفیت کے حامل ہیں ـ ان میں حیات و استعداد، صلاحیت و قوت رب العالمین کا عطیہ ہوتی ہے ـــ وہ زندگی کو موت سے بدل دے تو کوئی عمل خیر نہیں ہو سکتا ـــ وہ طاقتوں کو سلب کر کے مشلول و مفلوج بنا دے تو کسی معصیت کا امکان نہیں ہے ـــ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اس نے خیر و صلاح کو سامنے رکھتے ہوئے حیات و استعداد دے کر قوت و طاقت کو برقرار رکھا ہے ـــ اور اس کے بعد انسان کی قوت ارادی کو آگے بڑھا کر اعلان کر دیا ہے کہ طاقت دے دینا ہمارا کام تھا ـ صَرف کرنا تمہارا کام ہے ـ استعداد و قابلیت ہماری ہے اور اختیار و انتخاب تمہارا ہوگا ـــ ایسے حالات میں ان افعال کو

عبد و معبود دونوں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن مالک نے طاقتوں کا ذخیرہ سپرد کرتے وقت یہ بتایا تھا کہ ہمارا مقصد خیر و برکت کی ایجاد ۔ اور صلاح و نیکی کی تخلیق ہے ۔ اس کے خلاف استعمال ہماری مرضی کے قطعی خلاف ہوگا ۔ اس لیے اس نے اپنے منشاء کے مطابق استعمالات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اپنی مرضی کے خلاف استعمالات کی تمام تر ذمہ داری بندوں کے سر رکھی ہے ۔

واضح لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعمال کی بنیادی حیثیت میں عبد و معبود دونوں کا حصہ ہے ، ایک کی استعداد ہے تو دوسرے کا اختیار ۔ لیکن اعمال کی اخلاقی و سماجی یا مذہبی حیثیت میں دونوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔ خیر و صلاح کے راستے پر خدا بھی بندے سے اتفاق رکھتا ہے اس لیے اسے دونوں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے اور شر و فساد کی راہ میں دونوں کا موقف الگ الگ ہو جاتا ہے اس لیے اسے صرف بندے کی طرف منسوب کیا جائے گا ۔ معبود کی طرف نہیں ۔

قرآن حکیم کی آیات میں یہ بات نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے اور اس تجزیہ سے صاف اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں کی طرف اعمال کی نسبت میں کس کمال احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور عبد و معبود کے ذاتی کمال و نقص کو کس طرح پیش نظر رکھا گیا ہے ۔

ج ۔ قرآن مجید میں مشرق و مغرب کا تصور واضح نہیں ہے ایک مقام پر یہ لفظ مفرد استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب ایک ایک ہے ۔ دوسرے مقام پر رب المشرقین و رب المغربین ۔ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب و مشرق ایک ایک کے بجائے دو دو ہیں ۔ تیسرے مقام پر "مشارق الارض و مغاربہا" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے کئی کئی مشرق و مغرب کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اور یہی کلام کا تضاد کہا جاتا ہے ۔

بظاہر یہ بات لگتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اس کے حقیقی تجزیہ کے لئے دو باتوں پر نظر رکھنا ضروری ہے ۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآنی عقیدہ کی بنا پر یہ کائنات کسی ایک کرہ یا آسمان کا نام نہیں ہے بلکہ اس کائنات میں بے شمار زمین و آسمان ، لا تعداد کروات و افلاک اور ان گنت

نظامہائے شمسی پائے جاتے ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ نظامہائے شمس کی جتنی تعداد بڑھتی جائے گی مشرق و مغرب کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اس کے علاوہ خود زمین کا مشرق و مغرب بھی کوئی معین و محدود نقطہ نہیں ہے بلکہ حالات و فصول کے اعتبار سے اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور اس اعتبار سے اسے واحد، تثنیہ، جمع ہر لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی فنی کمزوری نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کوئی جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ہر جگہ ایک ہی بات ایک ہی ٹکنیکل انداز سے بیان کی جائے بلکہ اس کا مقصد تربیت انسانیت اور پرورش کائنات ہے، اس لیے اس کا فرض ہے کہ کائنات کی پہنائیوں میں چھپے ہوئے حقائق کو حسب موقع و محل منتخب کرے اور دنیائے عقل و ہوش کے سامنے پیش کرے۔ مناسب ہو تو مفرد تذکرہ کیا جائے۔ مقتضائے حال بدل جائے تو تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جائے اور بات کثرت ہی سے بنتی ہے تو ذہنوں کو تمام مشارق و مغارب کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

قرآن کریم کے بیانات میں تضاد و تناقض ثابت کرنے کے لیے اس طرح کے بے شمار بیانات کتابوں میں منتشر طور پر موجود ہیں اور عیسائی مبلغین نے اس سلسلے میں بیحد سعی کی ہے کہ کتاب حکیم میں تضاد کی بحث اٹھا کر دنیا کی نگاہیں انجیل کے مصنوعی خرافات کی طرف سے ہٹا دی جائیں۔ حالانکہ ایسا کچھ نہ ہو سکا اور انجیل کے جعلی بیانات اہل نظر کی نگاہ میں رسوا ہو کر رہے۔

حیرت تو ان علماء اسلام پر ہے جنھوں نے تضاد کا تجزیہ کرنے کے بجائے نہایت آسانی کے ساتھ ہر مقام پر نسخ کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔ نسخ ایک حقیقت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ لیکن ہر ضرورت کا محل و موقع ہوتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جہاں کسی اعتراض کا جواب سمجھ میں نہ آئے وہیں یہ کہہ دیا جائے کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

مسئلہ نسخ کا مکمل تجزیہ بعد میں کیا جائے گا اور وہاں علماء اسلام کی اس کوتاہئ دامن کو واضح کرتے ہوئے بتایا جائے گا کہ نسخ ایک قانونی ضرورت ہے اسے کوتاہئ نظر کی سپر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

امام حسن عسکریؑ نے اس عقدہ کو نہایت ہی حُسن وخوب صورتی کے ساتھ حل فرمایا ہے۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ ایک فلسفی نے قرآن مجید کے بیانات میں مختلف مقامات پر اختلاف ثابت کر کے تضاد قرآن پر ایک کتاب تالیف کر دی ہے اور مسلمانوں کے عقائد خطرہ میں پڑ گئے ہیں۔ تو آپ نے ایک شخص کو مامور کیا کہ وہ فلسفی سے صرف اتنا دریافت کرے کہ تو نے جس تضاد کو ثابت کیا ہے اس کا تعلق قرآن مجید کے ان معانی سے ہے جو تیرے ذہن میں آئے ہیں یا ان معانی سے ہے جو ان الفاظ سے مالک قرآن کی مراد ہیں۔ اگر تضاد ان معانی میں ہے جو تیرے ذہن کی پیداوار ہیں تو اس کی کوئی ذمہ داری قرآن حکیم پر نہیں ہے، اور اگر اس تضاد کا تعلق ان معانی سے ہے جو رب العالمین نے مراد لیے ہیں تو پہلا اور بنیادی سوال ہے کہ تجھے ان معانی کی اطلاع کہاں سے ہو گئی ہے۔ اور جب اس اطلاع کا کوئی مدرک ماخذ نہیں ہے تو تجھے تضاد ثابت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قرآن مجید تو واضح لفظوں میں اعلان کر رہا ہے:

لو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔	اگر یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے نازل ہوتا تو اس میں بیحد اختلاف و تضاد پایا جاتا۔

یعنی تضاد کا نہ ہونا ہی دلیل ہے کہ یہ الہامی اور خدائی کتاب ہے اور اس کی تنزیل و ترتیب میں کسی بندے کا دخل نہیں ہے۔

اس روایت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ حقائق قرآن تک پہونچنا ہر ماہر لسانیات کے بس کا کام نہیں ہے۔ فلسفی لغت و ادب کے زور سے الفاظ کے معانی کا اندازہ کر سکتا ہے لیکن حقائق تک نہیں پہونچ سکتا اور اختلاف و اتحاد بیان کا تعلق حقائق اور مرادات سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری معانی و مفاہیم سے۔

قرآن حکیم کو ظاہری الفاظ کے معانی تک محدود کر دیا جائے اور اس کے معانی کو واقعی حقائق و مرادات سے الگ کر دیا جائے تو ایسے اعتراضات کا دفع کرنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے ان واقعی مقاصد پر ایمان رکھا جائے اور ان کی عظمتوں کا اقرار کیا جائے ــــ اسی کا نام تاویل قرآن ہے اور یہی مرجع تعلیمات

و احکام ہے ــــــ اور یہی تاویل و مقصدیت اشارہ کرتی ہے کہ قرآن حکیم کا حقیقی علم امت کے پاس نہیں ہے بلکہ اس کا واقعی ذخیرہ ذریت پیغمبرؐ کے سینے میں محفوظ کیا گیا ہے جس کی طرف حضور سرورِ کائناتؐ نے وقت آخر اشارہ کر دیا تھا کہ :

"میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتاب خدا اور ایک میری عترت اور میرے اہلبیتؑ ـ جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے گمراہ نہیں ہو سکتے ـ اور حقائقِ کتاب تم تک پہونچتے رہیں گے"!

اعتراضات کی نقاب کشائی

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی بات پر اعتراض کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور اس کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے مصنف و مولف کی کتاب اور بڑے سے بڑے شاعر کی نظم و غزل پر اعتراض کرنے والے بہت پیدا ہوئے ہیں لیکن اس کا جواب دینے والے اور اس کے جیسے اشعار نظم کرنے والے بہت کم پیدا ہوئے ہیں بلکہ بعض اوقات تو مفقود ہی رہے ہیں۔

بعینہٖ یہی حالات قرآن مجید کے ساتھ رہے ہیں اس میں بے شمار جہات ایسے رہے ہیں جنھوں نے دنیا کو دعوتِ اختلاف بھی دی ہے، اور دعوتِ مقابلہ بھی۔

اس نے ایک طرف اپنی فصاحت و بلاغت کے بے نظیر ہونے کا اعلان کیا جو عرب کی رگِ حمیت کے لیے نشتر سے کم نہیں تھا جس کے بعد ان کا مقابلہ کے میدان میں اُتر آنا فطری طور پر ضروری تھا۔

دوسری طرف اسی فصاحت و بلاغت اور بے نظیری کو اپنے قانون کی عظمت و برتری اور اپنے حامل کی رسالت و پیغمبری کی دلیل بنا دیا۔ جو انانیت کی دنیا کے لیے ایک ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ بات فطری تھی کہ اس دعوے کو غلط ثابت کر کے نبی کی برتری اور ان کی حکومت و اطاعت سے نجات حاصل کر لی جائے۔

تیسری طرف یہ تلخ تجربہ بھی ہے کہ اس کے ایک مختصر سورہ نے ہماری ساری شاعرانہ عظمتوں کا بھرم کھول دیا ہے اور اس کی چند آیتوں کے مقابلے میں ہمارا پورا ادب بیکار و مہمل ہو گیا ہے ۔۔۔ اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے آیات کو غلط و بے ربط ثابت کر کے

اپنے ادب کو زندہ کریں اور اپنے گئے ہوئے وقار کو واپس لے آئیں۔

چوتھی بات یہ بھی ہے کہ اس کتاب کی عظمت و اہمیت نے اسلام کے پیغمبر کی رسالت میں چار چاند لگا دیے ہیں اور دنیا کو یہ محسوس کرا دیا ہے کہ رسالت کی حقانیت کے لیے قرآن جیسی کتاب کا پیش کرنا ضروری ہے۔ اس لیے اب جسے بھی نبوت کا دعویٰ کرنا ہے یا مذہب کے نام پر قوم کی سربراہی کا شوق ہے اس کا فرض ہے کہ ایک بے نظیر کتاب تالیف کرے یا کم از کم اس کتاب کی عظیم حیثیت ہی کو باطل قرار دیدے۔

یہی وہ جذبات تھے جنھوں نے قرآن حکیم کے خلاف زمین ہموار کی اور "ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی" ۔۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر رہے یا نہ رہے۔۔ اس کی فکر کسے ہے؟

مختلف افراد کی زبانوں پر صرف سورۂ کوثر کے جواب کی رٹ گواہ ہے کہ عربی ادب کو اس سورہ سے عظیم نقصان پہونچا ہے اور عرب نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ اگر یہ سورہ نہ ہوتا تو ہماری انفرادیت یقیناً برقرار رہ جاتی لیکن اس سورے نے آکر سارے ادبی ذخیرہ کو ثانوی حیثیت دے دی ہے بلکہ مہمل بنا دیا ہے۔۔ کاش عرب کے اندر اتنی وسعت قلب اور کشادہ روئی ہوتی کہ یہ سورہ بھی ہمارے ادب ہی کا شاہکار ہے اور کیوں نہ اسے اپنے ادب کا جزء بنا کر دوسری قوموں کو چیلنج کیا جائے۔۔ لیکن افسوس کہ وہاں ادب و لغت کا مسئلہ ثانوی حیثیت رکھتا تھا اور اسلام و کفر کے مسئلے کو اولین درجہ حاصل تھا۔۔ اس لیے کسی ایسی چیز کو ادبیات میں بھی نہیں شامل کیا جا سکتا تھا جس سے عقیدہ و مذہب پر اثر پڑتا ہو چاہے ادب و لسانیات کو کسی قدر فروغ کیوں نہ حاصل ہو۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اسی متعصب اور تنگ نظر عرب نے قرآن مجید کے سورۂ کوثر کو اعلیٰ ادب قرار دیا ہے۔۔ ورنہ کس قدر آسان بات تھی کہ روز اول ہی کوئی عیب نکال لیا جاتا اور آنے والی نسلیں ان زحمتوں سے محفوظ رہ جاتیں۔۔ لیکن حالات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کل کے افراد نے زبان و بیان کے جملہ نکات سے باخبری کی بنا پر عیب نکالنے کی ہمت نہیں کی اور بعد کی ناواقف نسلوں نے صرف تنگ نظری کی بنا پر یہ کام شروع کر دیا۔۔ عرب فطری طور پر کس قدر نکتہ شناس تھا اور دوسرے افراد کس قدر بے خبر

تھے اس کا اندازہ دو عبرت انگیز واقعات سے ہو سکتا ہے:

اصمعی نے ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک آیت سُنائی جس میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا۔ السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ ـــــ "غفور رحیم"۔ چور مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیئے یہ اس کے کئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے ایک قسم کا عذاب ہے اور اللہ ـــــ "غفور رحیم" ہے ـــــ تو اس نے برجستہ کہا کہ یہ قرآن کی آیت نہیں ہو سکتی یہ انتہائی غیر فصیح اور بے ربط کلام ہے۔ اصمعی نے اصرار کیا کہ یہ آیت قرآن ہی ہے، اس نے مسلسل انکار کیا۔ یہاں تک کہ اصمعی نے کہا کہ اگر آیت میں غفور رحیم کے بجائے عزیز حکیم ہو تو کیا رہے گا؟ ـــ اس نے کہا کہ پھر یہ کلام فصیح بھی ہو جائے گا اور جزو قرآن بھی ہو سکے گا ـــ اصمعی نے کہا آیت میں عزیز حکیم ہی ہے۔ میں نے غفور رحیم کر دیا تھا تاکہ تیرے ادبی ذوق کا اندازہ کیا جا سکے۔

اس واقعہ سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ صحرا میں بکریاں چرانے والا عرب بھی اپنی زبان کے نکات و رموز سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا اور اس کے برخلاف یہ واقعہ ہے کہ جب (حسب روایات جمع قرآن) آیات قرآن کو جمع کیا جانے لگا تو وہاں آیات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی فراہم ہوئے۔ جامعین قرآن نے خلیفہ سوم سے پوچھا کہ ان ٹکڑوں کا مصرف کیا ہو گا تو انھوں نے فرمایا کہ جہاں مناسب ہو رکھ دو ـــ صرف اتنا خیال رہے کہ عذاب کی آیت میں رحمت کا ٹکڑا نہ ہو، اور رحمت کی آیت میں عذاب کا ٹکڑا نہ لگے۔

مطلب یہ ہے کہ مقام تنزیل میں ان فقرات کی کوئی اہمیت نہیں ہے اب ان کی جمع و ترتیب بندگانِ خدا کے رحم و کرم پر ہے جہاں چاہیں وہاں منطبق کر دیں، حالانکہ مصالح الٰہیہ کا اقتضا گواہ ہے کہ کوئی فقرہ اپنے محل وقوع سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور کوئی جامع قرآن ان رموز و نکات تک نہیں پہونچ سکتا جنھیں مقام تنزیل میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

دوسرا معروف واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قرآن مجید کی آیت "اقتربت الساعة وانشق القمر" کا جواب "دنی الوقت وانفطر الھلال" ایک صاحب زبان کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ ان دونوں فقرات میں کون سا فقرہ زیادہ فصیح ہے۔ معانی و مطالب کے

اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں ہے، اقتراب دنو ہم معنی ہیں، وقت و ساعت کے ایک معنی ہیں، انفطار و انشقاق مترادف الفاظ ہیں، اور قہر و ہلال کا متحد ہونا واضحات میں سے ہے۔

اس نے چند لمحے غور کرنے کے بعد جواب دیا کہ ان دونوں فقرات میں ادب و فن کے لحاظ سے متعدد فرق پائے جاتے ہیں، جن میں ایک انتہائی واضح اور اہم فرق یہ ہے کہ تیرے کلام میں لفظ و معنی میں کوئی مناسبت نہیں ہے اور قرآن مجید میں اس بات کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ تو نے قیامت کا ذکر کیا ہے اور الفاظ میں دنو، وقت، انفطار ہلال کو استعمال کیا ہے جن میں نہ شکوہ ہے نہ آہنگ، ہیبت ہے نہ زلزلہ، جلال ہے نہ قہر۔ اور قرآن مجید نے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے ان میں ہر لفظ قہر و جلال کا آئینہ ہے۔ اقتراب اس کے آمد کی شان بیان کر رہا ہے، لفظ ساعت اس کی ہیبت کی غمازی کر رہا ہے۔ انشقاق میں تکرار قاف ہیبت و جلالت کا ماحول پیدا کر رہی ہے اور قمر کی تر صوتی اعتبار سے دلوں کو ہلا دیتی ہے۔

کسی کلام کو مرتب کرنے کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ لفظ و موضوع کی مناسبت پر خاص نگاہ رکھی جائے اور یہ بات قرآن مجید کے علاوہ کہیں نہیں پائی جاتی ہے، اس لیے کہ واقعہ کے خصوصیات و اسرار سے خالق کے علاوہ کون باخبر ہو سکتا ہے اور ان اسرار و رموز کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کر لینا بھی کمال علم و وسعت نظر کا طالب ہے جو بندوں سے کہیں زیادہ خالق کے لیے ممکن ہے۔ قرآن مجید کے جواب کی کوشش آفتاب کو چراغ دکھانے کی کوشش ہے جس کا سرچشمہ جہالت و عصبیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ انصاف پسند عرب کل ہی کہہ چکا ہے، "ما ھٰذا کلام البشر"۔

تفسیر و تاویل

عربی زبان میں سفور کے معنی بے پردگی کے ہیں یعنی کسی پوشیدہ چیز کو منظر عام پر لے آنا جس کی بنا پر بے پردہ خواتین کو سافرات کہا جاتا ہے جن کے بارے میں روایات میں وارد ہوا ہے کہ آخر زمانے میں جو بدترین زمانہ ہوگا ایسی عورتیں برآمد ہوں گی جو سافرات اور زینت کرنے والی ہوں گی، لباس پہن کر بھی برہنہ ہوں گی، دین سے خارج اور فتنوں میں داخل ہونے والی ہوں گی اور آخر میں جہنم میں ہمیشہ رہنے والی ہوں گی۔

تفسیر اسی سفور سے عربی کے مخصوص قواعد کی بنا پر اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں قرآن مجید کے مخفی معانی کا منظر عام پر لے آنا اور اس سے یہ بات پہلے ہی مرحلہ پر واضح ہو جاتی ہے کہ الفاظ کے ظاہری معانی کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی طرح معانی کا کسی خاص شے پر انطباق بھی تفسیر نہیں کہا جا سکتا ہے، تفسیر کا تعلق مخفی معانی کے اظہار سے ہوتا ہے۔ تفسیر کا تعلق ظاہری معنی کے انطباق سے نہیں ہوتا ہے۔

تفسیر ایک مخصوص طریقۂ کار ہے جو قرآن مجید کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے اور اس میں کبھی اعتدال برقرار رکھا گیا ہے اور کبھی افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔

اختلاف مفسّرین:

مفسّرین کے درمیان عام طور سے دو مقامات پر اختلافات پائے جاتے ہیں:

۱۔ معانی کی تطبیق میں۔ کہ ایک مفسر نے اسی آیت کو ایک شخص پر منطبق کیا ہے، اور دوسرے مفسّر نے دوسرے شخص پر۔ جیسا کہ آیت تطہیر، آیت مودت اور آیت صادقین وغیرہ میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک طبقہ میں اہلبیت، قربیٰ اور صادقین سے دوسرے افراد

مراد ہیں اور دوسرے طبقہ میں دوسرے افراد۔

۲۔ متشابہات کے مفہوم میں۔ کہ ان الفاظ سے وہی عرفی معنی مراد ہیں جن کے لیے لفظ عام طور سے استعمال ہوتا ہے یا کوئی دوسرے معنی مراد ہیں۔ اس امر کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جو زبان نزول قرآن کے زمانے میں عالم عربیت میں رائج تھی اور اس نے کوئی نئی زبان ایجاد نہیں کی ہے اور نہ کسی مخصوص لہجہ میں گفتگو کی ہے ورنہ اس کے معجزہ ہونے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ عربی یا کوئی زبان جب بھی ایجاد ہوئی ہے تو اس کے ایجاد کرنے والوں کے ذہن میں یہی مفاہیم تھے جو عالم بشریت میں پائے جاتے ہیں اور انھیں کے افہام و تفہیم کے لیے الفاظ وضع کیے گئے ہیں اور زبان ایجاد کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جب لفظ 'فعل' ایجاد ہوا جس کے معنی تھے کام کرنے کے۔ تو واضعین لغت کے سامنے یہی انسان تھے جو مختلف کام انجام دے رہے تھے اور جن کے افعال سے سب باخبر بھی تھے۔ اس کے بعد قرآن مجید نے نازل ہو کر یہی لفظ پروردگار کے بارے میں استعمال کر دیا۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس لفظ سے وہی معنی اور وہی انداز مراد ہے جو ہمارے افعال کا ہوا کرتا ہے یا کوئی مخصوص تصور ہے جو پروردگار کی ذات سے وابستہ ہے اور اس کے افعال کا ہمارے افعال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض مفسرین الفاظ کے ظاہر پر اعتماد کر کے پروردگار کے اعمال و افعال کو بھی ویسا ہی قرار دیتے ہیں جیسا کہ انسان کے افعال و اعمال ہوا کرتے ہیں اور بعض خالق و مخلوق کے فرق کو پیش نظر رکھ کر دوسرے معنی مراد لیتے ہیں اور پھر مراد میں اختلاف شروع ہو جاتا ہے کہ اس کے افعال کیسے ہیں اور جس کا جیسا عقیدہ ہوتا ہے اسی اعتبار سے الفاظ کے معنی طے کر دیتا ہے جب کہ اس کا الفاظ کے معنی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اس کا تعلق معانی کے انداز اور اسلوب سے ہوتا ہے اور اس کا لغت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

لیکن بہر حال اس طرح کتب تفسیر میں اختلاف کا ایک عظیم منظر نظر آ جاتا ہے چاہے اس کا تعلق تفسیر سے ہو یا نہ ہو اور اسی لیے عربی کی قدیم عظیم ترین تفسیر (تفسیر کبیر) کے بارے

میں مشہور ہے کہ اس میں تفسیر کے علاوہ ہر شے ہے۔ یعنی مباحث کا ذکر تفسیر کی کتاب میں کیا گیا ہے لہذا اس کا نام تفسیر ہے لیکن ان مباحث کا تفسیر قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سبب اختلاف:

ایک سوال یہ بھی ہے کہ مفسّرین کے درمیان مفاہیم قرآن طے کرنے میں اختلاف کیوں ہے جب کہ سب کے سامنے ایک ہی قرآن ہے اور سب عربی زبان کے قواعد وقوانین سے باخبر ہیں ــ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مفسّرین کے درمیان اختلاف بظاہر تین اسباب سے پیدا ہوا ہے۔

۱۔ مفسرین مذہبی اعتبار سے کسی نہ کسی عقیدہ کے حامل تھے اور ملکی اور قومی سطح پر کسی نہ کسی نظریہ کے مالک تھے۔ انھوں نے انھیں نظریات اور عقائد کو تحت الشعور میں رکھ کر تفسیر قرآن کا کام شروع کیا اور جہاں کہیں بھی کوئی آیت ان کے مخصوص عقیدہ یا نظریہ کے خلاف دکھائی دی۔ اس کے مفہوم میں تغیر پیدا کر دیا اور اپنے مقصد کے مطابق معنی معین کر دئے۔

۲۔ مفسرین کے سامنے یونان کا فلسفہ تھا جس نے ساری دنیا کو متاثر کر رکھا تھا اور وہ خود بھی اس سے بڑی حد تک متاثر تھے اور انھیں خیال تھا کہ اگر قرآن مجید کے مفاہیم اس فلسفہ سے متصادم ہو گئے تو اس کی عظمت و قداست کا بچانا مشکل ہو جائے گا اس لیے وقت کی ضرورت کا لحاظ کر کے ایسے معانی بیان کر دیے جو اس فلسفہ سے متصادم نہ ہونے پائیں تاکہ عظمت و عزت قرآن محفوظ رہ جائے جو کاروبار آج تک ہوتا چلا آرہا ہے کہ ہر رائج الوقت نظریہ، عقیدہ یا رسم و رواج کا لحاظ کر کے آیات کا مفہوم بدل دیا جاتا ہے اور درد مند دل رکھنے والے مسلمان کو فریاد کرنا پڑتی ہے کہ " خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں"۔

۳۔ مفسرین کے سامنے وہ اعتراضات تھے جو مختلف زاویوں سے قرآن مجید کے بارے میں بیان کیے جا رہے تھے اور جن کی بنا پر قرآن مجید میں تضاد تک ثابت کیا جا رہا

تھا اور ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا جس سے ان اعتراضات کے جوابات دے سکتے۔ لہٰذا آسان ترین راستہ یہی نظر آیا کہ الفاظ قرآن کے معانی بدل دیے جائیں تاکہ اعتراضات سے نجات حاصل کی جاسکے اور عزت قرآن کے بجائے اپنی عزت کا تحفظ کیا جاسکے۔

تفسیر بالرائے:

یہ بات تو مسلمات میں ہے کہ قرآن کی تفسیر کا جو نہج بھی اختیار کیا جائے تفسیر بالرائے بہر حال حرام ہے اور اس کی مسلسل مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالمؐ کے ارشادات کتب احادیث میں مسلسل نظر آتے ہیں:

۱۔ من فسر القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار — صافی، سنن ابن ابی داؤد وغیرہ

۲۔ من قال فی القرآن بغیر علم جاء یوم القیامة ملجما بلجام النار۔ " " ، ترمذی، نسائی

۳۔ من تکلم فی القرآن برایه فاصاب فاخطأ۔ "

۴۔ اکثر ما اخاف علیٰ امتی من بعدی من رجل یتناول القرآن یضعه علیٰ غیر مواضعه۔ " " ، "

۵۔ من فسر القرآن برأیه ان اصاب لم یوجر وان اخطأ فهذا ابعد من السماء۔ تفسیر عیاشی عن الامام الصادقؑ

ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرسل اعظمؐ اور معصومینؑ کی نگاہ میں قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والے کا مقام جہنم ہے۔ وہ روز قیامت اس عالم میں لایا جائے گا کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام لگی ہوگی — وہ منزل تک پہونچ بھی جائے تو خطا کار ہوگا۔

رسول اکرمؐ کو سب سے زیادہ خطرہ اس شخص سے تھا جو قرآن مجید کو اس طرح استعمال کرے کہ اس کو جگہ سے منحرف کردے اور اس کے مفاہیم میں تبدیلی پیدا کردے۔

تفسیر بالرائی کرنے والا صحیح کہے تو اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ہے اور غلط کہے تو آسمان سے زیادہ حقیقت سے دور تر ہو جاتا ہے۔

یعنی تفسیر بالرائے اسلام کا عظیم ترین المیہ ہے جس کے ذریعہ حقائق مذہب کو مسخ کیا جاتا ہے اور الٰہی مقاصد میں تبدیلی پیدا کر دی جاتی ہے۔

مسلمان صاحب نظر کا فریضہ ہے کہ قرآن کے واقعی معانی کی جستجو کرے، اور اسی کے مطابق عمل کرے، الٰہی مقاصد کے سلسلہ میں اپنی رائے کو دخیل نہ بنائے، اور بندگی پروردگار کے بجائے نفس کی عبادت نہ کرے۔

معانی تفسیر بالرائی

اس بات کے مسلم ہو جانے کے بعد کہ اسلام میں تفسیر بالرائی کی کوئی جگہ نہیں ہے اور یہ عمل قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ علماء اسلام کے درمیان اس روایت کی تشریح میں اختلاف شروع ہو گیا کہ تفسیر بالرائی کے معنی کیا ہیں اور قرآن کی کس طرح کی تفسیر جائز نہیں ہے۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں حسب ذیل احتمالات کا تذکرہ کیا ہے:

۱۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے جن پندرہ علوم کی ضرورت ہے، جن سے مزاج عربیت، اسلوب ادبیت اور آہنگ قرآن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سب میں مہارت پیدا کیے بغیر قرآن مجید کی آیات کے معنی بیان کرنا۔

۲۔ قرآن مجید میں متشابہات کے مفاہیم کا مقرر کرنا۔

۳۔ فاسد مذاہب اور عقائد کو بنیاد بنا کر ان کی روشنی میں قرآن مجید کی آیات کے معانی مقرر کرنا۔

۴۔ اس انداز سے تفسیر کرنا کہ یقیناً یہی مراد پروردگار ہے جب کہ اس کا علم راسخون فی العلم کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

۵۔ اپنی ذاتی پسند اور خواہش کو بنیاد بنا کر آیات قرآن کی تفسیر کرنا۔

۶۔ مشکلات قرآن کی تفسیر صحابہ اور تابعین کے اقوال سے مدد لیے بغیر بیان کر دینا۔

۷۔ کسی آیت کے ایسے معنی بیان کرنا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ حق یقیناً اس معنی کے خلاف ہے۔

۸۔ ظواہر قرآن پر عمل کرنا۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر کہ اس کے ظواہر کا مفہوم بھی معصوم کے علاوہ کسی فرد بشر کو بیان کرنے کا حق نہیں ہے۔

۹۔ ظواہر قرآن پر عمل کرنا۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر کہ اس کا ظہور ہے لیکن اس کا سمجھنا معصوم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ان تمام اقوال سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ان میں تفسیر بالرائی کی واقعیت کی تحلیل نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے طریق کار پر بحث کی گئی ہے کہ تفسیر بالرائی کرنے والا کیا کیا وسائل اختیار کرتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ صحابہ اور تابعین کی امداد کے بغیر تفسیر کو تفسیر بالرائی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کو ہر طرح کی تفسیر کرنے کا حق ہے صرف ان کے بعد والوں کو تفسیر بالرائی کرنے کا حق نہیں ہے اور انھیں صحابہ کرام یا تابعین سے مدد لینا پڑے گی جب کہ روایات میں اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ہے اور نہ قانوناً یہ بات صحیح ہے۔ مراد الٰہی کی غلط تفسیر کرنا بہر حال حرام ہے چاہے صحابہ کرام کریں یا کوئی اور بزرگ۔ اس لیے کہ ان سب کو خدا کی طرف سے کوئی الہامی علم نہیں دیا گیا ہے۔ ائمہ اہلبیتؑ اس قانون سے اس لیے مستثنیٰ ہیں کہ انھیں پروردگار کی طرف سے علم قرآن دے کر دنیا میں بھیجا گیا ہے جس کے بے شمار شواہد تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

تفسیر بالرائی کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس نکتہ کو نظر میں رکھنا بے حد ضروری ہے کہ مذکورہ روایات میں تفسیر بالرائی جرم نہیں ہے بلکہ رائے کی اضافت ضمیر کی طرف ہے یعنی اپنی رائے سے تفسیر کرنا ــــ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقام تفسیر میں رائے اور اجتہاد کا استعمال کرنا مُضر نہیں ہے۔ مُضر یہ ہے کہ مراد الٰہی کو طے کرنے میں اپنی ذاتی رائے کو دخیل بنایا جائے اور اسی بنیاد پر بعض علماء نے وضاحت کی ہے کہ تفسیر کا کام رائے اور اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں ہے لیکن اس رائے کو شخصی نہیں ہونا چاہیے بلکہ قانونی ہونا چاہیے ــــ اور قانونی اور شخصی کا فرق یہ ہے کہ جس تفسیر میں دیگر آیات کے مزاج کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور آیات میں اجتہادی نظر کے بعد معنی طے کیے جاتے ہیں وہ تفسیر بالرائی نہیں ہے اور جس تفسیر میں تمام آیات سے قطع نظر کر کے اپنی ذات اور اپنی فکر اور خواہش کو حکم بنایا جاتا ہے وہ تفسیر بالرائی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ دنیا کے ہر کلام کی تفسیر و تشریح اسی کلام کے الفاظ و عبارات کی روشنی میں ہوتی ہے اور قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کے لیے جملہ آیات کے مزاج پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر صحیح تفسیر نہیں ہو سکتی ہے۔ اسی لیے بار بار تدبر فی القرآن کی دعوت دی گئی ہے کہ انسان پورے قرآن پر نظر رکھے اور اسی کی روشنی میں ہر آیت کا مفہوم

طے کرے۔

الرائی اور درائیہ کے فرق کو نگاہ میں رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ آیات قرآن کی تفسیر میں استقلالی رائے مضر ہے اور اس کا استعمال جرم ہے لیکن وہ رائے جو مطالعۂ قرآن سے حاصل ہوئی ہے اور جس کے حصول میں تفکر اور تدبر فی القرآن سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ تفسیر قرآن میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وہی تفسیر قرآن کا واحد ذریعہ ہے، جس کے چند دلائل اس مقام پر درج کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ روایات نے تفسیر بالرائی میں دونوں احتمالات کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان واقعی مراد کو حاصل کر لے اور یہ بھی ممکن ہے کہ غلطی کر جائے۔ یہ اور بات ہے کہ واقع کے ادراک میں بھی ثواب سے محروم رہے گا اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ذاتی رائے کا استعمال مضر ہے اگرچہ اس کے منزل تک پہونچانے کا امکان بھی ہے لیکن اس طریقۂ کار کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے، بلکہ صحیح طریقۂ کار وہی ہے کہ تمام آیات کے مراجعہ کے بعد آیات کا مخفی مفہوم منظر عام پر لایا جائے۔

۲۔ تفسیر بالرائی کی روایات عام طور پر سرکار دو عالمؐ سے نقل ہوئی ہیں اور آپ نے اس کی شدت سے ممانعت کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ طریقۂ کار ہے جس کا امکان سرکار کے زمانے میں بھی تھا بلکہ کچھ زیادہ ہی تھا اور اسی لیے آپ نے شدت سے منع کیا ہے اور شاید اس کا راز یہ تھا کہ اس دور میں قرآن مجید مکمل شکل میں امت کے ہاتھوں میں موجود نہ تھا اور اس طرح ہر شخص کے لیے تمام آیات کی طرف مراجعہ کرنا اور ان کے اسلوب و آہنگ سے استفادہ کرنا ممکن نہیں تھا اور یہ خطرہ شدید تھا کہ ہر شخص اپنی ذاتی پسند یا خواہش سے آیات کا مفہوم طے کر دے۔ اس لیے آپ نے شدت سے ممانعت فرمادی کہ یہ راستہ نہ کھلنے پائے ورنہ قرآن کے مفاہیم تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گے۔

۳۔ اگر ہر مسئلہ میں روایات ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور آیات کی کوئی تفسیر روایات کے بغیر ممکن نہ ہوگی تو تدبر فی القرآن کے کوئی معنی نہ رہ جائیں گے اور ان روایات کا بھی کوئی مقصد نہ رہ جائے گا جن میں روایات کی صحت و خطا کا معیار قرآن مجید کو قرار دیا گیا ہے اور یہ کہا

گیا ہے کہ ہماری طرف سے آنے والی روایات کو کتاب خدا پر پیش کرو اور دیکھو کہ موافق ہیں یا نہیں۔ اگر موافق ہیں تو لے لو ورنہ دیوار پر مار دو۔ ظاہر ہے کہ اگر روایات کے بغیر قرآن مجید پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا تو اس کا کوئی مفہوم ہی متعین نہ ہو سکے گا، اور جب مفہوم متعین نہ ہوگا تو کس چیز پر روایات کو پیش کیا جائے گا اور کس کی مطابقت اور عدم مطابقت کو حق و باطل کا معیار بنایا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کے پوشیدہ معانی کا انکشاف کرنے کے لیے قرآن مجید ہی کے اسلوب اور آہنگ کو معیار بنایا جائے گا اور اس میں کسی شخص کی ذاتی رائے یا خواہش کا دخل نہ ہوگا۔

تفسیر بالرائی کی ایک مختصر مثال یہ ہے کہ قرآن مجید نے بیان کیا کہ "ان من شیئ الا عندنا خزائنہ الخ" (ہمارے پاس ہر شے کے خزانے ہیں) اس آیت کو دیکھنے کے بعد مفسر نے اندازہ کیا کہ آسمان پر کوئی عظیم خزانہ ہے جہاں کائنات کی ہر شے کا ذخیرہ موجود ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت پر نظر پڑی "وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیابہ الارض بعد موتہا" (خدا نے آسمان سے رزق نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ بنا دیا ہے) ۔ اور اس سے اندازہ ہوا کہ بارش کو بھی رزق کہا جاتا ہے اور اس کا بھی خزانہ آسمان پر ہے۔ پھر اپنی ذاتی فکر کا اضافہ کیا کہ انسان اور حیوان آسمان سے نازل نہیں ہوتے، لہذا خزانہ سے مراد آسمانی اشیاء ہیں، زمین کی چیزیں نہیں ہیں۔ حالانکہ اس تخصیص کا اسے حق نہیں تھا اس لیے کہ اسے نہ آسمان کی حقیقت معلوم ہے اور نہ نزول کے طریقہ کا علم ہے اور قرآن مجید سے ان حقائق کا ادراک کیے بغیر ان کے بارے میں اظہار رائے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس کو تفسیر بالرائے یا قول بلاعلم کا نام دیا جائے گا۔

رہ گیا سیوطی کا یہ بیان کہ صحابہ کرام کی تفسیر سے قطع نظر کر کے تفسیر کرنے کو تفسیر بالرائی کہا جاتا ہے اور جس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ عصر پیغمبرؐ میں موجود تھے اور انھیں حقائق قرآن کا علم تھا اور ان سے سترہ ہزار روایات نقل ہوئی ہیں لہذا ان سے الگ ہو کر

بات کرنا خلاف اسلام ہے۔

تو اس کا واضح سا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر شے کا تبیان ہے۔ اس کے متشابہات محکمات کے ذریعہ واضح ہو جاتے ہیں لہذا اسے اصحاب کے فکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس کی تحدی کے مخاطب کفار و مشرکین ہیں اور وہ اصحاب کے فہم کے محتاج ہو گئے تو تحدی اور چیلنج کے کوئی معنی ہی نہ رہ جائیں گے۔

دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اصحاب کا قول ظاہر کلام کے مطابق ہے تو ظہور خود ہی کافی ہے کسی قول کی ضرورت نہیں ہے اور خلاف ظاہر قرآن ہے تو تحدی بیکار ہے اور اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ جس کلام کے معنی معلوم نہ ہوں اور وہ خود غیر واضح ہو اس کا مقابلہ اور جواب لانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

رہ گئے احکام کے تفصیلات قرآن کے لیے مرسل اعظمؐ اور معصومینؑ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی مطابق حکم قرآن ہے کہ جو رسول دیدے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کر دے اس سے رک جاؤ۔ گویا آیت کا مفہوم عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے واضح ہے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مرسل اعظمؐ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ خود مرسل اعظمؐ نے قرآن مجید سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کلام سے تمسک کرنا ممکن نہیں ہے جس کا مفہوم واضح نہ ہو اور جس کے بارے میں کسی طرح کی تحقیق اور تفتیش تفسیر بالرای قرار پا جائے۔

اس مقام پر یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ دونوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہو سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی کا اخذ کرنا عترت و اہلبیتؑ کی توضیح کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس کا واضح سا جواب یہ ہے کہ قرآن اور عترت دونوں سے تمسک کرنے کا حکم دینا اس بات کی علامت ہے کہ دونوں اپنے اپنے مقام پر حجت ہیں کہ اگر حکم قرآن میں موجود ہے اور اہلبیتؑ کی زندگی سامنے نہیں بھی ہے تو وہ بھی واجب العمل ہے۔ اور اگر اہلبیتؑ نے فرمایا ہے اور قرآن مجید میں نہیں بھی مل رہا ہے تو بھی واجب العمل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن ظاہر الفاظ

کے معانی معین کرتا ہے اور اہلبیتؑ مقاصد کی وضاحت کرتے ہیں جس طرح کہ قرآن مجید نے اجمال سے کام لیا ہے اور سرکار دو عالمؐ نے اپنے اقوال و اعمال سے اس اجمال کی وضاحت کی ہے اور اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ خود اہلبیتؑ نے بھی آیات قرآن سے استدلال کیا ہے اور اس کے ظہور کا حوالہ دے کر امت کو متوجہ کیا ہے کہ اس کے الفاظ و آیات سے کس طرح استنباط کیا جاتا ہے۔

محاسن میں امام محمد باقرؑ کا یہ واضح ارشاد موجود ہے کہ "جس شخص کا خیال یہ ہے کہ قرآن مجید مبہم ہے وہ خود بھی ہلاک ہو گیا اور اس نے دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کا صحیح راستہ تفسیر قرآن بالقرآن ہے۔ ارشادات معصومینؑ کا سہارا لینا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے آیات قرآن کو جمع کر کے ایک نتیجہ اخذ کرنے کا سلیقہ معلوم ہوتا ہے اور معصومین علیہم السلام نے اسی انداز سے قوم کی تربیت بھی کی ہے چنانچہ امیر المومنینؑ کے دور میں جب دربار خلافت میں اس عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس کے یہاں چھ مہینے میں بچہ پیدا ہو گیا تھا اور حاکم وقت نے حد جاری کرنے کا حکم دے دیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس عورت پر حد جاری نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ قرآن مجید نے اقل مدت حمل چھ ماہ قرار دی ہے اور جب قوم نے حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کیا تو آپؑ نے دو مختلف آیات کا حوالہ دیا۔ ایک آیت میں انسان کے حمل اور رضاعت کا کل زمانہ تیس مہینہ بتایا گیا ہے اور دوسری آیت میں عورتوں کے دو سال دودھ پلانے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور دونوں کو جمع کر کے فرمایا کہ دو سال مدت رضاعت نکالنے کے بعد حمل کا زمانہ صرف چھ ماہ باقی رہ جاتا ہے اور ایسے انسان کو قرآن نے قابل مدح قرار دیا ہے جس کی مدت حمل صرف چھ ماہ ہے لہذا نہ اس ولادت کو غلط کہا جا سکتا ہے اور نہ اس عورت پر حد جاری کی جا سکتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید سے استنباط کرنا ہے تو ایک آیت سے ممکن نہیں ہے، آیات کو باہم جمع کرنا ہوگا اور سب کے مجموعہ سے ایک نتیجہ اخذ کرنا ہوگا اور اسی کا نام تفسیر قرآن بالقرآن ہے کہ انسان کو حمل کے بارے میں قرآنی نظریہ معلوم کرنا ہے تو ان دو آیات کو جمع کر لے، قرآنی نظریہ خود بخود سامنے آجائے گا۔

تاویل قرآن

قرآن مجید کے سلسلہ میں تفسیر ہی کی طرح ایک لفظ تاویل بھی استعمال ہوتا ہے اور علماء اعلام کے درمیان یہ ایک مکمل بحث ہے کہ تاویل کے معنی کیا ہیں جس کا علم خدا نے اپنی ذات تک محدود رکھا ہے یا صرف راسخون فی العلم کے حوالہ کیا ہے اور ان کے علاوہ کوئی اس تاویل کا عالم اور دانائے راز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں تاویل کے چار معانی بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ تاویل بمعنی تفسیر لیکن دونوں کے درمیان ایک نازک سا فرق یہ ہے کہ تفسیر ان آیات سے بھی متعلق ہو سکتی ہے جن کا مفہوم کسی قدر واضح ہے۔ لیکن تاویل کا تعلق صرف ان آیات کی تفسیر سے ہے جنھیں متشابہات کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ علماء متقدمین کا ہے۔

۲۔ تاویل بمعنی خلاف ظاہر یعنی کسی آیت یا لفظ سے ایسے معانی مراد لیے جائیں جن کا زبان ادب کے قواعد سے کوئی تعلق نہ ہو اور نہ ان کا ظہور الفاظ آیت سے ہو رہا ہو۔ (یہ نظریہ علماء متاخرین کا ہے)۔

۳۔ تاویل بمعنی ظاہر غیر معلوم الا للخواص۔ یعنی آیت سے ایسے معنی مراد لیے جائیں جو ظہور کے حدود کے اندر ہوں لیکن ان کا سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہ ہو بلکہ صاحبان فضل و کمال اور مخصوص قسم کے ماہرین ادب درکار ہوں۔ جیسے الفاظ کے لازمی معانی یا معانی کا وہ باطنی پس منظر جو معانی کی پشت پر کام کرتا ہے اور جس کی بنا پر الفاظ عالم وجود میں آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے پانی پلاؤ تو اس کا ظاہری مفہوم سیرابی کا طالب ہے اور اس کا لازمی مفہوم پانی کا طلب کرنا یا ضروریات کا پورا کرنا ہے اور اس کا پس منظر وہ تحفظ حیات ہے جس کے لیے پانی استعمال کیا جاتا ہے اور جس کی ضرورت کے

تحت پانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

۴۔ تاویل بمعنی حقائق وجودیہ یعنی انسان جس وقت کوئی لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کے لفظی معنی کے علاوہ ایک حقیقی معنی بھی ہوتے ہیں جو اس کے تکلم کے واقعی داعی ہوتے ہیں اور جن کی بناپر وہ لفظ عالم وجود میں آتا ہے اور اس کا تعلق الفاظ کے معانی سے نہیں ہوتا ہے۔ معانی ہر شخص کو معلوم ہوتے ہیں لیکن دواعی اور اسباب ہر شخص کو معلوم نہیں ہوتے ہیں، اور یہی تیسرے اور چوتھے معانی کا فرق ہے کہ تیسرے معنی میں تاویل ان ظواہر کا نام ہے جو کسی کے لیے معلوم اور کسی کے لیے غیر معلوم ہیں، اور چوتھے معنی میں اس کا تعلق معانی سے نہیں ہے اور معانی سب کے لیے معلوم ہیں لیکن اس کے پس پشت کچھ حقائق ہیں جن کا علم خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے اور اس طرح دونوں معانی میں ایک فرق یہ بھی ہو جائے گا کہ تیسرے معنی کی بناپر بعض آیات کی تاویل ہوگی اور بعض کی نہ ہوگی اور چوتھے معنی کی بناپر پورا قرآن تاویل کا حامل ہوگا اور ہر آیت کے پس منظر میں ایک حقیقت ہوگی جس کے اظہار کے لیے آیت نازل ہوئی ہے اور اس کا معلوم کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ یہ حقائق آیات کی مختلف قسموں کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔

آیات میں انشاء ہوگا تو حقائق سے مراد وہ مصالح ہوں گے جو امر و نہی وغیرہ کی دعوت دیتے ہیں اور جن کی بناپر کسی چیز کا امر کیا جاتا ہے یا اس کی نہی کی جاتی ہے۔

اور آیات اخباریہ ہوں گی تو حقائق سے مراد وہ واقعات ہوں گے، جن کے بیان کے لیے آیات کا نزول ہوا ہے اور جن کی طرف ان الفاظ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔

اور آیات کا تعلق مستقبل محسوس سے ہوگا تو حقائق وہ حوادث ہیں جو آئندہ پیش آنے والے ہیں مثل غلبہ روم وغیرہ اور مستقبل معقول سے ہوگا تو حقائق وہ امور غیر محسوس ہوں گے جن کا تعلق عقلیات اور معنویات سے ہوگا جیسے آیات حشر و نشر، یا آیات افعال باری تعالیٰ کہ ان سب کا پس منظر ایک امر غیر محسوس ہے جس کا ادراک خود اس کی ذات تک محدود ہے اور اس نے راسخون فی العلم کو اس کے علم سے سرفراز فرمادیا ہے۔

فروق تفسیر و تاویل

تفسیر و تاویل دونوں کے مفاہیم کے پیش نظر علماء اعلام نے حسب ذیل فرق قائم کیے ہیں اور ان کے ذریعہ تاویل کو تفسیر سے الگ کرنا چاہا ہے:

۱۔ تفسیر تاویل سے اعم ہے کہ تاویل کا استعمال مفردات میں نہیں ہوتا ہے اور تفسیر کا استعمال مفردات میں بھی ہوتا ہے۔

۲۔ تفسیر ایک احتمال میں جاری ہوتی ہے اور تاویل مختلف احتمالات میں ہوتی ہے۔

۳۔ تفسیر یقینی معنی کے اظہار کا نام ہے اور تاویل غیر قطعی مفہوم کے یقین کا نام ہے۔

۴۔ تفسیر دلیل کی مراد کو طے کرنا ہے اور تاویل اس کی حقیقت یعنی وجود مقصدی کو طے کرنا ہے۔

۵۔ تفسیر معنی ظاہر کا بیان کرنا ہے اور تاویل معنی مشکل کا اظہار کرنا ہے۔

۶۔ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

۷۔ تفسیر کا تعلق سماع اور اتباع سے ہے اور تاویل کا تعلق نظر اور استنباط سے ہے۔

تاویل کے معانی پر ایک نظر:

تاویل کے مذکورہ معانی پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ ہر معنی میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور پائی جاتی ہے اور کوئی بھی معنی تاویل کی حقیقت کی نشاندہی کے لیے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر پہلے معنی میں غیر واضح تفسیر کا نام تاویل رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تاویل کا تعلق صرف متشابہات قرآن سے ہوگا ورنہ سارا قرآن واضح ہے اور عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اہل زبان کو چیلنج کیا گیا ہے اور خود اس نے اپنے کو بیان اور تبیان سے تعبیر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غیر واضح صرف متشابہات ہیں اور تاویل کا تعلق انھیں الفاظ سے ہے جب کہ فتنہ کا تعلق

یقیناً صرف مقطعات سے نہیں ہے بلکہ علل احکام دین کے ذریعہ بھی اہل فتنہ نے فتنہ گری کا کام لیا ہے جو ان کی نظر میں تاویل کا بہترین مصرف ہے۔

دوسرے معنی میں تاویل خلاف ظاہر کو قرار دیا گیا تو یہ خلاف ظاہر کبھی کبھی محکمات سے متصادم بھی ہو جائے گا اور اس طرح قرآن کا یہ دعویٰ غلط ہو جائے گا کہ تضاد غیر خدا کی طرف سے نازل ہونے کی علامت ہے اور چونکہ میرے اندر تضاد نہیں ہے لہٰذا میں خدا کی طرف سے نازل ہوا ہوں۔

تیسرے معنی کی کمزوری یہ ہے کہ اس میں معانی التزامیہ کو تاویل قرار دیا گیا ہے اور اس کے علم کو خواص تک محدود کر دیا گیا ہے حالانکہ معنی التزامی کا مطلب ہی یہ ہے کہ خواص کے علاوہ بھی افراد اس کا ادراک کر سکیں اس لیے کہ اس کا استعمال قواعد ادب کے مطابق ہی ہوتا ہے اور اہل زبان اس سے بہر حال واقف ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ انسان خواص اور مطہرون میں ہے تو اس کے ادراک میں خطا کا امکان نہیں ہے اور صرف قواعد ادب تک محدود ہے تو اس کے ادراک میں خطا کا بھی امکان پایا جاتا ہے۔

چوتھے معنی میں یہ بات صحیح ہے کہ تاویل حقائق کا نام ہے لیکن مضمون واقعہ کو تاویل قرار دینے میں خرابی یہ ہے کہ اس طرح تاویل کا علم ان کفار و مشرکین کو بھی ہو جائیگا جو وقت نزول قرآن موجود تھے اور واقعات کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جب کہ قرآن نے تاویل کے علم کو خدا اور راسخون فی العلم تک محدود رکھا ہے اور اگر "وما یعلم تاویلہ" کا مرجع صرف متشابہات ہیں کہ ان کے حقائق کو خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے تو متشابہات کے دائرہ کو وسیع کرنا پڑے گا اس لیے کہ فتنہ صرف حقائق خارجیہ کے ذریعہ نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے آیات احکام کے علل و اسباب صفات الٰہیہ، معجزات وغیرہ کے آیات کو بھی استعمال کیا گیا ہے جن کا کوئی پس منظر حقائق خارجیہ میں نہیں ہے جسے اس کی تاویل قرار دیا جائے۔

اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ تاویل سے مراد غیبی حقائق ہیں جو الفاظ کے مفاہیم سے ماوراء عالم بالا کے حقائق ہیں اور جنھیں الفاظ میں مقید کر کے پیش کیا گیا ہے۔ الفاظ ان حقائق کے لیے صرف ایک علامت اور مثال کا کام کرتے ہیں ورنہ ان کی دنیا بہت بلند و بالا ہے

اور ان کا ادراک خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔ قرآن مجید نے (سورۂ زخرف ۳، ۴) میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم" (ہم نے قرآن کو عربی بنا دیا کہ شاید اس طرح تم لوگ سمجھ سکو ورنہ یہ قرآن ہمارے پاس ام الکتاب میں انتہائی بلند اور پُر از حکمت کتاب ہے)۔

جس کا بالکل واضح مفہوم یہ ہے کہ قرآن ایک حقیقت ہے اور اس کے واقعی مفاہیم عالم غیب کے حقائق ہیں جن کے افہام و تفہیم کے لیے عربی زبان کو ذریعہ بنا دیا گیا ہے اس لیے کہ اس سے بہتر کوئی زبان ان حقائق کے اظہار کے لیے ممکن نہیں تھی۔ عربی زبان اپنی جامعیت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے بڑی حد تک ان حقائق کی ترجمانی کر سکتی ہے اور اسی لیے ہم نے اسے عربی میں نازل کر کے ان غیبی حقائق کے اظہار کا سامان فراہم کر دیا ہے۔

اس طرح تاویل کا تعلق متشابہات سے بھی ہو سکتا ہے اور کل قرآن سے بھی ہو سکتا ہے کہ متشابہات کے پس منظر میں بھی غیبی حقائق ہیں اور کل قرآن کے پس منظر میں بھی کچھ حقائق ہیں جن کے اظہار کے لیے الفاظ اور آیات کو نازل کیا گیا ہے جس کی قدرے تفصیل چوتھے معنی کی توضیح کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں لفظ تاویل ۱۶ مقامات پر استعمال ہوا ہے اور سب سے مراد یہی بلند ترین حقائق ہیں جن کی طرف الفاظ و آیات کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے اور جن کا علم خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔

تاویل سے غیر ظاہر معنی کا مراد لینا صرف محدثین کی ایجاد ہے جس کا کوئی تذکرہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند شواہد ملاحظہ ہوں:

۱۔ ھل ینظرون الا تاویلہ یوم یاتی تاویلہ یقول الذین نسوہ من قبل قد جاءت رسل ربنا بالحق۔ (اعراف ۵۳)

"یہ لوگ صرف اس کی تاویل کا انتظار کر رہے ہیں تو جس دن تاویل آجائے گی تو جو لوگ اسے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس مرسلین حق ہی لے کر آئے تھے"۔

۲۔ وما کان ھذا القرآن ان یفتریٰ . . . بل کذبوا بما لم یحیطوا

بعلمه ولما یأتهم تاویله ۔ (یونس ۳۹)

"یہ قرآن کوئی افترا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے احاطہ علمی نہ ہونے کی بنا پر انکار کر دیا ہے اور ابھی ان کے پاس اس کی تاویل نہیں آئی ہے"۔

۳۔ واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم۔ ذٰلک خیر واحسن تاویلاً ۔ (اسراء ۳۵)

"جب ناپو تو صحیح طریقہ سے ناپو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو کہ اسی میں خیر ہے اور یہی بہترین تاویل ہے"۔

۴۔ سأنبئك بتاویل مالم تستطع علیه صبرا۔ ذٰلك تاویل مالم تستطع علیه صبرا ۔ (کہف)

"میں عنقریب تمہیں ان باتوں کی تاویل بتاؤں گا جن پر تم صبر نہیں کر سکے ــ یہ ان امور کی تاویل ہے جن پر تم صبر نہیں کر سکے"۔

۵۔ ورفع ابویه علی العرش وخروا له سجدا قال یابت ھٰذا تاویل رؤیای قد جعلها ربی حقا ۔ (یوسف ۱۰۰)

"یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بلند کیا اور سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑے تو یوسف نے کہا کہ یہ میرے خواب کی تاویل ہے جسے میرے خدا نے حق کر دکھایا ہے"۔

۶۔ قال الذی نجی منهما وادکر بعد امة انا انبئکم بتاویله فارسلون . . . من تاویل الاحادیث . . . علمتنی من تاویل الاحادیث ۔ (یوسف)

"جس قیدی کو نجات مل گئی تھی اور اسے ایک عرصہ کے بعد یوسف یاد آئے تو اس نے کہا کہ میں تمہیں تمہارے خواب کی تاویل بتا سکتا ہوں"۔

ان آیات سے بالکل صاف واضح ہو جاتا ہے کہ تاویل کا الفاظ کی دلالت یا اس کے معنی کے ظاہر اور غیر ظاہر ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ایک غیبی حقیقت ہے جسے خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار ہوتا رہا ہے۔

محکم و متشابہ

تفسیر و تاویل کی بحث کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ محکم اور متشابہ کے معانی کی وضاحت بھی کر دی جائے اس لیے کہ قرآن مجید نے سارے فتنہ کی جڑ متشابہات کی تاویل ہی کو قرار دیا ہے اور اسی خطرہ کی طرف ہر مرد مسلمان کو متوجہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں ان دونوں الفاظ کو دو طرح سے استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر پورے قرآن کو محکم یا متشابہ کہا گیا ہے، جیسے "کتب احکمت آیتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر" (ہود) اس کتاب کی تمام آیات کو محکم بنا کر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

"اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم" (زمر ۲۳) اس کتاب کی شکل میں نازل کیا جس کی آیتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں کہ ان سے خوفِ خدا رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور بعض مقامات پر بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

"منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخر متشابہات" اس قرآن میں بعض آیات محکمات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہات ہیں۔

لیکن اس تقسیم کا مقصد قرآن مجید میں تضاد اور اختلاف کا وجود نہیں ہے بلکہ دونوں مقامات پر احکام اور تشابہ الگ الگ معانی میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی قسم میں کل قرآن کے محکم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی آیات لوح محفوظ میں بالکل محکم تھیں۔ اس کے بعد وقت نزول تشابہ یعنی یک رنگ بنا کر نازل کیا گیا ہے اور یہی اس کے تشابہ کے معنی ہیں۔ یعنی تشابہ کے بعد بھی آیات سب محکمات ہیں کہ تشابہ کا تعلق معانی سے نہیں ہے۔ آیات کی یکسانیت اور یک رنگی سے ہے کہ اس قدر مفصل ہونے کے بعد بھی کلام میں اجنبیت، بے ربطی اور اختلاف کا احساس نہیں ہو سکتا ہے۔

اور دوسری قسم میں اِحکام سے مراد ظاہری معنی ہیں جو بعض آیات میں پائے جاتے ہیں اور تشابہ سے مراد مشتبہ معانی ہیں جو دوسری آیات میں پائے جاتے ہیں اور انھیں کی تاویل میں فتنہ گری کا اندیشہ پایا جاتا ہے اور انھیں کے لیے محکمات کو مرجع اور اصل کتاب قرار دیا گیا ہے کہ فتنہ گروں کی فتنہ گری میں انسان اصل کتاب کی طرف رجوع کرے اور ان کی تاویل پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود قرآن مجید کے بیانات پر بھروسہ کرے اور تفسیر قرآن بالقرآن کے نہج پر معانی کا تعین کرے۔

اس طریقہ کار کا اندازہ کر لیا جائے تو یہ کہنا سو فیصدی صحیح ہوگا کہ قرآن مجید کُل کا کُل محکمات میں ہے۔ بعض آیتیں ظاہری طور پر ظاہر المعنی اور محکم ہیں اور بعض آیتیں ان محکمات کے سہارے محکم بن جاتی ہیں اور ان کا تشابہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور جس راہ سے فتنہ کے داخل ہونے کا امکان ہوتا ہے اس کا سدباب کر دیا جاتا ہے۔

اسباب تشابہ

یہ سوال ضرور رہ جاتا ہے کہ آیات کے متشابہ ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ ان کے تشابہ کو محکمات سے حل کیا جائے اور فتنہ پردازوں کو فتنہ پردازی کا موقع مل جائے تو اس کے چند اسباب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ زبان و لغت کی ایجاد انسانوں نے انسانی ضروریات کے تحت کی ہے اور ہر لفظ کے داخل میں ایک بشری کیفیت کار فرما ہے۔ جس سے کوئی لفظ بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اس کی وضع ہی بشری خصوصیات و کیفیات کو پیش نظر رکھ کر کی گئی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا استعمال جب ماوراء مادہ یا مافوق بشریت کے لیے کیا جائے گا تو معانی میں خود بخود تشابہ پیدا ہو جائے گا اور انسان کو یہ اختیار پیدا ہو جائے گا کہ وہ سیدھے سیدھے لغوی معنی اور اس کے خصوصیات کو مراد لے لے اور ان تمام خصوصیات کو نظر انداز کر دے جو اس ذات یا ہستی میں پائی جاتی ہیں جن کے لیے لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

مثال کے طور پر لغت میں محبت کے معنی میلان نفس اور رحمت کے معنی رقت قلب کے بیان کیے گئے ہیں اور دونوں مقامات پر نفس اور قلب کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا محبت اور رحمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن چونکہ الفاظ کی وضع عالم بشریت کے لیے ہوئی ہے اور عالم بشریت میں محبت نفس کے ذریعہ ہوتی ہے اور رحمت کا مظاہرہ قلب کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اسے بھی معنی لغوی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اب اس کے بعد جب رب العالمین کے لیے یہ لفظ استعمال ہوگا اور اسے محبت کرنے والا یا رحمٰن و رحیم کہا جائے گا تو یہ اشتباہ ضرور پیدا ہو جائے گا کہ اس کے پاس نفس اور قلب ہے یا نہیں، اس کی محبت و رحمت کا تعلق نفس و قلب سے ہے یا کسی اور انداز و طریقہ کار سے ہے اور اہل فتنہ کو اپنا کاروبار

آگے بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔

اس مسئلہ کا ایک ہی حل تھا کہ قرآن مجید کسی آسمانی زبان میں نازل ہوتا اور اس کے الفاظ کی وضع بلند ترین غیر مادی حقائق کے لیے ہوتی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح اس کا نزول صرف ملائکہ کے لیے ہوتا اور عالم بشریت سے کوئی تعلق نہ ہوتا اس لیے کہ بشر سراپا اس کے معانی سے بے خبر ہوتا اور تبلیغ، ہدایت، ترسیل، تعلیم سارے حقائق بے مقصد اور بے معنی ہو کر رہ جاتے۔

۲۔ خود قرآن مجید کی تنزیل بھی دفعی نہیں ہے کہ سارا قرآن ایک دفعہ ایک لمحہ میں نازل کر دیا گیا ہو بلکہ اس کی تنزیل تدریجی اور ارتقائی ہے کہ جیسے جیسے حالات سازگار ہوتے رہے اور معاشرہ ارتقائی مراحل طے کرتا گیا آیات کے نزول کو راستہ ملتا گیا اور وہ لوح محفوظ سے زمین پر آتی رہیں اور اس طرح ناسخ و منسوخ اور عام و خاص وغیرہ کا وجود ناگزیر ہو گیا۔

قرآن مجید ایک لمحہ میں نازل ہوتا تو حالات اور مصالح ایک طرح کے ہوتے اور آیت کا اعلان ایک انداز کا ہوتا۔ لیکن چونکہ ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے اور اس طویل وقفہ میں حالات مختلف رہے ہیں لہٰذا کبھی ایسے حالات رہے کہ عام حکم کا اعلان کر دیا جائے اور خصوصیات کا تذکرہ نہ کیا جائے تاکہ سادہ ذہن آسانی سے عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے اور اس کے بعد وقت آنے پر خصوصیات کا اعلان کیا جائے۔ اور کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حکم کا اعلان کیا گیا اور اس کے بعد مصالح کے تمام ہو جانے کے بعد اس کے منسوخ ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح تشابہ کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا اور یہ احتمال بہرحال باقی رہ جائے گا کہ ناسخ و منسوخ میں اشتباہ ہو جائے یا عام و خاص کے خصوصیات کا ادراک نہ کیا جا سکے یا قصداً اس تشابہ سے فائدہ اٹھایا جائے اور اُسے فتنہ گری کا ذریعہ بنا لیا جائے۔

معانی محکم ومتشابہ

تاویل کے سلسلہ میں بار بار لفظ متشابہات کا ذکر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لفظ محکمات کا بھی ذکر آتا ہے جس طرح کہ خود قرآن مجید میں دونوں قسم کی آیات کا ایک ہی مقام پر ذکر کیا گیا ہے کہ اس قرآن کی بعض آیات محکمات ہیں اور بعض متشابہات۔ لہذا ضروری ہے کہ ان دونوں الفاظ کے معانی کی بھی تعیین کردی جائے تاکہ متعلقہ مباحث کو سمجھنے میں آسانی ہو اور یہ طے کیا جاسکے کہ متشابہات کی تاویل سے فتنہ کا کیا مقصد ہے اور متشابہات کے واقعی مفہوم کے ادراک کا ذریعہ کیا ہے؟۔ علماء قرآنیات نے ان الفاظ کے بارہ[۱۲] معانی بیان کیے ہیں:

۱۔ محکمات سورۂ انعام کی تین آیتوں کا نام ہے "قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشرکوا بہ شیئاً . . . . ." اور متشابہات مقطعات ہیں جنھیں یہودی نہیں سمجھتے تھے۔ یہ قول ابن عباس کی طرف سے نقل کیا گیا ہے۔

لیکن اس قول میں تین طرح کی کمزوریاں ہیں:

ا۔ ابن عباس نے ان آیات کو محکمات قرار دیا ہے لیکن یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ باقی سارا قرآن محکمات سے خارج ہے۔

ب۔ ابن عباس نے ایسا کہا بھی ہے تو اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ج۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تین قسمیں ہوں محکمات (۳ آیتیں) متشابہات (مقطعات) باقی قرآن۔ حالانکہ قرآن مجید نے اپنی آیتوں کو دو ہی حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

۲۔ محکمات سے مراد مقطعات ہیں، یعنی ان کے حروف نہ کہ مفاہیم ۔۔۔ اور باقی قرآن

متشابہات میں ہے۔

اس قول میں بھی دو کمزوریاں ہیں:

ا۔ اس دعویٰ کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ب۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے قرآن کے اتباع میں زیغ اور کجی کا امکان ہے جو یقیناً خلاف حقیقت ہے۔

۳۔ محکم کے معنی مبین اور متشابہ کے معنی مجمل۔

اس قول کی کمزوری یہ ہے کہ محکم و متشابہ مجمل و مبین کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مجمل و مبین میں عمل مجمل ہی پر ہوتا ہے مبین صرف اس کا قرینہ ہوتا ہے اور قرآن مجید میں متشابہات پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے، محکمات متشابہات کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان کے مفاہیم کو متعین کرنے کے لیے محکمات کی طرف رجوع کرنا چاہیے نہ یہ کہ محکمات متشابہات کے معنی متعین کرنے کے لیے قرینہ کی حیثیت رکھتے ہوں اور بالآخر عمل متشابہات پر ہو۔ ہاں محکمات و متشابہات کے لیے مجمل و مبین کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس مثال سے بڑی حد تک اس حقیقت کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ متشابہات سے مراد وہ منسوخ احکام ہیں جن پر ایمان ضروری ہے لیکن عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس قول کا اشکال یہ ہے کہ اس طرح غیر منسوخات کو متشابہات نہیں کہا جا سکتا ہے، حالانکہ آیات صفات و افعال الٰہیہ کو عام طور سے متشابہات میں شمار کیا گیا ہے۔

۵۔ محکمات ان آیات کا نام ہے جن کے مضمون پر کوئی عقلی دلیل موجود ہو، جیسے آیات وحدانیت و قدرت وغیرہ اور متشابہات اس کے ماوراء ہیں۔

اس قول کا سقم یہ ہے کہ اس طرح احکام کی جملہ آیات متشابہ ہو جائیں گی اور ان کا اتباع غلط ہو جائے گا اور اگر خود کتاب کے اندر کسی دلیل عقلی کا وجود مقصود ہے تو پورا قرآن ہی متشابہ ہو جائے گا کہ اس کے مضامین پر اس کے اندر دلیل عقلی کے وجود کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

۶۔ محکمات ان آیات کا نام ہے جن کا کسی دلیل جلی یا دلیل خفی سے علم ممکن ہو اور متشابہات

جن کا علم ممکن نہ ہو جیسے آیات قیامت وغیرہ۔

اس قول کا سب سے بڑا سقم یہ ہے کہ اس میں محکمات اور متشابہات کو آیات کے بجائے معانی کی صفت تسلیم کیا گیا ہے جو ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔

۷۔ محکمات آیات احکام ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور متشابہات ان آیات کے علاوہ ہیں، جن میں بعض بعض میں تصرف کرتی رہتی ہیں۔

اس سلسلہ میں دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ تصرف سے مراد کیا ہے۔ اگر تصرف سے مراد تخصیص اور تقیید وغیرہ ہے تو یہ کام آیاتِ احکام میں بھی ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے مراد کوئی دلیل خارجی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آیات احکام کے علاوہ متشابہات کا کوئی مرجع نہیں ہے۔

۸۔ محکمات ان آیات کا نام ہے جن میں انبیاء و مرسلین کے واقعات بالتفصیل بیان کیے گئے ہیں اور متشابہات وہ آیات ہیں جن میں اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس طرح یہ تقسیم صرف قصص الانبیاء کی آیات کی ہو گی کل قرآن سے کوئی تعلق نہ ہو گا جب کہ فتنہ کا تعلق صرف قصص الانبیاء کی آیات سے نہیں ہے۔

۹۔ متشابہات وہ آیات ہیں جو محتاج بیان ہوں، اور محکمات وہ آیات ہیں جن کے بیان کی ضرورت نہ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آیات احکام بھی محکم نہیں ہیں اس لیے کہ بیان کی ضرورت توان میں بھی پائی جاتی ہے۔

۱۰۔ محکمات وہ آیات ہیں جن پر ایمان اور عمل دونوں ضروری ہیں اور متشابہات وہ آیات ہیں جن پر ایمان ضروری ہے عمل ضروری نہیں ہے۔

یہ قول ساتویں قول کا بدلا ہوا انداز ہے اور مفہوم یہی ہے کہ محکمات صرف آیات احکام ہیں اور باقی ساری آیات متشابہات ہیں۔ علاوہ اس کے کہ عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال تو محکم و متشابہ طے ہونے کے بعد ہو گا کہ محکم پر عمل ہو گا اور متشابہ پر عمل نہیں ہو گا۔ عمل کے ذریعہ محکم و متشابہ کا تعین اُلٹی سمت میں سفر کرنے کے مرادف ہے۔

۱۱۔ محکمات صفات الٰہیہ اور صفات نبویہ کے علاوہ دیگر تمام آیات ہیں۔ کلمتہ القاھا الی مریم جیسی آیات متشابہات ہیں محکمات نہیں ہیں۔

یہ قول ابن تیمیہ کی طرف سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک آیات صفات میں علماء اور عوام کے درمیان اختلاف ہے اور علماء یعنی راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی ان کے معنی نہیں جانتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تاویل کا تعلق صرف متشابہات سے ہے جب کہ قرآن مجید میں غیر متشابہات کی تاویل کا بھی تذکرہ موجود ہے بلکہ پورے قرآن کی تاویل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۲۔ محکم وہ کلام ہے جس سے معنی ظاہر کو مراد لیا گیا ہو، اور متشابہ وہ کلام ہے جس سے غیر ظاہر کا ارادہ کیا گیا ہو، اور یہی قول متاخرین کے درمیان مشہور ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ متشابہ کی مراد مشتبہ ہوتی ہے اور تاویل سے مراد غیر ظاہری معنی نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں کسی مقام پر بھی غیر ظاہری معنی کا ارادہ نہیں کیا گیا ہے ورنہ کلام الٰہی معمہ بن کر رہ جائے گا۔ محکمات مفاہیم کے متعین کرنے کا ذریعہ ہیں، اور ذریعہ ظہور کے ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے غیر ظاہر کی تفہیم کے لیے نہیں ہوتا ہے جیسا کہ روایات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن کا بعض، بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی اس کے ظہور کا تعین کرتا ہے نہ یہ کہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سے غیر ظاہری معنی کا ارادہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ محکم اور متشابہ کا تعلق ظہور اور عدم ظہور کلام سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق لوگوں کے عقل وفہم وادراک کے تفاوت سے ہے کہ لوگ عرفی معنی سے مانوس ہونے کی بنا پر تمام آیات سے عرفی معانی ہی مراد لیتے ہیں چاہے ان کا تعلق الٰہیات سے ہو یا ماوراءادیات سے۔ جب کہ یہ طریقہ کار صحیح نہیں ہے۔ ان کا فرض ہے کہ محکمات کی طرف رجوع کریں اور اس رجوع کے ذریعہ معانی کے تشابہ کو ختم کریں۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ لفظ کے معنی تو ظاہر ہیں لیکن اس ظاہری معنی کا حقیقی تصور مشتبہ ہے اور اس کو طے کرنے کے لیے محکمات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور جب محکمات اور متشابہات میں ہم آہنگی نہ ہو تو محکمات کو حاکم بنا دیا جائے گا اور متشابہات کے واقعی معنی مراد لیے جائیں گے۔

اقسام فتنہ

قرآن مجید نے متشابہات کے بارے میں اس نکتہ کی نشان دہی کی ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ فتنہ پردازی کے لیے متشابہات کا اتباع کرتے ہیں اور ان کی من مانی تاویلیں کر کے طرح طرح کے فتنے برپا کرتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان فتنوں کی حسب ذیل قسمیں پائی جاتی ہیں :

۱۔ فتنۂ تجسیم و جبر و تفویض و معصیت انبیاء و تشبیہ وغیرہ جہاں آیات میں وجہ، ید وغیرہ کے الفاظ دیکھ کر ان کو مادی معانی پر منطبق کیا گیا اور تجسیم کا عقیدہ ایجاد ہوا ۔۔ یا کل کائنات میں قدرت خدا کے جاری و ساری ہونے کا تذکرہ دیکھا گیا اور بندوں کو مجبور محض فرض کر کے جبر کا عقیدہ ایجاد کیا گیا ۔۔ یا افعال کی بندوں کی طرف نسبت دیکھ کر اور انھیں تمام اعمال کا ذمہ دار پاکر تفویض کا عقیدہ ایجاد کیا گیا ۔۔ یا انبیاء کرام کے بارے میں ذنب، مغفرت، معصیت جیسے الفاظ کو دیکھ کر ان سے عام بشری معانی مراد لے کر معصیت انبیاء کا عقیدہ ایجاد کیا گیا ۔۔ یا خالق کائنات کے بارے میں بندوں جیسے الفاظ کے استعمال سے تشبیہ کا عقیدہ ایجاد کیا گیا اور بندہ اور خدا کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

۲۔ فتنۂ التقرب ۔ اس فتنہ کا مقصد یہ تھا کہ آیات احکام میں قرب الٰہی کا تذکرہ دیکھ کر یہ نظریہ ایجاد کیا گیا کہ تمام احکام قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، اور اسی قرب کے لیے ان احکام پر عمل کو لازم قرار دیا گیا لہٰذا جب انسان کو قرب الٰہی حاصل ہو جائے گا تو اس سے تمام احکام ساقط ہو جائیں گے۔

۳۔ فتنۂ اصلاح عالم ۔ اس نظریہ کا ماحصل یہ تھا کہ رب العالمین نے احکام اپنی تسکین قلب یا مظاہرہ اقتدار کے لیے وضع نہیں کیے ہیں بلکہ ان کا مقصد عالم کی اصلاح ہے لہٰذا جیسے جیسے عالمی حالات بدلتے جائیں احکام میں بھی تغیر ہونا چاہیے اور شریعت میں تنوع اور تطور پیدا ہونا چاہیے،

یعنی عالم کی اصلاح کرنے کے بجائے خود احکام کی اصلاح کرنا چاہیے۔

۴۔ فتنہ لغویت احکام۔ اس نظریہ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے تمام احکام معاشرہ کی اصلاح کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور جب معاشرہ سو فیصدی متغیر ہو چکا ہے تو یہ سارے احکام معطل اور بیکار ہو جانا چاہیئے اور ان پر عمل کرنے کو غیر ضروری بلکہ مہمل قرار دے دینا چاہیئے۔

۵۔ فتنہ تطہیر قلب۔ اس فتنہ کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کا اجرا انسانی نفس کے تزکیہ اور اس کے قلب کی تطہیر کے لیے ہوا تھا اور اس زمانہ میں تزکیہ اور تطہیر کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ معاشرہ کثافتوں اور نجاستوں میں ڈوبا ہوا تھا تو ضرورت تھی ایسے احکام کی جو اس معاشرہ کو کثافت و نجاست سے نکال کر طہارت اور نظافت کی منزل تک پہونچائیں ـــ لیکن دور حاضر میں یہ صورت حال بالکل تبدیل ہو چکی ہے۔

ظاہری اعتبار سے نظافت اور صفائی کے اتنے اصول رائج ہو گئے ہیں کہ ہر انسان ہر وقت صاف و شفاف اور نظیف و پاکیزہ رہنا چاہتا ہے اور شریعت کی مطلوبہ طہارت سے کہیں زیادہ پاک اور صاف رہتا ہے۔ بنابریں وضو اور غسل کے احکام بالکل بے معنی ہو گئے ہیں اور اب ان کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ ہر صبح و شام نہانے والے کو وضو یا غسل کون سی طہارت اور پاکیزگی عطا کر دے گا اور وہ کس قدر صاف و شفاف ہو جائے گا۔

باطنی اعتبار سے بھی اس قدر اخلاقی اصول رائج ہو گئے ہیں اور حکومتی، عوامی اور بین الاقوامی سطح پر اس قدر آداب و احکام وضع ہو گئے ہیں کہ انسان قہری طور پر پاکیزہ نفس اور صاحب ادب واخلاق ہو گیا ہے۔ ایسے حالات میں احکام الٰہیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور گویا ان کا دور گذر چکا ہے اور دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔

اس طرح اور نہ جانے کتنے فتنے ہیں جو عالم انسانیت میں رائج ہیں اور کج رو اور کج دماغ افراد ان نظریات کی تائید کرنے کے لیے متشابہات کا سہارا لے کر ان اوہام و خرافات کو احکام الٰہیہ پر منطبق کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح فتنہ گری کا بازار گرم کرنا چاہتے ہیں جب کہ اسلام میں اس قسم کی فتنہ گری کا کوئی جواز نہیں ہے اور قرآن مجید نے اسے کج فہمی اور کج دماغی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

متشابہات کی ضرورت

اس سوال کا ایک مختصر جائزہ لیا جا چکا ہے۔ اس وقت قدرے تفصیلی بحث سے کام لیا جا رہا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ علماء اسلام نے متشابہات کی ضرورت پر کس کس رُخ سے نظر کی ہے اور کس طرح اس کی ضرورت کو ثابت کیا ہے یا دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ گذشتہ اوراق میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ متشابہات کا وجود ایک تاریخی ضرورت تھا جو قرآن مجید کے ۲۳ سال میں تدریجی نزول کی بنا پر ہونا ضروری تھا لیکن یہاں یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ متکلم حکیم کے کلام میں جہاں محکمات کا وجود ضروری ہے وہیں متشابہات کا وجود بھی ایک لازمی شے ہے اور اس کے بغیر کلام حکیم کی حکمت کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے۔

علماء اعلام نے جن چند وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ اس مقام پر کیا جا رہا ہے:

۱۔ متشابہات کے ذریعہ انسان میں خضوع و خشوع اور ادائے تسلیم و رضا پیدا ہوتی ہے کہ کلام کا مفہوم انسان پر واضح نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اسے کلام خالق سمجھ کر اس پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا اسی طرح احترام کرتا ہے جس طرح کہ محکمات کا احترام کرتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح ان احکام پر عمل کرتا ہے جن کی کوئی معقول وجہ اس کے ذہن میں نہیں ہوتی ہے اور حکم اس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود حکم خالق سمجھ کر تعمیل کرتا ہے اور اس تعمیل میں اس سے زیادہ تسلیم و رضا کی شان پائی جاتی ہے جو ان احکام میں ہوتی ہے جو اس کی عقل و فہم کے مطابق ہوتے ہیں اور جن کی حکمت بظاہر واضح ہوتی ہے۔

لیکن اس دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ احکام میں کم از کم حکم تو واضح ہوتا ہے تو انسان اس پر عمل کر کے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن متشابہات میں تو کوئی بات ہی واضح نہیں ہوتی

ہے اور جو بات معلوم اور واضح نہ ہو اس کے بارے میں تسلیم و رضا کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں الفاظ قرآن کا احترام کر کے بوسہ دینا اور ہے اور تسلیم و رضا کی منزل پر فائز ہونا اور ہے۔ قرآن مجید نظام زندگی بن کر نازل ہوا ہے اور اس کا مقصد فکر و نظر اور عمل و کردار کی اصلاح ہے وہ احترام کرنے اور بوسہ دینے کے لیے نازل نہیں ہوا ہے۔ اگرچہ اس کا احترام ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

۲۔ متشابہات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح انسان میں تفکر کا جذبہ پیدا ہو، اور تفکر و تدبر انسانی فکر و نظر کا عظیم ترین کمال ہے۔

لیکن اس کا واضح سا جواب یہ ہے کہ تفکر و تدبر کے لیے آیات تفکر و تدبر ہی کافی ہیں، متشابہات کی ضرورت نہیں ہے ورنہ ان متشابہات میں تفکر و تدبر سے تو گمراہی کا بھی اندیشہ رہتا ہے جیسا کہ عالم اسلام کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے اور خود قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے کہ کج دماغ افراد فتنہ پھیلانے کے لیے متشابہات کا سہارا لیتے ہیں اور انھیں کے ذریعہ فتنہ گری کا کام انجام دیتے ہیں۔

۳۔ انبیاء کرام کے پیغامات پورے عالم انسانیت کے لیے ہوتے ہیں اور عالم انسانیت کے مختلف درجات ہیں، لہٰذا ایسے کلمات کا ہونا ضروری تھا جن سے خواص استفادہ کریں اور عوام ان کے علم کو پروردگار کے حوالے کر دیں اور اس طرح ان میں تحصیل علم کا بھی جذبہ پیدا ہو۔

اس مسلک کی کمزوری یہ ہے کہ متشابہات خود بھی محکمات کے ذریعہ واضح ہو جاتے ہیں تو تفویض کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ کے دو طرح کے معانی نہیں ہیں کہ ایک معنی خواص کے لیے ہو اور ایک عوام کے لیے ــ بلکہ اس کے ایک ہی معنی ہیں اور اس معنی کے درجات ہیں کہ جو جس درجہ فکر کا حامل ہوتا ہے اس اعتبار سے اس معنی سے استفادہ کرتا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ پورے قرآن کی ایک تاویل ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا ہے اور حقائق قرآن اس تاویل کا نام ہے جس کا ادراک مطہرون کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ہے اگرچہ قرآن مجید کے مکلف تمام افراد ہیں لیکن جس طرح مطہرون اپنی تکلیف پر عمل کر سکتے ہیں

س طرح دوسرے افراد نہیں کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ "اتقوا اللہ حق تقاتہ" (خدا سے اس طرح ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے) — یہ ایک حکم عام ہے جو تمام صاحبانِ ایمان اور عالم بشریت کے لیے ہے لیکن مقام عمل میں خواص کا تقویٰ اور ہے اور عوام کا تقویٰ اور — خواص و عوام میں مفہوم آیت کا فرق نہیں ہے۔ مصداق اور حقیقت کا فرق ہے کہ ایک انسان اس غیبی حقیقت کا مکمل ادراک کر لیتا ہے اور دوسرا انسان اس ادراک سے عاجز اور محروم رہتا ہے۔

اور اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ نفس کی طہارت علم سے حاصل ہوتی ہے اور علم بلا عمل بیکار ہوتا ہے لہٰذا جب تک علم و عمل میں کمال نہ پیدا ہو جائے انسان مطہرون کی منزل میں نہیں آسکتا ہے اور جب تک اس منزل میں نہ آجائے حقائق تاویل کا ادراک ممکن نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اسی ذہنی تربیت کے لیے اپنے احکام کو بالتدریج بیان کیا — پہلے اصول عقائد سمجھائے، اس کے بعد انفرادی عبادات کی دعوت دی اور آخر میں اجتماعی احکام پیش کیے اور سب کو ایک دوسرے سے مربوط بنا دیا کہ اجتماعیات کا فساد اصول و معارف کو بھی ناسد کر دیتا ہے اور اسلام کے سارے فتنے اجتماعیات سے شروع ہوئے ہیں اور ان کا سلسلہ اصول و معارف تک پہونچ گیا ہے۔

تیسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ قرآنی ہدایت تمام عالم بشریت کے لیے ہے۔ لیکن تمام عالم بشریت اپنے علم و ادراک میں متفاوت ہے۔ بعض لوگ محسوسات کی حدوں میں محصور ہیں اور بعض معقولات کی منزلوں تک پہونچ گئے ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ محسوسات کے قیدیوں کو بات محسوسات کے ذریعہ سمجھائی جائے گی اور اہل معقولات کو معقولات کے ذریعہ — پھر محسوسات سے معقولات تک پہونچانے کا ذریعہ محکمات کو قرار دیا جاتا ہے جس طرح کہ بچہ کو ابتدا میں شادی کا تصور حلوہ کے ذریعہ دیا جاتا ہے کہ یہ ایک شیرینی اور حلاوت ہے اور اس کے بعد ذمہ داریوں کا احساس دلایا جاتا ہے تو ایسی صورت میں محسوسات کا ذکر بھی ضروری ہوتا ہے اور معقولات کا — ایک ابتدا میں کام آتا ہے اور ایک انتہائی مرحلہ میں — اب اگر کوئی انسان ناقص ہے یا ناقص رہنا چاہتا ہے تو محسوسات ہی کی منزل پر رک جاتا ہے اور معقولات تک نہیں جاتا ہے اور نہ کسی کو

جانے دیتا ہے اور یہی فتنہ انگیزی ہے جو متشابہات کے بارے میں استعمال کی جاتی ہے۔

واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ سطحی ذہن کو طاقت سمجھانے کے لیے ہاتھ، بصارت سمجھانے کے لیے آنکھ، سماعت سمجھانے کے لیے کان، اقتدار سمجھانے کے لیے عرش و کرسی، سخاوت سمجھانے کے لیے بسط ید ضروری تھا اس کے بغیر حقیقت تک رسائی کا امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن ان الفاظ کے معانی کی حقیقت ظاہری محسوسات سے ماوراء ہے جہاں تک صاحبان عقل و فہم انھیں محسوس معانی کے ذریعہ پہونچ جاتے ہیں اور جب محکمات کے سہارے معانی کی مادیت کو الگ کر دیتے ہیں تو ایک غیبی حقیقت سامنے آجاتی ہے لیکن اس کے ادراک کے لیے محکمات کا سہارا ضروری ہے۔ اب اگر کوئی شخص محسوسات ہی تک محدود رہنا چاہتا ہے یا دوسروں کو دھوکہ دے کر یہیں تک محدود رکھنا چاہتا ہے تو وہ محکمات کو نظر انداز کر کے خدا کو جسم و جسمانیات والا بنا دیتا ہے اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ لیکن حقائق کے تلاش کرنے والے ان حجابات کو ہٹا کر غیبیات کا ادراک کر لیتے ہیں اور ان عظیم تر معانی کا تصور کر لیتے ہیں جن سے عام انسان محروم رہتے ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے یہ عرض کیا جائے کہ قرآن مجید کے جملہ بیانات کے لیے عالم حقائق اور عالم غیب ہے جس کو سمجھانے کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے گئے ہیں اور عوام الناس کے لیے بہترین ذریعہ مثال ہے کہ ان کا ذہن سمجھنے سے قریب تر ہوتا ہے اور بچے بات کو مثال ہی سے سمجھتے ہیں اب عوام الناس کے بھی درجات ہیں لہذا ایک ایک حقیقت کو مختلف مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے تاکہ ذہن اس حقیقت کا ادراک کر لے۔ اس کے بعد کبھی انسان حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے اور کبھی مثالوں ہی میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور اسی کو حقیقت سمجھ لیتا ہے جو تمام تجسیم و تفویض و جبر وغیرہ جیسے عقائد کے ماننے والے افراد کا حشر ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے کو محسوسات اور مثالوں میں محدود کر دیا اور حقائق سے غافل ہو کر مثالوں ہی کو حقائق کا درجہ دے دیا جس کے نتیجہ میں یہ بات بآسانی کہی جا سکتی ہے کہ ایک ہی آیت محسوسات کے قیدیوں کے لیے متشابہات میں ہے اور معقولات کا ادراک رکھنے والوں کے لئے محکمات میں ہے کسی آیت کو مطلق طور پر متشابہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ہاں مطلق طور پر محکمات کا وجود بہر حال پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محکمات کے ذریعہ فتنہ گری کا کام نہیں لیا جاتا ہے اور متشابہات کو اس کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ رہ گئی تاویل تو تاویل اس حقیقت کا نام ہے جسے مثل قرار دیا گیا ہے اور جس کو مختلف مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔ اس کا الفاظ کے معانی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا ادراک صرف صاحبان عقل و فہم اور راسخون فی العلم یا مطہرون ہی کر سکتے ہیں۔

مطالعۂ قرآن

(باعتبارِ موضوعات)

قرآن اور حیات وکائنات

قرآن مجید کے بارے میں متعلقہ مقدمات سے فرصت پانے کے بعد اصل قرآن کے مطالعہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلا مسئلہ حیات وکائنات کے بارے میں قرآن مجید کا نظریہ ہے۔ اس کے بعد طرز حیات کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ پھر ایک ایک سورہ کی مجموعی تعلیم پر نظر ڈالی جائے گی اور یہ دیکھا جائے گا کہ قرآن مجید نے تربیت بشر کا انتظام کس انداز سے کیا ہے اور انسان کو فکر وعمل کی کن بلندیوں تک پہونچانے کا پروگرام مرتب کیا ہے۔

آغاز وحی:

مشہور ومعروف بات ہے کہ سرکار دوعالمؐ پر وحی کے نزول کا سلسلہ سورۂ اقرأ سے شروع ہوا ہے اور سب سے پہلے اس سورۂ مبارکہ کی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن میں سب سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد پڑھنے کے نہج اور اسلوب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خالق کی عظمت کو سمجھایا گیا اور آخر میں انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر کے رب العالمین کے احسانات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

"پیغمبر آپ پڑھیے اس خدا کا نام لے کر جس نے پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھیے کہ آپ کا پروردگار بزرگ و برتر ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا۔"

غور کیا جائے تو ان چند آیات میں حیات و کائنات کے سارے مسائل کو حل کر دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں اسلامی نظریہ کی مکمل وضاحت کر دی گئی ہے۔

— اسلام پڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔ جہالت کو پسند نہیں کرتا ہے۔

— اسلام ہر کام کی ابتدا نام خدا سے کرنا چاہتا ہے تاکہ انسان کو عظیم سہارا بھی حاصل رہے اور وہ احسان فراموش بھی نہ ہونے پائے۔

— انسان کی اصل نہایت ہی بے جان اور غلیظ ہے۔ اس کی تخلیق کا کل حسن کسی کریم کی عطا کا صدقہ ہے۔

— انسان منزل علم و قرأت میں مایوس نہ ہو، وہ جاہل ضرور پیدا ہوا ہے لیکن اس کا تعلیم دینے والا کل کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے۔

— انسانی زندگی کا مسئلہ صرف قراءت نہیں ہے بلکہ کتابت بھی ہے کہ معلومات کو محفوظ کرنے کا بہترین ذریعہ قلم ہے۔ لہٰذا انسان کو زبان اور قلم دونوں کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہیئے اور دونوں کی عزت و ناموس کا تحفظ کرنا چاہیئے۔

— انسان بنیادی طور پر جاہل ضرور ہے لیکن بتانے والے نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے اور مکمل تعلیم کا انتظام کر دیا ہے۔

آیات کریمہ کا مخاطب سرکار دو عالم کو قرار دیا گیا ہے اور ان کی حیثیت و عظمت کے اعتبار سے آیات کا مفہوم بلند تر اور دقیق تر ہوتا جائے گا لیکن ظاہری اعتبار سے پورے اسلام کا خلاصہ انھیں چند آیات میں درج کر دیا گیا ہے۔

آیات کے وحی اول ہونے کی بنا پر ان کا تعلق صرف عقائد سے ہونا چاہیئے تھا کہ وہ انسانی زندگی کا پہلا مسئلہ ہے۔ لیکن یہ بلاغت قرآنی کا کمال ہے کہ ضمناً قراءت و کتابت جیسے مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عقیدہ کے ساتھ اس کا اظہار اور اظہار کے ساتھ اس کا تحفظ بھی انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے۔

عقیدہ اسلام کی نگاہ میں سب سے اہم مسئلہ ہے۔ اس نے آغاز دین معرفت پروردگار کو قرار دیا ہے اور انسان کو متوجہ کیا ہے کہ دنیا کے انفرادی یا اجتماعی مسائل کا حل اس وقت

ممکن نہیں ہے جب تک اس کے ذہن میں عقیدہ پروردگار نہ ہو کہ یہی عقیدہ انسان کو اس کی واقعی حیثیت سے آگاہ کرتا ہے، رب کریم کے کرم کو سمجھاتا ہے، ذہن و فکر و نظر کو مخلوقات سے بلند کر کے خالق تک پہنچا دیتا ہے، بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے اور آخر میں قوانین پر عمل درآمد کے لیے بہترین ضمانت فراہم کرتا ہے۔

دنیا کا حسین سے حسین ترین قانون بھی بیکار ہے اگر اس میں عمل کی ضمانت نہ ہو اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین قانون بھی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا ہے جب تک کسی عقیدہ کا سہارا نہ ہو۔

طاقت اور اسلحہ باہر سے قانون کو مسلط کرتا ہے اور عقیدہ اندر سے عمل کی دعوت دیتا ہے، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب تک داخلی تحریک نہ پیدا ہو جائے خارجی دباؤ کسی مسئلہ کا حل نہیں بن سکتا ہے۔

مسئلہ توحید:

اسلام کا آغاز معرفت پروردگار سے ہوتا ہے اور معرفت کے سلسلہ میں سب سے بنیادی مسئلہ توحید پروردگار کا ہے، اسی لیے اسلام نے بار بار اس توحید پر زور دیا ہے اور ایک مکمل سورہ اس کی وضاحت کے لیے نازل کیا گیا ہے جس میں خود پیغمبر اسلامؐ کو مخاطب بنایا گیا ہے اور توحید کے مفہوم کی مکمل وضاحت کی گئی ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی تلاوت کا مطالبہ بطور فضیلت ہر نماز میں کیا گیا ہے اور اس کی تلاوت کو اجر و ثواب کے اعتبار سے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے ـــــ اور اسی حکم پروردگار کا اثر تھا کہ سرکار دو عالمؐ نے اپنی تبلیغ کا آغاز اسی اعلان توحید سے کیا اور مکہ کی گلیوں میں بار بار اعلان کرتے رہے کہ لا الہ الا اللہ کہو اسی میں فلاح و کامرانی ہے جو اس بات کا کھلا ہوا اظہار تھا کہ توحید ایک کلمہ نہیں ہے، توحید ایک عقیدہ اور نظریہ نہیں ہے بلکہ توحید انسانی زندگی کے جملہ مسائل کا تنہا حل ہے اور توحید سے عالم انسانیت کے جملہ مشاکل کا علاج کیا جا سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ انسانیت منزل فلاح و کامرانی پر فائز ہو سکتی ہے۔

سورۂ توحید کے ذریعہ تین اہم نکات کی وضاحت کی گئی ہے :

۱۔ خدا واحد و یکتا ہے۔ اس میں شرکت اور تحلیل و تجزیہ و ترکیب کا کوئی امکان نہیں ہے۔ وہ نہ خارجی اجزا کی طرف تقسیم ہوتا ہے اور نہ داخلی اجزا سے مرکب ہوتا ہے۔ اس کی ذات، اس کی صفت، اس کے کمالات اور اس کے اعمال و افعال سب یگانہ و بے مثل ہیں۔ اس کا مثل و نظیر تلاش کرنا خالق کو مخلوقات کی صف میں لاکر کھڑا کردینے کے مترادف ہے۔

۲۔ خدا مستغنی اور بے نیاز ہے۔ وہ کسی بنانے والے، ماننے والے یا سہارا دینے والے کا محتاج نہیں ہے ورنہ اس سے بہتر خدا وہ ہوگا جو اس کا سہارا دینے والا ہوگا۔ اس طرح جمادات سے لے کر عالم انسانیت کے صاحبان اقتدار و اختیار تک سب کی خدائی کی تردید کردی گئی کہ یہ سب محتاج ہیں اور محتاج خدائی کا اہل نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ خدا تمام رشتوں اور قرابتوں سے الگ ہے۔ اس کے قانون پر کسی رشتہ اور قرابت کا اثر نہیں ہو سکتا ہے اور اس نے جو قانون بھی بنایا ہے وہ تمام روابط اور تعلقات سے بالاتر ہے۔ اس کے احکام پر نہ باپ کی بزرگی غالب آسکتی ہے اور نہ بیٹے کی محبت اور وہ نہ زوجہ کی فرمائشوں سے متاثر ہو سکتا ہے اور نہ سماج کے روابط و تعلقات سے۔ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ اور ساری کائنات کے وجود سے بالاتر ہے۔

سورۂ توحید میں وحدانیت کے اس عظیم تر تصور کو واضح کرنے کے بعد دوسرے مقامات پر دو چار خداؤں کے عقیدہ کے مفاسد کی طرف بھی اشارہ کیا گیا: "لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا" (انبیاء) اگر زمین و آسمان میں خدا کے علاوہ دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں تباہ و برباد ہو جاتے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ نظام کائنات کی بقا توحید ہی کا نتیجہ ہے ورنہ خداؤں میں اختلاف ہوتا اور کائنات تباہ و برباد ہو جاتی۔

دوسری طرف اس امر کی بھی وضاحت کی گئی کہ "ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ اذا لذھب کل الٰہ بما خلق ولعلیٰ بعضھم علیٰ بعض" (مومنون) خدا نے نہ کسی کو اپنا فرزند بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے، ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور سب ایک دوسرے پر اپنی برتری کی فکر میں لگ۔

جاتے تھے۔ جو مختلف حکام کی حکومت کا قہری نتیجہ ہوتا ہے اور یہ اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نظامِ کائنات کو برقرار رکھنا ہے تو ایک ہی خدا کے نمائندوں کو حکومت کرنے کا حق ملنا چاہیے ورنہ جس طرح دو خداؤں کا وجود زمین و آسمان کے وجود کو درہم و برہم کر سکتا ہے اسی طرح دو قسم کے نظاموں کی حکومت عالمِ انسانیت کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ سرکارِ دو عالمؐ نے کلمۂ توحید کو فلاح کا وسیلہ بتایا تھا تو اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ ایک خدا کی حکومت تسلیم کی جائے تاکہ ہر خطۂ ارضی پر اسی کے نمائندوں کا اقتدار قائم ہو اور کائنات جس طرح تکوین کی منزل میں وحدتِ نظام کی حامل ہے اسی طرح تشریعی اعتبار سے بھی ایک قانون کے زیرِ اثر رہے تاکہ افتراق اور انتشار نہ پیدا ہونے پائے اور حکام کی باہمی کشمکش اور برتری کے جذبہ سے نظامِ کائنات درہم و برہم نہ ہو جائے۔

تخلیق کائنات:

قرآن مجید کے عقیدہ توحید نے یہ واضح کر دیا ہے کہ کائنات کی تخلیق اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک صانع حکیم نے اپنے قصد و ارادہ سے تخلیق فرمایا ہے اور ہر وہ عمل جس کی بنیاد قصد و ارادہ پر ہوتی ہے اس کا مقصد ضرور ہوتا ہے لہٰذا قرآن حکیم نے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا کہ "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" "اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے" اور جب کل کائنات کی تخلیق انسان کے لیے ہوئی ہے تو یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ انسان کی تخلیق کس مقصد کے لیے ہوئی ہے۔ اس نکتہ کو واضح کرنے کے لیے اعلان کیا گیا" وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (اسراء) ہم نے انسان اور جنّات کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ انسان کا کمال بھی حسن عمل سے وابستہ ہے اور اسے موت وحیات کی منزلوں سے اس لیے گذارا جاتا ہے کہ اس کے حسن عمل کا امتحان کیا جا سکے،

"خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً"

(سورۂ ملک)

تخلیق بشر:

عام تخلیق کے علاوہ تخلیق بشر کی وضاحت کرتے ہوئے عبادت کا حوالہ دے کر اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ انسان کی خلقت کا اختلاف مقصد کے اختلاف کی علامت نہیں ہے اور نہ تخلیقی امتیازات و خصوصیات سے بشری کمالات کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

"یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (حجرات) انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر مختلف قبائل اور حصّوں میں اس لیے تقسیم کر دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔"

پھر مزید وضاحت کے لیے ارشاد ہوا، "یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیرا ونساء" (نساء) انسانو! اس خدا سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا ہے، پھر انھیں دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا ہے۔"

تخلیق بشر کے فلسفہ میں اصل کے اتحاد کا اعلان اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ انسان فطرتاً متحد اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، ان کا باہمی اختلاف و افتراق ان کی اپنی کارستانیوں کا نتیجہ ہے ورنہ سب اصل واحد آدم و حوّا کے مسلک پر گامزن ہوتے تو کسی طرح کا اختلاف نہ ہوتا اور سب متقی اور پرہیزگار ہوتے اور تقویٰ ہی اتحاد و اتفاق کی بہترین بنیاد ہوتا۔

وحدتِ دین:

تخلیقی اتحاد کی طرف اشارہ کرنے کے بعد قرآن مجید نے اس نکتہ کی بھی وضاحت

کردی کہ انسانی شیرازہ کے انتشار کا راز دین و مذہب میں نہیں ہے۔ دین تو خود ہی اتحاد واتفاق کی دعوت دیتا ہے اور انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ تیری اصل بھی واحد ہے، تیرا خدا بھی واحد ہے اور تیرا بنیادی دین بھی واحد ہے لہٰذا تیری زندگی میں اختلاف و انتشار کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" (شوریٰ) خدا نے تمھارے لیے وہ قوانین معین کیے ہیں جن کی نصیحت نوح کو کی ہے اور جن کی وحی پیغمبر آپ کی طرف ہوئی ہے اور جن کی نصیحت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی ہے کہ دین کو قائم کرو اور خبردار اس میں تفرقہ نہ ہونے پائے"۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے، "قولوا آمنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" "تم لوگ یہ کہو ہم خدا پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اسباط کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہے اور ہم انبیاء کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں اور سب خدا کے اطاعت گذار بندے ہیں"۔

اس اقرار سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہونے کے بعد بھی متحد ہیں اور ان کے تعلیمات مختلف شریعتوں کی شکل میں تبدیل ہونے کے باوجود ایک ہی مقصد کی حکایت کرتے ہیں اور ایک ہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے مختلف دریا ہیں جو ابتدا میں بھی ایک ہی مرکز سے نکلتے ہیں اور انتہا میں بھی ایک ہی مقصد پر جاکر متحد ہو جاتے ہیں۔

اس قسم کا اقرار ایک قسم کا بین الاقوامی اتحاد ہے جہاں سارے انبیاء کے ماننے والے اور ساری شریعتوں کے پیرو ایک ہو جاتے ہیں اور دین خدا ایک آفاقی نظام کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔

رفع اختلاف:

پھر اختلافات کو دور کرنے کے لیے مزید دو قسم کی ہدایتیں دی گئیں — ایک۔

ہدایت کا مضمون ہے "لا اکراہ فی الدین"۔ "دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے۔" دیندار وں کا کام یہ ہے کہ حق و باطل، ہدایت و گمراہی کو واضح کر کے الگ الگ کردیں۔ اس کے بعد ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ ہدایت اختیار کرے گا یا گمراہی کے راستے پر چلا جائے گا۔

دوسری ہدایت کا مضمون ہے، "قل للذین اوتوا الکتاب والامیین أأسلمتم فان أسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ" (آل عمران)۔ "آپ صاحبانِ کتاب اور اُمّیین سے دریافت کریں کہ تم اسلام لائے یا نہیں۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت یافتہ ہیں اور اگر منھ پھیر لیں تو آپ کی ذمہ داری صرف پیغام کا پہونچا دینا ہے۔ اس کے بعد قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا اپنا عمل ہے، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔"

عبد و معبود:

انسان کو عبادت کے لیے پیدا کرنے کے بعد اسلام نے یہ بھی واضح کردیا کہ عبادت عبد و معبود کا اپنا معاملہ ہے، اس میں کسی انسان کی مداخلت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ بندہ براہ راست خدا کا بندہ ہے، کسی کے ذریعہ بندہ نہیں بنا ہے اور نہ کوئی اس کی تخلیق کا شریک ہے۔

اسلام اور غیر اسلام کا ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اسلام میں وسیلہ اور واسطہ صرف جاہل اور ناواقف انسانوں کو خالق سے ملانے کا ذریعہ ہے اور اس کا کام طریقۂ عبادت و بندگی اور اصول معرفت و تیقن کی تعلیم ہے ورنہ بندہ خود خدا کا بندہ ہے اور کسی اور کا بندہ نہیں ہے لیکن نصرانیت اور یہودیت کے پرستاروں نے یہ تعلیم دی ہے کہ عبد و معبود کے درمیان مذہب کے ٹھیکیداروں کا واسطہ ہے اور بندگی پر بھی انھیں کی اجارہ داری ہے۔ وہ خدا کی واقعی مخلوق ہیں، باقی سب ان کی مخلوق یا ان کا طفیل ہیں۔ قرآن مجید نے اسی نظریہ کو رد کرنے کے لیے اعلان کیا تھا:

"واذا سئلك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون۔" (بقرہ)

"پیغمبر! یہ لوگ آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں، اور ہر پکارنے والے کی آواز کو سن لیتا ہوں۔ لہٰذا یہ میری بات قبول کریں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ شائد اسی طرح راہ راست پر آجائیں۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا، "ادعونی استجب لکم" (دخان) "بندو! مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لیے قبول کروں گا۔"

تیسرے مقام پر مزید وضاحت کی گئی "مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم این ما کانوا" (مجادلہ) ـــــ "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ق)

"جہاں بھی تین آدمی راز کی باتیں کرتے ہیں خدا ان کا چوتھا ہوتا ہے اور پانچ ہوتے ہیں تو ان کا چھٹا ہوتا ہے اور کم یا زیادہ ہوتے ہیں تو جہاں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ رہتا ہے ـــــ ہم انسان سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔"

یہ آیات کریمہ یہودیت اور عیسائیت کے اس نظریہ کی تردید ہیں جہاں مذہب کے ٹھیکہ داروں کو عبد و معبود کے علاوہ تیسری قسم بنا دیا گیا تھا اور بندہ کا خدا سے ملنا ان کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس کا اسلام کے تصور وسیلہ سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اسلام کا وسیلہ خود بھی بندہ ہوتا ہے اور اسی طرح معبود کی بارگاہ میں عاجز و محتاج ہوتا ہے جس طرح دوسرے بندے ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اسے مالک کی طرف سے اتنا کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے اور ضرورت پڑ جانے پر مالک کی بارگاہ میں سفارش بھی کر سکتا ہے لیکن یہ سب خود اس کی بندگی کا کرشمہ ہے اس کا تیسری قسم کی مخلوق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اسلامی جہاد:

ہر قانون ساز کو اپنے قانون کی ایجاد سے زیادہ فکر اس کی بقا اور حفاظت کی

۔۔۔ ہے اور وہ قانون ساز واقعاً قانون ساز کہے جانے کے قابل نہیں ہے جس کو اپنے قانون کی بقا اور حفاظت کی فکر نہ ہو اور وہ صرف قانون بنا کر اپنی حاکمیت کا اظہار کرلے یا اپنے جذبہ برتری کی تسکین کا سامان فراہم کرلے۔

مالک کائنات نے اسلام کا قانون پیش کرنے کے بعد اس کے تحفظ کے دوہرے انتظامات کیے۔ داخلی طور پر اسے معصوم افراد کی نگرانی میں دیا تاکہ کسی طرح کی تحریف و ترمیم اور کتر بیونت نہ ہونے پائے اور خارجی اعتبار سے اس کے تحفظ کے لئے جہاد کا قانون وضع کر دیا تاکہ ماننے والے ہر وقت دشمن کے مقابلہ کے لیے تیار رہیں اور اسے ہر طرح کے حملے سے بچا سکیں۔

اسلام میں جہاد کا مقصد نہ طاقت کا مظاہرہ ہے اور نہ آدم کشی کا اشتیاق۔ اس نے اپنے فلسفۂ جہاد کے بارے میں صاف صاف اعلان کر دیا ہے "وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنة ویکون الدین کله لله" (انفال) "ان سے اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے اور سارا دین اللہ کے لیے نہ ہوجائے" اور اسی بنیاد پر اس نے جہاد کفار سے بھی رکھا ہے اور فتنہ گر مسلمانوں سے بھی۔ اور سب کا مقصد ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا دفعیہ ہے مال غنیمت کا جمع کرنا نہیں ہے اور اسی لیے اس نے مزید وضاحت کر دی ہے کہ "وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓ الیٰ امر الله فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان الله یحب المقسطین" (حجرات) "اگر مومنین کے دو گروہ بھی آپس میں جنگ کریں تو تم ان کے درمیان اصلاح کراؤ، اس کے بعد اگر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ حکم خدا کی طرف پلٹ آئے۔ پھر جب پلٹ آئے تو ان کے درمیان عادلانہ طور پر اصلاح کرو اور انصاف کا خیال رکھو اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ جہاد کا مقصد حکم خدا کی بالاتری اور

قانون عدالت کی حاکمیت ہے اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جائے اسلام میں جہاد کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں ہے چاہے وہ جہاد مسلمانوں سے ہو جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے، یا کفار سے ہو جس کے بارے میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین" (بقرہ) "جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں ان سے راہ خدا میں جہاد کرو، لیکن خبردار زیادتی سے کام نہ لینا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

آیت اول میں انصاف پسندوں کی پسندیدگی اور آیت دوم میں ظالمین کی عدم محبوبیت کا اعلان اس امر کی مکمل وضاحت ہے کہ اسلام قتل عام یا غارت گری کا حامی نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف عدل و انصاف کا قیام ہے اور وہ ہر ظلم و تعدّی کا مخالف ہے چاہے اس کا استعمال مسلمان کی طرف سے ہو یا کافر کی طرف سے۔ مسلمان کے مقابلہ میں ہو یا کافر کے مقابلہ میں۔

اس کے بعد حوصلہ جہاد کو بلند کرنے کے لیے اور فتنہ و فساد کے خاتمہ میں حصّہ لے کر عدل و انصاف کے قیام کے لیے جد و جہد کی فضیلت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون" (بقرہ) "دیکھو جو ہماری راہ میں قتل ہو جاتے ہیں انھیں مردہ نہ کہنا کہ یہ زندہ ہیں اگرچہ تمھیں ان کی حیات کا شعور نہیں ہے۔"

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون۔" (آل عمران)

"خبردار! جو ہماری راہ میں قتل ہو گئے ہیں انھیں مردہ خیال بھی نہ کرنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں رزق پا رہے ہیں۔"

"ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔" (توبہ)

"اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے جان و مال کو جنّت کے عوض خرید

یا ہے کہ وہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور دشمن کو قتل کرتے ہیں اور پھر قتل ہو جاتے ہیں۔"

"اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔" (انفال)

"اور دیکھو دشمنوں کے لیے ہر امکانی تیاری رکھو، قوت فراہم کرو، گھوڑے باندھ کر رکھو تاکہ اس کے ذریعہ خدا اور اپنے دشمن کے دل میں خوف پیدا کر سکو۔"

"وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ۔" (انفال)

"اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو جائے تو تم بھی آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔"

ان قوانین سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد جہاد صلح و صفائی، رفع فتنہ، اقامہ عدل و انصاف اور حکم خدا کی بالاتری ہے۔ یہ جذبہ برقرار رہے تو ہر اقدام برداشت کیا جا سکتا ہے ورنہ جہاد کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس میں کسی طرح کی مصالحت نہیں ہو سکتی ہے۔

اسلام میں جہاد کا مقصد طاقت کا مظاہرہ یا مال غنیمت کا استحصال ہوتا تو دشمن کے صلح کی طرف مائل ہونے پر صلح کی دعوت نہ دی جاتی اس لیے کہ عام طور پر دشمن خدا اسی وقت صلح کے لیے تیار ہوتا ہے جب اسے اپنی کمزوری کا احساس ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں تو یہ اعلان ہونا چاہیئے تھا کہ دشمن کمزوری کا احساس کر کے صلح کی دعوت دے تو ہرگز صلح کے لیے تیار نہ ہونا بلکہ حملہ کر کے اس کا استیصال کر دینا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور جہاد کو روک دیا گیا جو اس امر کی علامت ہے کہ اسلام قتل و غارت گری کا حامی نہیں وہ معاشرہ میں صلح و صفائی اور عدل و انصاف کا قیام چاہتا ہے، چاہے یہ مقصد جنگ کے ذریعہ حاصل ہو یا صلح کے ذریعہ۔!

اسلام نے جہاد کا آغاز بھی اس وقت روا رکھا ہے جب ظلم و ستم کا ظہور ہو جائے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا أن یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ (حج)

"جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انھیں ان کی مظلومیت کی بنا پر جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے اور اللہ ان کی مدد کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جنھیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے صرف اس بنا پر کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور اگر خدا لوگوں کے ذریعہ لوگوں کی روک تھام نہ کرتا تو تمام مذاہب کے عبادت خانے تباہ و برباد کر دیے جاتے ان مسجدوں سمیت جن میں ذکر خدا ہوتا ہے اور اللہ اپنے مددگاروں کی یقیناً مدد کرے گا کہ وہ صاحب قوت بھی ہے اور غالب آنے والا بھی ہے۔

آیت کریمہ سے جہاد کا فلسفہ بالکل صاف واضح ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عبادت خانوں کا قیام صرف جہاد کا صدقہ ہے ورنہ جہاد نہ ہوتا تو عبادت اور عبادت خانوں کا وجود نہ ہوتا اور دشمنان خدا نے ہر قوم کے عبادت خانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہوتا۔ اس کے بعد اسلامی جہاد کے بارے میں قتل و غارت گری کا تصور یا الزام ایک کھلی ہوئی بددیانتی اور افترا پردازی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔!

قرآن مجید اور مالی اصلاحات

اقتصادی دنیا میں مالیات کی تنظیم کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔ ایک مرحلہ پیداوار کا ہوتا ہے اور دوسرا ثروت کی تقسیم کا اور عام طور سے اقتصادی نظام تقسیم کے بارے میں بحث کرتا ہے اور پیداوار کے مرحلہ کو علم الاقتصاد کے حوالے کر دیتا ہے۔ لیکن اسلام نے دونوں مراحل پر اظہار نظر کیا ہے اور ایک مکمل مالی نظام پیش کیا ہے۔ اس مقام پر ان تمام تفصیلات کے پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ صرف مالیات کے بارے میں قرآن مجید کے چند نظریات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

تحفظ مال:

قرآن مجید نے مال کے تحفظ کے تین راستے مقرر کیے ہیں، غیر مالک مال کو ہاتھ نہ لگانے پائے، صاحب مال اپنے مال کو ضائع اور برباد نہ کرنے پائے اور مال کو اس قدر محفوظ بھی نہ کیا جائے کہ وہ عوامی زندگی سے زیادہ قیمتی ہو جائے اور سماج کی تباہی اور بربادی کا سبب بن جائے کہ اس طرح مال جان کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے اور اسے مالی تحفظ کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے ــــ کسی شے کے تحفظ کے معنی اس کی حیثیت اور نوعیت کا تحفظ ہے اور مال کی واقعی حیثیت اور معنویت یہ ہے کہ وہ سماج کے حق میں خیر و برکت بنے اور جانوں کی حفاظت کا انتظام کرے نہ یہ کہ خود وہ جائے اور سارے سماج کو تباہی کے گھاٹ اُتار دے۔

قرآن مجید میں تینوں راستوں کے الگ الگ عنوان ہیں جن کے تحت ان کے احکام کا ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ بلا اجازت تصرّف

"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل "۔ خبردار اپنے اموال کو آپس میں باطل ذریعے سے کھاؤ"

۔ "السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم"۔ (مائدہ)

"چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو کہ یہ ان کے اعمال کی سزا اور اللہ کی طرف سے عذاب ہے اور اللہ صاحب عزت بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے"۔

۔ "یا ایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم" (نور ۲۷)

"ایمان والو خبردار اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہونا"۔

۔ "لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقیٰ واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"۔ (بقرہ ۱۸۹)

"نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی اس کا حصہ ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں دروازوں کی طرف سے داخل ہو۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار کرو شاید اس طرح فلاح اور کامیابی حاصل کر لو"۔

۔ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"۔ (بقرہ)

"ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم صاحب ایمان ہو اور اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

۔ "الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس"۔ (بقرہ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اسی طرح قیام کرتے ہیں جس طرح وہ انسان قیام کرتا ہے جسے شیطان مس کر کے خبط الحواس بنا دے"۔

۔ "وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ"۔

"اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے مہلت دی جائے یہاں تک کہ امکانات

... ہیں اور قرض کو ادا کرے۔"

— "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوہم او وزنوہم یخسرون"۔ (مطففین)

"ویل (تباہی) ہے ان ناپ تول میں بے ایمانی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے اپنا مال ناپ تول کر لیتے ہیں تو پورا پورا لے لیتے ہیں اور انھیں ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔"

— "ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین"۔ (ہود ۸۵)

"لوگوں کو چیزیں دینے میں کمی نہ کرو اور خبردار روئے زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔"

— "واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان"۔ (رحمٰن)

"وزن کو انصاف کے ساتھ پورا پورا کرو اور خبردار ترازو میں گھاٹا نہ دو۔"

ان آیات کریمہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دوسرے کے مال کو چوری سے ہاتھ لگانے میں ہاتھوں کے باقی رکھنے کا بھی قائل نہیں ہے بلکہ اس کا نظریہ ہے کہ ایسے ہاتھوں کو قطع ہو جانا چاہیے تاکہ حرام خوری کا سلسلہ بند ہو جائے اور دوسرے کے مال کو ہاتھ لگانے کی جرأت و ہمت ختم ہو جائے۔

وہ دوسرے کے مال کو غیر قانونی طریقہ سے کھانے کا بھی قائل نہیں ہے، اور اکل بالباطل کو بھی حرام قرار دیتا ہے۔

اس کی نظر میں غیر کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا یا دروازہ کو چھوڑ کر کسی اور راستہ سے داخل ہونا بھی ایک اخلاقی جرم ہے۔

وہ سود خواری کو انتہائی مذموم نگاہوں سے دیکھتا ہے اور سود خوار کو شیطان کا مارا ہوا دیوانہ اور خبط الحواس قرار دیتا ہے۔

اس کی نظر میں ناپ تول میں خیانت ایک شدید جرم ہے اور وہ معاشرہ کو اس طرح کے تمام عیوب سے پاک و پاکیزہ رکھنا چاہتا ہے۔

۲۔ اسراف

اسلام نے دوسرے کے مال کو ناجائز طریقہ سے استعمال کرنے کو حرام کرنے کے

بعد خود صاحب مال کو بھی پابند بنا دیا ہے کہ اپنے مال کو بھی غیر عاقلانہ انداز سے صرف نہ کرے ورنہ اس کا انجام بھی برا ہوگا۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں دو طرح کی ہدایتیں دی ہیں۔ کبھی اسراف کرنے سے منع کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ "انہ لایحب المسرفین"۔ (اعراف ۳۱) "خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے"۔

اور کبھی تبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین"۔ "تبذیر کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں"۔

اور کبھی ہر ناجائز قسم کے تصرف کو تباہی اور بربادی کا سبب قرار دیا ہے۔ "واذا اردنا أن نھلك قریة امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا۔ (اسراء ۱۶)

"جب ہم کسی قریہ کو اس کی بداعمالیوں کی بنا پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مالداروں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق نافرمانی کرتے ہیں اور ہماری بات ثابت ہو جاتی ہے تو ہم انھیں بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

ان آیات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام اپنے اموال میں بھی بے راہ روی کو برداشت نہیں کرتا ہے اور اس کی ہر قسم کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔

سماج میں بے راہ روی کے دو انداز ہوتے ہیں۔ کبھی یہ حرکت کمیت اور مقدار کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ انسان کی حیثیت سو روپیہ خرچ کرنے کی ہے اور وہ برتری کے جذبہ کے تحت پانچ سو خرچ کر دیتا ہے جسے اسراف اور فضول خرچی کہا جاتا ہے اور جو عقل و شرع دونوں کی نظر میں مذموم اور حرام ہے۔ اور کبھی یہ حرکت کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ انسان سال بھر میں چار ہی جوڑے کپڑے بناتا ہے لیکن اس کی حیثیت پچاس روپیہ گز کی ہے اور وہ سو روپیہ گز کا کپڑا خریدتا ہے تاکہ سماج میں اپنی حیثیت کی نمائش کرے اور لوگوں کے درمیان اپنی برتری کا اعلان کر سکے جسے تبذیر کہا جاتا ہے اور جو شیطانی برادری میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔

۴۔ جمع آوری

مالیات کے سلسلہ کا تیسرا جرم خود مال کو اس طرح محفوظ کرنا ہے کہ نہ خود استعمال کرے اور نہ دوسرے کے حوالے کرے۔ قرآن مجید نے اسے بھی بدترین جرم قرار دیا ہے اور اس کی روک تھام کے لیے مثبت اور منفی دونوں راستے اختیار کیے ہیں۔

کبھی مثبت طریقے سے خرچ کرنے کی دعوت دی ہے:

۔ "کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم" (حشر ۷) "مال کو خرچ کرو تاکہ صرف دولتمندوں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے۔"

۔ "یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو" ۔ "پیغمبر! یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجئے کہ جو تمھاری ضرورت سے زیادہ ہے سب خرچ کردو۔"

۔ "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون" ۔ "تم لوگ ہرگز نیکی تک نہیں پہونچ سکتے ہو جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جسے تم دوست رکھتے ہو۔"

۔ "والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم" ۔ "صاحبان ایمان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کے اموال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محروم افراد سب کا ایک معین حصہ ہوتا ہے۔"

ان تعلیمات کے علاوہ مختلف قسم کے اموال پر زکوٰۃ کا واجب ہونا ۔ اور تمام قسم کی آمدنیوں کے سال تمام ہونے پر خمس کا واجب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اسلام کی نگاہ میں مال کی حفاظت کا مقصد اپنے گھر میں حفاظت نہیں ہے بلکہ خزانۂ قدرت الٰہی میں محفوظ کر دینا ہے جہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں رہ جاتا ہے اور مال برابر بڑھتا رہتا ہے۔ دس گنا سے لاکھ گنا تک اضافہ معین ہے اور اس کے بعد مزید اضافہ رحمت پروردگار سے وابستہ ہے۔

دوسری طرف قرآن مجید نے منفی لہجہ میں ان تمام طریقوں پر پابندی عائد کردی ہے جن سے مال منجمد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۔ "والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ

بشرھم بعذاب الیم ٥ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکنزون۔" (توبہ ۳۴)

"جو لوگ سونے چاندی کو ذخیرہ کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ہیں، آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ جس دن اس سونے چاندی کو آتشِ جہنم میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پشت کو داغا جائے گا کہ یہی تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا ہے تو اب اپنے ذخیرہ کے عوض میں عذاب کا مزہ چکھو۔"

۔"وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (بقرہ ۱۹۵)

"راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔"

اس فقرہ میں دونوں طرح کی ہدایات پائی جاتی ہیں۔ یہ مقصد بھی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرو اور بخل و کنجوسی کے ذریعہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو ـــ اور یہ مقصد بھی ہے کہ اتنا زیادہ خرچ نہ کرو کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو ـــ اس احتمال کی بنا پر خرچ کا تعلق راہِ خدا کے علاوہ دیگر راستوں سے ہوگا اس لیے کہ راہِ خدا میں خرچ کرنا انفاق اور خیر ہے، اور خیر میں اسراف کا کوئی امکان نہیں ہے جس طرح کہ اسراف میں کسی خیر کا امکان نہیں ہے۔

واضح رہے کہ سونے چاندی کے خزانہ بنانے کی طرح دیگر ضروریاتِ زندگی کا احتکار بھی اسلام میں جائز نہیں ہے اور اس نے واضح لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ احتکار کرنے والا خطاکار ہوتا ہے اور اس کے مزاج میں جلادیت اور بے رحمی پائی جاتی ہے: وہ مال کی اہمیت کا احساس رکھتا ہے اور انسانی ضروریات یا زندگی کی کسی اہمیت کا قائل نہیں ہے۔

احتکار کے معنی ہیں کہ غلات اور اجناس کی طرح کی وہ اشیاء جن پر سماجی زندگی کا دارومدار ہے انھیں روک کر رکھا جائے اور قیمت زیادہ ہونے پر فروخت کیا جائے جب کہ سماجی زندگی خطرہ میں ہو اور دوسرا کوئی اس کمی کا پورا کرنے والا نہ ہو ـــ ورنہ اگر دوسرے بیچنے والے شریف افراد موجود ہیں یا کسی ایک انسان کے فروخت نہ کرنے سے سماجی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا ہے تو قیمت کے اضافہ

ے امکان کی بنا پر مال کو روک کر رکھنا مطلق طور پر حرام نہیں ہے ۔ اسلام فائدہ کمانے یا تجارت کے بہتر استعمال کرنے کا مخالف نہیں ہے ۔ وہ مال کو اس قدر اہمیت دینے کا مخالف ہے کہ جان بے قیمت ہو جائے اور سماجی زندگی خطرہ میں پڑ جائے ۔

قرآنی مالیات کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ مال قرآن مجید کے نزدیک خیر، برکت، محترم اور معزز بھی ہے اور یہی مال نحوست، شقاوت اور شیطنت کا ذریعہ بھی ہے۔ اب یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ اس مال کے ذریعہ کس منزل پر فائز ہونا چاہتا ہے اور اپنے کو انسانیت یا شیطنت کی کس برادری میں شامل کرنا چاہتا ہے ۔ ؟

قرآن مجید اور تحفظ نفس و عرض

اسلام کی نگاہ میں پانچ ایسے جواہرات ہیں، جن سے انسان کی انسانیت کا قوام اور قیام ہے اور انھیں کے دم سے انسان اشرف المخلوقات کہے جانے کے قابل ہے۔

دین، عقل، نفس، عرض، مال۔

اسلام نے قدم قدم پر ان سب کے تحفظ کا انتظام کیا ہے اور ان کے سلسلہ میں ادنیٰ خیانت اور شرارت کو برداشت نہیں کیا ہے۔

— دین کے تحفظ کے بارے میں کفر، شرک اور نفاق کو جرم عظیم اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور پھر عملی میدان میں ان تمام اعمال پر پابندی عائد کر دی ہے جن کی بنا پر انسان بے دین محسوس ہوتا ہے یا اس کا دین خطرہ سے دوچار ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض اعمال سے انحراف کرنے والوں کو کافر تک کہہ دیا گیا ہے تاکہ انسان عملی اعتبار سے بھی دین کا تحفظ کرتا رہے اور ایسا کوئی اقدام نہ کرے جس سے دین اور عقیدہ مجروح ہو جائے۔

مثال کے طور پر نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین" — "نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ"۔

حج کے بارے میں ارشاد ہوا:

"وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنیّ عن العٰلمین"۔

"اللہ کے لیے ان تمام انسانوں پر حج بیت اللہ واجب ہے جو اس راستہ کو طے کرنے کی استطاعت اور صلاحیت رکھتے ہیں، اور جو کافر ہو جائے وہ یہ یاد رکھے کہ خدا عالمین سے

بے نیاز ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے ترک نماز اور ترک حج کو شرک اور کفر سے تعبیر کیا ہے اور یہ تحفظ دین کی بہترین اور اعلیٰ ترین مثال ہے۔

— عقل کے تحفظ کے سلسلہ میں بھی ان تمام اقدامات پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جن سے عقل انسانی خطرہ میں پڑ سکتی تھی اور انسان اس شعور سے محروم ہو سکتا تھا جو اس کی انسانیت کا جوہر اور اس کی اشرفیت کا رازِ حقیقی ہے، یہاں تک کہ شراب کو رجس، عمل شیطان اور اس طرح کی تمام بدترین لفظوں سے یاد کیا گیا اور اس کے نشہ کو منافی بندگی پروردگار قرار دے دیا گیا تاکہ انسان ہر رخ سے متنفر اور بیزار ہو جائے — اگر صفائی پسند ہے تو رجس و نجاست سمجھ کر الگ ہو جائے۔ اگر شیطانی غلبہ سے خوف زدہ ہے تو اسے شیطانی عمل تصور کرے اور اگر ذوق بندگی پروردگار رکھتا ہے تو یہ سمجھے کہ شراب کے نشہ کے ساتھ بارگاہِ الوہیت میں حاضری ناممکن اور ممنوع ہے۔

— مالیات کے بارے میں بھی اسلام کا ایک مستقل نقطۂ نظر ہے جس کی گذشتہ صفحات میں مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔

— نفس اور آبرو کے بارے میں قرآن مجید کے چند ہدایات اس مقام پر درج کیے جا رہے ہیں۔

تحفظ نفس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

— "یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" (بقرہ ۱۷۸)

"ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص اور بدلہ فرض کر دیا گیا ہے"

— "ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون"

"تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے صاحبانِ عقل شائد تم اس طرح متقی بن جاؤ"

آیت اول میں قصاص کو فرض بنا کر اسے ایمان کا لازمہ قرار دیا گیا تاکہ ہر صاحب ایمان کو اس فرض کا احساس رہے اور اس طرح قتل بیجا کا راستہ روکا جا سکے — اور آیت دوم میں قصاص کو زندگی سے تعبیر کیا گیا کہ قصاص قتل کے بعد قتل نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی زندگی

ہے جس کے بعد ارادی موت کا راستہ مستقل طور پر بند ہو سکتا ہے اور اس مقام پر صاحبان عقل کو مخاطب کر کے انھیں توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اس امر پر غور کریں کہ قصاص موت کا نام ہے یا تحفظ زندگی کا نام ہے اور پھر اس کی غرض تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ گویا انسان اس فرض کے احساس سے پہلے صاحب ایمان تھا اور اس احساس کی برکت سے منزل تقویٰ میں قدم رکھ سکتا ہے۔

۔۔۔ "ومن یقتل مومنا متعمدًا فجزاءہ جہنم خالدًا فیھا وغضب اللّٰہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابًا عظیمًا۔" (نساء ۹۲)

"اور جو شخص بھی کسی مومن کو قصدًا قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اور خدا نے اس کے لیے عذاب عظیم مہیا کر رکھا ہے۔"

بیان کی شدت سے بات کی سنگینی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قاتل میں غیر ہونے کی شرط نہیں ہے۔ انسان خود اپنے نفس کو قتل کرے اور خودکشی کرے تو بھی ایسے ہی عذاب کا حقدار قرار پاتا ہے ۔۔۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں مقامات پر معافی کے راستے کھلے ہوتے ہیں ۔۔۔ دوسرے کے قتل میں وارث کی طرف سے معافی اور خدا کی بارگاہ میں کفارہ و استغفار کو ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور قتل نفس یعنی خودکشی میں خود مجرم دنیا سے چلا جاتا ہے لہٰذا دوسروں کی طرف سے کار خیر اور استغفار سہارا بن سکتا ہے اور رب العالمین اپنے خصوصی فضل و کرم سے معاف کر سکتا ہے لیکن اصل سزا اپنے مقام پر ہے اس لیے کہ سزا قانون ہے اور رحم و کرم قانون سے بالاتر ایک شے کا نام ہے۔

۔۔۔ "من اجل ذٰلک کتبنا علیٰ بنی اسرائیل انہ من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا ومن احیاھا فکانما احییٰ الناس جمیعا۔" (مائدہ ۳۲)

۔۔۔ "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔" (مائدہ ۴۵)

۔" اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص بھی انتقام اور فساد فی الارض کے بغیر کسی کو قتل کرے گا اس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور جو کسی نفس کو حیات بخش دے گا اس نے گویا پورے عالم انسانیت کو حیات بخش دی ہے۔"

۔" اور ہم نے ان پر فرض کر دیا کہ نفس کا بدلہ نفس، آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان، دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔"

ان آیات مبارکہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے قتل نفس کو شدید ترین جرم قرار دینے کے بعد بھی یہ بات واضح کر دی ہے کہ فساد فی الارض ایک ایسا جرم ہے جس کے بعد قتل بھی روا ہو جاتا ہے یا اسی طرح انتقام قتل کو مباح بنا دیتا ہے کہ اسلام میں قاتل اور فسادی کا کوئی احترام نہیں ہے اور مزید اس امر کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ انسانیت اس قدر محترم شے ہے کہ اس کے ایک فرد کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور اس کی ایک فرد کی زندگی پورے عالم انسانیت کی زندگی ہے اور قصاص کے بھی حدود معین ہیں اس میں بھی کسی قسم کے اضافہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ بھی ایک طرح کا جرم ہے اور اسلام جرم کے مقابلہ میں جرم کی اجازت نہیں دیتا ہے بلکہ جرائم کی روک تھام کرنا چاہتا ہے جیسا کہ سورہ مبارکہ اسراء میں ارشاد ہوتا ہے:

" ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل انه کان منصوراً۔"

" اور جو شخص بھی مظلوم قتل کر دیا جائے ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دے دیا ہے لیکن اسے بھی یہ حق نہیں ہے کہ قتل میں زیادتی سے کام لے اس لیے کہ خدا کی طرف سے اس کی مدد کی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کسی کے خون کو ہدر اور ضائع نہیں جانے دیا ہے لیکن مظلومیت کو بہانہ بنا کر قتل عام کا راستہ کھولنے کی بھی اجازت نہیں دی ہے جیسا کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا تھا کہ:

" اولاد عبدالمطلب! خبردار میں یہ نہ دیکھوں کہ تم میرے قتل کو بہانہ

قرار دے کر دوئے زمین میں خوں ریزی شروع کر دو کہ یہ خود میرے قانون اور نظامِ زندگی کا خون ہے جسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے۔"

یہ اور بات ہے کہ امام کا نفس کل کائنات کے نفس سے بالاتر ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کل کائنات بھی قتل کر دی جائے تو کوئی اسراف نہیں ہے لیکن مولائے کائنات قانون الٰہی کی بالاتری ثابت کرنے کے لیے قانون کو خود اپنے قتل پر نافذ کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں شخصیت پرستی کا رجحان نہ پیدا ہو سکے اور قوانین کے تنفیذ کے مرحلہ پر شخصیتوں کے اعتبار سے قوانین الگ الگ نہ ہو جائیں۔

تحفظِ عرض:

اسلام نے تحفظِ آبرو کے مختلف شعبے قرار دیے ہیں اور ہر شعبہ کے بارے میں مختلف ہدایات دی ہیں جن کا ایک بڑا حصہ اخلاقیات سے متعلق ہے اور اس کا تذکرہ اخلاقیات کے ذیل میں ہوگا۔ لیکن تحفظِ عرض کا سب سے بڑا موضوع اور مصداق مسئلہ زنا ہے جہاں اسلام نے زنا کے حرام کرنے کے ساتھ کسی مردِ شریف کی طرف زنا کی تہمت و نسبت کو بھی حرام کر دیا ہے کہ یہ بھی ایک طرح کی بے حرمتی ہے اور ہم مسلمان کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین۔" (نور ۲)

"زانی عورت اور زانی مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں اور خبردار! دینِ خدا کے بارے میں کسی طرح کی مہربانی کا دخل نہ ہونے پائے اگر تمہارا ایمان اللہ اور روزِ آخرت پر ہے اور اس سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو گواہ بھی بناؤ۔"

اس آیتِ کریمہ سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے:

ا۔ زنا اسلام کی نگاہ میں بد ترین جرم ہے اور اس میں عموماً ابتدا عورت کی طرف سے ہوتی ہے اور اسی لیے اس کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے۔

ب۔ عورت کا اپنی آبرو کو ضائع و برباد کر دینا مرد کے ضیاع آبرو سے بڑا جرم ہے اور اسی لیے صنف نازک ہونے کے باوجود سزا میں کوئی رعایت نہیں کی گئی ہے۔

ج۔ زنا کی سزا میں کسی مروت اور مہربانی کا بھی امکان نہیں ہے کہ یہ آبرو کا خون ہے اور آبرو کے برباد ہو جانے کے بعد کس بات کی مروت رہ جاتی ہے۔

د۔ اس سزا کے وقت مومنین کی حاضری ضروری ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی عبرت حاصل کریں اور مجرم بھی یہ محسوس کریں کہ جس تنہائی میں جرم کیا تھا اس تنہائی میں سزا ملنے والی نہیں ہے اور تنہائی میں تو صرف ایک آدمی کی عزت کو برباد کیا تھا اور اپنی عزت مجمع عام میں ضائع اور برباد ہو رہی ہے۔

ھ۔ زنا کی سزا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا نتیجہ ہے۔ جس کے پاس ایمان باللہ نہیں ہے وہ اس سزا کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتا ہے اور جس کے پاس ایمان بالآخرۃ نہیں ہے وہ دنیا میں ہر جرم سے پاک و پاکیزہ ہو کر مرنے کی اہمیت سے باخبر نہیں ہو سکتا ہے۔

۔" والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واُولٰئك هم الفاسقون"۔ (نور ۴)

"اور جو لوگ عفیف اور پاک دامن عورتوں کی طرف زنا کی نسبت دیتے ہیں اور اپنے دعویٰ پر چار گواہ نہیں لاتے ہیں انھیں بھی اسّی کوڑے لگاؤ اور خبردار ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرنا کہ یہ لوگ حقیقی طور پر فاسق ہیں"۔

اس سے زیادہ واضح اور صاف اعلان حفظ عرض اور تحفظ آبرو کے بارے میں نہیں ہو سکتا ہے جہاں زنا کے بد ترین جرم ہونے اور اس کے مرتکب کے سخت ترین سزا برداشت کرنے کا حکم دینے کے بعد مومن کی عزت و آبرو کا اس طرح تحفظ کیا گیا ہے

کہ اگر واقعی شرعی ثبوت نہیں ہے تو کسی کی طرف اس طرح کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ نسبت خود بھی ایک طرح کی آبروریزی ہے۔ عملی آبروریزی زنا سے ہوتی ہے اور قولی آبروریزی تہمت زنا سے، اور اسلام نے دونوں کی سزائیں مقرر کر دی ہیں تاکہ سماج میں یہ سلسلہ پھیلنے نہ پائے اور ہر ایک دوسرے کی عزت و آبرو کا احترام کرے۔

زبانی آبروریزی کے اس اسلوب کا حملہ براہ راست عزت و ناموس پر ہوتا ہے اس لیے اسلام نے اسّی کوڑوں کی سزا مقرر کر دی ہے، ورنہ غیبت، اہانت، استہزاء، تمسخر بھی آبروریزی ہی کی مثالیں ہیں جن کا تعلق عزت و ناموس کے اس تصور سے نہیں ہے جس سے تہمت زنا کا تعلق ہے، لیکن پھر بھی یہ سارے اعمال حرام اور گناہ کبیرہ ہیں ـــ اور اسلام نے اس وقت حفظ آبرو کا بلند ترین تصور مکمل کر دیا جب نامحرم کو ہاتھ لگانے کے ساتھ اس پر نگاہ بد کو بھی حرام قرار دے دیا کہ اب قول و عمل کے علاوہ نگاہ و اشارہ بھی جرائم قرار پا گئے اور عزت انسانی ہر زاویہ اور ہر اعتبار سے محفوظ کر دی گئی۔

قرآن مجید اور نظریہ حکومت

حاکم کون؟

حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کرنے کا حق کس کا ہے اور کسے حاکم ہونا چاہیے۔ اس ذیل میں متعدد جوابات سامنے آتے ہیں۔ بعض لوگوں کی نظر میں یہ حق وراثت کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے اور حاکم باپ کا بیٹا بھی حاکم ہوتا ہے اور وہ یہ حق حکومت اپنے ساتھ لے کر دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ بعض افراد نے اسے طبقاتی حق قرار دیا ہے کہ ہر سماج میں ایک طبقہ حاکمیت کا اہل ہوتا ہے اور ایک کا مقدر صرف محکومیت سے وابستہ ہوتا ہے۔ وہ کسی دور میں بھی تخت اقتدار پر قدم نہیں رکھ سکتا ہے چاہے کسی مقدار میں صلاحیت کیوں نہ پیدا کرلے۔

بعض مفکرین نے اسے ارباب حل وعقد کا حق قرار دیا ہے کہ وہ جسے حاکم بنادیں وہی حاکم بن جاتا ہے اور اسے حکومت کرنے کا حق مل جاتا ہے اور جمہوریت پسند عناصر نے اسے سیدھے سیدھے عوام کا حق قرار دیا ہے کہ کوئی انسان پیدائشی طور پر حق حکومت لے کر نہیں پیدا ہوا ہے۔ اسے اس دنیا میں آنے کے بعد حکومت کرنا ہے، لہٰذا جن افراد پر حکومت کرنا ہے، یہ حق انھیں کو حاصل ہونا چاہئے کہ وہ کس کی حکومت تسلیم کریں گے اور کس کی حکومت کو مسترد کردیں گے۔

قرآن مجید نے ان تمام بے بنیاد نظریات کے مقابلہ میں ایک بنیادی نظریہ پیش کیا ہے جس کا نام ہے حکومت الٰہیہ۔ ارشاد ہوتا ہے:

"تبارک الذی بیدہ الملک"۔ "بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھوں میں ملک ہے"۔

"لہ الملک ولہ الحمد" — "اسی کے لیے ملک ہے اور اسی کے لیے حمد"۔

"لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار"۔ "آج ملک کس کا ہے، خدائے واحد و قہار کے لیے"۔

"اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء"۔

"خدایا تو مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے"۔

ان آیات مبارکہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں حق حکومت صرف پروردگار کا ہے، وہی کائنات کا خالق ہے اور وہی مالک۔ اس کی حکومت کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ حاکم ہونے کے ساتھ بابرکت بھی ہے اور قابل حمد و ستائش بھی۔ ملک عطا بھی کر دیتا ہے جب کہ دنیا کے حکام ان تمام صلاحیتوں سے عاری ہوتے ہیں، اور ان میں نہ ملک دینے کا حوصلہ ہوتا ہے اور نہ سلب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

خدائی ملکیت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اسی نے کائنات کو پیدا کیا ہے لہٰذا اس کے علاوہ کسی کو حکومت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی حکومت میں کسی کو اپنا نمائندہ بنائے تو یہ اس کا ذاتی حق ہے جسے کوئی طاقت اس سے سلب نہیں کر سکتی ہے۔

اس نے جناب آدمؑ کو خلیفہ بنا کر اس لیے بھیجا تھا کہ انسان کو مستقل طور پر حاکم نہ تصور کر لیا جائے اور اس کی حکومت کی صحیح حیثیت واضح رہے۔ اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جب آدمؑ پر ماں باپ تک کا احسان نہیں تھا اور وہ کسی بشر کے محکوم بن کر پیدا نہیں ہوئے تھے اور نہ ان کے وجود میں کسی انسان کا دخل تھا۔ جب وہ نیابت الٰہیہ کے بغیر حکومت ارضی کا حق نہیں رکھتے ہیں تو دنیا کے کسی دوسرے انسان کو یہ حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔؟

مالک کائنات نے اسی حق حکومت کے بارے میں اعلان کیا تھا:

"یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم"۔

"ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو"۔

حق حکومت اللہ کا ہے اور اس نے یہ حق دنیا میں رسول اور صاحبانِ امر کو عطا کیا ہے۔ اب جسے وہ صاحب امر قرار دے گا اسی کو روئے زمین پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ جتنے حکام ہوں گے سب غاصب اور خیانت کار ہوں گے، ان کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

قانون کس کا؟

کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی ملک میں جسے حکومت کرنے کا حق حاصل ہوگا اسی کا قانون بھی نافذ ہوگا۔ اسی لیے رب العالمین نے اپنے حق حکومت کے ساتھ اپنے قانون کی عظمت اور برتری کا اعلان بھی کر دیا تاکہ اس کے ملک میں رہنے والے کسی اور مشرقی یا مغربی قانون کے دست نگر نہ بنیں اور صاحب حکومت کے قانون پر عمل کریں۔

ارشاد ہوتا ہے:

"ان الدین عند اللہ الاسلام"۔ "دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔"

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ"۔ "جو اسلام کے علاوہ کوئی اور طریقۂ حیات پسند کرے گا اس کا دین قابلِ قبول نہ ہوگا۔"

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُولٰئک ھم الفاسقون"۔ "جو خدائی حکم کے خلاف حکم کرے گا وہ فاسق ہے۔"

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُولٰئک ھم الظالمون"۔ "جو خدائی حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔"

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاُولٰئک ھم الکافرون"۔ "جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔"

ان آیات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ملک خدا میں صرف قانون خدا چل سکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے قانون کے چلانے والے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے والے فاسق، ظالم اور کافر ہیں اور ان کا دین خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام صرف دو کلموں کا نام نہیں ہے۔ اس کے اپنے اصول حیات اور قوانین حکومت وقضاوت ہیں جن کی رعایت وحمایت نہ کرنے کے بعد انسان دائرۂ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے اور اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہوتا ہے۔

طریقۂ حکومت؟

اسلام نے طریقۂ حیات اور طریقۂ حکومت کی یکسانیت پر زور دیتے ہوئے اس امر پر خصوصی توجہ دی ہے کہ کوئی مسلمان اپنی زندگی یا اپنی حکومت میں کوئی ظالمانہ عمل انجام نہ دے سکے اور ہر کام قانون عدل وانصاف کے مطابق انجام پائے۔ اس کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ "الملك يبقىٰ مع الكفر ولا يبقىٰ مع الظلم"۔ "ملک کفر کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا ہے" ظلم وہ گھن ہے جو اندر اندر حکومت کو کھوکھلا کردیتا ہے اور ایک دن عوامی احتجاج یا خدائی عذاب اس کا قلع قمع کردیتا ہے ـــ اور تخت حکومت عوامی سیلاب میں تختہ کی طرح بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

عدالت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے عدالت الٰہیہ کو اپنے بنیادی عقائد میں جگہ دی ہے اور اسی پر مذہب کی اساس قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"شهد الله أنه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائماً بالقسط"

"اللہ خود اپنی وحدانیت کا گواہ ہے اور ملائکہ اور صاحبانِ علم بھی گواہی دیتے ہیں کہ وہ عدالت کے ساتھ قیام کرنے والا ہے"۔

اس کے بعد امور دین ودنیا میں عدالت کا حکم دیا گیا اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کو عدالت سے گھیر دیا گیا۔

عمومی زندگی کے بارے میں اعلان ہوا:

"يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنئان قوم على الا تعدلوا۔ اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ واتقوا الله ان الله خبير بما تعملون" (مائدہ)

"ایمان والو! اللہ کے لیے قیام کرنے والے اور عدالت کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، اور خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ ظلم کرنے لگو، انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ یقیناً اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔"

عدالتوں اور فیصلوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

"یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرًا فاللہ اولیٰ بہما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا وان تلوٗا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرًا۔" (نساء ۱۳۵)

"ایمان والو! عدالت کے ساتھ قیام کرو اور خدا کے لیے گواہ بنو چاہے اپنے نفس یا والدین اور اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ غنی یا فقیر ہیں تو اللہ ان کے لیے اولیٰ ہے۔ تم خواہشات کا اتباع کر کے حق سے اعراض نہ کرو کہ جو شخص بھی روگردانی یا اعراض کرے گا اسے معلوم رہے کہ خدا تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔"

"وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین۔" (مائدہ ۴۲)

"اور اگر ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

دعوت الی اللہ میں انصاف کی دعوت دیتے ہوئے اعلان کیا گیا:

"فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل آمنت بما انزل اللہ من کتاب و اُمرت لاعدل بینکم۔" (شوریٰ ۱۵)

"اسی امر کے لیے دعوت دو اور اسی طرح استقامت کرو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور ان لوگوں کے خواہشات کا اتباع نہ کرو اور یہ کہہ دو کہ میرا ایمان اس کتاب پر ہے جو خدا نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔"

گفتگو میں عدالت کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد کیا گیا:

"واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ و بعهد الله اوفوا ط ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلکم تذکرون" (انعام ۱۵۲)

"جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو چاہے قرابت داروں ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو، اور عہد خدا کو وفا کرو، خدا نے اسی کی نصیحت کی ہے شائد تم نصیحت قبول کرو۔

اجتماعی زندگی میں ناانصافی کی روک تھام کرنے کے لیے ارشاد کیا گیا:

"ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون" (بقرہ ۱۸۸)

"اور خبردار لوگوں کے اموال کو باطل ذرائع سے نہ کھاؤ، اور ایسے حکام کے پاس نہ لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا ایک حصّہ گناہ کے ذریعہ استعمال کرو جب کہ تم جانتے بھی ہو۔"

قرآن مجید میں عدل وانصاف کے بارے میں سیکڑوں آیات ہیں جہاں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں ظلم وجور سے روکا گیا ہے اور ان اعمال کی نشان دہی کی گئی ہے جو ظلم وجور کی حدود میں داخل ہیں اگرچہ لوگوں کو ان کے ظلم وجور ہونے کا احساس بھی نہیں ہے۔

عمومی افکار میں ظلم دوسروں پر ہوا کرتا ہے، اور دوسروں کے حقوق کی بربادی کو ظلم وجور کہا جاتا ہے۔ جب کہ قرآن نے اس سے پہلے اپنے نفس پر ظلم کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ خبردار! اپنے نفس پر بھی ظلم نہ کرنا کہ یہ ظلم کا بدترین درجہ ہے ــــ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جو انسان اپنے نفس پر رحم نہیں کرسکتا ہے اور اپنے اوپر ظلم کرنے کے لیے تیار ہے اس کے ظلم سے دنیا کا کون سا انسان محفوظ رہ سکتا ہے اور اسے کس طرح ظلم وستم سے روکا جاسکتا ہے۔

اپنے نفس پر ظلم بھی صرف خودکشی اور اذیت نفس تک محدود نہیں ہے بلکہ بسا اوقات لذّتِ نفس اور راحت نفس بھی نفس پر ظلم ہے۔ اذان فجر کے وقت سوتا رہ جانا اور نماز فجر کو ترک کردینا مادی اعتبار سے راحت نفس کے مرادف ہے لیکن اسلامی نقطۂ نگاہ سے اتنا بڑا ظلم ہے جس کی گواہی رات اور دن دونوں کے فرشتے دیتے ہیں اور جس کے

عذاب سے بچ کر کوئی انسان نہیں جا سکتا ہے۔ یہی حال بہترین رسیلی آوازوں کے سننے اور بہترین حسین وجمیل شکلوں کے دیکھنے اور بہترین نشہ آور یا نشاط آگیں شروبات کے استعمال کرنے یا بہترین نرم ونازک ریشمی لباس کے پہننے یا ارزش ترین سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھانے کا ہے کہ یہ سب لذتِ نفس اور راحت نفس کے سامان ہیں۔ لیکن قرآن مجید انھیں بھی نفس پر ظلم قرار دیتا ہے اور اس کا انجام جہنم قرار دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گانا سننے والا گانا نہیں سن رہا ہے، نامحرم پر نگاہِ غلط انداز ڈالنے والا حسین شکل نہیں دیکھ رہا ہے، شراب پینے والا لذت کام ودہن کا سامان نہیں کر رہا ہے، ریشمی لباس پہننے والا بدن کے نرم ونازک بنانے کے اسباب نہیں فراہم کر رہا ہے بلکہ اپنے کان، اپنی آنکھ، اپنے دہن اور اپنے بدن کے جہنم میں ڈالنے کا انتظام کر رہا ہے، جو ظلم بر نفس کا سب سے اہم ترین مصداق ہے اور جس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا ہے۔

رب کریم ہر مرد مسلمان کو اس ظلم وستم سے محفوظ رکھے اور خود اپنے نفس کے ساتھ عدل وانصاف کے برتاؤ کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید اور اخلاقی تربیت

اخلاق ان صفات اور افعال کو کہا جاتا ہے جو انسان کی زندگی میں اس قدر رچ بس جاتے ہیں کہ غیر ارادی طور پر بھی ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں۔ بہادر فطری طور پر میدان کی طرف بڑھنے لگتا ہے اور بزدل طبیعی انداز سے پرچھائیوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ کریم کا ہاتھ خود بخود جیب کی طرف بڑھ جاتا ہے اور بخیل کے چہرہ پر سائل کی صورت دیکھ کر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔

اسلام نے غیر شعوری اور غیر ارادی اخلاقیات کو شعوری اور ارادی بنانے کا کام بھی انجام دیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان صفات کو اپنے شعور اور ارادہ کے ساتھ پیدا کرے تاکہ ہر اہم سے اہم موقع پر صفت اس کا ساتھ دے ورنہ اگر غیر شعوری طور پر صفت پیدا بھی کر لی ہے تو حالات کے بدلتے ہی اس کے متغیر ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ان تذکروں کو ملاحظہ کیا جائے جہاں اسلام نے صاحب ایمان کی اخلاقی تربیت کا سامان فراہم کیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ انسان میں اخلاقی جوہر بہترین تربیت اور اعلیٰ ترین شعور کے زیر اثر پیدا ہو۔

قوت تحمل:

سخت ترین حالات میں قوت برداشت کا باقی رہ جانا ایک بہترین اخلاقی صفت ہے لیکن یہ صفت بعض اوقات بزدلی اور نافہمی کی بنا پر پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات مصائب و مشکلات کی صحیح سنگینی کے اندازہ نہ کرنے کی بنیاد پر۔۔۔ اسلام نے یہ چاہا ہے کہ یہ صفت تحمل شعور کے ساتھ پیدا ہو اور انسان یہ سمجھے کہ قوت تحمل کا مظاہرہ اس کا اخلاقی فرض

ہے جسے بہرحال ادا کرنا ہے۔ تحمل نہ بزدلی اور بے غیرتی کی علامت بننے پائے اور نہ حالات کے صحیح ادراک کے فقدان کی علامت قرار پائے۔

ارشاد ہوتا ہے:

" ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون، اولئك علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون"۔

" یقیناً ہم تمہارا امتحان مختصر سے خوف اور بھوک اور جان، مال اور ثمرات کے نقص کے ذریعہ لیں گے اور پیغمبر آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں جن کی شان یہ ہے کہ جب ان تک کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں پلٹ کر جانے والے ہیں۔ انھیں افراد کے لیے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں"۔

آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید قوت تحمل کی تربیت دینا چاہتا ہے اور مسلمان کو ہر طرح کے امتحان کے لیے تیار کرنا چاہتا ہے اور پھر تحمل کو بزدلی سے الگ کرنے کے لیے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کی تعلیم دیتا ہے اور نقص اموال وانفس کو خسارہ تصوّر کرنے کے جواب میں صلوات و رحمت کا وعدہ کرتا ہے تاکہ انسان ہر مادی خسارہ اور نقصان کے لیے تیار رہے اور اسے یہ احساس رہے کہ مادی نقصان، نقصان نہیں ہے بلکہ صلوات اور رحمت کا بہترین ذریعہ ہے۔ انسان میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو وہ عظیم قوت تحمل کا حامل ہو سکتا ہے اور اس میں یہ اخلاقی کمال شعوری اور ارادی طور پر پیدا ہو سکتا ہے اور وہ ہر آن مصائب کا استقبال کرنے کے لیے اپنے نفس کو آمادہ کر سکتا ہے۔

۔" الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایماناً وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمة من اللہ وفضل لم یمسسهم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم"۔ (آل عمران ۱۷۴)

" وہ لوگ جن سے کچھ لوگوں نے کہا کہ دشمنوں نے تمہارے لیے بہت بڑا لشکر جمع

رہا ہے تو ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوگیا اور انھوں نے کہا کہ ہمارے لیے خدا کافی ہے اور وہی بہترین محافظ ہے جس کے بعد وہ لوگ نعمت و فضل الٰہی کے ساتھ واپس ہوئے اور انھیں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی اور انھوں نے رضائے الٰہی کا اتباع کیا اور اللہ بڑے عظیم فضل کا مالک ہے۔"

آیت کریمہ کے ہر لفظ میں ایک نئی اخلاقی تربیت پائی جاتی ہے اور اس سے مسلمان کے دل میں ارادی اخلاق اور قوت برداشت پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دشمن کی طرف سے بے خوف ہو جانا شجاعت کا کمال ہے لیکن حسبنا اللہ کہہ کر بے خوفی کا اعلان کرنا ایمان کا کمال ہے۔ بے خوف ہو کر نامناسب اور متکبرانہ انداز اختیار کرنا دنیاوی کمال ہے اور رضوان الٰہی کا اتباع کرتے رہنا قرآنی کمال ہے۔ قرآن مجید ایسے ہی اخلاقیات کی تربیت کرنا چاہتا ہے اور مسلمان کو اسی منزل کمال تک لے جانا چاہتا ہے۔

"ولما رأی المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ وصدق اللہ و رسولہ وما زادھم الا ایمانا و تسلیما" (احزاب ۲۲)

"اور جب صاحبانِ ایمان نے کفار کے گروہوں کو دیکھا تو برجستہ یہ اعلان کر دیا کہ یہی وہ بات ہے جس کا خدا اور رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور ان کا وعدہ بالکل سچا ہے اور اس اجتماع سے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں مزید اضافہ ہوگیا۔"

مصیبت کو برداشت کر لینا ایک انسانی کمال ہے۔ لیکن اس شان سے استقبال کرنا کہ گویا اسی کا انتظار کر رہے تھے اور پھر اس کو صداقت خدا و رسول کی بنیاد قرار دے کر اپنے ایمان و تسلیم میں اضافہ کر لینا وہ اخلاقی کمال ہے جسے قرآن مجید اپنے ماننے والوں میں پیدا کرانا چاہتا ہے۔

"وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین" (آل عمران ۱۴۶)

"اور جس طرح بعض انبیاء کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے اور اس کے بعد راہِ خدا میں پڑنے والی مصیبتوں نے نہ ان میں کمزوری پیدا کی اور نہ ان کے

ارادوں میں ضعف پیدا ہوا اور نہ ان میں کسی طرح کی ذلت کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

آیت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے ذریعہ ایمان والوں کو اخلاقی تربیت دی جارہی ہے اور انھیں ہر طرح کے ضعف و ذلت سے اس لیے الگ کہا جارہا ہے کہ ان کے ساتھ خدا ہے اور وہ انھیں دوست رکھتا ہے اور جسے خدا دوست رکھتا ہے اسے کوئی ذلیل کرسکتا ہے اور نہ بیچارہ بنا سکتا ہے۔ یہی ارادی اخلاق ہے جو قرآنی تعلیمات کا طرۂ امتیاز ہے اور جس سے دنیا کے سارے مذاہب اور اقوام بے بہرہ ہیں۔

"وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً...... اولئٰک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاماً" (فرقان ۶۳)

"اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب کوئی جاہلانہ انداز سے ان سے خطاب کرتا ہے تو اسے سلامتی کا پیغام دیتے ہیں ــــــ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کی بنا پر جنت میں غرفے دیے جائیں گے اور تحیۃ اور سلام کی پیش کش کی جائے گی۔

اس آیت میں بھی صاحبان ایمان اور عباد الرحمٰن کی علامت قوت تحمل و برداشت کو قرار دیا گیا ہے، لیکن "قالوا سلاماً"، کہہ کر اس کی ارادیت اور شعوری کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ سکوت بر بنائے بزدلی و بے حیائی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک اخلاقی فلسفہ ہے کہ وہ سلامتی کا پیغام دے کر دشمن کو بھی راہ راست پر لانا چاہتے ہیں اور اس کی جاہلانہ روش کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔

واضح رہے کہ ان تمام آیات میں صبر کرنے والوں کی جزا کا اعلان تربیت کا ایک خاص انداز ہے کہ اس طرح قوت تحمل بیکار نہ جانے پائے اور انسان کو کسی طرح کے خسارہ اور نقصان کا خیال نہ پیدا ہو بلکہ مزید تحمل و برداشت کا حوصلہ پیدا ہو جائے کہ اس طرح خدا کی معیت، محبت، فضل عظیم اور تحیۃ وسلام کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے جو بہترین راحت و آرام اور بے حد و بے حساب دولت و ثروت کے بعد بھی نہیں حاصل

ہوسکتا ہے۔

قرآن مجید کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ وہ اپنے تعلیمات میں اس عنصر کو نمایاں رکھتا ہے اور مسلمان کو ایسا با اخلاق بنانا چاہتا ہے جس کے اخلاقیات صرف افعال، اعمال اور عادات نہ ہوں بلکہ ان کی پُشت پر فکر، فلسفہ، عقیدہ اور نظریہ ہو اور وہ عقیدہ و نظریہ اسے مسلسل دعوت عمل دیتا رہے اور اس کے اخلاقیات کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا رہے۔

جذبۂ ایمانی:

قوت تحمل کے ساتھ قرآن مجید نے ایمانی جذبات کے بھی مرقع پیش کیے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحمل و حلم کو صرف منفی حدوں تک نہیں رکھنا چاہتا ہے بلکہ مصائب و آفات کے مقابلہ میں اسے ایک مثبت رُخ دینا چاہتا ہے۔

"فالقی السحرۃ سجدا قالوا آمنا برب ھارون وموسیٰ قال آمنتم بہ قبل ان آذن لکم انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر فلاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاوصلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقیٰ قالوا لن نوثرک علیٰ ماجاءنا من البینات والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی ھٰذہ الحیوٰۃ الدنیا انا آمنا بربنا لیغفر لنا خطٰینا وما اکرھتنا علیہ من السحر واللہ خیر وابقیٰ۔ (طٰہٰ ۷۰ تا ۷۳)

"پس جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور انھوں نے کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے تو فرعون نے کہا کہ ہماری اجازت کے بغیر کس طرح ایمان لے آئے بے شک یہ تم سے بڑا جادوگر ہے جس نے تم لوگوں کو جادو سکھایا ہے تو اب میں تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور تمھیں درخت خرما کی شاخوں پر سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت تر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تیری بات کو موسیٰ کے دلائل اور اپنے پروردگار

پر مقدم نہیں کر سکتے ہیں اب تو جو فیصلہ کرنا چاہے کر لے تو صرف اسی زندگانی دنیا تک فیصلہ کر سکتا ہے اور ہم اس لیے ایمان لے آئے ہیں کہ خدا ہماری غلطیوں کو اور اس جرم کو معاف کر دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور بے شک خدا ہی بہین خیر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے"۔

۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ عزیز حکیم۔ (توبہ ۔ ۴۰)

"اگر تم ان کی نصرت نہیں کرو گے تو خدا نے ان کی نصرت کی ہے جب انھیں کفار نے دو کا دوسرا بنا کر وطن سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج مت کرو خدا ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے ان پر اپنی طرف سے سکون نازل کر دیا اور ان کی تائید ایسے لشکروں کے ذریعہ کی جن کا مقابلہ ناممکن تھا اور کفار کے کلمہ کو پست قرار دے دیا اور اللہ کا کلمہ تو بہر حال بلند ہے اور اللہ صاحب عزت بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے"۔

آیت اولیٰ میں فرعون کے دور کے جادوگروں کے جذبۂ ایمانی کی حکایت کی گئی ہے جہاں فرعون جیسے ظالم و جابر کے سامنے بھی اعلان حق میں کسی ضعف و کمزوری سے کام نہیں لیا گیا اور اسے چیلنج کر دیا گیا کہ تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے ــــ تیرا اختیار زندگانی دنیا سے آگے نہیں ہے اور صاحبان ایمان آخرت کے لیے جان دیتے ہیں انھیں دنیا کی راحت کی فکر یا مصائب کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔

اور دوسری آیت میں سرکار دو عالمؐ کے حوصلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور صورت حال کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے ساتھی کا بھی ذکر کیا گیا جس پر حالات کی سنگینی اور ایمان کی کمزوری کی بنا پر حزن طاری ہو گیا اور رسول اکرمؐ کو سمجھانا پڑا کہ ایمان و عقیدہ صحیح رکھو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہوتا ہے اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے اور وہ ہر مصیبت کا پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

اس کے بعد خدائی تائید اور امداد کا تذکرہ کر کے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ رسول اکرمؐ

کا ارشاد صرف تسکین قلب کے لیے نہیں تھا بلکہ اس کی ایک واقعیت بھی تھی اور یہ آپ کے کمالِ ایمان کا اثر تھا کہ آپ پر کسی طرح کا حزن وملال طاری نہیں ہوا اور آپ اپنے مسلک پر گامزن رہے اور اسی طرح تبلیغ دین اور خدمتِ اسلام کرتے رہے جس طرح پہلے کر رہے تھے بلکہ اسلام کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع تر ہو گیا کہ نہ مکہ کا کام انسانوں کے سہارے شروع ہوا تھا اور نہ مدینہ کا کام انسانوں کے سہارے ہونے والا ہے۔ مکہ کا صبر وتحمل بھی خدائی امداد کی بنا پر تھا اور مدینہ کا فاتحانہ انداز بھی خدائی تائید ونصرت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ادبی شجاعت:

میدان جہاد میں زور بازو کا مظاہرہ کرنا یقیناً ایک عظیم انسانی کارنامہ ہے لیکن بعض روایات کی روشنی میں اس سے بالاتر جہاد سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کا زبان پر جاری کرنا ہے اور شاید اس کا راز یہ ہے کہ میدان جنگ کے کارنامہ میں بسا اوقات نفس انسان کی ہمراہی کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور انسان جذباتی طور پر بھی دشمن پر وار کرنے لگتا ہے جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کی بے ادبی کے بعد اس کا سر قلم نہیں کیا اور سینے سے اتر آئے کہ جہاد راہ خدا میں جذبات کی شمولیت کا احساس نہ پیدا ہو جائے لیکن سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کے بلند کرنے میں نفس کی ہمراہی کے بجائے شدید ترین مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں نفس انسانی کبھی ضائع ہوتے ہوئے مفادات کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کبھی آنے والے خطرات سے آگاہ کرتا ہے اور اس طرح یہ جہاد "جہاد میدان" سے زیادہ سخت تر اور مشکل تر ہو جاتا ہے جسے روایات ہی کی زبان میں جہاد اکبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد باللسان بظاہر جہاد نفس نہیں ہے لیکن غور کیا جائے تو یہ جہاد نفس کا بہترین مرقع ہے خصوصیت کے ساتھ اگر ماحول ناساز گار ہو اور تختۂ دار سے اعلان حق کرنا پڑے۔

قرآن مجید نے مرد مسلم میں اس ادبی شجاعت کو بھی پیدا کرنا چاہا ہے اور اس کا منشا یہ

ہے کہ مسلمان اخلاقیات میں اس قدر متحمل ہو کر اس کے نفس میں قوت تحمل و برداشت ہو، اس کے دل میں جذبۂ ایمان و یقین ہو اور اس کی زبان، اس کی ادبی شجاعت کا مکمل مظاہرہ کرے جس کی تربیت کے لیے اس نے ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"قال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ أتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات وان یك کاذبا فعلیہ کذبہ وان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف مرتاب" (غافر ۲۶)

"فرعون والوں میں سے ایک مرد مومن نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہ کیا تم کسی شخص کو صرف اس بات پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے جب کہ وہ اپنے دعویٰ پر کھلی دلیلیں بھی لا چکا ہے۔ تو اگر وہ جھوٹا ہے تو اپنے جھوٹ کا خود ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر سچا ہے تو بعض وہ مصیبتیں آسکتی ہیں جن کا وہ وعدہ کر رہا ہے۔ بے شک خدا زیادتی کرنے والے اور شک کرنے والے انسان کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں مرد مومن نے اپنے صریحی ایمان کی پردہ داری ضرور کی ہے لیکن چند باتوں کا واشگاف لفظوں میں اعلان بھی کر دیا ہے جس کی ہمت ہر شخص میں نہیں ہو سکتی ہے۔

یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ یہ شخص کھلی دلیلیں لے کر آیا ہے۔

یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ وہ اگر جھوٹا ہے تو تم اس کے جھوٹ کے ذمہ دار نہیں ہو اور نہ تمہیں قتل کرنے کا کوئی حق ہے۔

یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ وہ اگر سچا ہے تو تم پر عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ یہ عذاب اس کی وعید کا ایک حصہ ہے ورنہ اس کے بعد عذاب جہنم بھی ہے۔

یہ بھی اعلان کر دیا ہے کہ تم لوگ زیادتی کرنے والے اور حقائق میں تشکیک کرنے والے ہو، اور ایسے افراد کبھی ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے ہیں۔

اور ادبی شجاعت کا اس سے بہتر کوئی مرقع نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان فرعونیت جیسے ماحول میں اس قدر حقائق کے اظہار اور اعلان کی جرأت و ہمت رکھتا ہو۔

واضح رہے کہ اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے اس مردِ مومن کو مومن بھی کہا ہے اور اس کے ایمان کے چھپانے کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان ایک قلبی عقیدہ ہے اور حالات و مصالح کے تحت اس کے چھپانے کو کتمان حق سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض دشمنانِ حقائق کا وطیرہ بن گیا ہے کہ ایک فرقہ کی دشمنی میں تقیہ کی مخالفت کرنے کے لئے قرآن مجید کے صریحی تذکرہ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے لیے عذاب جہنم کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

— قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ قلن حاش للّٰہ ما علمنا علیہ من سوء قالت امرأۃ العزیز الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔" (یوسف ۵۱)

"جب مصر کی عورتوں نے انگلیاں کاٹ لیں اور عزیز مصر نے خواب کی تعبیر کے لیے جناب یوسف کو طلب کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان عورتوں سے دریافت کرو کہ انھوں نے انگلیاں کاٹ لیں اور اس میں میری کیا خطا ہے؟ — عزیز مصر نے ان عورتوں سے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ یوسف کی کوئی خطا نہیں ہے — تو عزیز مصر کی عورت نے کہا کہ یہ سب میرا اقدام تھا اور یوسف صادقین میں سے ہیں اور اب حق بالکل واضح ہو چکا ہے۔"

اس مقام پر عزیز مصر کی زوجہ کا اس جرأت و ہمت سے کام لینا کہ بھرے مجمع میں اپنی غلطی کا اقرار کر لیا اور زنانِ مصر کا بھی اس جرأت کا مظاہرہ کرنا کہ عزیز مصر کی زوجہ کی حمایت میں غلط بیانی کرنے کے بجائے صاف صاف اعلان کر دیا کہ یوسف میں کوئی برائی اور خرابی نہیں ہے۔ ادبی جرأت و شجاعت کے بہترین مناظر ہیں جن کا تذکرہ کر کے قرآن مجید مسلمان کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت کرنا چاہتا ہے۔

— "وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعیٰ قال یٰقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون ۝ ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون ءاتخذ من دونہ آلھۃ ان یردن الرحمٰن بضر لا تغن عنّی

شفاعتھم شیئاً ولا ینقذون انی اذا لفی ضلال مبین انی آمنت بربکم فاسمعون"
(یٰسٓ ۲۰)

"اور شہر کے آخر سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ اے قوم! مرسلین کا اتباع کرو، اس شخص کا اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر بھی نہیں مانگتا ہے اور وہ سب ہدایت یافتہ بھی ہیں، اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس خدا کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہو۔ کیا میں اس کے علاوہ دوسرے خداؤں کو اختیار کرلوں جب کہ رحمان کوئی نقصان پہونچانا چاہے تو ان کی سفارش کسی کام نہیں آسکتی ہے اور نہ یہ بچا سکتے ہیں، میں تو کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ بے شک میں تمہارے خدا پر ایمان لا چکا ہوں لہذا تم لوگ بھی میری بات سنو"!

آیت کریمہ میں اس مرد مومن کے جن فقرات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ادبی شجاعت کا شاہکار ہیں۔

اس نے ایک طرف داعی حق کی بے نیازی کا اعلان کیا کہ وہ زحمت ہدایت بھی برداشت کرتا ہے اور اجرت کا طلبگار بھی نہیں ہے۔

پھر اس کے خدا کو اپنا خالق کہہ کر متوجہ کیا کہ تم سب بھی اسی کی بارگاہ میں جانے والے ہو تو ابھی سے سوچ لو کہ وہاں جا کر اپنی ان حرکتوں کا کیا جواز پیش کروگے۔

پھر قوم کے خداؤں کی بے بسی اور بیکسی کا اظہار کیا کہ یہ سفارش تک کرنے کے قابل نہیں ہیں، ذاتی طور پر کون سا کام انجام دے سکتے ہیں۔

پھر قوم کے ساتھ رہنے کو ضلال مبین اور کھلی ہوئی گمراہی سے تعبیر کرکے یہ بھی واضح کردیا کہ میں جس پر ایمان لایا ہوں وہ تمھارا بھی پروردگار ہے۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اپنے پروردگار پر تم بھی ایمان لے آؤ اور مخلوقات کے چکر میں نہ پڑو۔

۔" ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیھم و آتینٰہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ اذ قال لہ قومہ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین ابتغ فیما آتٰک اللہ الدار الآخرۃ ولا تبغ الفساد

فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین " (قصص ۷۶ - ۷۷)

"بے شک قارون موسیٰ ہی کی قوم میں سے تھا لیکن اس نے قوم پر زیادتی کی اور ہم نے اسے اس قدر خزانے عطا کیے کہ ایک بڑی جماعت بھی اس کا بار اٹھانے سے عاجز تھی تو قوم نے اس سے کہا کہ غرور مت کر کہ خدا غرور کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے اور جو کچھ خدا نے تجھے عطا کیا ہے اس سے دار آخرت حاصل کرنے کی فکر کر اور زمین میں فساد نہ کر کہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

آیت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قارون کے بے تحاشہ صاحب دولت ہونے کے باوجود قوم میں اس قدر ادبی جرأت موجود تھی کہ اسے مغرور اور مفسد قرار دے دیا، اور یہ واضح کر دیا کہ خدا مغرور اور مفسد کو نہیں پسند کرتا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ دولت کا بہترین مصرف آخرت کا گھر حاصل کر لینا ہے ورنہ دنیا چند روزہ ہے اور فنا ہو جانے والی ہے۔

عفتِ نفس:

انسان کے عظیم ترین اخلاقی صفات میں ایک صفت عفتِ نفس بھی ہے جس کا تصور عام طور سے جنس سے وابستہ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ عفتِ نفس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے اور اس میں ہر طرح کی پاکیزگی اور پاک دامانی شامل ہے ــ قرآن مجید نے اس عفتِ نفس کے مختلف مرقع پیش کیے ہیں اور مسلمانوں کو اس کے وسیع تر مفہوم کی طرف متوجہ کیا ہے۔

ــ "وراودته التی ھو فی بیتھا عن نفسه وغلقت الابواب وقالت ھیت لک قال معاذ اللہ انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون " (یوسف ۲۳)

"اور زلیخا نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنے کی ہر امکانی کوشش کی اور تمام دروازے بند کر کے یوسف کو اپنی طرف دعوت دی لیکن انھوں نے برجستہ کہا کہ پناہ بخدا وہ میرا پروردگار ہے اور اس نے مجھے بہترین مقام عطا کیا ہے اور ظلم کرنے والوں کے لیے فلاح اور کامیابی نہیں ہے "

ایسے حالات اور ماحول میں انسان کا اس طرح دامن بچالینا اور عورت کے شکنجہ سے آزاد ہو جانا عفتِ نفس کا بہترین کارنامہ ہے، اور الفاظ پر دقتِ نظر کرنے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یوسف نے صرف اپنا دامن نہیں بچالیا بلکہ نبی خدا ہونے کے رشتے سے ہدایت کا فریضہ بھی انجام دے دیا اور زلیخا کو بھی متوجہ کر دیا کہ جس نے اس قدر شرف اور عزت سے نوازا ہے وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کے راستے سے انحراف نہ کیا جائے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس کی اطاعت سے انحراف ظلم ہے اور ظالم کسی وقت بھی کامیاب اور کامران نہیں ہو سکتا ہے۔

— "للفقراء الذين احصروا فى سبيل الله لايستطيعون ضربا فى الارض يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لايسئلون الناس الحافا وما تنفقوا من خير فان الله به عليم" (بقرہ ۲۷۳)

"ان فقراء کے لیے جو راہ خدا میں محصور کر دیے گئے ہیں اور زمین میں دوڑ دھوپ کرنے کے قابل نہیں ہیں، ناواقف انھیں ان کی عفتِ نفس کی بنا پر مالدار کہتے ہیں حالانکہ تم انھیں ان کے چہرے کے علامات سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہیں دراز کرتے ہیں حالانکہ تم لوگ جو بھی خیر کا انفاق کرو گے خدا تمھارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

جنسی پاک دامنی کے علاوہ یہ عفتِ نفس کا دوسرا مرقع ہے جہاں انسان بدترین فقر و فاقہ کی زندگی گذارتا ہے جس کا اندازہ حالات اور علامات سے بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی غربت کا اظہار نہیں کرتا ہے اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہیں دراز کرتا ہے کہ یہ انسانی زندگی کا بدترین سودا ہے۔ دنیا کا ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ آبرو کی قیمت مال سے زیادہ ہے اور مال آبرو کے تحفظ پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ بنابریں آبرو دے کر مال حاصل کرنا زندگی کا بدترین معاملہ ہے جس کے لیے کوئی صاحبِ عقل و شرف امکانی حدود تک تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ اضطرار کے حالات دوسرے ہوتے ہیں وہاں ہر شرعی اور عقلی تکلیف تبدیل ہو جاتی ہے۔

۔۔ "واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً" ۔۔ "جب جاہل ان سے جاہلانہ انداز سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں"۔

۔۔ "والذین لا یشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراماً" (فرقان ۷۲)

"اللہ کے نیک اور مخلص بندے وہ ہیں جو گناہوں کی محفلوں میں حاضر نہیں ہوتے ہیں اور جب لغویات کی طرف سے گذرتے ہیں تو نہایت شریفانہ انداز سے گذر جاتے ہیں اور ادھر توجہ دینا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔

ان فقرات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عباد الرحمٰن میں مختلف اقسام کی عفتِ نفس پائی جاتی ہے۔ جاہلوں سے الجھتے نہیں ہیں اور انھیں بھی سلامتی کا پیغام دیتے ہیں ۔۔ رقص و رنگ کی محفلوں میں حاضر نہیں ہوتے ہیں اور اپنے نفس کو ان خرافات سے بلند رکھتے ہیں ۔۔ ان محفلوں کے قریب سے بھی گذرتے ہیں تو اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اور شریفانہ انداز سے گذر جاتے ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو بھی احساس پیدا ہو کہ ان محفلوں میں شرکت ایک غیر شریفانہ اور شیطانی عمل ہے جس کی طرف شریف النفس اور عباد الرحمٰن قسم کے انسان توجہ نہیں کرتے ہیں اور ادھر سے نہایت درجہ شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

قرآنی زندگی

قرآن مجید کا ایک سرسری مطالعہ کرنے والا بھی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات اور نظام زندگی ہے۔ جس میں زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہر شعبہ میں مکمل اصلاح کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کو مفصل طور سے بیان کرنے کے لیے مکمل قرآن کی آیات کو نقل کرنا ہوگا اور ان کے تنظیمی مقاصد کی وضاحت کرنا ہوگی۔ لیکن ذیل میں صرف ایک فہرست کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جس سے ہر انسان اتنی مقدار میں سبق حاصل کر سکتا ہے کہ اسے اپنی زندگی کو اسلامی اور شریفانہ بنانا ہو تو اس کے سامنے وہ خطوط رہیں جن خطوط پر چلنے کے بعد انسان ایک انسانی اور اسلامی زندگی گذار سکتا ہے۔

تفریق انسان وحیوان:

قرآن مجید نے اس مرحلہ پر سب سے پہلے انسان اور حیوان کی زندگی کو الگ الگ کرکے بیان کیا ہے اور ان انسانوں کی شدید مذمت کی ہے جو مادی یا معنوی اعتبار سے حیوانوں جیسی زندگی گذار رہے ہیں، انھیں حیوانات کے مانند بلکہ ان سے بدتر قرار دیا گیا ہے کہ حیوانات عقل نہ رکھنے کی بنا پر بہک جاتے ہیں اور انسان اس قدر وسیع تر شعور و ادراک رکھنے کے بعد بھی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے جو اس کے لیے انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام"۔ (محمد ۱۲)

"اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا ہے وہ دنیا میں مزے اڑا رہے ہیں اور اس

طرح کھا رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں۔"

اس فقرہ سے کفار کی دوہری کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کی زندگی کا تمام تر مقصد کھانا پینا اور مزے اڑانا ہے۔ اس سے زیادہ انھیں کسی بات کی فکر نہیں ہے اور نہ عاقبت کے بارے میں سوچنے کا ارادہ کرتے ہیں جو ایک حیوانی زندگی کا خاصہ ہے کہ وہ بھی کھا پی کر مر جانا چاہتا ہے اور اس سے زیادہ سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ اور دوسری کمزوری یہ ہے کہ جس طرح حیوانات اپنے کھانے میں حلال و حرام، جائز و ناجائز اور اچھے بُرے کا امتیاز نہیں رکھتے ہیں اسی طرح کفر والے خدائی قوانین سے بے نیازی اور علیحدگی کی بنا پر اس امتیاز سے محروم ہو گئے ہیں اور بالکل جانوروں جیسی زندگی گذار رہے ہیں۔

مقصدی زندگی:

اس کے بعد قرآن مجید نے انسان کو متوجہ کیا کہ تیری زندگی کو بھی ایک عظیم تر مقصد سے وابستہ ہونا چاہیے۔ صرف یہی نہیں کہ حیوان بے مقصد زندگی گذارتا ہے اور تمھاری زندگی کا ایک مقصد ہے۔ نہیں ہر مقصد بھی اس قابل نہیں ہے کہ تیری زندگی کا مقصد قرار پا سکے۔ تجھے اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے تو تیرا مقصد بھی تمام مخلوقات سے بلند تر ہونا چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث ذلك متاع الحيوٰة الدنيا والله عنده حسن المآب ٥ قل اؤنبئكم بخير من ذلكم للذين اتقوا عند ربهم جنات تجري من تحتها الانهار خالدين فيها لهم فيها ازواج مطهرة ورضوان من الله والله بصير بالعباد ٥ الذين يقولون ربنا آمنا فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار ٥ الصابرين والصادقين والقانتين والمنفقين والمستغفرين بالاسحار" (آل عمران)

"لوگوں کے لیے خواہشات زندگی عورت، اولاد، سونے چاندی کے ذخائر، نشاندار گھوڑے، جانور، زراعت کی محبت آراستہ کردی گئی ہے جب کہ یہ سب زندگانی دنیا کا سرمایہ ہیں اس کے بعد بہترین بازگشت کی منزل خدا کے پاس ہے۔ کیا میں تمھیں ان سب سے بہتر چیز کی اطلاع کروں۔۔ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کرلیا ہے ان کے واسطے پروردگار کے یہاں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ انھیں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کے لیے وہاں پاکیزہ ازواج ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے۔ یہ بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لے آئے ہیں لہذا ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں آتشِ جہنم سے محفوظ فرما۔ یہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اطاعت گذار اور راہِ خدا میں انفاق کرنے والے اور سحر کے ہنگام استغفار کرنے والے ہیں۔۔!"

آیتِ کریمہ سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ زندگانی دنیا کا سامان اور ہے اور آخرت کا سامان اور ہے۔ اور صاحب عقل و ایمان اور صاحب عدل و اتقان وہ نہیں ہے جو ان لذاتِ دنیا میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت سے غافل ہوجائے بلکہ واقعی انسانی اور ایمانی طریقۂ حیات یہ ہے کہ انسان انھیں چیزوں کو بلند مقاصد کے لیے قربان کردے اور اس کا معاوضہ اپنے پروردگار سے روزِ قیامت حاصل کرے۔

یہاں جنسی قربانی دے اور وہاں حور العین حاصل کرے، یہاں اولاد کو قربان کرے اور وہاں غلمان مخلدون حاصل کرے، یہاں سونے چاندی کے ذخیرے قربان کرے اور وہاں سونے چاندی کے زیورات حاصل کرے، یہاں جانوروں اور کھیتیوں سے قطع نظر کرے اور وہاں مجاہدین اور محنت کشوں کا اجر حاصل کرے۔ آخرت بنانے کے لیے دنیا کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، دنیا ہی آخرت کی کھیتی ہے اور دنیا ہی سے آخرت بنتی ہے۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے مقصدِ حیات کی طرف متوجہ رہے اور اسے اس امر کا احساس رہے کہ یہ لذاتِ دنیا اور اسبابِ زندگی وسائل ہیں مقاصدِ زندگی نہیں ہیں۔ مقصد انسان سے بلند تر ہے اور وہ

رب العالمین کی ہستی اور اس کی راہ میں قربانی ہے۔ جمادات اور نباتات وحیوانات کو مقصد حیات بنا لینے والے اپنی انسانیت کی توہین کر رہے ہیں اور انھیں اپنی واقعی عظمت اور حیثیت کا احساس بھی نہیں ہے۔

دعوتِ اکل و شرب:

اسلام رہبانیت اور ترک دنیا کا مذہب نہیں ہے۔ مقصدی زندگی سے اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا سے الگ ہو جائے اور کسی پہاڑ کی بلندی پر یا غار کے اندر جا کر عبادت الٰہی کرنے لگے اور ترک لذات کو سب سے بڑا مقصد حیات قرار دے لے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اسی دنیا میں رہے، اس کی راحتوں اور لذتوں سے فیضیاب ہوتا رہے لیکن اپنے مقصد حیات کی طرف متوجہ رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولاتسرفوا انہ لایحب المسرفین۔ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق قل ھی للذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ کذٰلک نفصل الآیات لقوم یعلمون۔ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون۔" (اعراف)

"اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اپنی زینت کا خیال رکھو اور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ آخر کس نے اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ روزی کو کس نے حرام کر دیا ہے جب کہ یہ زندگانی میں سب کے لیے ہے اور آخرت میں صرف صاحبان ایمان کے لیے ہے۔ ہم اسی طرح اپنی آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس قوم کے لیے جو جاننے والی ہے۔ کہہ دیجئے کہ میرے خدا نے صرف ظاہر و باطن فحش باتیں، شراب، ناحق ظلم اور بلا دلیل کسی کو خدا کے معاملہ میں شریک بنانے سے

منع کیا ہے اور اس بات سے روک دیا ہے کہ بغیر علم کسی مسئلہ میں زبان کھولو۔"

آیات کریمہ میں تمام لذات دنیا کی دعوت دی گئی ہے اور ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ان لذتوں کو حرام بنائے ہوئے ہیں اور ان سے کنارہ کشی ہی کو اپنی انسانیت کا کمال تصور کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کا مقصد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں اسراف سے کام نہ لے، زینتوں کو صحیح مواقع پر استعمال کرے، پاک روزی سے استفادہ کرے اور ہر طرح کی برائی سے پرہیز کرے چاہے وہ منظر عام پر آنے والی ہوں یا نہ ہوں۔ حقیقتاً انسان کی انسانی اور ایمانی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ ذلیل غذا، حقیر افعال اور قابل مذمت اعمال سے پرہیز کرے جن سے اس کی انسانیت کسی وقت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے اور وہ اپنے شرف انسانیت سے محروم ہو سکتا ہے۔

اصلاح نفس:

اسلام میں انسانی، ایمانی اور مقصدی زندگی گذارنے کا سب سے پہلا مرحلہ اصلاح نفس کا ہے۔ اصلاح نفس کے بغیر نہ تربیت کا عمل انجام پا سکتا ہے اور نہ معاشرہ کی واقعی اصلاح ممکن ہے۔

قرآن مجید نے اصلاح نفس کے بارے میں بے شمار تعلیمات کا ذخیرہ مہیا کیا ہے جس میں سے چند ایک کا نمونہ یہ ہے:

— "ولا تصعر خدك للناس ولا تمش فی الارض مرحًا ان الله لا یحب من کان مختالاً فخورًا واقصد فی مشیك واغضض من صوتك ان انکر الاصوات لصوت الحمیر"۔ (لقمان ۱۵)

"اور دیکھو اپنے رخساروں کو لوگوں کے لیے مت پھلانا اور زمین میں اکڑ کر مت چلنا کہ خدا اکڑنے اور اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو دھیما رکھو کہ بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔"

— "یا ایها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرًا

منهم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرًا منهن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک هم الظٰلمون ۝ یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب احدکم ان یاکل لحم أخیه میتا فکرهتموه واتقوا اللّٰه ان اللّٰه تواب رحیم ۝ (حجرات ۱۱-۱۲)

"ایمان والو! تم میں کوئی مرد دوسری قوم کے مرد کا مذاق نہ اُڑائے شاید وہ اس سے بہتر ہو، اور کوئی عورت کسی عورت کی ہنسی نہ اُڑائے شاید وہ اس سے بہتر ہو، اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے مت دو اور بُرا نام نہ رکھو کہ ایمان کے بعد بدکاری بہت بُرا نام ہے اور جو توبہ نہ کرے گا اس کا شمار ظالموں میں ہوگا۔ ایمان والو! بہت سے گمانوں سے اجتناب کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی مت کرو اور کسی کی غیبت مت کرو کیا تم میں کوئی شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم اسے بُرا سمجھو گے۔ اللہ سے ڈرو کہ وہ بے شک بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔"

آیات کریمہ میں اگرچہ سماجی اور معاشرتی معاملات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن درحقیقت یہ حرکتیں اور عادتیں خباثت نفس سے پیدا ہوتی ہیں جب انسان کے اندر احساس کمتری پیدا ہوتا ہے تو دوسروں کا مذاق اُڑاتا ہے اور اپنی برتری کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ جب اس کی نگاہ میں دوسرے کی شخصیت عظیم معلوم ہوتی ہے تو اسے طعن وطنز یا بُرے نام رکھ کر کمزور کرنا چاہتا ہے، جب اس کا نفس فاسد ہو جاتا ہے تو ہر ایک کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے اور اسی گمان پر اپنی زندگی کی بنیادیں قائم کرتا ہے اور جب کسی سے حسد پیدا ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرکے اپنے اندر کی آگ بجھانا چاہتا ہے۔ قرآن مجید نے ان تمام خصلتوں سے منع کرکے اور ان پر پابندی عائد کرکے انسان کو اصلاح نفس کی دعوت دی ہے کہ نہ اس کے دل میں فساد پیدا ہو اور نہ اس طرح کے اعمال منظر عام پر آئیں۔

—" یا ایها الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس ولا یومن باللہ و الیوم الآخر فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا لا یقدرون علی شیٔ مما کسبوا واللہ لا یهدی القوم الکافرین " (بقرہ ۲۶۴)

" ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر باطل مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، اور اس کا ایمان نہ اللہ پر ہے اور نہ روز آخرت پر۔ اس کی مثال اس پتھر کی جیسی ہے جس پر خاک جم جائے اور پھر تیز بارش ہو جائے اور پتھر بالکل صفاچٹ ہو جائے کہ اپنے کمائے میں سے کسی چیز کا اختیار نہ رہ جائے، اور اللہ کافر قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے "

انسانی نفس کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ اپنے کار خیر کا اسی دنیا میں معاوضہ چاہتا ہے اور جب خاطر خواہ معاوضہ نہیں ملتا ہے تو کبھی احسان جتا کر اپنے نفس کی تشفی کرتا ہے اور کبھی فقیر و مستحق کو اذیت دے کر۔ قرآن مجید نے اس کمزوری کی طرف متوجہ کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ ریاکاری ہی کی ایک قسم ہے اور اس کی وجہ سے عمل خیر کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا ہے بلکہ یہ حرکت آخرت پر ایمان نہ رکھنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ورنہ انسان کا آخرت پر ایمان ہو تو اپنے مستقل اور دائمی اجر کا انتظار کرے اور یہاں معاوضہ حاصل کرنے کی فکر میں نہ رہے۔

انسان کو اتنا سوچنا چاہیے کہ اس سے کیا مل سکتا ہے جو خود ایک ایک پیسے کے لیے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اس کے دو جملوں کی کیا قیمت ہے اور اس سے کیا ملنے والا ہے۔؟ حقیقت امر یہ ہے کہ فقیر وہ نہیں ہے جو امیر سے دولت طلب کرے۔ فقیر وہ امیر ہے جو دولت رکھ کر فقیر سے دو تعریفی کلمات کا مطالبہ کر رہا ہے۔ امیر کا محتاج ہونا فقیری نہیں ہے، فقیر کا محتاج ہونا فقیری ہے، یا دوسری لفظوں میں یہ کہا جائے کہ بد ترین فقیر وہ ہے جو فقیر سے کوئی مطالبہ کرے اور اپنی دولت پر فقیر کی غربت

کے برابر بھی اعتماد نہ کرے۔

تربیت:

اصلاح نفس کے بعد دوسرا مرحلہ گھر والوں کی تربیت کا ہے۔ قرآن مجید نے اس کے بھی اصول مقرر کر دیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"والوالدٰت یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا ولا تضار والدة بولدھا ولا مولود له بولده۔" (بقرہ ۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال مکمل دودھ پلائیں اگر رضاعت کو تمام کرنا چاہیں اور صاحب اولاد کا فرض ہے کہ ان کے کھانے اور کپڑے کا مناسب انتظام کرے۔ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی ہے لیکن نہ ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف پہونچائی جائے اور نہ صاحب اولاد کو اس کے فرزند کی بنا پر نقصان پہونچایا جائے۔"

آیت کریمہ میں تربیت میں ماں اور اس کے دودھ کی اہمیت کا اشارہ دینے کے بعد اس کے حقوق کی طرف بھی متوجہ کر دیا گیا کہ یہ اس کا ذاتی فریضہ نہیں ہے۔ ذاتی طور پر نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہے اور ماں خود بھی اپنے کھانے کپڑے کی حقدار ہے۔ لیکن چونکہ صاحب اولاد ہے لہذا اسے بھی اپنی اولاد کے حق میں ایثار کرنا چاہیے اور اس قسم کے مطالبات سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے اس کے نفس کی کمزوری کا اظہار ہو اس لیے کہ اس طرح جس بچہ کی نشو و نما میں ایسی خود غرض اور مفاد پرست عورت کا دودھ شامل ہو جائے گا اس کی فطرت میں بھی اسی طرح کے عناصر رچ بس جائیں گے اور ان کا وقتاً فوقتاً مظاہرہ ہوتا رہے گا۔

— "ووصینا الانسان بوالدیه حملته امه وھنا علی وھن وفصاله فی عامین ان اشکر لی ولوالدیك الی المصیر۔" (لقمان ۱۴)

"اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے

کمزوری پر کمزوری کا سامنا کیا ہے اور اس کی مدّتِ رضاعت بھی دو برس رہی ہے جس میں اس نے ماں کا خونِ جگر دودھ کی شکل میں پیا ہے ۔۔۔ کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرے کہ اس کی بازگشت میری ہی طرف ہے ۔"

اس آیت کریمہ میں اولاد کو ماں کی زحمتوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور ماں کو ان زحمات کے برداشت کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ ماں اس طرح کی زحمتیں برداشت نہ کرے گی تو اس کی عظمت و اہمیت اور اس کے احسانات کی گفتگو کس کے حوالے سے کی جائے گی اور اولاد کو کس طرح شکریہ ادا کرنے کی دعوت دی جائے گی اور پھر اولاد کو اس امر کی طرف بھی متوجہ کر دیا گیا کہ دنیا چند روزہ ہے ۔ تمھارے شکریہ سے ہمارا کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے لیکن تمھیں اپنے اعمال کا جواب ہماری بارگاہ میں بہرحال دینا ہوگا ۔

آدابِ معاشرت :

قرآن مجید نے انسانی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح معاشرہ کے زندگی گذارنے کے آداب بھی سکھلائے ہیں اور انسان کو سمجھایا ہے کہ اپنے بنی نوع سے کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے اور ان کے بارے میں کس طرح کے خیالات اور برتاؤ سے کام لینا چاہیے ۔ ارشاد ہوتا ہے :

"قولوا للناس حسنا (بقرہ) "لوگوں کے ساتھ اچھی باتیں کرو ۔"

"قل لعبادی یقولوا التی احسن (اسراء ۵۳) "میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہترین ہوں ۔"

"اذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها ۔" (نساء ۸۶) "جب تمھیں کوئی سلام کرے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم ویسا ہی واپس کرو ۔"

"وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما ۔" (فرقان ۶۳)

"اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں اور جاہل ان سے

جاہلانہ انداز سے مخاطب ہوتے ہیں تو انھیں سلامتی کا پیغام دیتے ہیں"۔

— "وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم" (تغابن ۱۴)
"اور اگر معاف کر دو اور در گذر کرو اور بخش دو تو خدا یقیناً بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

— "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین" آل عمران)
"اور وہ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور اللہ نیک عمل والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

— "واذا ما غضبوا ھم یغفرون" شوریٰ ۳۷) "اور جب انھیں غصہ آجاتا ہے تو بخش دیتے ہیں"۔

— "فان امن بعضکم بعضا فلیود الذی اؤتمن امانتہ" (بقرہ ۲۸۳)
"اس کے بعد جب تمھیں ایک دوسرے پر اطمینان ہو جائے تو صاحب امانت کی امانت واپس کر دو"۔

— "انما یرید الشیطان أن یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰة فہل انتم منتہون" (مائدہ ۹۱)
"بس شیطان کا مقصد یہ ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوے کے ذریعہ بغض اور عداوت پیدا کرا دے اور تمھیں یاد خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعاً رک جانے والے ہو"؟

آیات کریمہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسلامی معاشرہ سے ان امور کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کی سلامتی کا طلب گار رہے، اس کے سلام کا بہترین جواب دے، نرم اور مناسب انداز سے گفتگو کرے، زمین پر آہستہ چلے، لوگوں کی جہالت کا جواب نہ دے، کوئی غلطی کرے تو اسے معاف کر دے، غصہ آجائے تو اسے ضبط کر لے، کوئی امانت دے تو اُسے واپس کر دے اور ایسے اعمال وافعال سے مکمل طور سے پرہیز کرے جن سے بغض اور عداوت کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، جن میں سرفہرست شراب اور جوے کا نام ہے، تاکہ ایک مطمئن اور صالح معاشرہ ایجاد ہو جس کی بنیاد اُنس

والفت اور محبت و رحمت پر ہو اور جس میں کسی طرح کا فتنہ اور فساد نہ پیدا ہو۔

کفالت و ضمانت:

معاشرہ کی منفی بنیادوں کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اسلام نے اس کی مثبت ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے تاکہ مسلمانوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ہماری اسلامی ذمہ داری صرف دوسروں کو اذیت نہ دینے، ان کی امانت واپس کر دینے، ان سے جھگڑا نہ کرنے اور زبانی طور پر ہمدردی یا نرم گفتگو کرنے سے تمام نہیں ہو جاتی ہے بلکہ اس کے بعد ہر مسلمان کی زندگی کی ضمانت بھی دینی ہے اور حتی الامکان اس کی کفالت کا بھی انتظام کرنا ہے جو زبانی ہمدردی سے کہیں بلند تر مرتبہ ہے اور جو اسلام کو قولی قانون سے نکال کر عملی نظام بنا دیتا ہے اور مسلمانوں کو ایک فعال اور خادم انسانیت انسان کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۔"فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر" (ضحیٰ ۹-۱۰)

"خبردار یتیم پر قہر نہ کرنا اور سائل کو جھڑک نہ دینا"

۔"ارءیت الذی یکذب بالدین فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین" (ماعون)

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔؟ یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو نظر انداز کر دیتا ہے اور لوگوں کو مسکینوں کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا ہے"

اس آیت سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یتیم کو نظر انداز کر دینا اور دوسروں کو مساکین کے طعام پر آمادہ نہ کرنا بھی اسلام کی نظر میں آخرت کے انکار کے مرادف ہے۔ خود طعام میں حصہ نہ لینا تو اس سے بڑا جرم ہے۔

۔"وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافاً وبدارًا ان یکبروا ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیرًا فلیاکل بالمعروف" (نساء ۶)

" اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب شادی کے قابل ہو جائیں تو اگر ہوشیاری کا اندازہ کر لو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو، اور خبردار ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی ان کا مال فضول خرچی کر کے کھا نہ جانا۔ سرپرست غنی ہے تو یتیموں کا مال استعمال کرنے سے پرہیز کرے اور فقیر ہے تو بقدر مناسب استعمال کرے۔

یہ ایک بہترین تعلیم اور ایک عظیم ترین نفسیاتی نکتہ ہے جس پر توجہ دینے کے بعد معاشرہ کے تمام مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔!

قرآن مجید اور نسائیات

اسلام میں نسائیات کے موضوع پر غور کرنے سے پہلے اس نکتہ کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے ان افکار کا مظاہرہ اس وقت کیا ہے جب باپ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا اور اس جلادیت کو اپنے لیے باعث عزت و شرافت تصور کرتا تھا۔ عورت دنیا کے ہر سماج میں انتہائی بے قیمت مخلوق تھی۔ اولاد ماں کو باپ سے ترکہ میں حاصل کیا کرتی تھی۔ لوگ نہایت آزادی سے عورت کا لین دین کیا کرتے تھے اور اس کی رائے کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ حد یہ ہے کہ یونان کے فلاسفہ اس نکتہ پر بحث کر رہے تھے کہ اسے انسانوں کی ایک قسم قرار دیا جائے یا یہ ایک ایسی انسان نما مخلوق ہے جسے اس شکل و صورت میں انسان کے انس و الفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ اس سے ہر قسم کا استفادہ کر سکے ورنہ اس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دور حاضر میں آزادئ نسواں اور تساوی حقوق کا نعرہ لگانے والے اور اسلام پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے والے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ عورتوں کے بارے میں اس طرح کی باعزت فکر اور اس کے سلسلہ میں حقوق کا تصور بھی اسلام ہی کا دیا ہوا ہے ورنہ اس نے ذلت کی انتہائی گہرائی سے نکال کر عزت کے اوج پر نہ پہونچا دیا ہوتا تو آج بھی کوئی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچنے والا نہ ہوتا۔ یہودیت اور عیسائیت تو اسلام سے پہلے بھی تھی، فلاسفہ و مفکّرین تو اسلامی قوانین کے آنے سے پہلے بھی ان موضوعات پر بحث کیا کرتے تھے۔ انھیں اس وقت اس آزادی کا خیال کیوں نہیں آیا اور انھوں نے اس دور میں مساوی حقوق کا نعرہ کیوں نہیں لگایا۔ یہ آج عورت کی عظمت کا خیال کہاں سے آگیا اور اس کی ہمدردی کا اس قدر جذبہ

کہاں سے پیدا ہو گیا۔؟

درحقیقت یہ اسلام کے بارے میں احسان فراموشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ جس نے تیراندازی سکھائی اسی کو نشانہ بنا دیا، اور جس نے آزادی اور حقوق کا نعرہ دیا اسی پر الزامات عائد کر دیے۔ بات صرف یہ ہے کہ جب دنیا کو آزادی کا خیال پیدا ہوا تو اس نے یہ غور کرنا شروع کیا کہ آزادی کا یہ مفہوم تو ہمارے دیرینہ مقاصد کے خلاف ہے۔ آزادی کا یہ تصور تو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہر مسئلہ میں اس کی مرضی کا خیال رکھا جائے اور اس پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے اور اس کے حقوق کا تقاضا یہ ہے کہ اسے میراث میں حصہ دیا جائے۔ اسے جاگیرداری اور سرمایہ داری کا شریک تصور کیا جائے اور یہ ہمارے تمام رکیک، ذلیل اور فرسودہ مقاصد کے منافی ہے۔ لہٰذا انھوں نے اسی آزادی اور حق کے لفظ کو باقی رکھتے ہوئے مطلب برآری کی نئی راہ نکالی اور یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ عورت کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے، اور اس کے مساوی حقوق کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جتنے افراد سے چاہے رابطہ رکھے۔ اس سے زیادہ دور حاضر کے مردوں کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ عورت کو کرسی اقتدار پر بھی بٹھلاتے ہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس کے برسر اقتدار لانے میں کسی نہ کسی صاحب قوت و جذبات کا ہاتھ ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ قوموں کی سربراہ ہونے کے بعد بھی کسی نہ کسی سربراہ کی ہاں میں ہاں ملاتی رہتی ہے اور اندر سے کسی نہ کسی احساس کمتری میں مبتلا رہتی ہے۔ اسلام اسے صاحب اختیار دیکھنا چاہتا ہے لیکن مردوں کا آلہ کار بن کر نہیں۔ وہ اسے حق اختیار و انتخاب دینا چاہتا ہے لیکن اپنی شخصیت، حیثیت، عزت اور کرامت کا خاتمہ کرنے کے بعد نہیں۔ اس کی نگاہ میں اس طرح کا اختیار مردوں کو حاصل نہیں ہے تو عورت کو کہاں سے حاصل ہو جائے گا جب کہ اس کی عصمت و عفت کی قدر و قیمت مرد سے زیادہ ہے، اور اس کی عفت جانے کے بعد دوبارہ واپس نہیں آتی ہے جب کہ مرد کے ساتھ ایسی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

اسلام مردوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جنسی تسکین کے لیے قانون کا دامن نہ

چھوڑیں اور کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جو ان کی عزت و شرافت کے خلاف ہو۔ چنانچہ ان تمام عورتوں کی نشان دہی کر دی گئی جن سے جنسی رشتہ حرام ہے۔ ان تمام حالات کی نشان دہی کر دی گئی جن میں جنسی تعلقات کا جواز نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا جن سے سابقہ رشتہ مجروح ہو جاتا ہے اور ان تمام تعلقات کو بھی واضح کر دیا جن کے بعد پھر دوسرا جنسی تعلق ممکن نہیں رہ جاتا ہے۔ ایسے مکمل اور مرتب نظام زندگی کے بارے میں یہ سوچنا کہ اس نے یکطرفہ فیصلہ کیا ہے اور عورتوں کے حق میں ناانصافی سے کام لیا ہے خود اس کے حق میں ناانصافی بلکہ احسان فراموشی ہے ورنہ اس سے پہلے اسی کے سابقہ قوانین کے علاوہ کوئی اس صنف کا پرسان حال نہیں تھا اور دنیا کی ہر قوم میں اسے نشانۂ ظلم و ستم بنا لیا گیا تھا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اسلام کے چند امتیازی نکات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جہاں اس نے عورت کی مکمل شخصیت کا تعارف کرایا ہے اور اسے اس کا واقعی مقام دلوایا ہے۔

عورت کی حیثیت:

"ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودة ورحمة" (روم ۲۱)

"اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون زندگی حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ بھی قرار دے دیا ہے۔"

آیت کریمہ میں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

۱۔ عورت عالم انسانیت ہی کا ایک حصہ ہے اور اسے مرد کا جوڑا بنایا گیا ہے۔ اس کی حیثیت مرد سے کمتر نہیں ہے۔

۲۔ عورت کا مقصد وجود مرد کی خدمت نہیں ہے، مرد کا سکون زندگی ہے اور

مرد و عورت کے درمیان طرفین محبت اور رحمت ضروری ہے۔ یہ یکطرفہ معاملہ نہیں ہے۔

۔" ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة" بقره ۲۲۸)

" عورتوں کے لیے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے ذمہ فرائض ہیں اور مردوں کو ان کے اوپر ایک درجہ اور حاصل ہے۔"

یہ درجہ حاکمیت مطلقہ کا نہیں ہے بلکہ ذمہ داری کا ہے کہ مردوں کی ساخت میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ عورتوں کی ذمہ داری سنبھال سکیں اور اسی بنا پر انھیں نان و نفقہ اور اخراجات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

۔" فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض۔" (آل عمران ۱۹۵)

" تو اللہ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا کہ ہم کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، تم میں بعض بعض سے ہے۔"

یہاں پر دونوں کے عمل کو برابر کی حیثیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے قرار دیا گیا ہے۔

۔" ولا تتمنوا ما فضل الله بعضکم علیٰ بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن۔" (نساء ۳۲)

" اور دیکھو جو خدا نے بعض کو بعض سے زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے حاصل کیا ہے، اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے حاصل کر لیا ہے۔"

یہاں بھی دونوں کو ایک طرح کی حیثیت دی گئی ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی فضیلت پر نظر لگانے سے روک دیا گیا ہے۔

۔" وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔" (اسراء ۲۳)

" اور یہ کہو کہ پروردگار ان دونوں (والدین) پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح انھوں نے مجھے پالا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں ماں اور باپ کو برابر کی حیثیت دی گئی ہے اور دونوں کے ساتھ احسان بھی لازم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے حق میں دعائے رحمت کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

— "یا ایھا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن الا أن یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔" (نساء ۱۹)

"ایمان والو! تمھارے لئے جائز نہیں ہے کہ عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ، اور نہ یہ حق ہے کہ انھیں عقد کرنے سے روک دو کہ اس طرح جو تم نے ان کو دیا ہے اس کا ایک حصہ خود لے لو جب تک وہ کوئی کھُلّم کھُلّا بدکاری نہ کریں، اور ان کے ساتھ مناسب برتاؤ کرو کہ اگر انھیں ناپسند بھی کرتے ہو تو شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس کے اندر خیر کثیر قرار دیدے۔"

— "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف أو سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا ومن یفعل ذٰلک فقد ظلم نفسہ۔" (بقرہ ۲۳۱)

"اور جب عورتوں کو طلاق دو اور ان کی مدت عدہ قریب آجائے تو چاہو تو انھیں نیکی کے ساتھ روک لو ورنہ نیکی کے ساتھ آزاد کردو، اور خبردار نقصان پہونچانے کی غرض سے مت روکنا کہ اس طرح ظلم کروگے، اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے ہی نفس کا ظالم ہوگا۔"

مذکورہ دونوں آیات میں مکمل آزادی کا اعلان کردیا گیا ہے۔ جہاں آزادی کا مقصد شرف اور شرافت کا تحفظ ہے اور جان و مال دونوں کے اعتبار سے صاحب اختیار ہونا ہے، اور پھر یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ ان پر ظلم درحقیقت ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ اپنے ہی نفس پر ظلم ہے کہ ان کے لیے فقط دنیا خراب ہوتی ہے اور انسان اس سے اپنی عاقبت خراب کرلیتا ہے جو خرابی دنیا سے کہیں زیادہ بدتر بربادی ہے۔

"الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علیٰ بعض و بما انفقوا من اموالهم" ۔ (نساء ۳۴)

"مرد عورتوں کے نگراں ہیں ان خصوصیات کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض کے مقابلہ میں عطا کی ہیں اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے اموال کو خرچ کیا ہے۔"

آیت کریمہ سے بالکل صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا مقصد مرد کو حاکم مطلق بنا دینا نہیں ہے اور عورت سے اس کی آزادی حیات کا سلب کر لینا نہیں ہے۔ بلکہ اس نے مرد کو بعض خصوصیات کی بنا پر گھر کا نگراں اور ذمہ دار بنا دیا ہے اور اسے عورت کے جان، مال اور آبرو کا محافظ قرار دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس مختصر حاکمیت یا ذمہ داری کو بھی مفت نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں اسے عورت کے تمام اخراجات و مصارف کا ذمہ دار بنا دیا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب دفتر کا افسر یا کارخانہ کا مالک صرف تنخواہ دینے کی بنا پر حاکمیت کے بے شمار اختیارات حاصل کر لیتا ہے اور اسے کوئی عالم انسانیت کی توہین نہیں قرار دیتا ہے اور دنیا کا ہر ملک اسی پالیسی پر عمل کر لیتا ہے تو مرد زندگی کی تمام ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد اگر عورت پر یہ پابندی عائد کر دے کہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ جائے اور اس کے لئے ایسے وسائل سکون فراہم کر دے کہ اسے بھی باہر نہ جانا پڑے اور دوسرے کی طرف ہوس آمیز نگاہ سے نہ دیکھنا پڑے تو کون سی حیرت انگیز بات ہے۔ یہ تو ایک طرح کا بالکل صاف اور سادہ انسانی معاملہ ہے جو ازدواج کی شکل میں منظر عام پر آتا ہے کہ مرد کا کمایا ہوا مال عورت کا ہو جاتا ہے اور عورت کی زندگی کا سرمایہ مرد کا ہو جاتا ہے۔ مرد عورت کے ضروریات پورا کرنے کے لیے گھنٹوں محنت کرتا ہے اور باہر سے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور عورت مرد کی تسکین کے لیے کوئی زحمت نہیں کرتی ہے بلکہ اس کا سرمایۂ حیات اس کے وجود کے ساتھ ہے۔ انصاف کیا جائے کہ اس قدر فطری سرمایہ سے اس قدر محنتی سرمایہ کا تبادلہ کیا عورت کے حق میں ظلم اور ناانصافی کہا جا سکتا ہے جب کہ مرد کی تسکین میں بھی عورت برابر کی حصہ دار ہوتی ہے اور یہ جذبہ یکطرفہ نہیں ہوتا ہے اور عورت کے مال صرف کرنے میں مرد کو کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ مرد

پر یہ ذمہ داری اس کے مردانہ خصوصیات اور اس کی فطری صلاحیات کی بنا پر رکھی گئی ہے ورنہ زیادہ مردوں کے حق میں ظلم ہو جاتا اور انھیں یہ شکایت ہوتی کہ عورت نے ہمیں کیا سکون دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہم پر ذمہ داریوں کا کس قدر بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جنس اور مال کا سودا نہیں ہے بلکہ صلاحیتوں کی بنیاد پر تقسیم کار ہے۔ عورت جس قدر خدمت مرد کے حق میں کر سکتی ہے اس کا ذمہ دار عورت کو بنا دیا گیا ہے اور مرد جس قدر خدمت عورت کی کر سکتا ہے اس کا اسے ذمہ دار بنا دیا گیا ہے اور یہ کوئی حاکمیت یا جلادیت نہیں ہے کہ اسلام پر ناانصافی کا الزام لگا دیا جائے۔ اور اسے حقوق نسواں کا ضائع کرنے والا قرار دے دیا جائے۔

یہ ضرور ہے کہ عالم اسلام میں ایسے مرد بہرحال پائے جاتے ہیں جو مزاجی طور پر ظالم، بے رحم اور جلاد ہیں اور انھیں جلادی کے لیے کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو اس کی تسکین کا سامان گھر کے اندر فراہم کرتے ہیں اور اپنے ظلم کا نشانہ عورت کو بناتے ہیں کہ وہ صنف نازک ہونے کی بنا پر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور اس پر ظلم کرنے میں ان خطرات کا اندیشہ نہیں ہے جو کسی دوسرے مرد پر ظلم کرنے میں پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ظلم کا جواز قرآن مجید کے اس اعلان میں تلاش کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ قوامیت نگرانی اور ذمہ داری نہیں ہے بلکہ حاکیت مطلقہ اور جلادیت ہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے صاف صاف دو وجوہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ایک مرد کی ذاتی خصوصیت اور امتیازی کیفیت ہے، اور ایک اس کی طرف سے عورت کے اخراجات کی ذمہ داری ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ دونوں اسباب میں نہ کسی طرح کی حاکیت پائی جاتی ہے اور نہ جلادیت — بلکہ شاید بات اس کے برعکس نظر آئے کہ مرد میں فطری امتیاز تھا تو اسے اس امتیاز سے فائدہ اٹھانے کے بعد ایک ذمہ داری کا مرکز بنا دیا گیا اور اسی طرح اس نے چار پیسے حاصل کیے تو انھیں تنہا کھانے کے بجائے اس میں عورت کا حصہ قرار دے دیا ہے اور اب عورت وہ مالکہ ہے جو گھر کے اندر چین سے بیٹھی رہے اور مرد وہ خادم قوم وملت ہے جو صبح سے شام تک اہل خانہ کے آذوقہ کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہے۔ یہ درحقیقت عورت کی

نسوانیت کی قیمت ہے جس کے مقابلہ میں کسی دولت، شہرت، محنت اور حیثیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ازدواجی زندگی:

انسانی زندگی کا اہم ترین موڑ وہ ہوتا ہے جب دو انسان مختلف الصنف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی زندگی میں مکمل طور سے دخیل ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کی ذمہ داری اور اس کے جذبات کا پورے طور پر لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اختلاف صنف کی بنا پر حالات اور فطرت کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور گھرانوں کے اختلاف کی بنیاد پر طبائع اور ان کے تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں لیکن ہر انسان کو دوسرے کے جذبات کے پیش نظر اپنے جذبات اور احساسات کی مکمل قربانی دینی پڑتی ہے۔

قرآن مجید نے انسان کو اطمینان دلایا ہے کہ یہ کوئی خارجی رابطہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے بلکہ یہ ایک فطری معاملہ ہے جس کا انتظام خالق فطرت نے فطرت کے اندر ودیعت کر دیا ہے اور انسان کو اس کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"ومن آیاته ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودّة ورحمة ان فی ذٰلك لآیات لقوم یتفکرون" (روم)

"اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں سکون زندگی حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان مودّت اور رحمت قرار دی ہے۔ اس میں صاحبانِ فکر کے لیے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

بے شک اختلاف صنف، اختلاف تربیت، اختلاف حالات کے بعد مودت اور رحمت کا پیدا ہو جانا ایک علامت قدرت و رحمت پروردگار ہے جس کے بے شمار شعبے ہیں اور ہر شعبہ میں متعدد نشانیاں پائی جاتی ہے۔ آیت کریمہ میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جوڑا اللہ نے پیدا کیا ہے یعنی یہ مکمل خارجی مسئلہ نہیں ہے بلکہ داخلی طور پر ہر مرد میں

عورت کے لیے اور ہر عورت میں مرد کے لیے صلاحیت رکھ دی گئی ہے تاکہ ایک دوسرے کو اپنا جوڑا سمجھ کر برداشت کر سکے اور اس سے نفرت اور بیزاری کا شکار نہ ہو اور اس کے بعد رشتہ کے زیر اثر مودت اور رحمت کا بھی قانون بنا دیا تاکہ فطری جذبات اور تقاضے پامال نہ ہونے پائیں۔ یہ قدرت کا حکیمانہ نظام ہے جس سے علیٰحدگی انسان کے لیے بے شمار مشکلات پیدا کر سکتی ہے چاہے انسان سیاسی اعتبار سے اس علیٰحدگی پر مجبور ہو یا جذباتی اعتبار سے قصداً مخالفت کرے۔ اولیاء اللہ بھی اپنے ازدواجی رشتوں سے پریشان رہے ہیں تو اس کا راز یہی تھا کہ ان پر سیاسی اور تبلیغی اعتبار سے یہ فرض تھا کہ ایسی خواتین سے عقد کریں اور ان مشکلات کا سامنا کریں تاکہ دین خدا فروغ حاصل کر سکے اور کار تبلیغ انجام پا سکے۔ فطرت اپنا کام بہرحال کر رہی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شرعاً ایسے ازدواج پر مجبور اور مامور تھے کہ ان کا ایک مستقل فرض ہوتا ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں زحمتیں برداشت کریں کہ یہ راستہ پھولوں کی سیج سے نہیں گذرتا ہے بلکہ پُر خار وادیوں سے ہو کر جاتا ہے۔

اس کے بعد قرآن حکیم نے ازدواجی تعلقات کو مزید استوار بنانے کے لیے فریقین کی نئی ذمہ داریوں کا اعلان کیا اور یہ واضح کر دیا کہ صرف مودت اور رحمت سے بات تمام نہیں ہو جاتی ہے بلکہ کچھ اس کے خارجی تقاضے بھی ہیں جنھیں پورا کرنا ضروری ہے ورنہ قلبی مودت و رحمت بے اثر ہو کر رہ جائے گی اور اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ھن لباس لکم و انتم لباس لھن"۔ (بقرہ ۱۸۷) "عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو"

یعنی تمہارا خارجی اور معاشرتی فرض یہ ہے کہ ان کے معاملات کی پردہ پوشی کرو اور ان کے حالات کو اسی طرح طشت از بام نہ ہونے دو جس طرح لباس انسان کے عیوب کو واضح نہیں ہونے دیتا ہے۔ اس کے علاوہ تمہارا ایک فرض یہ بھی ہے کہ انھیں سرد و گرم زمانہ سے بچاتے رہو اور وہ تمھیں زمانہ کی سرد و گرم ہواؤں سے محفوظ رکھیں کہ یہ مختلف ہوائیں اور فضائیں کسی بھی انسان کی زندگی کو خطرہ میں ڈال سکتی ہیں اور

اس کے جان و مال اور آبرو کو تباہ و برباد کر سکتی ہیں۔

دوسری طرف ارشاد ہوتا ہے:

"نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انیٰ شئتم۔" (بقرہ)

"تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں لہذا اپنی کھیتی میں جب اور جس طرح چاہو آسکتے ہو۔" (شرط یہ ہے کہ کھیتی برباد نہ ہونے پائے۔)

اس بلیغ فقرہ سے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا گیا ہے۔ اولاً بات کو یک طرفہ رکھا گیا ہے اور لباس کی طرح فریقین کو ذمہ دار نہیں بنایا گیا ہے بلکہ مرد کو مخاطب کیا گیا ہے اور عورت کو اس کی کھیتی قرار دیا گیا ہے کہ اس رُخ سے ساری ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے اور کھیتی کی بقا کا مکمل انتظام کاشتکار کے ذمہ ہے، زراعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے جب کہ پردہ پوشی اور سرد و گرم زمانہ سے تحفظ دونوں کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

دوسری طرف اس نکتہ کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ عورت کے رابطہ اور تعلق میں اس کی اس حیثیت کا لحاظ بہر حال ضروری ہے کہ وہ زراعت کی حیثیت رکھتی ہے اور زراعت کے بارے میں کاشتکار کو یہ اختیار تو دیا جا سکتا ہے کہ فصل کے تقاضوں کو دیکھ کر کھیت کو افتادہ چھوڑ دے اور زراعت نہ کرے لیکن یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ اسے تباہ و برباد کر دے اور قبل از وقت یا ناوقت زراعت شروع کر دے کہ اسے زراعت نہیں کہتے ہیں بلکہ ہلاکت کہتے ہیں اور ہلاکت کسی قیمت پر جائز نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتۂ ازدواج کو پہلی منزل پر فطرت کا تقاضا قرار دیا۔ پھر داخلی طور پر اس میں محبت اور رحمت کا اضافہ کیا اور ظاہری طور پر حفاظت اور پردہ پوشی کو اس کا شرعی نتیجہ قرار دیا اور آخر میں استعمال کے تمام شرائط و قوانین کی طرف اشارہ کر دیا تاکہ کسی طرح کی بدعنوانی، بے ربطی اور بے لطفی نہ پیدا ہونے پائے اور زندگی خوشگوار انداز سے گذر جائے۔

بدکاری:

ازدواجی رشتہ کے تحفظ کے لیے اسلام نے دو طرح کے انتظامات کیے ہیں: ایک طرف اس رشتہ کی ضرورت، اہمیت اور اس کی ثانوی شکل کی طرف اشارہ کیا اور دوسری طرف ان تمام راستوں پر پابندی عائد کردی جس کی بنا پر یہ رشتہ غیر ضروری یا غیر اہم ہوجاتا ہے اور مرد کو عورت یا عورت کو مرد کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔" (اسراء)

"اور خبردار زنا کے قریب بھی مت جانا کہ یہ کھلی ہوئی بے حیائی ہے اور بدترین راستہ ہے۔"

اس ارشاد گرامی میں زنا کے دونوں مفاسد کی وضاحت کی گئی ہے کہ ازدواج کے ممکن ہوتے ہوئے اور اس کے قانون کے رہتے ہوئے زنا اور بدکاری ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ یہ تعلق انھیں عورتوں سے قائم کیا جائے جن سے عقد ہوسکتا ہے تو بھی قانون سے انحراف اور عفت سے کھیلنا ایک بے غیرتی ہے اور اگر ان عورتوں سے قائم کیا جائے جن سے عقد ممکن نہیں ہے اور ان کا کوئی مقدس رشتہ پہلے سے موجود ہے تو یہ مزید بے حیائی ہے کہ اس طرح اس رشتہ کی بھی توہین ہوتی ہے اور اس کا تقدس بھی پامال ہوجاتا ہے۔

پھر مزید وضاحت کے لیے ارشاد ہوتا ہے:

"ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم عذاب الیم۔" (نور)

"جو لوگ اس امر کو دوست رکھتے ہیں کہ صاحبان ایمان کے درمیان بدکاری اور بے حیائی کی اشاعت ہو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اس قسم کے جرائم کی عمومیت اور ان کا اشتہار دونوں کو ناپسند کرتا ہے کہ اس طرح ایک انسان کی عزت بھی خطرہ میں پڑجاتی ہے اور دوسری طرف غیر متعلق افراد میں ایسے جذبات بیدار ہوجاتے ہیں اور ان میں جرائم کو

آزمانے اور ان کا تجربہ کرنے کا شوق پیدا ہونے لگتا ہے جس کا واضح نتیجہ آج ہر نگاہ کے سامنے ہے کہ جب سے فلموں اور ٹی وی کے اسکرین کے ذریعہ جنسی مسائل کی اشاعت شروع ہوگئی ہے ہر قوم میں بے حیائی میں اضافہ ہوگیا ہے اور ہر طرف اس کا دور دورہ ہوگیا ہے اور ہر شخص میں ان تمام حرکات کا ذوق اور شوق بیدار ہوگیا ہے جن کا مظاہرہ صبح و شام قوم کے سامنے کیا جاتا ہے اور اس کا بدترین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغربی معاشرہ میں شاہراہ عام پر وہ حرکتیں ظہور پذیر ہو رہی ہیں جنھیں نصف شب کے بعد فلموں کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے اور اپنی دانست میں اخلاقیات کا مکمل لحاظ رکھا جاتا ہے اور حالات اس امر کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ مستقبل اس سے زیادہ بدترین اور بھیانک حالات ساتھ لے کر آرہا ہے اور انسانیت مزید ذلت کے کسی گڑھے میں گرنے والی ہے۔ قرآن مجید نے انھیں خطرات کے پیش نظر صاحبان ایمان کے درمیان اس طرح کی اشاعت کو ممنوع اور حرام قرار دیدیا تھا کہ ایک دو افراد کا انحراف سارے سماج پر اثر انداز نہ ہو اور معاشرہ تباہی اور بربادی کا شکار نہ ہو۔ رب کریم ہر صاحب ایمان کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔

تعدد ازواج:

دور حاضر کا حساس ترین موضوع تعدد ازواج کا موضوع ہے جسے بنیاد بنا کر مغربی دنیا نے عورتوں کو اسلام کے خلاف خوب خوب استعمال کیا ہے اور مسلمان عورت کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ تعدد ازواج کا قانون عورتوں کے ساتھ ناانصافی ہے اور ان کی تحقیر و توہین کا بہترین ذریعہ ہے۔ گویا عورت اپنے شوہر کی مکمل محبت کی بھی حقدار نہیں ہوسکتی ہے اور اسے شوہر کی آمدنی کی طرح اس کی محبت کو بھی مختلف حصوں پر تقسیم کرنا پڑے گا اور آخر میں جس قدر حصہ اپنی قسمت میں لکھا ہوگا اسی پر اکتفا کرنا پڑے گی۔

عورت کا مزاج حساس ہوتا ہے لہذا اس پر اس طرح کی ہر تقریر با قاعدہ طور پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان مفکرین نے اسلام اور مغرب کو یکجا کرنے کے لیے اور اپنے زعم ناقص میں اسلام کو بدنامی سے بچانے کے لیے طرح طرح کی تاویلیں

کی ہیں اور نتیجہ کے طور پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ اسلام نے یہ قانون صرف مردوں کی تسکین قلب کے لیے بنا دیا ہے ورنہ اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان اس قانون پر عمل کرے اور اس طرح عورتوں کے جذبات کو مجروح بنائے۔

ان بیچارے مفکرین نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کی ہے کہ اس طرح الفاظ قرآن کی تو تاویل کی جاسکتی ہے اور قرآن مجید کو مغرب نواز قانون ثابت کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اسلام کے سربراہوں اور بزرگوں کی سیرت کا کیا ہوگا جنھوں نے عملی طور پر اس قانون پر عمل کیا ہے اور ایک وقت میں متعدد بیویاں رکھی ہیں جب کہ ان کے ظاہری اقتصادی حالات بھی ایسے نہیں تھے جیسے حالات آجکل کے بے شمار مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان کے کردار میں کسی قدر عدالت اور انصاف کیوں نہ فرض کر لیا جائے عورت کی فطرت کا تبدیل ہونا ممکن نہیں ہے اور اسے یہ احساس بہرحال رہے گا کہ میرے شوہر کی توجہ یا محبت میرے علاوہ دوسری خواتین سے بھی متعلق ہے۔

مسئلہ کے تفصیلات میں جانے کے لیے بڑا وقت درکار ہے۔ اجمالی طور پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے خلاف یہ محاذ ان لوگوں نے کھولا ہے جن کے یہاں عورت سے محبت کا کوئی شعبہ ہی نہیں ہے اور ان کے نظام میں شوہر یا زوجہ کی اپنائیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی شادی کو لو میرج سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ انداز شادی خود اس بات کی علامت ہے کہ انسان نے اپنی محبت کے مختلف مرکز بنائے ہیں اور آخر میں قافلۂ جنس کو ایک مرکز پر ٹھہرا دیا ہے اور یہی حال اس عورت کا ہے جس نے اس انداز سے عقد کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں اس خالص محبت کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا ہے جس کا اسلام سے مطالبہ کیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے تو بیوی کے علاوہ کسی عورت سے محبت کو جائز بھی نہیں رکھا ہے اور بیویوں کی تعداد بھی محدود رکھی ہے اور عقد کے شرائط بھی رکھ دیے ہیں۔ مغربی معاشرہ میں تو آج بھی یہ قانون عام ہے کہ ہر مرد کی زوجہ صرف ایک ہی ہوگی چاہے اس کی محبوبہ کسی قدر کیوں نہ ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ محبوبہ محبت کے علاوہ کسی اور رشتہ

سے پیدا ہوتی ہے۔۔۔؟ اور اگر محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے تو یہ محبت کی تقسیم کے علاوہ کیا کوئی اور شے ہے؟۔۔۔ حقیقت امر یہ ہے کہ ازدواج کی ذمہ داریوں اور گھریلو زندگی کے فرائض سے فرار کرنے کے لیے مغرب نے عیاشی کا نیا راستہ نکالا ہے اور عورت کو جنس سر بازار بنا دیا ہے، اور یہ غریب آج بھی خوش ہے کہ مغرب نے ہمیں ہر طرح کا اختیار دیا ہے اور اسلام نے پابند بنا دیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اگر کسی بچہ کو دریا کنارے موجوں کا تماشا کرتے ہوئے چھلانگ لگانے کا ارادہ کرے اور چھوڑ دیجیے تو یقیناً خوش ہوگا کہ آپ نے اس کی خواہش کا احترام کیا ہے اور اس کے جذبات پر پابندی عائد نہیں کی ہے چاہے اس کے بعد ڈوب کر مر ہی کیوں نہ جائے۔ لیکن اگر اسے روک دیا جائے گا تو وہ یقیناً ناراض ہو جائے گا چاہے اس میں زندگی کا راز ہی کیوں نہ مضمر ہو۔ مغربی عورت کی صورت حال اس مسئلہ میں بالکل ایسی ہی ہے کہ اسے آزادی کی خواہش ہے اور وہ ہر طرح اپنی آزادی کو استعمال کرنا چاہتی ہے اور کرتی ہے۔ لیکن جب مختلف امراض میں مبتلا ہو کر دنیا کے لیے ناقابلِ توجہ ہو جاتی ہے اور کوئی اظہار محبت کرنے والا نہیں ملتا ہے تو اسے اپنی آزادی کے نقصانات کا اندازہ ہوتا ہے لیکن اس وقت موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور انسان کے پاس کفِ افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ تعدد ازواج پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے جو دنیا کے بے شمار مسائل کا حل ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اور غذا کی قلت کو دیکھ کر قلتِ اولاد اور ضبط تولید کا احساس تو تمام مفکرین کے دل میں پیدا ہوا لیکن عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت سے پیدا ہونے والے مشکلات کو حل کرنے کا خیال کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔

دنیا کی آبادی کے اعداد و شمار کے مطابق اگر یہ بات صحیح ہے کہ عورتوں کی آبادی مردوں سے زیادہ ہے تو ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مزید آبادی کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے لیے ایک راستہ یہ ہے کہ اسے گھٹ گھٹ کر مرنے دیا جائے اور اس کے

جنسی جذبات کی تسکین کا کوئی انتظام نہ کیا جائے یہ کام جابرانہ سیاست تو کر سکتی ہے لیکن کریمانہ شریعت نہیں کر سکتی ہے۔ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ اسے عیاشیوں کے لیے آزاد کر دیا جائے اور اور کسی بھی شکل میں اپنی جنسی تسکین کا اختیار دے دیا جائے۔ یہ بات صرف قانون کی حد تک تو تعدد ازدواج سے مختلف ہے لیکن عملی اعتبار سے تعدد ازدواج ہی کی دوسری شکل ہے کہ ہر شخص کے پاس ایک عورت زوجہ کے نام سے ہوگی اور ایک کسی اور نام سے ہوگی، اور دونوں میں سلوک، برتاؤ اور محبت کا فرق رہے گا کہ ایک اس کی محبت کا مرکز بنے گی اور ایک اس کی خواہش کا۔ انصاف سے غور کیا جائے کہ یہ کیا دوسری عورت کی توہین نہیں ہے کہ اسے نسوانی احترام سے محروم کر کے صرف جنسی تسکین تک محدود کر دیا جائے اور کیا اس صورت میں یہ امکان نہیں پایا جاتا ہے اور ایسے تجربات سامنے نہیں ہیں کہ اضافی عورت ہی اصلی مرکزِ محبت قرار پا جائے اور جسے مرکز بنایا گیا تھا اس کی مرکزیت کا خاتمہ ہو جائے۔

بعض لوگوں نے اس مسئلہ کا یہ حل نکالنے کی کوشش کی ہے کہ عورتوں کی آبادی یقیناً زیادہ ہے لیکن جو عورتیں اقتصادی طور پر مطمئن ہوتی ہیں انھیں شادی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور اس طرح دونوں کا اوسط برابر ہو جاتا ہے اور تعدد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ تصور انتہائی جاہلانہ اور احمقانہ ہے اور یہ دیدہ و دانستہ چشم پوشی کے مرادف ہے کہ شوہر کی ضرورت صرف معاشی بنیادوں پر ہوتی ہے اور جب معاشی حالات سازگار ہوتے ہیں تو شوہر کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے حالانکہ مسئلہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ پریشان حال عورت تو کسی وقت حالات میں مبتلا ہو کر شوہر کی ضرورت کے احساس سے غافل ہو سکتی ہے لیکن مطمئن عورت کے پاس تو اس کے علاوہ کوئی دوسرا مسئلہ ہی نہیں ہے، وہ اس بنیادی مسئلہ سے کس طرح غافل ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ مردوں اور عورتوں کی آبادی کے اس تناسب سے انکار کر دیا جائے اور دونوں کو برابر تسلیم کر لیا جائے لیکن ایک مشکل بہر حال پیدا ہوگی کہ فسادات اور آفات میں عام طور سے مردوں ہی کی آبادی میں کمی پیدا ہوتی ہے اور اس طرح یہ تناسب ہر وقت خطرہ میں رہتا ہے اور پھر بعض مردوں میں یہ استطاعت نہیں ہوتی ہے کہ وہ عورت

کی زندگی کا بوجھ اُٹھا سکیں۔ یہ اور بات ہے کہ عورت کی خواہش ان کے دل میں بھی پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ جذبات معاشی حالات کی پیداوار نہیں ہوتے ہیں۔ ان کا سرچشمہ ان حالات سے بالکل الگ ہے اور ان کی دنیا کا قیاس اس دنیا پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مسئلہ کا ایک ہی حل رہ جاتا ہے کہ جو صاحبانِ دولت و ثروت و استطاعت ہیں انھیں مختلف شادیوں پر آمادہ کیا جائے اور جو غریب اور نادار ہیں اور مستقل خرچ برداشت نہیں کر سکتے ہیں ان کے لیے غیر مستقل انتظام کیا جائے اور سب کچھ قانون کے دائرہ کے اندر ہو۔ مغربی دنیا کی طرح لاقانونیت کا شکار نہ ہو کہ دنیا کی ہر زبان میں قانونی رشتہ کو ازدواج اور شادی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غیر قانونی رشتہ کو عیاشی کہا جاتا ہے۔ اسلام ہر مسئلہ کو انسانیت، شرافت اور قانون کی روشنی میں حل کرنا چاہتا ہے اور مغربی دنیا قانون اور لاقانونیت میں امتیاز کی قائل نہیں ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ ساری دنیا میں اپنی قانون پرستی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں وہ جنسی مسئلہ میں اس قدر بے حس ہو جاتے ہیں کہ یہاں کسی قانون کا احساس نہیں رہ جاتا ہے اور مختلف قسم کے ذلیل ترین طریقے بھی برداشت کر لیتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ مغرب ایک جنس زدہ ماحول ہے جس نے انسانیت کا احترام ترک کر دیا ہے اور وہ اپنی جنسیت ہی کو احترام انسانیت کا نام دے کر اپنے عیب کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

بہر حال قرآن نے اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربٰع فان خفتم الّا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ الّا تعولوا۔ (نساء ۳)

"اور اگر تمھیں یہ خوف ہے کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمھیں اچھی لگیں ان سے عقد کرو دو، تین، چار۔ اور اگر خوف ہے کہ ان میں بھی انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک یا جو تمھاری کنیزیں ہیں۔"

آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سماج کے ذہن میں ایک تصور تھا کہ یتیموں

کے ساتھ عقد کرنے میں اس سلوک کا تحفظ مشکل ہوجاتا ہے جس کا مطالبہ ان کے بارے میں کیا گیا ہے تو قرآن نے صاف واضح کردیا کہ اگر یتیموں کے بارے میں انصاف مشکل ہے اور اس کے ختم ہوجانے کا خوف اور خطرہ ہے تو غیر یتیم افراد میں شادیاں کرو اور اس مسئلہ میں تمہیں چار تک آزادی دے دی گئی ہے کہ اگر انصاف کرسکو تو چار تک عقد کرسکتے ہو۔ ہاں اگر یہاں بھی انصاف برقرار نہ رہنے کا خوف ہے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو اور باقی کنیزوں سے استفادہ کرو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعدد ازواج میں انصاف کی قید ہوس رانی کے خاتمہ اور قانون کی برتری کی بہترین علامت ہے اور اس طرح عورت کے وقار و احترام کو مکمل تحفظ دیا گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ انصاف کا وہ تصور بالکل بے بنیاد ہے جو ہمارے سماج میں رائج ہوگیا ہے اور جس کے پیش نظر تعدد ازواج کو صرف ایک ناقابل عمل فارمولا قرار دے دیا گیا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ انصاف مکمل مساوات ہے اور مکمل مساوات بہر حال ممکن نہیں ہے اس لیے کہ نئی عورت کی بات اور ہوتی ہے اور پرانی عورت کی بات اور ہوتی ہے، اور دونوں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ ناممکن ہے۔ حالانکہ یہ تصور بھی ایک جاہلانہ تصور ہے۔ انصاف کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا جائے جسے شریعت کی زبان میں واجبات کی پابندی اور حرام سے پرہیز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ انصاف کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ بنابریں اگر اسلام نے چار عورتوں میں ہر عورت کی ایک رات قرار دی ہے تو اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ناانصافی ہے۔ گھر میں رات نہ گذارنا ناانصافی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اسلام نے فطرت کے خلاف نئی اور پرانی زوجہ کو یکساں قرار دیا ہے تو ان کے درمیان امتیاز برتنا خلاف انصاف ہے۔ لیکن اگر اسی نے فطرت کے تقاضوں کے پیش نظر شادی کے ابتدائی سات دن نئی زوجہ کے لیے مقرر کردیے ہیں تو اس مسئلہ میں پرانی زوجہ کا مداخلت کرنا ناانصافی ہے۔ شوہر کا امتیازی برتاؤ کرنا ناانصافی نہیں ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ سماج نے شوہر کے سارے اختیارات سلب کرلیے ہیں لہٰذا اس کا ہر اقدام ظلم نظر آتا ہے ورنہ ایسے ایسے شوہر بھی ہوتے ہیں جو قومی یا سیاسی ضروریات کی بنا پر مدتوں گھر کے اندر داخل نہیں ہوتے ہیں اور زوجہ اس بات پر

خوش رہتی ہے کہ میں بہت بڑے عہدیدار یا وزیر کی زوجہ ہوں اور اس وقت اسے اس بات کا خیال بھی نہیں آتا ہے کہ میرا کوئی حق پامال ہو رہا ہے۔ لیکن اسی زوجہ کو اگر یہ اطلاع ہو جائے کہ وہ دوسری زوجہ کے گھر رات گذارتا ہے تو ایک لمحہ کے لیے برداشت کرنے کو تیار نہ ہوگی جو صرف ایک جذباتی فیصلہ ہے اور اس کا انسانی زندگی کے ضروریات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ضرورت کا لحاظ رکھا جائے تو اکثر حالات میں اور اکثر انسانوں کے لیے متعدد شادیاں کرنا ضروریات میں شامل ہے جس سے کوئی مرد یا عورت انکار نہیں کر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سماج کے دباؤ سے دونوں مجبور ہیں اور کبھی گھٹن کی زندگی گذار لیتے ہیں اور کبھی بے راہ روی کے راستہ پر چل پڑتے ہیں جسے ہر سماج برداشت کر لیتا ہے اور اسے معذور قرار دے دیتا ہے جب کہ قانون کی پابندی اور رعایت میں معذور نہیں قرار دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کو عدالت سے مشروط قرار دیا ہے لیکن عدالت کو اختیاری نہیں رکھا ہے بلکہ اسے ضروری قرار دیا ہے اور ہر مسلمان سے مطالبہ کیا ہے کہ اپنی زندگی میں عدالت سے کام لے اور کوئی کام خلافِ عدالت نہ کرے۔ عدالت کے معنی واجبات کی پابندی اور حرام سے پرہیز کے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی انسان آزاد نہیں ہے، ہر انسان کے لئے واجبات کی پابندی بھی ضروری ہے اور حرام سے پرہیز بھی۔ لہٰذا عدالت کوئی اضافی شرط نہیں ہے۔ اسلامی مزاج کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیئے اور کسی مسلمان کو دائرۂ عدالت سے باہر نہیں جانا چاہیئے۔ جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ قانون تعدد ازواج ہر سچے مسلمان کے لیے قابلِ عمل بلکہ بڑی حد تک واجب العمل ہے کہ اسلام نے بنیادی مطالبہ دو یا تین یا چار کا کیا ہے اور ایک عورت کو استثنائی صورت دی ہے جو صرف عدالت کے نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔ اور اگر مسلمان واقعی مسلمان ہے یعنی عادل ہے تو اس کے لیے قانون دو یا تین یا چار ہی کا ہے۔ اس کا قانون ایک کا نہیں ہے جس کی مثالیں بزرگان مذہب کی زندگی میں ہزاروں کی تعداد میں مل جائیں گی اور آج بھی رہبرانِ دین کی اکثریت اس قانون پر عمل پیرا ہے اور اسے کسی طرف سے خلاف اخلاق و تہذیب یا خلاف قانون و شریعت نہیں سمجھتی ہے اور نہ کوئی ان کے کردار

پر اعتراض کرنے کی ہمت کرتا ہے۔ زیر لب مسکراتے ضرور ہیں کہ یہ اپنے سماج کے جاہلانہ نظام کی دین ہے اور جہالت کا کم سے کم تر مظاہرہ اسی انداز سے ہو سکتا ہے۔

اسلام نے تعدد ازواج کے ناممکن ہونے کی صورت میں بھی کنیزوں کی اجازت دی ہے کہ اسے معلوم ہے کہ فطری تقاضے صحیح طور پر ایک عورت سے پورے ہونا مشکل ہیں، لہذا اگر نا انصافی کا خطرہ ہے اور دامن عدالت کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو انسان زوجہ کے ساتھ کنیزوں سے رابطہ کر سکتا ہے۔ اگر کسی سماج میں کنیزوں کا وجود ہو اور ان سے رابطہ ممکن ہو۔ اس مسئلہ سے ایک سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے اس احساس کا ثبوت دیتے ہوئے کہ ایک عورت سے پُرسکون زندگی گذارنا انتہائی دشوار گذار عمل ہے۔ پہلے تعدد ازواج کی اجازت دی اور پھر اس کے ناممکن ہونے کی صورت میں دوسری زوجہ کی کمی کنیز سے پوری کی تو اگر کسی سماج میں کنیزوں کا وجود نہ ہو یا اس قدر قلیل ہو کہ ہر شخص کی ضرورت کا انتظام نہ ہو سکے تو اس کنیز کا متبادل کیا ہوگا اور اس ضرورت کا علاج کس طرح ہوگا جس کی طرف قرآن مجید نے ایک زوجہ کے ساتھ کنیز کے اضافہ سے اشارہ کیا ہے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں سے متعہ کے مسئلہ کا آغاز ہوتا ہے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر اسلام نے مکمل جنسی حیات کی تسکین کا سامان کیا ہے اور کنیزوں کا سلسلہ موقوف کر دیا ہے اور تعدد ازدواج میں عدالت و انصاف کی شرط لگا دی ہے تو اسے دوسرا راستہ بہر حال کھولنا پڑے گا تاکہ انسان عیاشی اور بدکاری سے محفوظ رہ سکے، یہ اور بات ہے کہ ذہنی طور پر عیاشی اور بدکاری کے دلدادہ افراد متعہ کو بھی عیاشی کا نام دیدیتے ہیں اور یہ متعہ کی مخالفت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ عیاشی کے جواز کی بنا پر ہے کہ جب اسلام میں متعہ جائز ہے اور وہ بھی ایک طرح کی عیاشی ہے تو متعہ کی کیا ضرورت ہے سیدھے سیدھے عیاشی ہی کیوں نہ کی جائے اور یہ درحقیقت متعہ کی دشواریوں کا اعتراف ہے اور اس امر کا اقرار ہے کہ متعہ عیاشی نہیں ہے۔ اس میں قانون، قاعدہ کی رعایت ضروری ہے اور عیاشی ان تمام قوانین سے آزاد اور بے پرواہ ہوتی ہے۔

سرکارِ دوعالمؐ کے اپنے دورِ حکومت میں اور خلافتوں کے ابتدائی دَور میں متعہ کا رواج قرآن مجید کے اسی قانون کی عملی تشریح تھا جب کہ اُس دَور میں کنیزوں کا وجود تھا اور ان سے استفادہ ممکن تھا تو یہ فقہاء اسلام کو سوچنا چاہیئے کہ جب اس دَور میں سرکارِ دوعالمؐ نے حکم خدا کے اتباع میں متعہ کو حلال اور رائج کر دیا تھا تو کنیزوں کے خاتمہ کے بعد اس قانون کو کس طرح حرام کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو عیاشی کا کُھلا ہوا راستہ ہوگا کہ مسلمان اس کے علاوہ کسی راستہ پر نہ جائے گا اور مسلسل حرام کاری کرتا رہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا تھا کہ اگر متعہ حرام نہ کر دیا گیا ہوتا تو بدنصیب اور شقی انسان کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتا گویا آپ اس امر کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ متعہ پر پابندی عائد کرنے والے نے متعہ کا راستہ نہیں بند کیا ہے بلکہ عیاشی اور بدکاری کا راستہ کھولا ہے اور اس کا روزِ قیامت جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اسلام اپنے قوانین میں انتہائی حکیمانہ روش اختیار کرتا ہے اور اس سے انحراف کرنے والوں کو شقی اور بدبخت سے تعبیر کرتا ہے۔!

قرآنی امثال

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ قرآن رب العالمین کی طرف سے ایک نظام تربیت ہے جس میں انسان کی داخلی، خارجی، انفرادی، اجتماعی، جسمانی، روحانی، اخلاقی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی ہر طرح کی تربیت کا مکمل دستور پیش کیا گیا ہے اور انسان کو انسانیت کے بلند ترین درجہ پر پہونچانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام دو سطحوں پر انجام پائے گا۔ صاحبانِ علم و فہم و ادراک کے لیے حقائق کو واضح انداز سے بیان کیا جائے گا اور علمی مسائل پر علمی زبان میں گفتگو کی جائے گی لیکن عوام الناس کی تربیت کا انداز اس سے بالکل مختلف ہوگا اور انھیں انھیں کی زبان میں سمجھایا جائے گا جس کا بہترین راستہ امثال کے استعمال کرنے کا ہوتا ہے۔ سادہ لوح انسان جس طرح بات کو مثالوں کے ذریعہ سمجھ لیتا ہے اس طرح کسی اور ذریعہ سے نہیں سمجھ سکتا ہے۔ حد یہ ہے کہ صاحبانِ تعقل و تفکر بھی جب کسی مسئلہ میں اُلجھ جاتے ہیں تو مثالوں ہی سے کام لیتے ہیں اور انھیں کے ذریعہ مسئلہ کی پیچیدگی کا علاج کرتے ہیں۔

وہ دانشور حضرات جو صرف اظہار قابلیت کی بیماری رکھتے ہیں اُنھیں مثالوں سے یقیناً اُلجھن ہوتی ہے اور وہ بات کو مبہم کہنے ہی کو قابلیت اور صلاحیت کی بہترین دلیل سمجھتے ہیں لیکن جن کے دل میں عوام کا درد ہوتا ہے اور جو چاہتے ہیں کہ عوام و خواص یکساں طور پر تربیت حاصل کر سکیں اور بیانات سے استفادہ کر سکیں وہ علمی زبان کے ساتھ ساتھ مثالوں کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی مثالوں کا ایک پورا سلسلہ پایا جاتا ہے اور اس کو نظرانداز کر دینے کے بعد بے شمار مطالب کا سمجھنا اور سمجھانا تقریباً ناممکن ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر کفار بھی ان مثالوں کے بیان کرنے پر طنز کیا کرتے تھے اور اس امر

کو خلاف عقل ومنطق اور مخالف اسلوب بلاغت قرار دیا کرتے تھے کہ انھیں اس امر کا خطرہ تھا کہ اس طرح بات ان کے عوام کے دل نشین اور ذہن نشین ہو جاتی ہے اور وہ اسلام سے ہم آہنگ اور ہم آواز ہو جاتے ہیں چنانچہ انھوں نے واضح لفظوں میں یہ اعتراض کیا تھا کہ "ماذا اراد اللہ بھٰذا مثلاً" (مدثر ۳۱) "آخر خدا نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟"۔

رب العالمین نے دوسرے مقام پر اس امر کو بالکل واشگاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ "ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا" "خدا اس بات سے قطعاً نہیں شرماتا ہے کہ وہ کوئی مثال بیان کرے چاہے وہ مچھر کی مثال ہو یا اس سے بالاتر"۔

اور اس کے بعد سورۂ رعد ۱۷ میں اعلان کر دیا کہ "کذٰلک یضرب اللہ الامثال" "خدا اسی طرح مثالوں کو بیان کرتا ہے"۔

اور پھر اپنی مثالوں کی برتری کا اعلان کیا "وللہ المثل الاعلیٰ" (نحل ۶۰) "بلند ترین مثل خدا کے لیے ہے"۔

اور آخر میں پورے قرآن کا تجزیہ ان الفاظ میں پیش کر دیا "ولقد صرفنا للناس فی ھٰذا القرآن من کل مثل" (کہف ۵۴) "اور ہم نے انسانوں کے لیے اس قرآن میں ہر مثال کو الٹ پلٹ کر بیان کر دیا ہے"۔

اور دوسرے مقام پر اس امر کو دوبارہ قدرے ترمیم کے ساتھ دہرا دیا۔

"ولقد صرفنا فی ھٰذا القرآن للناس من کل مثل" (اسراء ۸۹)

اور پھر سورہ روم ۵۸ اور سورہ زمر ۲۷ میں صرّفنا کے بجائے ضربنا کے لفظ سے اسی حقیقت کا اظہار کیا جس کا مطلب یہ ہے مختلف مثلیں بیان کی ہیں اور پھر ایک ایک مثال کو مختلف اشکال میں پیش کیا ہے کہ شاید اسی طرح ذہن و دل و دماغ میں تغیر اور انقلاب کی لہر دوڑ جائے۔

اس کے بعد آخری مسئلہ ان امثال کی افادیت کا تھا کہ اس طرح بیان کو طول

دینے کی کیا ضرورت ہے اور بات کو واضح طور پر علمی انداز سے کیوں نہیں بیان کیا جاتا ہے۔ تو اس سلسلے میں بھی تین مقامات پر بیانات دیے گئے :

۱۔ سورہ ابراہیم ۲۵ میں ارشاد ہوا ہے: یضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون "۔ " اللہ لوگوں کے لیے مثالیں اس لیے بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں "۔

۲۔ سورہ عنکبوت ۴۳ میں ارشاد ہوا : " تلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون "۔ " ہم ان مثالوں کو لوگوں ہی کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن انھیں صرف صاحبان علم ہی سمجھ سکتے ہیں "۔

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مثال کا استعمال صرف عوام الناس کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح اور مکمل فائدہ صاحبانِ علم و فہم ہی کو ہوتا ہے۔

۳۔ سورہ حشر ۲۱ میں ارشاد ہوتا ہے: " تلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون "۔ " ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ ان میں فکر کریں اور ان سے فائدہ اٹھا سکیں "۔

ان تمام بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امثال انسانی زندگی کی عظیم ترین ضرورت ہیں اور ان کے بغیر افہام و تفہیم کی تکمیل تقریباً ناممکن ہے۔

دنیا کی ہر زبان کے ادب پارہ میں تشبیہات کا ایک عظیم ترین حصہ ہے جس سے ابلاغ کو سہارا ملتا ہے اور بات مکمل طور پر ذہن سے قریب تر کر دی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ تشبیہات میں مفردات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور امثال میں بہت سے خصوصیات کا لحاظ کیا جاتا ہے اور پوری عقلی اور غیبی حقیقت کو محسوس مثالوں کے ذریعہ پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید میں بیان ہونے والی مثلوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ خالق حکیم نے ایک ایک مثال کے بیان کرنے میں کن خصوصیات

کا استعمال کیا ہے اور ایک ایک خصوصیت سے کن نکات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

منافقین:

" مثلهم كمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ماحوله ذهب الله بنورهم وتركهم فی ظلمات لا يبصرون ○ صم بكم عمی فهم لا يرجعون ○ او كصيب من السماء فيه ظلمات ورعد وبرق يجعلون اصابعهم فی آذانهم من الصواعق حذر الموت والله محيطٌ بالكافرين ○ يكاد البرق يخطف ابصارهم كلما اضاء لهم مشوا فيه واذا اظلم عليهم قاموا ولوشاء الله لذهب بسمعهم وابصارهم ان الله علیٰ كل شیٔ قدير ○

" ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے بھڑکتی ہوئی آگ روشن کی اور جب اطراف میں روشنی پھیل گئی تو خدا نے ان کی روشنی کو ختم کر دیا اور انھیں تاریکیوں میں اس طرح چھوڑ دیا کہ انھیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں لہذا پلٹ کر آنے والے نہیں ہیں۔ یا ان کی مثال اس آسمانی تیز بارش کی ہے جس میں تاریکی، گرج، چمک سب کچھ ہو کہ یہ موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دبے لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کو چکاچوندھ کر دے کہ جب روشنی دکھائی دیتی ہے تو چل پڑتے ہیں اور جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو بالکل ختم کر دیتا کہ اللہ یقیناً ہر شے پر قادر ہے۔"

آیات کریمہ کے فقرات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مثالوں میں منافقین کی پوری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کر کے کس طرح روشن ماحول حاصل کر لیا تھا اور پھر کس طرح اس کی نورانیت سے اپنے کو محروم کر لیا اور جہالت کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں کہ نہ کچھ دکھائی دیتا ہے، نہ سنائی دیتا ہے اور نہ کچھ کہنے کے قابل ہیں ۔۔۔ یا اسی طرح انھوں نے

آسمانی بارش رحمت کو دیکھا لیکن موت کے خوف سے اس سے حاصل ہونے والی زندگانی سے محروم رہے اور اب اس کی تابانی کا تحمل بھی نہیں کر سکتے ہیں اور کبھی سہارا پاکر بڑھ جاتے ہیں اور کبھی بے سہارا ہو کر ٹھہر جاتے ہیں جب کہ خدا انھیں مستقل طور بے سہارا بنا سکتا تھا اور ان کے کفر کا صریحی اعلان کر سکتا تھا جس کے بعد اسلام کی ظاہری روشنی بھی نصیب نہ ہو سکے اور مسلمان ماحول میں بھی رہنا نصیب نہ ہو۔ لیکن خدا اپنے بندوں کے ساتھ دنیا میں اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتا ہے۔

ایک منافق کس کرب کی زندگی گذارتا ہے اور اس کی نظر میں ماحول کس قدر چکا چوند پیدا کر دیتا ہے اس کا اندازہ ہر شخص کو نہیں ہو سکتا ہے۔ اسے وہ خود ہی محسوس کرتا ہے، یا قرآن مجید کے بیان کی روشنی میں اس کرب کو صاحبان ایمان محسوس کر سکتے ہیں۔ کافر اپنے کفر سے مطمئن ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے اسلام و ایمان سے مطمئن ہوتا ہے لیکن منافق نہ داخلی طور پر مطمئن ہوتا ہے اور نہ خارجی طور پر۔ مسلمان اور مومن کافر سے ملتے ہوئے بھی مطمئن رہتا ہے کہ کوئی مجھے کافر نہیں کہہ سکتا ہے لیکن منافق کے دل کے اندر چور ہوتا ہے وہ ہر آن اس اندیشہ میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں مسلمان مجھے کافر نہ سمجھ لے اور کہیں کافر مجھے مسلمان نہ سمجھ لے، اور اس طرح دونوں طرف کی بے اعتمادی ذہنی طور پر بالکل مفلوج اور مضطرب اور عملی طور پر بالکل بدحواس اور بے اصول بنا دیتی ہے وہ دیکھنے میں بڑا سیاست داں ہوتا ہے لیکن واقعاً بڑا سیاست زدہ ہوتا ہے۔

کفّار:

”مثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاءً و نداءً۔ صم بکم عمی فہم لا یعقلون۔“ (بقرہ ۱۷۱)

”جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اُسے حلق پھاڑ کر پکارے جو آواز اور پکار کے علاوہ کچھ نہیں سنتا ہے۔ یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفر تمام عقلی صلاحیتوں کے مُردہ بنا دینے کا نام ہے ورنہ انسانی عقل ادنیٰ کام کرتی رہے تو اسے یہ احساس ضرور ہوگا کہ جب وہ ازخود نہیں پیدا ہوا ہے تو اس کا خالق اور مالک ضرور ہے اور اتنی واضح حقیقت کے ہوتے ہوئے کفر کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۔" فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا بآیاتنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون۔" (اعراف ۱۷۶)

"اس کی مثال اس کتے کی ہے کہ جس کو دھتکار دو تب بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہے۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے۔"

اس مثال میں بھی ایک خاص کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کو ایک ایسی بے حسی اور نالائقی سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں انسان سے کسی شرافت اور انسانیت کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید نے اس مثال سے یہ بھی توقع ظاہر کی ہے کہ شاید اس طرح لوگ اس حقیقت پر غور کریں اور راہ راست پر آجائیں اور انھیں کفر کے مفاسد اور نقصانات کا اندازہ ہو جائے۔

۔" مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون۔" (عنکبوت ۴۱)

"جن لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسرے سرپرست اختیار کر لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جس نے گھر تو بنا لیا ہے لیکن کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔"

اس مثال سے نہایت واضح انداز میں کفر کی بنیادی کمزوری کو نمایاں کیا گیا ہے اور اس کے زرق برق انداز کی واقعیت کو واشگاف انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔

۔" اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا۔" (انعام ۱۲۲)

"کیا جو شخص پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ بنا دیا اور اس کے لئے ایک نور قرار

دیا جس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔ وہ اس شخص کے جیسا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور اس سے نکلنے والا نہیں ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کفر ایک ایسی ظلمانی اور تاریک کیفیت کا نام ہے جس میں کسی طرف سے ذہن کے دریچوں کے کھلنے کا امکان نہیں ہے اور انسان نورانیت سے اس قدر محروم ہو جاتا ہے کہ اسے کائنات کی واضح ترین حقیقت کا ادراک بھی نہیں ہوتا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ کافر کو اس قدر بے عقل اور جاہل تصوّر کرنا حقائق کے سراسر خلاف ہے اور دنیا کی ترقیات کا دیکھنے والا اس حقیقت کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ کفر کی تعمیرات و تشکیلات و ترقیات ایمان سے کہیں زیادہ ہیں تو کیا اس کے بعد بھی کفر کو بے عقلی اور اسلام کو کمال عقل کا نام دیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید نے مکڑی کی مثال میں کمزوری کے علاوہ اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مکڑی جانور ہونے کے اعتبار سے جوہر عقل سے سراسر محروم ہے لیکن اس کے باوجود تعمیرات میں اس قدر مہارت اور کمال رکھتی ہے کہ جس انداز کا جالا وہ تیار کر دیتی ہے اتنے کمزور دھاگے سے ایسا مکان کوئی بڑے سے بڑا ہوشیار اور ہنرمند مہندس بھی تیار نہیں کر سکتا ہے، تو کیا ایسی تعمیر کے زیر اثر مکڑی کو صاحب عقل تصور کر لیا جائے اور انسان کو اس کے مقابلہ میں کم عقل یا بے عقل قرار دے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی امکان نہیں ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ عقل آفاق و انفس سے بالاتر حقائق کے ادراک کا نام ہے۔ عقل مادیات کی تعمیرات اور تشکیلات کا نام نہیں ہے، یہ کام صاحب عقل انسان کے علاوہ جانور اور کمزور ترین جانور بھی انجام دے سکتا ہے۔

مطالعۂ قرآن

(باعتبارِ خلاصۂ مضامین)

بسمہ سبحانہ

تلخیص سورہ ہائے قرآن

قرآن مجید کا ہر لفظ ایک معجزہ ہے۔ اس کے ایک لفظ کے مفہوم کا نظر انداز کر دینا بھی اصل مدعا کے حصول میں خلل پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ترجمہ بھی مکمل مدعا کے حصول کے لیے کافی نہیں ہے چہ جائیکہ تلخیص۔

لیکن اس کے باوجود عام مومنین کی سہولت کے لیے تمام سوروں کا ایک خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ حقائق و معارف کا ادراک نہ رکھنے والے حضرات بھی اس کے اجمالی مطالب سے فائدہ اٹھا سکیں اور انھیں بھی اس کے مقصود و مدعا کا اجمالی اندازہ ہو سکے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

☆ ——— جوادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فاتحہ

قرآن مجید کا سب سے پہلا سورہ جسے سورۂ فاتحہ، سورۂ حمد، ام الکتاب اور سبع مثانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے اختصار کے باوجود اسلام کے پورے نظام تربیت کا حامل ہے۔ جہاں عقائد و اعمال، دنیا و آخرت، عبد و معبود، نیک و بد، ہدایت یافتہ و گمراہ جیسے تمام موضوعات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اور اس طرح سات آیتوں میں سارے قرآن کو سمیٹ دیا گیا ہے۔

ابتدا نام خدا اور تذکرۂ رحم و کرم سے ہوتی ہے جو بندۂ ناتواں کا سب سے بڑا سہارا ہے اور جس کے بغیر دنیا کا کوئی کام انجام نہیں پا سکتا ہے۔ جب مالک کی مہربانی کے بغیر انسان کا وجود مکمل نہیں ہو سکتا ہے تو اس کے نام کے سہارے کے بغیر کسی کام کے مکمل ہونے کا کیا سوال ہے۔

نام خدا کے بعد حمد خدا کا ذکر ہوتا ہے جو کمال عبدیت کی علامت ہے اور جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بندہ نے مخلوقات کی اوقات اور مالک کی عظمت دونوں کا ادراک کر لیا ہے اور اسی لیے ساری حمد و ثنا کو مالک کی ذات میں سمیٹ دیا ہے۔

پھر مالک کو رب العالمین کہہ کر اپنی وسعت نگاہ کا ثبوت دیا ہے کہ میں بظاہر ایک عالم کی مختصر ترین مخلوق ہوں۔ لیکن مالک کے علم و اقتدار کی عظمت کا اندازہ نہ میری تخلیق سے لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس ایک عالم کی ایجاد سے۔ اس کے زیر تربیت بیشمار عوالم ہیں جن کی تکمیل و تربیت اس کے رحم و کرم کی شرمندۂ احسان ہے اور اسی کا کرم بے پایاں ہے جو سارے عوالم کے نظام کو چلا رہا ہے۔

وہ عالمین کا اختیار رکھنے کے بعد بھی اقتدار کا مظاہرہ نہیں کرتا ہے اور حاکمیت سے کام نہیں لیتا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں رحمان و رحیم ہی رہتا ہے اور اپنی مخلوقات کے ساتھ مہربانی ہی کا برتاؤ کرتا ہے۔

البتہ اس نکتہ کا احساس بہر حال ضروری ہے کہ اس کے رحم و کرم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس کی گرفت سے نکل گیا ہے اور "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کہہ کر واقعاً رب اعلیٰ ہو گیا ہے۔ اسے یہ احساس بہر حال رہنا چاہئے کہ اس عالم کے ماوراء ایک عالم اور ہے جہاں کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے اور سب کو اس کی بارگاہ عظمت و جلالت میں حاضر ہو کر زندگی بھر کے معاملات کا حساب دینا ہے اور وہاں اس کے ماسوا کسی کی کسی طرح کی ملکیت نہیں ہے نہ کوئی واقعی ملکیت کا حامل ہے اور نہ فرضی اور اعتباری ملکیت کا۔ وہاں "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" کا نعرہ صرف اسی کا ہے اور وہاں "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" کا اظہار بھی اسی کی جباریت و قہاریت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

ان تمام حقائق و معارف کے بعد انسان ایک دوراہہ پر کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اسے اپنی کمزوری کا احساس بھی ہے اور اپنے فرض بندگی کا خیال بھی ہے۔ لیکن صورت حال کیا ہوگی اور ان دونوں فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہوگا؟

سورۂ فاتحہ نے اس کا طریقہ بھی معین کر دیا ہے کہ پہلے بندگی کا اقرار کیا جائے اور اس کے بعد کمک طلب کی جائے تاکہ احساس فرض کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ بندہ صرف مانگنے کے لیے حاضر نہیں ہوا ہے بلکہ کچھ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہے اور جب بندگی کے ذریعہ مانگنے کا حق پیدا کر لیا ہے تو اب دست سوال دراز کر رہا ہے۔

آخر میں صراط مستقیم کی ہدایت کا مطالبہ ہے جو انسان کی زندگی کا آخری مقصود ہے اور جس سے بالاتر کوئی مدعا نہیں ہے۔ صراط مستقیم نہ ملے تو انسان گمراہ ہے اور ملک ہاتھ سے نکل جائے تو دنیا و آخرت خسارہ میں ہے۔ لہٰذا گمراہ سے زیادہ راہ مستقیم پر رہنے والے کا فرض ہے کہ وہ ہدایت کی دعا کرتا رہے تاکہ کبھی لغزش نہ ہونے پائے۔

فقیر کے لیے دولت کی دعا اتنی اہمیت نہیں رکھتی ہے جتنی اہم امیر کے لیے بقائے دولت کی دعا ہے۔ فقیر تو فقیری میں زندگی گذار ہی رہا ہے اس نے دولت کا مزہ نہیں چکھا ہے لہٰذا غربت میں گذارہ کر سکتا ہے ۔ لیکن جس نے دولت کا مزہ چکھ لیا ہے وہ محروم ہو جائے تو اس سے بڑی ذہنی اور روحانی اذیت کوئی نہیں ہے۔

اسی لیے سورۂ فاتحہ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان صراط مستقیم پر رہنے کے باوجود ہر آن ہدایت کی دعا کرتا رہے تاکہ دوسرے لمحہ بھی ہدایت یافتہ ہی رہے اور گمراہ نہ ہونے پائے۔

اور یہ بات اس کے ادراک سے بالاتر ہو تو یوں اندازہ کرے کہ جن افراد پر پروردگار نے نعمتیں نازل کی تھیں وہ بھی تاحیات اسی ہدایت کی دعا کرتے رہے حالانکہ ان کے کردار میں عصمت تھی اور ان کے بہکنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن انھیں یہ احساس تھا کہ یہ قوت عصمت بھی مالک ہی کا کرم ہے اور کریم جس شے کو دے سکتا ہے اسے واپس بھی لے سکتا ہے ۔ وہ اپنے علم یا منصب کی لاج رکھنے کے لیے اس کمال کو واپس نہیں لیتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کا اقتدار کمزور پڑ گیا ہے اور وہ کمال دے کر خود بے اختیار اور مجبور ہو گیا ہے۔

"اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کا مصداق اگرچہ دنیا کا ہر انسان بلکہ ہر مخلوق ہے اور دعا کرنے والا بھی اس کا ایک مصداق ہے لیکن اس کے باوجود "انعمت علیھم" کے راستہ پر چلنے کی دعا اس بات کی علامت ہے کہ یہ کوئی مخصوص نعمت پروردگار ہے جو ہر انسان کو نصیب نہیں ہوئی ہے اور اس کے مستحق کچھ مخصوص بندے ہیں جن کے راستے کا نام صراط مستقیم ہے اور جن کی زندگی میں غضب یا گمراہی کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ یا دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ہم وہ "انعمت علیھم" ہیں جو نعمتیں لینے کے بعد بھی کبھی بہک جاتے ہیں اور کبھی غضب الٰہی کے حق دار ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ نیک بندے ایسے "انعمت علیھم" ہیں جن کی زندگی میں نہ بہکنے کا امکان ہے اور نہ ان پر کسی طرح کا غضب الٰہی نازل ہو سکتا ہے۔

صراط مستقیم انھیں کا راستہ ہے اور سیدھے راستہ کے نقوش انھیں کے نقش قدم سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسا سورہ جو مختصر ہونے کے باوجود اتنے مطالب کا حامل ہو اسے ام الکتاب نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے اور شاید اس سورہ کے قرآن مجید میں سب سے پہلے رکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہو کہ انسان پورے قرآن کے خاکہ سے باخبر ہو جائے اور اسے اندازہ ہو جائے کہ اس کے بعد جو کچھ بھی بیان ہوگا وہ سب اسی اجمال کی تفصیل ہوگا اور اسی اختصار کی تشریح و توضیح پر مبنی ہوگا۔

بعض مفسرین کا یہ انداز فکر بھی کسی حد تک اچھا ہے کہ انھوں نے ایک سورہ کے مضمون کو بعد والے دوسرے سورہ سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ سوروں کی ترتیب اگر مطابق وحی نہ بھی ہو تو بھی بالکل بلا مناسبت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بھی ایک فکر کام کر رہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ کسی صاحب الہام کی فکر کا نتیجہ ہو جو کسی نہ کسی ذریعہ ان افراد تک پہونچ گیا ہو جو مصحف کے سوروں کو مرتب کر رہے تھے اور اس کی جگہوں کی تعیین کر رہے تھے۔

بہر حال یہ بات بڑی حد تک مناسب بھی ہے اور اکثر مقامات پر بالکل واضح بھی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان سوروں میں جن کا ملا کر پڑھنا نماز میں واجب قرار دیا گیا ہے اور جن کا مضمون خود اعلان کر رہا ہے کہ ایک سورہ کا مضمون دوسرے سے بالکل ملا ہوا ہے اور دوسرا سورہ درحقیقت پہلے سورہ کے مضمون کا تکملہ ہے ـــ اگرچہ پہلا سورہ بھی ایک مکمل مضمون کا حامل ہے جیسا کہ "لایلف قریش" کے سورۂ فیل کے بعد ہونے سے ـــ اور "الم نشرح" کے "الم یجدک یتیماً" سے ہم آہنگ ہونے سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ بقرہ

یہ سورۂ مبارکہ قرآن مجید کا طویل ترین سورہ ہے جس میں ۲۸۶ آیتیں ہیں۔ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور نظام تربیت کا شاہکار ہے۔ اس لیے کہ اس میں تربیت بشر کے جملہ عناصر کو نہایت درجہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کا نام بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک گائے کے ذبح کرنے کی داستان ہے جس سے بنی اسرائیل کی شرارت و خباثت اور پروردگار عالم کی طرف سے افشار راز کی قدرت کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ خفیہ جرائم کے عادی انسان ہوش میں آجائیں کہ یہ جرائم دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ کیے جاسکتے ہیں لیکن نگاہ پروردگار سے پوشیدہ نہیں کیے جاسکتے ہیں اور پروردگار اگر ظاہر کرنا چاہے تو دنیا کی نظروں سے بھی نہیں چھپائے جاسکتے ہیں۔ اس طرح انسان کے خلوتی جرائم کی اصلاح ہوگی اور جو شخص خوف خدا کی بنیاد پر خلوت میں جرائم نہ کرسکے گا وہ مجمع عام میں اجتماعی جرائم بہرحال نہیں کرسکتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کی جامعیت اور اس کے مکمل نظام تربیت ہونے کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے:

● ابتدا میں قرآن کریم کے ہدایت ہونے کا اعلان کیا گیا ہے جو دستور تربیت بشر کے ہر شک و شبہ سے بالاتر ہونے کا اعلان ہے لیکن اس کے ساتھ فوراً یہ واضح کردیا گیا ہے کہ اس نظام تربیت سے ہر شخص استفادہ نہیں کرسکتا ہے اور نہ یہ ہر شخص کی اصلاح کرسکتا ہے۔ اس کی افادیت کی بنیادی شرط تقویٰ ہے اور تقویٰ بھی کسی داخلی کیفیت یا خشک قداست کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم میں ظاہر و باطن دونوں طرح کی پاکیزگی پائی

جاتی ہے اور اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ انسان کا رشتہ مکمل طور پر پروردگار اور اس کے نمائندوں سے قائم رہے اور ماضی یا حال کسی رُخ سے بھی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔

تقویٰ کے لیے غیب پر ایمان۔ نماز کا قیام، راہِ خدا میں انفاق۔ گذشتہ رسالتوں پر ایمان۔ موجودہ تنزیلِ الٰہی کا اعتقاد اور آخر میں روزِ قیامت کا ایقان ضروری ہے کہ اس کے بغیر تقویٰ کی تکمیل نہیں ہوسکتی ہے اور تقویٰ کے بغیر دستورِ الٰہی سے استفادہ کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایمان بالغیب نگاہِ بشر میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ اقامہ صلوٰۃ عبد و معبود کے رشتہ کو مستحکم بناتا ہے، انفاق حُبِّ مال دنیا کا علاج کرتا ہے، قوانینِ الٰہیہ پر ایمان زمانہ کی تفریق سے بلند تر بناتا ہے اور آخرت کا یقین احساسِ مسٔولیت کو تازہ دم بنا دیتا ہے جس کے بعد اصلاح کے حاصل نہ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

● متقین کے ہدایت یافتہ اور کامیاب ہونے کا اعلان کرنے کے بعد کفار کی بے ایمانی اور گمراہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے کفر نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اب ان کی اصلاح کا کوئی امکان نہیں ہے۔ نظامِ تربیت آسمانی ہے اور جو آسمان سے رشتہ توڑ لے گا اس کی اصلاح کا کیا امکان رہ جائے ہے۔

● آیت ۸ سے ۱۲ تک عالمِ انسانیت کی تیسری اور بدترین قسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی سمجھ میں نہ کفر آیا ہے نہ اسلام۔ نہ مکمل طور پر کفار کے وفادار ہیں اور نہ مسلمین کے۔ ظاہر ہے کہ یہ قسم خود کو بھی بے اعتبار بنا کر تباہ کرتی ہے اور سماج کو بھی ہر وقت خطرہ اور بے اعتمادی کا شکار رکھتی ہے۔ یہ وہ جعلی فقیر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اصلی فقیروں کا اعتبار بھی ختم ہوجاتا ہے اور ان سے بھی ہمدردی کم ہوجاتی ہے۔ گویا یہ اپنی ذات کے لیے بھی مضر ہیں اور اپنے سماج کے لیے بھی۔

قرآن مجید نے ان کا نام منافق رکھا ہے اور یہ وہ دوغلے افراد ہیں جو اپنے خیال میں خدا کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اپنے نفس ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور بظاہر مصلح ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن واقعاً سماج میں مسلسل فساد پیدا کر رہے ہیں۔ یہ وہ اندھے ہیں جن کی نگاہوں کے سامنے روشنی ہوتی ہے لیکن اس سے استفادہ

نہیں کرتے ہیں یا وہ صاحب بصارت ہیں جن کے سامنے نور حقیقت جلوہ گر ہوتا ہے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے اور منزل تک پہنچنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

● آیت ۲۱ سے مجموعی عالم بشریت کو عبادت کی دعوت دی گئی ہے اور پروردگار کے احسانات کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان میں جذبۂ احسان مندی سے جذبۂ عبادت کی بیداری پیدا ہو اور اسے یہ اندازہ ہو جائے کہ عبادت کی حقدار وہی ہستی ہے جو اس قسم کے احسانات کی مالک ہے۔ اس کے علاوہ عام انسان خالق بن جانے کے بعد بھی عبادت کا حقدار نہیں ہو سکتا ہے۔

عبادت الٰہی کی دعوت کے بعد نظام عبادت "قرآن مجید" کے خدائی تنزیل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور منحرف انسانوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر اس کے خدائی دستور ہونے کا اعتبار نہیں ہے تو اس کا جواب لے آؤ ورنہ حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اس لیے کہ حقیقت کی بارگاہ میں اکڑنے والے کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ حقائق کے سلسلے میں فقط انکار ہی موثر نہیں ہے کہ انسان کو آتش انکار میں جلا دیتا ہے بلکہ ان کا اقرار بھی ایک عظیم افادیت رکھتا ہے جس کے نتیجہ میں بستان حقائق کی بہاریں، معارف و مفاہیم کی نہریں، محبوب ترین مطالب کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی نتائج باغ، نہر اور حوروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد ان مثالوں کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے جن سے حقائق کی تفہیم کا کام لیا جاتا ہے اور ان کی باریکی کی وضاحت کی گئی ہے اور آخر میں مثال کے ساتھ واضح کر دیے جانے والے حقائق کے انکار کرنے والوں کو سختی سے تنبیہ کی گئی ہے اور انھیں اپنے احسانات اور ان کے انجام سے باخبر کیا گیا ہے۔ پھر الٰہی اقتدار کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جو سات آسمان و زمین بنا سکتا ہے اس کے سامنے اک مشت خاک "بشر" کی کیا حیثیت ہے اور وہ کس طاقت کی بنا پر حقائق کا انکار کر رہا ہے۔

● آیت ۳۰ سے انسان کو اس کے شان دار ماضی اور اس کی موروثی شرافت

سے آگاہ کیا گیا ہے کہ ایک دن تھا جب ہم نے تمھارے بابا آدمؑ کو خاک سے پیدا کر کے مسجودِ ملائکہ بنا دیا تھا۔ ان کی خلافت کا اعلان کر کے ساری کائنات کو ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔ ان میں اپنی روح پھونک کر انھیں اپنی مثال بنا دیا تھا، دنیا کے سارے اسماء سے آگاہ کر کے جوہرِ علم سے آراستہ کر دیا تھا لیکن ان کے معمولی سے ترکِ اولیٰ پر پھر انھیں جنت سے زمین پر اتار دیا تھا تاکہ انسان کو ان دونوں باتوں کا احساس رہے کہ وہ کن عظیم شرافتوں کا وارث ہے اور ان شرافتوں کے تحفظ کے لیے اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں اور یہ کہ مزاجِ مشیت اس قدر نازک ہے کہ ایک ترکِ اولیٰ پر جنت سے زمین پر اتار دیتا ہے تو اگر وارثِ آدمؑ سے خطائیں اور لغزشیں ہو گئیں تو اس کا جنت میں داخلہ کس طرح ہوگا ـــــــ یہ رحم و کرمِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ فوراً آدمؑ کی توبہ کا ذکر کر کے انسان کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ دیا کہ جو خدا انسان کے اعمال کی گرفت کرتا ہے وہ جلّاد اور بے رحم نہیں ہے بلکہ ارحم الراحمین ہے۔ وہ مواخذہ اس لیے کرتا ہے کہ انسان غلطی نہ کرنے پائے اور اتنی پاکیزہ زندگی گذارے جتنی پاکیزہ زندگی اس کا پروردگار چاہتا ہے ـــــ لیکن اس کے بعد بھی اگر اس سے کوئی خطا اور لغزش ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے اس کے لیے توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ جب چاہے توبہ کر کے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

اب یہ اس کے اپنے ذوق کا مسئلہ ہے کہ وہ کتنے دن اپنے پروردگار سے دور، اس کی تجلیوں سے محروم اور اس کی نعمتوں سے الگ رہنا چاہتا ہے اور کتنے عرصہ تک اس دردِ فراق کو برداشت کر سکتا ہے۔ محبوبِ حقیقی کے کرم کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا۔ انسان جب بھی توبہ کرے گا اپنی کھوئی ہوئی عظمتوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس رحم و کرم اور رافت و رحمت کے بعد بھی انسان شیطنت سے کام لے تو یہ اس کی بدبختی اور خباثتِ نفس ہے اور ضرورت ہے کہ دوسرے افراد کو اس خباثت سے باخبر کر دیا جائے اور ان خبیث النفس افراد کا تعارف کرا دیا جائے تاکہ دوسرے سادہ لوح افراد ان کے دامِ فریب میں نہ آنے پائیں اور اُن کے بُرے کردار، ان کی سازشیں اور ان کے بدترین طرزِ عمل سے ہوشیار رہیں۔

● آیت ۴۰ سے بنی اسرائیل کی شرارتوں کا تذکرہ شروع کیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر ہر طرح کا احسان کیا اور انھوں نے ہمارے کسی احسان کی قدر نہ کی، اور ہر احسان کے بعد مزید شرارتوں کا اظہار کیا۔

قدرت کے احسانات اور بنی اسرائیل کے کفرانِ نعمت کی داستان بہت طویل ہے اور تقریباً ۸۰ آیات میں اس صورت حال کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس کے بعد بھی مختلف پہلوؤں سے اسی موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل پر خدا کے احسانات اور اس کے مقابلہ میں ان کی شرارتوں کا مختصر نقشہ یہ ہے جس سے ہر صاحب عقل و ایمان کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

۱۔ اللہ نے ان پر اپنی نعمتوں کو یاد دلا کر ان سے وفائے عہد کا مطالبہ کیا، ایمان لانے کا تقاضا کیا، حق و باطل کو مخلوط کرنے سے روکا، عبادت الٰہی کی دعوت دی دوسروں کو نصیحت کر کے خود اپنی ذات کی طرف سے غفلت پر تنبیہ کی۔ مشکلات میں صبر و صلوٰۃ سے مدد لینے کا حکم دیا۔ انھیں انبیاء کرام کے ذریعہ سارے عالمین سے افضل بنا کر خوف آخرت کی طرف متوجہ کیا کہ وہاں تمھاری قوم میں انبیاء کا ہونا یا کوئی دوسری افضلیت کام آنے والی نہیں ہے۔

۲۔ فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کا ذکر کیا۔ دریا میں راستہ بنا دینے کو یاد دلایا اور اس کے جواب میں گوسالہ کو خدا بنا لینے پر تنبیہ کی کہ یہ احسان فراموشی کی بدترین مثال ہے۔ پھر توبہ کی دعوت دی لیکن دل سیاہ ہو جائیں تو روشنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ بنی اسرائیل کی اس ضد کا ذکر کیا کہ بغیر دیکھے خدا کو نہ مانیں گے اور اس طرح مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا کہ رویت خدا کا عقیدہ یہودیت کی پیداوار ہے جس کا انجام ایک برق عذاب اور اس کے زیر اثر تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۴۔ اس کے بعد سروں پر بادل کے سایہ فگن ہونے، من و سلویٰ جیسے غیبی کھانوں کے نازل ہونے کا ذکر کر کے آبادی میں حِطَّةٌ کہہ کر داخل ہونے کا ذکر کیا جس سے تمام گناہ معاف ہو سکتے تھے لیکن اس کے مقابلہ میں کلمات الٰہیہ کی تبدیلی کا حوالہ دیا گیا جو ہر دور کے یہودیوں کا کردار ہے۔

۵۔ قوم کے مطالبہ پر بارہ چشمے جاری کرنے کا ذکر کیا۔ مختلف قسم کی غذاؤں کے عطیہ کا ذکر کیا اور پھر اس کے بھی بے اثر ہونے کا اشارہ دیا کہ اس قوم پر احسانات کا کیا اثر ہوگا جب سر پر طور کا پہاڑ مسلط کر دینے کا اثر نہ ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اس شرارت اور غیر انسانی طرز عمل نے انھیں بندروں میں تبدیل کر دیا جس کا کام ہر اصل کے مقابلہ میں ایک نقل تیار کرنے کا ہوتا ہے۔

● اس کے بعد اس گائے کے ذبح کرنے کا ذکر کیا گیا جسے ایک مقدمہ کے فیصلہ کا ذریعہ بنایا گیا تھا اور اس کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کے بے جا سوالات کی نشان دہی کی گئی جس سے ان کے مشکلات میں اضافہ ہو گیا اور غریب گائے والے کا فائدہ ہو گیا اور پھر جس اخفاء جرم کے لیے یہ سب جرح ہو رہی تھی وہ حاصل نہ ہو سکا۔

● اس کے بعد ان کی جعل سازی کی نشان دہی کی گئی کہ یہ اپنے پاس سے کتاب لکھ کر اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور اس کے انجام بد کا بھی تذکرہ کیا گیا تاکہ امت مسلمہ اس بدترین عمل سے ہوشیار رہے اور جعلی احادیث کا سلسلہ جاری نہ ہونے پائے کہ اس کا انجام "هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

● اس کے بعد اس عہد کا ذکر کیا گیا کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ ہو۔ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، قرابت دار و ایتام و مساکین کے ساتھ بہترین سلوک ہو۔ نماز قائم ہو، زکوٰۃ ادا ہو۔ پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا کہ ان کے کردار میں یہ عیب نہ پیدا ہونے پائے۔

● اس کے بعد خوں ریزی نہ کرنے کا عہد بیان کیا گیا اور اس کی عہد شکنی کا بھی انجام بتایا گیا تاکہ مسلمان حکام اقتدار پانے کے بعد بے گناہ بندگان خدا کا خون نہ کریں، اور امت اسلامیہ میں حجاج و منصور و متوکل و یزید نہ پیدا ہونے پائیں۔

● آیت نمبر ۹۴ سے اس کمزوری کا ذکر کیا گیا کہ یہ آخرت کی ٹھیکہ داری کی بات تو کرتے ہیں لیکن مرنے کی آرزو نہیں کرتے ہیں جب کہ دونوں میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے بلکہ اس انتشار راز پر جبریل امین کے بھی دشمن ہو گئے ہیں کہ یہودیوں کی ایک خصلت یہ بھی ہوتی ہے

کہ جو خدا کی طرف سے حقائق کا اعلان کرتا ہے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں چاہے اس اعلان کا تعلق تنزیل الٰہی سے ہی کیوں نہ ہو۔

● آیت ۱۰۲ سے اس شیطانی کاروبار کا ذکر کیا گیا جس میں جادوگری سرِفہرست ہے اور جس کا مقصد اللہ والوں کی تعلیمات کو مسخ کر کے اس سے غلط فائدہ اٹھانا ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس طرح کا کاروبار کام آنے والا نہیں ہے اور اس کا انجام بہت بُرا ہے۔

● آیت ۱۰۴ میں اشاروں سے گذر کر صراحتاً صاحبانِ ایمان کو ہوشیار کیا گیا کہ بنی اسرائیل کے طرزِ عمل سے ہوشیار رہیں اور دُہری پالیسی کو ترک کر دیں، ان کے شبہات سے آگاہ رہیں اور ہر آیتِ الٰہی پر ایمان لے آئیں تاکہ دشمن انھیں اپنے دین کی طرف کھینچ نہ لے جائیں، یہ اپنے عقیدہ ہی کو ضامنِ جنت سمجھتے ہیں اور سجدوں میں بھی ذکرِ خدا کو پسند نہیں کرتے ہیں لیکن تمھیں ان تمام حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور کسی قیمت پر ان کا ہم خیال اور ہم آواز نہ ہونا چاہیئے۔ یہ خوش ہوں یا ناخوش ہوں۔ ان کی رضامندی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اصل قیمت رضائے خدا کی ہے اور اس کی خاطر تمام کائنات سے منھ موڑا جا سکتا ہے جس کی بہترین مثال قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں موجود ہے۔

● آیت ۱۲۴ سے جناب ابراہیمؑ کی داستان شروع ہوتی ہے جس میں حسبِ ذیل امور خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے امتحان اور آزمائش کا ذکر ہے جس کے بغیر پروردگار کسی کو قائد اور امام کا درجہ نہیں دیتا ہے اور پھر ایک عام قانونِ الٰہی کا اعلان کیا گیا کہ امامت ایک الٰہی عہد ہے جو ظالمین تک نہیں جا سکتا ہے۔ ظالمین ریاست و حکومت حاصل کر سکتے ہیں لیکن امرِ الٰہی سے ہدایت کرنے والی امامت کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں۔

ب۔ خانۂ کعبہ کی محفوظ حیثیت، مقامِ ابراہیمؑ کی عظمت اور بیتِ خدا کی تطہیر کا اعلان کیا گیا جس کا مقصد یہ ہے کہ خانۂ خدا تک آنے والوں کو یہ احساس رہے کہ وہ ایک طیب و طاہر مکان کی طرف جا رہے ہیں لہٰذا انھیں بھی طیب و طاہر ہونا چاہیئے اور ایک پتھر کے پیچھے سجدہ کر کے یہ یاد رکھیں کہ سامنے کسی چیز کے رہنے سے بت پرستی نہیں پیدا ہوتی ہے۔

ج ۔ خلیل خدا کی دعائے امن بلد کا ذکر کیا گیا جو کائنات کا سب سے اہم مسئلہ ہے کہ جس شہر کا امن درہم برہم ہو جاتا ہے اس میں رہنا اپنی زندگی کو تباہ کرنے کے مرادف ہو جاتا ہے۔ امن کے ساتھ رزق کی دعا علامت ہے کہ انسانی زندگی کے یہی دو بنیادی مسائل ہیں اور انسان کو اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیئے جس نے بھوک میں کھانا دیا ہے اور خوف میں امن عنایت کیا ہے۔

د ۔ تعمیر کعبہ میں خلیل و ذبیح کی شرکت اور پھر دونوں کی اطاعت گذاروں میں شامل ہونے کی دعا ایک سبق ہے کہ تعمیری کاموں میں بزرگ و خورد دونوں کو حصہ لینا چاہیئے اور عظیم ترین کاموں میں اخلاص اور جذبۂ اطاعت کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے۔

ھ ۔ رسول کی بعثت کی دعا ایک اشارہ ہے کہ بزرگ خاندان کو اپنے بچوں کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیئے اور ہر نسل میں ان کی ہدایت کی طرف سے فکرمند رہنا چاہیئے۔

و ۔ جناب ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی وصیت کا تذکرہ بھی ایک علامت ہے کہ واقعی اطاعت گذار افراد اپنی اولاد کے مستقبل پر نگاہ رکھتے ہیں اور انھیں اسلام و اطاعت کی وصیت کیے بغیر دنیا سے رخصت نہیں ہوتے ہیں۔

ز ۔ آخر کلام میں ان جاہلوں کو سرزنش کی گئی جو خلیل خدا کو یہودی یا عیسائی تصور کرتے تھے اس لیے کہ یہ مذاہب بعد کی پیداوار ہیں اور پھر جناب ابراہیم کے واقعی مسلک توحید کا اعلان کیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور اس کا اتباع ہر بندۂ پروردگار کا فرض ہے۔

● آیت ۱۴۲ سے قبلہ اور تحویل قبلہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جہاں انسانی زندگی میں قبلہ کی اہمیت اور پھر تبدیلی قبلہ پر ہونے والے اعتراضات کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرق یا مغرب میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ خدا لامکان اور ہر جگہ ہے۔ مشرق و مغرب انسان کی ضروریات ہیں جنھیں مناسب وقت پر توجیہ امت اور ارتکاز فکر کے لیے قبلہ بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ کام حکم خدا سے ہوتا ہے لہذا اس کی رعایت بہرحال ضروری ہے اور اس کے بعد لامکانیت کی بنیاد پر ہر طرف سجدہ کر لینا حکم خدا سے انحراف ہے جو معتدل کردار کی امت وسط کو زیب نہیں دیتا ہے۔

ضمناً یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ قبلہ اجتماعی زندگی میں ایسی اہمیت کا حامل ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں اپنے قبلہ کے بارے میں بضد تھے لیکن مردِ مومن کسی کی خواہش کا اتباع نہیں کرتا ہے۔ وہ صرف حکمِ پروردگار کا تابع ہوتا ہے چاہے دنیا اس سے خوش ہو یا ناخوش۔

● آیت ۱۵۵۔۱۵۷ تک صبر و صلوٰۃ کی افادیت۔ رب العالمین کی صابرین کے ساتھ معیت، شہید راہِ خدا کی حیات جاودانی اور انسانی زندگی کی مختلف آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو مصائب میں صبر اور توجہ الی اللہ سے کام لینا چاہئے۔ اس کے بعد قتل بھی ہو جائے تو زندگی کی طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اس کے واسطے ایک حیات جاودانی پہلے سے مضمون اور محفوظ ہے اور دوسرے افراد کو ان کے قتل ہونے پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے کہ بھوک، خوف، نقص جان و مال سے آزمائش ایک سنت الٰہیہ ہے جس سے کسی انسان کو الگ نہیں کیا جا سکتا ہے اور انسان اس آزمائش میں کامیاب ہونے کے بعد ہی رب العالمین کی طرف سے صلوات اور رحمت کا حقدار ہو سکتا ہے اور اسے ہدایت یافتہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے مردِ مومن کی زندگی کا واقعی ہدف دریافت کر لیا ہے اور پھر اسے حاصل کر لیا ہے۔

● آیت ۱۵۸ میں صفا و مروہ کی مذہبی حیثیت کا اعلان کیا گیا اور شعائر اللہ کے درمیان سعی کرنے کے وجوب کا اعلان کر کے واضح کر دیا گیا کہ انسان کی زندگی کا کل سفر اور اس کی تمام تر سعی کو شعائر اللہ کے درمیان ہونا چاہئے۔ آثار الٰہیہ سے قطع نظر کرنے کے بعد کسی سعی کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ زندگی کا صرف ایک چکر ہے اور بس، اسی لیے اس کے بعد آیات الٰہیہ کی پردہ پوشی کو لعنت قرار دیا گیا اور اسے کفر کے پہلو میں رکھ دیا گیا ہے۔

● آیت ۱۶۴ سے ۱۶۷ تک رب العالمین کی تخلیقی عظمت کا اعلان کر کے ان لوگوں کی تنبیہ کی گئی ہے جو اس صورت حال کو دیکھنے کے بعد بھی خدا کا مثل قرار دیتے ہیں اور دونوں کے فرق پر توجہ نہیں دیتے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ کام آنے والے نہیں ہیں اور ان کا اتباع حسرت و ندامت کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں دے سکتا ہے۔

ان کا اتباع کسی موضوع میں روا نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ اگر انھوں نے کسی چیز کو حرام

بنا لیا ہے تو ان کے حرام کرنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کسی چیز کو حلال سمجھ لیا ہے تو ان کے حلال سمجھنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ حلال و حرام پروردگار کے اختیار میں ہے اور انسان کا فرض اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔

● آیت ۱۷۷ سے اخلاقیات کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ پہلے نیکی کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے کہ نیکی کا معیار ایمان، ایثار، نماز، زکوٰۃ، وفائے عہد، صبر و استقامت وغیرہ ہے۔ اس کا معیار شرق و مغرب کی طرف رُخ کرنا نہیں ہے۔ مشرق و مغرب کی طرف توجہ خود بھی ایمان کا ایک حصہ اور اس کی تابع ہے۔

ب۔ اس کے بعد قصاص کی اہمیت کا تذکرہ کیا گیا تاکہ انسانی زندگی سے خوں ریزی کا سلسلہ ختم ہو اور قاتل کو اپنے قتل ہونے کا خوف محسوس ہو اور مقتول کو اطمینان حاصل ہو کہ اس کا خون ضائع ہونے والا نہیں ہے۔

ج۔ قصاص کے بعد وصیت کی اہمیت کا ذکر کیا گیا جو انسان کی مستقبل اندیشی کی علامت ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنے اموال کی طرف سے بھی لاپرواہ نہیں ہونا چاہیئے اور اس کے مستقبل کا بھی حتی الامکان انتظام کرنا چاہیئے۔

● آیت ۱۸۳ سے روزہ کے احکام شروع ہوتے ہیں جہاں پہلے اس کے وجوب کا تذکرہ کیا گیا جس کے ذیل میں سابق امتوں کا حوالہ دے کر توحید امم کا بھی تصور پیدا کرایا گیا اور خشقت کے احساس کو بھی ختم کر دیا گیا ــــــ پھر تقویٰ کا حوالہ دے کر واضح کیا گیا کہ انسانی زندگی میں بھوک پیاس اور ترک لذات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل کام تقویٰ الٰہی ہے جس کے بغیر کسی عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس کے بعد ماہ رمضان کی عظمت، نزول قرآن کی برکت اور دیگر احکام روزہ کا اعلان کیا گیا جس کے ذیل میں اس زمانہ میں تلاوت قرآن کی اہمیت کا بھی اشارہ دے دیا گیا ہے۔

روزہ کے دوران دعاؤں کی قبولیت کے پیش نظر اس مقام پر حکم دعا بھی بیان کر دیا گیا ہے جو رب العالمین کا کرم بے حساب ہے ورنہ دنیا کا کوئی بھی کریم مانگنے والے کو دوست نہیں رکھتا ہے اگرچہ اس کے سوال کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ یہ صرف رب العالمین کا کرم ہے

کہ وہ مانگنے والوں سے محبت کرتا ہے اور نہ مانگنے والوں سے ناراض ہوتا ہے۔

روزہ کے حدود و قیود بیان کرنے کے بعد چاند کا فلسفہ بیان کیا گیا ــــ جس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اسلامی کلنڈر اور اس کے اوقات چاند کی بنیاد پر ہیں اور اس کا کسی دوسرے کلنڈر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ روزہ اور حج جیسے جملہ عبادات چاند کے حساب سے ہیں، ان میں گرمی کا زمانہ یا کوئی خاص موسم تلاش کرنا خود رائی ہے اسلام نہیں ہے۔

چاند کے مہینوں میں چار مہینے اشہر حرم قرار دیے گئے جن میں جدال و قتال حرام ہے لہذا اس کے فوراً بعد قتال کے احکام شروع ہو گئے۔ گویا کہ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اس موضوع پر بھی اسلام کا کلنڈر قمری ہے شمسی نہیں ہے۔

پھر حج کے تفصیلات کا ذکر کر کے اسے بھی قمری کلنڈر سے وابستہ کر دیا گیا اور قربانی نہ دے سکنے والوں کے مشکلات کا علاج بیان کیا گیا تا کہ قربانی کی اہمیت بھی پیش نظر رہے اور روزہ کی عظمت بھی پیش نظر آ جائے کہ روزہ ہی اس قربانی کا بدل ہو سکتا ہے۔

● گویا کہ آیت ۱۸۹ سے ۲۰۳ تک چاند اور اس سے متعلق مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور اسلام کے تین اہم فرائض روزہ، حج اور جہاد کو چاند سے مربوط کر دیا گیا ہے اور درحقیقت یہی فرائض چاند سے تعلق بھی رکھتے ہیں ورنہ نماز کے اوقات کا تعلق سورج سے ہے اور زکوٰۃ و خمس کے سلسلہ میں انسان آزاد ہے۔ کوئی بھی سال اختیار کر سکتا ہے کہ قرآن مجید نے اس کا تذکرہ قمریات کے ذیل میں نہیں کیا ہے۔

● آیت ۲۰۳ عبادات الٰہیہ کا تذکرہ کرنے کے بعد اور انسانی زندگی کے لیے تقویٰ کے اسباب فراہم کرنے کے بعد ان افراد کے کردار پر تنقید کی گئی ہے جن کی زندگی میں نفاق پایا جاتا ہے اور جو اظہار اسلام و ایمان کے باوجود فساد برپا کرتے ہیں اور کسی طرح کی نصیحت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

● اس کے فوراً بعد ۲۰۷ میں افتخار انسانیت اور نمونۂ شرافت و ایثار کردار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ایک طرف منافقین اور بدسرشت افراد پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف وہ افراد بھی ہیں جو رضائے الٰہی کے عوض اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں اور تلواروں کی چھاؤں

میں سکون کی نیند سو جاتے ہیں۔

● آیت ۲۱۱ سے پھر بنی اسرائیل کے کردار کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے کہ یہ افراد نعمت الٰہی میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں گم ہوگئے ہیں۔ صاحبانِ ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر ان مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو بنی اسرائیل کی طرح بغیر کسی عمل اور آزمائش کے جنت کے امیدوار ہیں اور ہر مصیبت میں صبر سے پہلے مدد خدا تلاش کرتے ہیں۔

● آیت ۲۱۵ میں انفاق کا مصرف بیان کیا گیا ہے اور اس طرح ان قابل رحم افراد کی نشان دہی کی گئی ہے جن پر مال دنیا کو خرچ ہونا چاہیئے۔

● آیت ۲۱۶ میں قتال کا حکم دیا گیا ہے اور انسانوں کی ذہنیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ احکام الٰہیہ کو بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد جذباتی انسانوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں جہاد بھی جائز نہیں ہے بلکہ اسے بھی محترم مہینوں میں موقوف کرنا پڑے گا اور حکم الٰہی کو تمام جذبات سے بالاتر تسلیم کرنا پڑے گا۔

● آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوے کے فساد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کے نقصانات مادی فوائد سے کہیں زیادہ ہیں اور شراب ہوش ربا ہونے کے رشتہ سے ہر جرم کو آسان بنا دیتی ہے اور جوا انسان کو حرام خوری کا عادی بنا کر محنت و مشقت سے دور کر دیتا ہے۔

● آیت ۲۲۰ میں یتیموں سے نیک برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے اور آیت ۲۲۱ میں مشرکین سے ازدواجی تعلقات کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر اسی مناسبت سے آیت ۲۲۲ میں نکاح کے اثرات جماع وغیرہ کے احکام کی وضاحت کی گئی ہے کہ حالت حیض میں مجامعت صحیح نہیں ہے اور مجامعت میں "ہر جہت" سے نسل انسانی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

● آیت ۲۲۴ سے قسم کے احکام شروع کئے گئے ہیں کہ قسم کو تماشہ نہ بنایا جائے۔ نام خدا کو سبک نہ سمجھا جائے۔ عورتوں سے جدائی کی قسم نہ کھائی جائے۔ بلکہ اگر تعلقات میں سدھار ممکن نہیں ہے تو طلاق کا سہارا لیا جائے اور اسی مناسبت سے طلاق کے احکام کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ طلاق کے نتیجہ میں پیش آنے والے اولاد کی بربادی کے خطرہ کے پیش نظر ۲۳۳ میں

اولاد کے احکام اور ان کی تربیت کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ طلاق کی طرح جُدائی کی دوسری قسم وفات اور اس کے احکام کا تذکرہ کر دیا گیا۔

● آیت ۲۴۰ سے وفات کے بعض خاص احکام کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے اور اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ سابق امتوں نے موت سے بچنا چاہا تھا لیکن کوئی محفوظ نہیں رہ سکا۔ لہٰذا انھیں بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ موت کا خطرہ ہر ایک کے سامنے آنے والا ہے۔ اس میں افراد کی قید نہیں ہے لہٰذا ہر شخص کو بیواؤں کے حالات کا احساس رکھنا چاہیئے۔

● آیت ۲۴۶ سے ایک مخصوص معرکہ کا ذکر کیا گیا جہاں قوم نے نبی سے سردار کا مطالبہ کیا اور پھر نبی کے بنائے ہوئے سردار کو مسترد کر دیا اور خدا نے اس کے علم وعزم کا حوالہ دے کر واضح کر دیا کہ امت کو نبی کے انتخاب کو رد کرنے کا حق نہیں ہے اور انتخاب کا معیار امت کی رائے نہیں ہے بلکہ علم وہمت اور عزم وعمل ہے۔

اس کے بعد ایک اور آزمائش کا ذکر کیا گیا کہ جب تک انسان امتحان میں کامیاب نہیں ہوتا ہے نبی سے کوئی رشتہ نہیں پیدا کر سکتا ہے۔ خدا و رسول پر ایمان ہی کامیابی کی کلید ہے اور اسی کے سہارے اقلیت اکثریت پر غالب آسکتی ہے۔

● آیت ۲۵۳ میں مرسلین کے درجات کا حوالہ دیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ جب خدا کے نمائندے ایک درجہ کے مالک نہیں ہوتے ہیں تو ان کے اصحاب کس طرح یکساں مرتبہ کے حامل ہو جائیں گے۔

● آیت ۲۵۵ آیۃ الکرسی ہے جو حفظ وامان کا بہترین نسخہ ہے اور اس میں عظمت خدا کے ساتھ حق وباطل کی وضاحت کا حوالہ دے کر حق پرستوں کو ولی خدا اور طاغوت پرستوں کو جہنمیوں کا درجہ دیا گیا ہے۔

● آیت ۲۵۷ میں خدا کے بندگان مخلصین کو ظلمات سے نکال لینے کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کی مثالوں کا تذکرہ کیا گیا کہ اس نے ابراہیمؑ کو نمرود کے مقابلہ میں کامیاب بنایا اور دوسرے پیغمبر کو موت کے بعد زندگی عنایت کر دی اور قوم کو ظلمات عدم سے نکال لیا۔ پھر جناب ابراہیمؑ کے ذریعہ مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا گیا تاکہ منکرین معاد ظلمات جہالت

سے بخل آئیں اور اس کے بعد انفاق کے اثرات کا تذکرہ کیا گیا تاکہ بخیل افراد بخل کی تاریکیوں سے باہر آجائیں۔

● آیت ۲۶۵ سے انفاق کے احکام، اس کے اثرات اور فوائد کے تذکرہ کے ساتھ اخلاص عمل کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا جس کے بغیر عمل چٹان کی گھاس ہے جو لمحوں میں بہہ جاتی ہے۔ شیطان انفاق کے نتائج فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے لیکن رب العالمین بے حساب اضافہ کا وعدہ کر کے عمل خیر کی ترغیب دلاتا ہے تاکہ بندۂ مومن ولی اللہ بنے اور اولیاء الشیطان میں شامل نہ ہو جائے۔

● آیت ۲۷۵ تک انفاق کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد آیت ۲۷۶ میں اضافہ مال کی مروجہ صورت سود کا ذکر کیا گیا اور اسے قطعاً حرام قرار دے دیا گیا کہ اس سے قوت عمل مفلوج ہو جاتی ہے اور انسان بے رحم ہو کر مجبوروں کا خون چوسنے لگتا ہے۔ سود خواری کو خدا و رسول سے جنگ اور مال کی واقعی بربادی قرار دیا گیا ہے تاکہ انسان مسلم میں جذبۂ ترحم بیدار ہو اور وہ غریبوں کو بلا سود قرض دے سکے۔

اسی مقام پر بالمناسبۃ قرض کے احکام کا تفصیلی تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل ترین آیت ہے اور اس میں اٹھارہ احکام بیان کیے گئے ہیں۔

● آیت ۲۸۵-۲۸۶ میں ایمان کامل کی وضاحت کی گئی ہے اور اب تک کے جملہ بیانات، احکام، تعلیمات کا خلاصہ درج کیا گیا ہے کہ صاحبانِ ایمان کو مکمل ایمان رکھنا چاہیئے اور اپنے اعمال کی کمزوریوں پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ مالک کائنات کی بارگاہ میں دعا کرنی چاہیئے کہ وہ خطا و نسیان پر مواخذہ نہ کرے۔ عمومی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ غلطیوں سے درگذر کرے۔ لغزشوں کو معاف کرے۔ اپنی رحمت کا حقدار قرار دے اور کافروں کے مقابلہ میں نصرت عنایت فرمائے۔

متقین کے تذکرہ سے شروع ہونے والا یہ سورہ کافرین کے مقابلہ میں کامیابی کی دعا پر ختم ہوتا ہے اور درمیان میں ۲۸۵ آیات میں ان احکام و تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے ذریعہ انسان مستجاب الدعوات بن سکتا ہے اور کافروں کے مقابلہ میں

کامیاب ہو سکتا ہے۔

نصرت الٰہی بے میزان نہیں ہے۔ اس کا بھی معیار معین ہے اور انسان جس وقت بھی استحقاق پیدا کرے گا ملائکہ نصرت نازل ہو جائیں گے ورنہ پائے ثبات میں لغزش آجائے گی اور میدان جہاد سے فرار اختیار کر کے ابدی سرزنش کا سزاوار ہو جائے گا۔

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ آلِ عمران

۲۰۰ آیات پر مشتمل یہ قرآن مجید کا دوسرا سورہ ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوا ہے اور اسی لیے اس میں عقائد کے ساتھ اعمال اور احکام کی بھی تفصیل پائی جاتی ہے۔ اس کے آل عمران ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذریت آدمؑ و نوحؑ اور آل ابراہیمؑ میں بالخصوص آل عمرانؑ کے انتخاب کا ذکر کیا گیا ہے اور دنیائے یہودیت پر واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ تم سب ابن عمران کے ماننے والے ہو اور بخیال خود فرزندانِ خدا یا اولیاء خدا ہو لیکن منزل انتخاب میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ آل عمران کا ذکر ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ نگاہ پروردگار میں اصطفاء کا معیار معتقد یا ساتھی ہونا نہیں ہے بلکہ آل میں شامل ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ نے آدمؑ و نوحؑ کی شخصیت کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد پھر آل ابراہیمؑ اور آل عمران کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعبیر لفظ ذریت سے کی ہے تاکہ آل کے دائرہ کو وسیع بنا کر تمام چاہنے والے اور ماننے والے اس میں داخل ہو کر اللہ کے مصطفٰی اور منتخب بندے نہ بن جائیں۔

سورۂ مبارکہ کے سورۂ بقرہ کے فوراً بعد ہونے کا راز بھی غالباً یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں اصحاب و معتقدین موسیٰ کی شرارت اور ایک گائے کے مسئلہ میں بے پناہ ہٹ دھرمی کا ذکر ہے تو قدرت نے چاہا کہ اس کے بعد فوراً آل عمران کا ذکر کر دیا جائے تاکہ معتقدین کے کردار اور ان کی شرارت کے ساتھ آل عمران کے کردار اور ان کی پاکیزگی نفس کا بھی اندازہ ہو جائے۔

- ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے جو قرآن مجید کا ایک رمزی انداز ہے اور

جس سے اس کے الفاظ کی سادگی کا بھی اشارہ ملتا ہے اور اس کے مطالب و معانی کی گہرائی اور گیرائی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

● حروف مقطعات کے بعد مکہ کے سکھائے ہوئے سبق کی یاد دہانی کرائی گئی ہے اور پروردگار کے تعارف کے ذیل میں مختلف حقائق مذہب کا اعلان کیا گیا ہے۔

ا۔ وہ وحدہ لاشریک زندہ اور قیوم ہے کہ ساری کائنات کا قیام اور قوام اس کے ارادہ سے وابستہ ہے۔

ب۔ اس نے تمام کتابوں کو نازل کیا ہے۔ قرآن، توریت، انجیل سب اسی کی ہیں، لہٰذا نہ سابق والوں کو لاحق کے انکار کا حق ہے اور نہ لاحق والوں کو سابق کی توہین کا حق ہے۔

ج۔ اس کا علم کل کائنات کو محیط ہے اور اس نے انسان کو مختلف پردوں کے اندر بنایا ہے اور جیسا چاہا ہے ویسا بنایا ہے۔

د۔ اس کی کتاب میں محکمات و متشابہات دونوں ہیں۔ فتنہ گر افراد متشابہات سے غلط استفادہ کرنا چاہتے ہیں لہٰذا صاحبانِ ایمان کو مکمل ایمان رکھنا چاہیئے اور گمراہی سے بچنے کی دُعا کرتے رہنا چاہیئے اور خیالِ آخرت کو ذہن سے جانے نہ دینا چاہیئے۔

● آیت ۱۰ سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے کہ انکار کرنے والوں کا مال و اولاد کا غرور کام آنے والا نہیں ہے۔ فرعون کو اس کا مال راس نہ آیا اور بہت سے لوگوں کو میدانِ جنگ میں کثرتِ افراد راس نہ آئی۔

مال و اولاد، آرام و سامان کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ حقیقی راحتوں کے خزانے پروردگار کے پاس ہیں اور اس کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ ہے۔

ایمان کی پہچان استغفار، صبر، صداقت، قنوت، انفاق اور شب بیداری ہے۔

● آیت ۱۸ سے اپنی عظمت اور عدالت کے گواہوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر دینِ اسلام کے دینِ الٰہی ہونے اور لوگوں کے انکار کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلام کی عظمت کے دلائل اور منکرین کے بدترین انجام کا اشارہ دیا گیا ہے۔

اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کے مقابلہ میں آخرت کا خوف دلایا گیا ہے اور عظمتِ خدا کا

اقرار دیا گیا ہے کہ ملک و اقتدار اور عزت و آبرو سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بغیر نہ موت و حیات کا امکان ہے اور نہ رزق بے حساب کا۔

اہلِ کتاب کی شرارتوں کے ذکر کے بعد اہلِ ایمان کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ ایسے افراد سے خفیہ یا علانیہ تعلقات نہ رکھیں کہ خدا تمام چیزوں کا عالم ہے اور دلوں کے اسرار کو بھی جانتا ہے۔ قیامت کے دن تمام اعمال سامنے پیش کر دیے جائیں گے اور اپنے کردار کا ویڈیو دیکھ کر کوئی انکار بھی نہ کر سکے گا۔

● آیت ۳۱ میں راہ حق کی نشان دہی کرتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ محبت الٰہی کا معیار یہی ہے اور اسی ذریعہ سے گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔

● آیت ۳۲ سے گذشتہ انبیاء کرام کے انتخاب کا ذکر کر کے جناب مریم کی تاریخ حیات بیان کی گئی ہے جنھیں دختر عمران ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس طرح ان کا فرزند آلِ عمران میں شامل ہے جس طرح کہ موسیٰ کو بھی آل عمران میں شمار کیا گیا ہے اگرچہ ان کے والد محترم کا نام قرآن مجید میں نہیں ہے اور آیت زیر نظر کے فوراً بعد جناب مریم کا تذکرہ ہے جس میں حسب ذیل خصوصیات ہیں:

ا۔ مادر مریم نے فرزند کو خانۂ خدا کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جو ایک ماں کے عظیم ترین کردار کی علامت ہے ورنہ عام طور سے لڑکیاں اپنے گھر کی خدمت کا ذریعہ سمجھی جاتی ہیں۔

ب۔ قدرت نے مریم کی غذا کا از غیب انتظام کر دیا کہ خدا اپنے دین کے خدمتگذاروں کو بھوکا نہیں مار سکتا ہے۔

ج۔ مالک کائنات نے جناب زکریا کو ضعیفی میں اولاد دے دی کہ جو ہمارے دین کے خدمت گزار کی خدمت کرے گا اسے بھی بے پناہ انعام سے نوازا جائے گا۔

د۔ رب العٰلمین نے مریم کو ولادت عیسیٰ کے لیے منتخب، خدمت بیت اللہ کے لیے پاکیزہ اور کردار کے اعتبار سے اُس دور کی بہترین خاتون قرار دے دیا لیکن اس کے بعد فوراً رکوع و سجود کا حکم دے دیا کہ دین خدا میں شرف اور مرتبہ بندگی سے بے نیاز نہیں بنا سکتا۔

ہ۔ ولادت جناب عیسیٰؑ کا ذکر کر کے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ہم اپنے خدمت گذار کو بلا وہم و گمان اولاد دے سکتے ہیں اور اس طرح ہمارے خدمت گذاروں کی نسل منقطع نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کا دشمن ابتر ہوتا ہے۔

و۔ جناب عیسیٰؑ کے کرامات میں بار بار باذن اللہ کا ذکر اشارہ ہے کہ انسان ذاتی طور پر صاحب کرامت نہیں ہو سکتا ہے اس کے پاس جو کچھ بھی علم و اقتدار ہوتا ہے سب رب العالمین کا عطیہ ہوتا ہے۔

ز۔ جناب عیسیٰؑ نے کھلے لفظوں میں توریت کی تصدیق کر کے واضح کر دیا کہ اللہ والے ایک برادری کے افراد ہیں اور ان میں باہمی چشمک یا مقابلہ کا گذر نہیں ہے۔

ح۔ جناب عیسیٰؑ کے انصار طلب کرنے کا تذکرہ اشارہ ہے کہ راہ خدا میں انسان اکیلا کام نہ کر سکے تو خاموش نہ بیٹھ رہے بلکہ اعوان و انصار تلاش کر کے کام شروع کر دے چاہے وہ بعد میں بے وفا ہی کیوں نہ ثابت ہوں اس لیے کہ رب العالمین زندہ موجود ہے۔ اصحاب کی غداری سے انسان تختہ دار کی طرف بھی جائے گا تو عرش اعظم کی طرف لوٹا یا جائے گا۔

● آیت ۵۹ سے عیسیٰؑ نواز متعصب افراد اور اسلام کے درمیان تاریخی مقابلہ "مباہلہ" کا ذکر شروع کیا گیا ہے اور پہلے آدمؑ کی مثال دے کر عیسیٰؑ کو بندۂ خدا ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہٹ دھرم افراد کو مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے جس میں عیسائیوں کی شکست اور ذلت علامت ہے کہ متعصب اور ضدی افراد کا انجام ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور مرد مومن کا فرض ہے کہ حق پر آنچ آجائے تو برابر والے، بچے، عورتوں کو لے کر میدان صداقت میں آجائے اور نصرت خدا کی طرف سے مایوس نہ ہو۔

● آیت ۶۳ سے مباہلہ کی فتح کے باوجود پیغمبر اسلامؐ کے مصالحت آمیز رویہ کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمانوں میں فتح کا غرور نہ پیدا ہو اور ہمیشہ اصلی ہدف پر نگاہ رکھیں۔

اس موقع پر جناب عیسیٰؑ کی بندگی کے علاوہ ان کے دین و مذہب کا بھی اعلان کیا گیا ہے اور جناب ابراہیمؑ کو اصل قرار دے کر سمجھایا گیا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت کے تعصب سے بالاتر ہو کر ملت ابراہیمؑ کو اختیار کرو جو ایک بندۂ مسلم اور کفر و شرک سے اجتناب کرنے

والے انسان تھے۔

● آیت ۶۹ سے اہل کتاب کی مختلف شرارتوں اور خباثتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ ان میں بعض افراد صاحبانِ ایمان کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ واقعاً صرف اپنے نفس کو گمراہ کر رہے ہیں۔

ب۔ یہ دیدہ و دانستہ آیات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں لہذا ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

ج۔ یہ حق و باطل کو مخلوط اور مشتبہ بنا دیتے ہیں اور حق کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔

د۔ یہ ایمان میں دن اور رات کی تفریق کرتے ہیں تاکہ انسان بعض احکام الٰہیہ کے انکار کی جرأت پیدا کر سکے۔

ھ۔ ان میں بعض ایسے بددیانت ہیں کہ پیسہ لینے کے بعد واپسی کا تصور بھی نہیں کرتے ہیں اور امانتوں کو ملکیت سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔

و۔ یہ عہد الٰہی اور قسم کو معمولی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں اور عہد و پیمان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔

ز۔ یہ اپنے پاس سے آیات گڑھ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اس طرح بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

ح۔ یہ اپنے کو ارباب بنا کر پیش کرتے ہیں اور ہر مہمل بات کو بلا دلیل تسلیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

ط۔ یہ اس پیغمبرؐ پر بھی ایمان نہیں رکھتے ہیں جس کا عہد انبیاء سے لیا گیا ہے اور اس طرح خدا، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت کے حقدار ہو گئے ہیں۔

● آیت ۸۴ سے مکمل ایمان کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ایمان کی دنیا میں نہ انبیاء کرام کے درمیان تفریق ہو سکتی ہے اور نہ اسلام کے علاوہ کوئی طرزِ حیات اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے آخرت میں خسارہ میں رہیں گے اور ان پر اس وقت تک لعنت مسلط رہے گی جب تک توبہ نہ کر لیں اور اگر کفر ہی کی حالت میں

مر گئے تو کسی بھی قیمت پر عذاب الٰہی سے نجات نہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

● آیت ۹۲ سے بعض احکام کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔ راہ خدا میں انفاق کے بغیر نیکی تک پہونچنا ناممکن ہے۔

ب۔ جس کھانے کو خدا نے حلال کر دیا ہے اسے حرام کرنے کا حق نہیں ہے۔

ج۔ افترا کرنے والوں کا شمار ظالموں میں ہوتا ہے۔

د۔ ملتِ ابراہیم کا اتباع ایک فریضہ ہے۔

ہ۔ خانۂ کعبہ عام انسانیت کے لیے بنایا گیا ہے لہٰذا اس کا حج کرنا ایک انسانی فریضہ ہے جس کا انکار کفر کے مرادف ہے۔

● آیت ۱۰۲ سے شانِ ایمان کی وضاحت شروع کی گئی ہے:

ا۔ صاحبانِ ایمان کو مکمل خوفِ خدا رکھنا چاہیئے اور مسلمان دنیا سے جانا چاہیئے۔

ب۔ ریسمانِ الٰہی سے متمسک رہنا چاہیئے اور تفرقہ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

ج۔ خیر کی دعوت امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا پابند ہونا چاہیئے۔

د۔ خیر است کی شان ایمان کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی ہے۔

● ۔ دشمنانِ اسلام صرف اذیت پہونچا سکتے ہیں، میدان میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔

● ۔ دشمنانِ اسلام سے خفیہ تعلقات بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔

● آیت ۱۲۱ سے جنگ احد کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ جہاں رسول اکرمؐ کی طرف سے جنگ کی تیاریوں، مسلمانوں کے بارے میں احکام کے ساتھ بدر میں نازل ہونے والی کمک کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں میں اطمینان قلب پیدا ہو جائے لیکن اس کے باوجود اطمینان نہ پیدا ہو سکا اور مخالفت خدا و رسول کے زیر اثر بدر کی فتح کے بعد بلافاصلہ شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

● آیت ۱۳۰ بعض اخلاقیات اور احکام کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ سود کا ایک پیسہ بھی کھانا حرام ہے۔

ب۔ مغفرت کی راہ میں تیز قدم بڑھانا ضروری ہے۔

ج۔ انفاق، غصہ کو ضبط کرنا، لوگوں کو معاف کر دینا اور احسان کرنا متقین کی علامتوں میں شامل ہے۔

د۔ جرم یا ظلم کرنے والوں کا فرض ہے کہ فوراً توبہ کریں۔

ھ۔ میدان جنگ کی زحمتوں سے بددل نہ ہوں کہ یہ مسلمان اور کافر دونوں کے لیے ہیں۔

و۔ جنت میں داخلہ جہاد اور صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ز۔ تمنائے موت علامت ایمان ہے اور میدان جہاد سے فرار عاقبت کی بربادی کی نشانی ہے۔

ح۔ کفار کی اطاعت میں خسارہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ط۔ می[illegible]اد سے فرار کرنے والوں کا مقدر ہم و غم کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس لیے کہ یہ حالت ہمیشہ اطاعت شیطان سے پیدا ہوتی ہے۔

● آیت ۱۶۴ میں رسول اکرمؐ کی بعثت اور اس کے احسان خداوندی ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر احد کے میدان میں حکم رسولؐ سے انحراف کرنے والوں کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ مسلمانوں میں آئندہ اس نافرمانی کی جرأت نہ پیدا ہو سکے۔

● آیت ۱۶۹ میں شہیدان راہ خدا کی زندگی کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمان کبھی مایوسی کا شکار نہ ہو اور ہمیشہ انعام آخرت کو نگاہ میں رکھے۔

شیطان اپنے ساتھیوں کو خوف زدہ کرتا رہتا ہے۔ مسلمان کے دل میں صرف خوف خدا ہونا چاہیے۔ کفار کو دولت پر ناز نہیں کرنا چاہیے یہ خدا کی طرف سے ایک مہلت ہے اور وہ امتحان کے ذریعہ طیب و خبیث کو بہرحال الگ کر کے رہے گا۔

● آیت ۱۸۰ میں بخل کی مذمت کی گئی ہے کہ یہ اخلاق دنیا کا بدترین جرم ہے اور بخیل درحقیقت خدا کی قدرت اور اس کی رزاقیت پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کی طرف سے خدا پر غربت کا الزام اور اس کا جواب بیان کیا گیا ہے تاکہ

اہل ایمان اس کی بے نیازی پر یقین رکھیں اور اس کی راہ میں انفاق کرتے رہیں۔

● آیت ۱۸۵ میں موت کے حتمی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور پھر بتایا گیا ہے کہ موت کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ انجام کا بخیر ہونا ہے اور انسان کو ہر امتحان میں کامیابی کی فکر کرنا چاہیئے تاکہ انجام بخیر ہو سکے۔

● آیت ۱۸۶ سے اہل کتاب کی حق پوشی، ان کے غرور اور بلا سبب داد طلبی کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ مسلمان ان امور سے الگ رہیں اور ہر حال میں یاد خدا میں مصروف رہیں۔ خالق کائنات کی عظمت کو دل میں جگہ دیں اور اپنی کمزوریوں کے لیے استغفار کرتے رہیں۔

خدا کے وعدۂ آخرت و انعام پر اعتبار رکھیں اور کفار کے غلبہ و اقتدار سے دھوکہ نہ کھائیں، یہ چند روزہ عیش و عشرت ہے۔ اس کے بعد دار آخرت صرف صاحبانِ ایمان کے لئے ہے اور اہلِ کتاب میں بھی بعض افراد ان حقائق کا ادراک رکھتے ہیں اور صحیح ایمان کی بنیاد پر آیاتِ خدا کا سودا نہیں کرتے ہیں۔

● آیت ۲۰۰ آخری آیت میں ایمانی زندگی کے عناصر اربعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ صاحبانِ ایمان کی زندگی میں صبر، تلقین صبر، آمادگی جہاد اور تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی زندگی ایمانی زندگی کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

اس طرح توحید الٰہی اور تنزیل کتب کے تذکرہ سے شروع ہونے والا سورہ ایک مکمل صاحب ایمان انسان کی تشکیل کر کے اختتام کو پہونچتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ درمیان کے جملہ تعلیمات پر عمل کرنے والا واقعی مومن اور امتحانِ ایمان میں کامیاب ہو جاتا ہے بشرطیکہ ان چار عناصر پر عمل کرتا رہے:

(۱) مصائب پر صبر کرے (۲) دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتا رہے (۳) دشمن کے مقابلہ میں جہاد کے لیے آمادہ رہے (۴) تقویٰ الٰہی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے کہ اس کے بغیر "امور ثلاثہ" کی کوئی قیمت نہیں ہے اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا کوئی صبر و تحمل اور جہاد و قتال امام المتقین کی اقتدا کے بغیر نتیجہ بخش نہیں ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نساء

اس سورۂ مبارکہ میں ۱۷۶ آیتیں ہیں اور یہ سورۂ ممتحنہ کے بعد مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اسی لیے اس میں عقائد سے زیادہ احکام کی تفصیلات کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس سورہ کا آل عمران سے بظاہر ارتباط یہ ہے کہ سورۂ آل عمران جناب مریم بنت عمران کے کردار کے گرد گھوم رہا تھا اور مریم بنت عمران ایک خاتون تھیں لہذا قدرت نے چاہا کہ دیگر خواتین کے احکام کا تذکرہ بھی کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ جناب مریمؑ کی زندگی میں از غیب رزق کا تذکرہ کیا گیا تھا اور یہ بات ہر انسان کے لیے نہیں تھی۔ لہذا ضروری ہے کہ دیگر انسانوں کے لیے رزق اور مال کا قانون واضح کر دیا جائے تاکہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے استعمال نہ کر سکیں اور پھر مالیات کے دیگر قوانین کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔

ان دونوں سوروں کا ایک گہرا رابطہ یہ بھی ہے کہ سورۂ آل عمران تقویٰ الٰہی کی دعوت پر تمام ہوا تھا اور سورۂ نساء اسی دعوت سے شروع ہوا ہے، اور اس کے نساء سے متعلق ہونے کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ خود اس سورہ کی ابتداء اور انتہاء بھی مسئلہ نساء سے متعلق ہے اور اس طرح اسلام نے مرد و زن کی درجاتی تقسیم پر خط نسخ کھینچ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں صنفیت معیار کمال نہیں ہے بلکہ کمال معیار کمال ہے۔ اگر کمال عورت میں پیدا ہو جائے تو وہ صاحب فضیلت ہے اور اگر مردوں میں پیدا ہو جائے تو وہ افضل کہے جانے کے قابل ہیں۔

اس سورہ کا ایک چوتھائی حصہ نسائیات اور مالیات سے متعلق ہے۔ اس کے بعد

حسبِ ضرورت اس بدترین قوم یہود کے کردار کا تذکرہ کیا گیا ہے جس کا حوالہ ہر بُرائی کے موقع پر ضروری ہے اور جس کے تذکرہ کے بغیر بُرائیوں کا تذکرہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔

درمیان میں بعض اخلاقی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تعلق نفس اور آبرو سے ہے۔ اس لیے کہ مال کے ساتھ نفس کی اہمیت کا سمجھنا بھی ضروری ہے اور نسائیات کا تذکرہ حفظ آبرو کے قوانین کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔

آغاز کلام تخلیق عالم انسانیت سے ہوتا ہے جس میں ایک عورت اور ایک مرد دو افراد کا حصہ ہے اور یہ عورت کی مساویانہ خدمت اور اس کی عظمت کے لیے بہت کافی ہے۔

اس کے بعد ان افراد کا تذکرہ کر دیا گیا ہے جو ماں باپ کے ذریعہ دنیا میں آئے لیکن ماں باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے اور ان کی زندگی میں دو مسئلے پیدا ہو گئے۔ ایک مسئلہ ان کی کفالت اور مالی حیثیت کا تھا اور دوسرا مسئلہ ان کی ازدواجی زندگی کا تھا۔

قرآن مجید نے پہلے ان کے اموال کو نامناسب طریقہ سے ہاتھ لگانے سے روکا۔ اس کے بعد شادی کا حکم دیا تاکہ ان کی تربیت کا انتظام ہو سکے اور پھر ان سے شادی کرنے کا اشارہ بھی دے دیا اور یہ واضح کر دیا کہ اگر ان سے شادی کرنے میں ناانصافی کا خطرہ ہے تو دوسری شادیاں کرو لیکن ان کے حق کی طرف سے غافل نہ ہونا۔

یتیموں کی طرح ان افراد کا بھی حال ہے جو اپنے اموال کا انتظام نہیں کر سکتے ہیں تو ان کے مال کے احترام کا تذکرہ بھی کر دیا گیا اور پھر بالغ ہونے کے بعد یتیموں کے اموال کی واپسی کا قانون بھی واضح کر دیا گیا۔

یہیں سے میراث کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ یتیم کی زندگی میراث ہی سے شروع ہوتی ہے لہٰذا میراث کے احکام کا اعلان کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ صاحبانِ حق کو ان کا حق دیا جائے لیکن اگر دوسرے غربا بھی آجائیں تو اخلاقاً انھیں بھی کچھ دے دیا جائے تاکہ انھیں غربت کا احساس نہ ہو۔

میراث کے جملہ قوانین کے اعلان کے بعد یہ واضح کر دیا گیا کہ تقسیم میراث میں تعدی کرنے والے عذاب جہنم کے حقدار ہیں جس طرح کہ یتیموں کا مال کھانے والے بھی ابھی سے

آگ کھا رہے ہیں اور آخرت میں بھی ان کا انجام جہنم ہے۔

● آیت نمبر ۱۵ سے عورتوں کی بدکرداری کا تذکرہ شروع کیا گیا کہ انھیں جرم ثابت ہونے کے بعد مستقل قید میں رکھا جائے تاکہ دوبارہ ایسا جرم نہ کر سکیں۔ پھر توبہ کی دعوت دی گئی اور ایک عام قانون کا اعلان کیا گیا کہ ناواقفیت کے جرم کی توبہ تو خدا قبول کر لیتا ہے لیکن دیدہ و دانستہ جرم کے توبہ کی قبولیت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

● آیت نمبر ۱۹ میں عورتوں سے جبراً میراث لینے کے جاہلی طریقہ کار کی مذمت کی گئی ہے اور انھیں اس مسئلہ میں بالکل مردوں جیسا محترم قرار دیا گیا ہے بلکہ دوسرا عقد کرتے وقت پہلی زوجہ سے اموال واپس لینے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے اور اسے کھلا ہوا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

● آیت نمبر ۲۳ میں ان تمام عورتوں کی فہرست بیان کر دی گئی ہے جن سے ازدواج حرام ہے تاکہ انسان شہوت رانی کے بجائے قانونی زندگی گذارے اور پھر بلا فاصلہ مسئلہ متعہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اگر عقد دائم میں نفقہ وغیرہ کی زحمت برداشت نہیں کر سکتے ہو تو جنسی دباؤ کی زندگی نہ گذارو اور نہ عورتوں کو گھٹن میں مبتلا رکھو بلکہ وقتی عقد کر لو لیکن ان کا مہر انھیں دے دو کہ انھوں نے اپنا وجود تمھارے حوالے کیا ہے تو تمھارے ہدیہ اور عطیہ کی بھی مستحق ہیں۔

● آیت نمبر ۲۵ میں ایک اور صورت حال کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر متعہ بھی ممکن نہیں ہے اور آزاد عورت کا امکان بھی نہیں ہے تو مالکوں کی اجازت سے کنیزوں سے عقد کر لو تاکہ تمھارا مسئلہ بھی حل ہو جائے اور ان کا مسئلہ بھی حل ہو جائے لیکن خبردار کنیز سمجھ کر ان کے حق میں زیادتی نہ کرنا کہ اسلام کسی طرح کی زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔

● آیت نمبر ۲۹ سے چند دیگر احکام کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔ ایک دوسرے کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر مت کھانا۔

ب۔ دوسرے کے مال کو بدنیتی اور حسد کی نگاہ سے مت دیکھنا۔

ج۔ تمھیں تمھاری صلاحیتوں کی بنا پر عورتوں کا نگراں بنایا گیا ہے، لہٰذا جب تک نافرمانی نہ کریں کوئی سرزنش مت دینا اور اس کے بعد بھی اصلاح ممکن نہ ہو تو دوسروں کے

ذریعہ اصلاح کی کوشش کرنا۔
د ۔ اللہ کی عبادت کے ساتھ والدین، قرابت دار، ہم سایہ، مسافر غربت زدہ، غلام و کنیز کا خیال رکھنا کہ پروردگار مال یا طاقت کے غرور کو پسند نہیں کرتا ہے۔
ھ۔ بخل مت کرنا کہ بخیل کے لیے رسوا کن عذاب کا انتظام کیا گیا ہے۔
و ۔ ریاکاری سے انفاق نہ کرنا کہ ریاکار شیطان کا ساتھی ہوتا ہے۔
ز ۔ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جانا کہ نشہ بندگی پروردگار کی ضد ہے اور جسے بندگی کرنا ہے اسے منشیات سے اجتناب کرنا ہوگا۔
ح ۔ جنابت کی حالت میں بھی غسل کے بغیر قرب الٰہی ممکن نہیں ہے اور غسل ممکن نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کرنا چاہیے۔

● آیت ۴۶ سے یہودیوں کی شرارتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ یہ آیات الٰہیہ میں تحریف کرتے ہیں اور تنزیل الٰہی پر کماحقہ ایمان نہیں رکھتے ہیں بلکہ طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس طرح خدا کی بارگاہ میں ملعون ہیں اور ملعون کا کوئی مددگار نہیں ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کے حسد کا ذکر کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم سب کچھ دے دیا ہے اور ان سے حسد ہماری کسی عطا کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا ہے۔

● آیت ۵۸ میں امانت داری اور منصفانہ فیصلہ کا حکم دے کر خدا و رسولؐ اور صاحبان امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور منصفانہ فیصلہ کے لیے انھیں کے فیصلہ کو حرف آخر قرار دیا گیا ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ طاغوت سے فیصلہ کرانے والے گمراہی میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔

● آیت ۶۱ سے یہودیوں کے ساتھ منافقوں کے کردار پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ یہ بھی اسی برادری کا حصہ ہیں اور نفاق کے کردار پر تبصرہ کے ساتھ رسولؐ کی بارگاہ میں آکر استغفار کرنے اور رسولؐ سے سفارش کرانے کی دعوت دی گئی ہے اور یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اگر رسولؐ کے بارے میں کسی طرح کی بھی تنگی پائی جاتی ہے تو انسان کا صاحب ایمان

ہونا ناممکن ہے۔

دعوت اطاعت کے بعد اطاعت گذاروں کے شرف کا اعلان کیا گیا ہے کہ ان کی جگہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہے اور اس سے بہتر رفاقت کا کوئی امکان نہیں ہے۔

● آیت ۷۱ سے جہاد کے بعض احکام اور اس کے سلسلہ میں منافقین کے عمل کی وضاحت کر کے صاحبانِ ایمان کو ہوشیار کیا گیا ہے اور دعوت جہاد کے ساتھ اخلاص عمل کا حکم دیا گیا ہے اور بزدلوں پر تنقید کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ مستحکم قلعوں میں رہیں تو بھی موت انھیں پالے گی لیکن یہ ثواب آخرت نہیں پا سکتے ہیں۔

● آیت ۸۶ میں دشمنوں کے بعد دوستوں کے ساتھ برتاؤ کی تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح اُن کے مقابلہ میں سختی کرنا واجب ہے اسی طرح مومن کوئی تحفہ پیش کرے تو تم اس سے بہتر واپس کرو چاہے وہ تحفۂ سلام ہی کیوں نہ ہو۔

ایمان والوں کی زندگی کو منافقت کے جملہ عیوب سے پاک ہونا چاہیئے۔

● آیت ۹۲ میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جہاد کا مصرف تمھیں سنگ دل اور جلاد بنا دینا نہیں ہے بلکہ جس طرح دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا واجب ہے اسی طرح دوستانِ خدا کی زندگی کا احترام بھی واجب ہے کہ انھیں قصداً قتل کر دیا تو جہنم ہے اور دھوکہ میں قتل کر دیا تو دیت اور معاوضہ دینا بھی واجب ہے اور کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا اور اس کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا واجب ہے۔

● آیت ۹۴ میں وضاحت کی گئی ہے کہ جہاد کا مقصد حفاظتِ اسلام ہے مال غنیمت نہیں ہے لہٰذا خبردار بغیر تحقیق کے کسی کو کافر بنا کر حملہ نہ کر دینا۔ اگر مال دنیا ہی کی خواہش ہے تو خدا کے پاس منافع بہت ہیں۔ اس کے لیے جہاد کو بدنام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

● آیت ۹۵ سے جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ شروع کیا گیا کہ اوّلاً تو گھر بیٹھنے والے مجاہدین جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔ مجاہدین کا مرتبہ بہت بلند ہے اور جہاد نہ کر سکنے کی صورت میں بھی اگر ترک وطن ممکن ہو تو اس علاقہ کو چھوڑ دینا چاہیے جہاں دین محفوظ نہ رہ سکے وہاں

رہنا قانون شریعت کے اعتبار سے حرام ہے۔

اس کے بعد جب سفر کا ذکر آگیا تو بالمناسبۃ نماز قصر کا بھی ذکر کر دیا گیا جس کا تعلق سفر سے بھی ہے اور میدان جہاد سے بھی ہے، اور جہاد بھی عام طور سے سفر ہی کا متقاضی ہوتا ہے۔

● آیت ۱۰۲ میں نماز جہاد کا ذکر کیا گیا کہ میدان جہاد میں کس طرح نماز ادا کی جاتی ہے جہاں دشمن سے تحفظ کا بھی انتظام ہوتا رہے اور نماز بھی ادا ہوتی رہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ نماز کے بعد بھی ذکر خدا ضروری ہے اور میدان کی نماز کو مستقل طریقہ نماز نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ سکون کے حالات میں اطمینان کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہیئے اور راہ خدا میں رنج اٹھانے سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ دشمن بھی رنج اٹھا رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے مقدر میں اجر آخرت نہیں ہے اور تمہارے حصہ میں اجر آخرت بھی ہے۔

● آیت ۱۰۵ سے ایک نئے نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خیانت کاروں کی طرف سے دفاع نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کے اعمال کو پروردگار دیکھ رہا ہے اور آخرت میں ان کی طرف سے دفاع کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ انھیں خود چاہیئے کہ اپنے طرز عمل کی اصلاح کریں اور یہ سمجھ لیں کہ یہ اہل ایمان کو نقصان نہیں پہونچا سکتے ہیں۔ یہ صرف اپنے کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔

● آیت ۱۱۴ سے سماجی تعلیمات اور اس کے متعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔ سرگوشیوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اصل کام صدقہ، کار خیر اور اصلاح ہے جس کا اجر بہت عظیم ہے۔

ب۔ رسولؐ سے اختلاف اور ان کے راستہ سے انحراف کرنا جہنم کا باعث ہوتا ہے۔

ج۔ رسولؐ سے الگ ہو کر انسان شیطان کا ساتھی ہو جاتا ہے جو ہر طرح سے گمراہ کرتا ہے اور اس کا خطرناک حربہ آرزو ہے جس کا خسارہ واضح اور انجام جہنم ہے۔

د۔ ایمان والوں کی جزا جنت ہے اور بدعمل کو بہرحال سزا دی جائے گی۔

ھ۔ عمل خیر کے انعام میں مرد و عورت کی تفریق نہیں ہے۔

و۔ بہترین طریقہ زندگی خدا کی بارگاہ میں سپردگی اور ملت ابراہیم کا اتباع ہے جہاں

باطل سے اجتناب اور رب العالمین کی اطاعت وعبادت ضروری ہے۔

● آیت ۱۲۷ سے پھر عورتوں کے بعض احکام کی نشان دہی کی گئی ہے،

ا۔ نکاح کے سہارے یتیموں کو میراث سے محروم کر دینا جرم ہے۔

ب۔ عورت نافرمانی کرے تو پہلے اصلاح کی کوشش کرو۔

ج۔ مختلف بیویوں کے درمیان قلبی لگاؤ میں یکسانیت ممکن نہیں ہے تو کم از کم ظاہری برتاؤ میں ایک طرف نہ ہو جاؤ اور بالکل اصلاح ممکن نہ ہو تو اسے الگ کر دو۔

● آیت ۱۳۵ سے عدالت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے چاہے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ خدا اور رسولؐ و کتب پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ ایمان کے بعد کفر کی سزا دردناک ہے۔ کفر کے علاوہ نفاق کا انجام بھی عذاب الیم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

● آیت ۱۴۰ میں صاحبانِ ایمان کو تلقین کی گئی ہے کہ اگر آیات خدا کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو اس محفل میں ہرگز شرکت نہ کرو، اور موجود ہو تو فوراً اُٹھ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن لوگوں کا عذاب تمھیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔

● آیت ۱۴۱ سے منافقین کے طرزِ عمل اور ان کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے:

ا۔ یہ وقت کے منتظر رہتے ہیں اور غلبہ پانے والے کے ساتھ ہو جاتے ہیں، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔

ب۔ نماز بھی نہایت کسل مندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

ج۔ اسلام وکفر کے درمیان ہمیشہ مشکوک اور مذبذب رہتے ہیں۔

د۔ منافقین کا ٹھکانا جہنم کا آخری طبقہ ہے۔

● آیت ۱۴۸ میں غیبت کی حرمت کا ذکر کرکے مظلوم کو ظالم کی بُرائی بیان کرنے کا حق دیا گیا ہے تاکہ ظالم کو احساس پیدا ہو کہ ظلم کے بعد آبرو نہیں بچ سکتی ہے۔

● آیت ۱۵۳ سے یہودیوں کا تذکرہ پھر شروع کر دیا گیا کہ ان نالائقوں نے خدا کی رویت تک کا مطالبہ کر دیا اور جب برق عذاب نے ایک قوم کو فنا کر دیا تو دوسری نے

گوسالہ پرستی شروع کردی۔ ہم نے بہت سمجھایا لیکن عہد الٰہی کو توڑ دیا اور اپنی ناسمجھی کا اعلان کر کے اپنے خیال میں عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا۔

یہودیوں کی نمایاں صفتیں سود کھانا، لوگوں کے اموال پر ناجائز طریقہ سے قبضہ کر لینا ہے جس کا انجام بڑا دردناک ہے۔

● آیت ۱۶۳ سے مختلف انبیاء کی طرف وحی کرنے کا ذکر کیا گیا اور ان کے انکار کو گمراہی قرار دیا گیا اور اس کے بعد سرکار دو عالمؐ کی رسالت کا تذکرہ کیا گیا اور اس پر ایمان کو خیر سے تعبیر کیا گیا۔

● آیت ۱۷۱ سے عیسائیوں کو دعوت حق دی گئی کہ عیسیٰؑ کو رسول مانیں۔ کلمۂ خدا تسلیم کریں لیکن تین خداؤں کا عقیدہ چھوڑ دیں، عیسیٰؑ کو ابن اللہ نہ کہیں۔ ایمان و عمل کا راستہ اختیار کریں۔ برہان الٰہی اور نور مبین پر ایمان لے آئیں اور اس طرح اپنے کو عذاب آخرت سے محفوظ کر لیں۔

● آیت ۱۷۶ اس سورہ کی آخری آیت ہے جس میں نسائیات اور مالیات کو جمع کر دیا گیا ہے اور بہن بھائی کے ترکہ کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ ایک بہن ہے تو نصف اور دو بہنیں ہیں تو ⅔، مگر شرط یہ ہے کہ والدین اور اولاد موجود نہ ہوں کہ ان کے ہوتے ہوئے بھائی بہن کی وراثت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نسائیات اور مالیات کے تذکرہ سے شروع ہونے والا سورہ اسی مرحلہ پر آ کر تمام ہو جاتا ہے اور قرآن مجید کے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ قرآن کی تمام آیتیں متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور یکسانیت و ہم رنگی کی حامل ہیں، ان میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف غیر خدا کی تنزیل میں ہوتا ہے۔ خدائی تنزیل میں کسی طرح کے اختلاف اور تضاد کا امکان نہیں ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ مائدہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس میں ۱۲۰ آیتیں ہیں۔ اس کے مائدہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں جناب عیسٰی کے اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں قوم کے تقاضے پر پروردگار سے دسترخوان نازل کرنے کی التماس کی گئی تھی اور پروردگار کی طرف سے ناشکری کرنے والوں کو عذاب کی خبر دی گئی تھی۔

اس کے سورۂ نساء کے بعد ہونے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دسترخوان کا تعلق عام طور سے عورتوں ہی سے ہوتا ہے اور دسترخوان انھیں کی ریاضتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہذا بالمناسبۃ سورۂ نساء کے بعد اسے رکھ دیا گیا اور پروردگار نے بھی اس سورہ میں کھانے پینے اور بالخصوص حیوانیات کے مختلف احکام کا تذکرہ کر دیا۔

ابتدا میں عہد و پیمان کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے جانوروں کی حلیت کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد حالت احرام میں شکار کے حرام ہونے کے قانون کے ساتھ دیگر متعلقہ احکام کا ذکر کیا گیا اور اس بات پر زور دیا گیا کہ باہمی عداوت کی بنیاد پر کسی پر ظلم نہیں ہونا چاہیے اور صاحبان ایمان کو کار خیر میں تعاون کرنا چاہیے لیکن گناہ و جرم میں ہرگز کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔

اس کے بعد مختلف قسم کے جانوروں کے حرام ہونے کا تذکرہ کیا گیا اور کفار کی مایوسی کے ساتھ دین کے کامل ہونے اور نعمت کے تمام ہونے کا اعلان کیا گیا جس کا تاریخی اعلان غدیر خم کے موقع پر ہوا تھا جس کے بعد کفار دین کی طرف سے مایوس ہو گئے اور دین کامل ہو گیا۔

شاید اس موقع پر اشارۂ قدرت اس امر کی طرف ہو کہ ولایت علی تکمیل دین کا ذریعہ ہے لہٰذا اگر کسی حلال و حرام کا ذکر اس قرآن میں نہیں ہے تو اس کا اظہار علیؑ کے بیان سے ہوگا اور وہ جسے حلال یا حرام کہہ دیں گے اسے حلال یا حرام ماننا پڑے گا۔

اس کے بعد اہل کتاب کے طعامِ خشک اور ان کی عورتوں سے نکاح کے جواز کا ذکر کیا گیا تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کر سکیں اور بدکاری کا سلسلہ شروع نہ ہونے پائے کہ اُن کی عورتوں کی طرف سے سماج میں بدکاری پھیلنے کا خطرہ ہر دور میں رہا ہے۔

● آیت ۵ تک ان مسائل کی وضاحت کے بعد آیت ۶ میں وضو غسل اور تیمم کا ذکر کیا گیا اور شائد اس کی مصلحت یہ رہی ہو کہ انسان غیر مسلم خواتین کے ساتھ عقد کر کے نماز سے غافل نہ ہونے پائے اور جب نماز کے لیے اٹھے تو اسے طہارت و جنابت دونوں حالتوں میں طریقۂ نماز معلوم رہے بلکہ پانی کے نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا بھی علم رہے۔

● آیت ۸ میں پھر عدالت پر زور دیا گیا ہے اور یہ بات دُہرائی گئی ہے کہ قوم کی عداوت ظلم کو جائز نہیں بنا سکتی ہے۔ ظلم بہر حال بُرا ہے اور عدالت بہر حال ضروری ہے۔

● آیت ۱۱ میں اس خدائی احسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اس نے تمھیں دشمنوں کے شر سے بچایا ہے تو جب اس کا جیسا محافظ موجود ہے تو ظلم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

● آیت ۱۲ سے پھر بنی اسرائیل کی خیانتوں کا ذکر شروع ہو گیا کہ کسی بھی بُرائی سے روکنے کے لیے یا کسی بھی جُرم کے بدترین انجام کو سمجھانے کے لیے بنی اسرائیل سے بہتر کوئی مثال نہیں ہے۔

یہی عہد شکنی کرنے والے ہیں، یہی تحریف کرنے والے ہیں، یہی خیانت کرنے والے ہیں، یہی عہد الٰہی کو بھول جانے والے ہیں، یہی احکام الٰہیہ کو چھپانے والے ہیں۔

یہی نورِ خدا اور کتاب مبین کا انکار کرنے والے ہیں، یہی عیسیٰ بن مریم کو خدا کہنے والے ہیں، یہی اپنے کو دوست خدا اور فرزندان پروردگار کہنے والے ہیں۔

یہی جناب موسیٰ کے حکم کے باوجود ارض مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر کے تماشائی بننے والے ہیں۔ یہی عذاب الٰہی کی بنیاد پر چالیس سال حیران و سرگرداں رہنے والے

ہیں اور قوم فاسقین کہے جانے کے قابل ہیں۔

● آیت ۲۷ سے قصہ فرزندان آدمؑ شروع ہوا کہ بنی اسرائیل کوئی نئے مجرم نہیں ہیں اس سے پہلے قابیل بھی مجرم تھا جس نے بغض وحسد کی بنا پر اپنے بھائی ہی کو قتل کر دیا تھا اور بعد میں ہاتھ مَل رہا تھا جب کہ اسے تقویٰ پیدا کر کے قربانی کو قابل قبول بنانا چاہیے تھا نہ کہ قتل و خون کر کے اپنے حسد کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ اور قابیل کے اسی انجام بد کی بنا پر رب العالمین نے بنی اسرائیل پر قتل نفس کو حرام کر دیا اور انسانیت کا قتل قرار دے دیا اور پھر ہر طرح کے فساد فی الارض کو بدترین جرم قرار دے کر اس کی سزا قتل، سولی اور ہاتھ پاؤں کاٹ دینے یا شہر بدر کر دینے کو قرار دیا گیا ہے تاکہ رہزنی وغیرہ کا سلسلہ رک جائے اور لوگ امن و سکون کی زندگی گذار سکیں۔

اس کے بعد توبہ کی تعلیم دے کر آیت ۳۵ میں وسیلہ تلاش کرنے کا ذکر کیا گیا جو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ کی قبولیت بہرحال وسیلہ کی محتاج ہے ورنہ مجرم اس قابل نہیں ہے کہ وہ خود یہ کہہ سکے کہ میرے جرم کو معاف کر دیا جائے۔ اس کے لیے بے گناہ افراد کی سفارش درکار ہے۔

پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ یہ وسیلہ بھی کفار کے کام نہیں آسکتا ہے کہ ان کا انجام بہرحال جہنم ہے اور انھیں کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔

● آیت ۳۸ میں چوری کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ نہ تصور کرلے کہ صرف سرعام رہزنی کرنا ہی جرم ہے اور ڈھکے چھپے چوری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رب العالمین نے واضح کر دیا کہ چوری کی سزا بھی ہاتھ کاٹ دینا ہے اور اس میں مرد و عورت کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ دونوں کی سزا ایک ہی جیسی ہے۔

● رہزنی اور چوری کے مادی جرائم کے ساتھ آیت ۴۱ میں معنوی رہزنوں کا ذکر کیا گیا جن کا نام منافق ہے اور ان کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ ان کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا دل قطعاً ناپاک ہے اور ان کا انجام بہرحال دردناک عذاب ہے۔ صرف یہ ہے کہ جرم مادی نہیں ہے لہٰذا سزا بھی آخرت پر اٹھا رکھی گئی ہے۔

یہ منافقین اصل میں یہودیوں کے حلیف ہیں اور ان کا سارا عیب یہودیوں کی طرف سے

آیا ہے۔ یہ انھیں کی طرح جھوٹ پر کان دھرنے والے، حرام خوری کرنے والے اور حکم خدا و رسولؐ کا انکار کرنے والے ہیں جب کہ ہم نے یہودیوں کو بھی توریت میں جرائم کی سزا سے آگاہ کر دیا تھا کہ جیسا جرم ہوگا ویسی ہی سزا ہوگی اور قصاص بہر حال ضروری ہے جب تک کہ صاحبِ حق معاف نہ کر دے۔

پھر توریت کے بعد انجیل بھی نازل کر دی اور اس میں بھی انھیں احکام کی تاکید کر دی گئی۔ اور پھر قرآن بھی نازل کر دیا گیا لیکن نہ یہودیوں پر کوئی اثر ہوا اور نہ منافقین پر۔

● آیت ۵۱ میں کھل کر یہودیوں اور عیسائیوں کی دوستی کو حرام کر دیا گیا تاکہ منافقین کی سازش کے راستے بند ہو جائیں اور معاملات بالکل واضح رہیں، اور پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ خدا کو مرتد ہو جانے والوں کی کوئی فکر نہیں ہے اس کے پاس وہ قوم بھی موجود ہے جو اہل ایمان کے سامنے متواضع، کفار کے لیے سخت۔ راہ خدا کی مجاہد اور خدا کی محبوب اور محب ہے۔

● اس منفی پہلو کے بعد آیت ۵۵ میں مثبت پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہود و نصاریٰ سے الگ ہونے کے بعد اللہ، رسولؐ اور ان صاحبان ایمان کو ولی تسلیم کرو جو نماز قائم کرنے والے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے ہیں اور ان کے ساتھ رہنے والوں ہی کا مقدر غلبہ اور کامیابی ہے۔

● آیت ۶۴ میں یہودیوں کے ایک نئے فتنہ کا ذکر کیا گیا کہ وہ خدا کو مجبور قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جب کہ وہ کریم ہے اور اس کے ہاتھ بندھ نہیں سکتے ہیں، یہ لوگ مفسد ہیں اور خدا مفسدین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

کاش یہ لوگ ایمان و تقویٰ اختیار کرتے اور توریت و انجیل کے احکام پر عمل کرتے تو دنیا میں ہر طرف سے نعمتوں کی بوچھار ہو جاتی اور آخرت میں جنت کے حقدار ہو جاتے لیکن ان کی اکثریت بدترین عمل کرنے والی ہے۔

● اس تذکرہ کے فوراً بعد آیت ۶۷ میں میدان غدیر میں ولایت علیؑ کی تبلیغ کا حکم بیان کر دیا گیا ہے تاکہ مسلمان بھی ہوشیار ہو جائے کہ دنیا و آخرت میں خیر و برکت حکم خدا کی تعمیل میں ہے، اس کی مخالفت میں نہیں ہے ورنہ انجام یہود و نصاریٰ جیسا ہوگا۔

● آیت ۶۹ میں توبہ کا اشارہ دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ وستارہ پرست کوئی بھی اگر اللہ و آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو وہ عذاب آخرت سے محفوظ ہو سکتا ہے لیکن اس کا خیال رکھے کہ اللہ پر ایمان، رسولؐ پر ایمان کے بغیر ممکن نہیں ہے اور مصلحتاً رسولؐ کی زبان سے اس کا اعلان نہیں کرایا گیا کہ قوم کہیں تعصب کا شکار نہ ہو جائے۔

● آیت ۷۲ سے عیسائیوں کے عقائد کی اصلاح کی گئی ہے کہ عیسیٰ بن مریم نہ اللہ ہیں اور نہ اللہ کا جزو۔ ایسا عقیدہ شرک سے مل جاتا ہے اور شرک کا انجام بہت برا ہے۔ وہ صرف ایک رسول ہیں اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے اور کھانا کھانے والا خدا نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد تمام اہل کتاب کو ہوشیار کیا گیا کہ اپنے دین میں غلو سے کام نہ لیں اور خواہشات کا اتباع نہ کریں۔ کفار پر داؤد اور عیسیٰ دونوں کی زبان سے لعنت ہوئی ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان لے آئیں اور اپنا انجام درست کر لیں۔

● آیت ۸۲ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ غیر مسلم افراد میں بھی مشرکین اور یہودی ایمان والوں کے بدترین دشمن ہیں اور عیسائیوں میں ایمان کے امکانات پائے جاتے ہیں۔

● آیت ۸۷ سے اہل ایمان کو یہود و نصاریٰ کی ایک حرکت سے آگاہ کیا گیا کہ وہ حلال و حرام کو اپنے پاس سے تیار کیا کرتے تھے اور صاحبان ایمان کا فرض ہے کہ ایسا نہ کریں خدا پر ایمان رکھیں۔ طیبات کو استعمال کریں اور زیادتی سے کام نہ لیں۔

● آیت ۸۹ میں قسم کا قانون بیان کیا گیا کہ اگر قصداً قسم کھائی گئی ہے تو اس کی مخالفت کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا یا کپڑا یا ایک غلام کی آزادی ہے اور یہ سب ممکن نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں

● آیت ۹۰ میں چند سماجی جرائم کا ذکر کیا گیا کہ شراب، جوا، پانسہ، بت یہ سب شیطانی اعمال ہیں جن سے اجتناب واجب ہے۔ شیطان انہیں کے ذریعہ سماج میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے اور یاد خدا اور نماز سے غافل بنانا چاہتا ہے اور رب العالمین اسے برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ توبہ اور تقویٰ کے بعد پچھلے جرائم معاف کیے جا سکتے ہیں۔

● آیت ۹۵ میں حالت احرام میں شکار کے حرام ہونے اور اس کے کفارہ کا ذکر کیا گیا

تاکہ حرم خدا کی عظمت کا بھی اظہار ہو جائے اور انسان کو ہر طرح کی پابندی کا علم ہو جائے اسی لیے خانۂ کعبہ، شہر حرام، قربانی کے جانور وغیرہ کی حرمت کا بھی ذکر کر دیا گیا اور اس کی خلاف ورزی پر شدید ترین عذاب کا اعلان کر دیا گیا۔

● آیت ۱۰۱ سے ایک اور اخلاقی جرم کی طرف اشارہ کیا گیا اور وہ ہے اذیت پہونچانے کے لیے بیجا سوال جس میں بہت سے قابلیت مآب قسم کے افراد مبتلا رہتے ہیں۔ پروردگار نے اس کی سزا دنیا میں بھی رکھی ہے اور آخرت میں بھی۔ اور یہ قانون بنا دیا ہے کہ تم تعمیل احکام کے لیے تیار رہو۔ احکام بیان کرنا ہمارا کام ہے۔ تجسس مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

● آیت ۱۰۶ سے وصیت کے احکام بیان کیے گئے کہ وصیت کے لیے دو گواہ بنا لیے جائیں تاکہ مرنے کے بعد کوئی فساد نہ پیدا ہو۔ حد یہ ہے کہ صاحبان ایمان نہ ہوں تو غیر صاحبان ایمان کو گواہ بنا لیا جائے کہ یہ کام گواہ نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اس کے بعد حاکم شرع قوانین کے مطابق ان سے گواہ طلب کرے گا۔

آیت ۱۱۰ سے جناب عیسیٰؑ پر انعامات و احسانات اور ان کے کرامات کا ذکر کرنے کے بعد حواریین کے برتاؤ کا ذکر کیا گیا اور اس دسترخوان کا مطالبہ بیان کیا گیا جس کی بنا پر یہ سورہ مائدہ ہو گیا ہے اور یہ واضح کر دیا گیا کہ مطلوبہ کرامت کے اظہار کے بعد انکار کرنے پر عذاب کا نازل ہو جانا ایک سنت الٰہیہ ہے جس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے پھر مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر جناب عیسیٰ ہی کو مخاطب بنا لیا گیا کہ کیا تم نے اپنی خدائی کا اعلان کیا ہے اور ان کی طرف سے جواب کا ذکر کرکے واضح کر دیا گیا کہ یہ انبیاء خدا، مرضی خدا کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے ہیں اور خدائی باز پرس کی منزل میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا ہے تاکہ امت اسلامیہ بھی ہوشیار رہے اور اپنی طرف سے کسی کو کوئی عہدہ دینے کا ارادہ نہ کرے۔ مشیت الٰہی کی پابندی کرے اور خدا جس کو جیسا بنا دے اسے ویسا ہی تسلیم کر لے، روز قیامت صداقت ہی کام آنے والی ہے۔ افترا پردازی کام آنے والی نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ انعام

یہ لفظ اِنعام نہیں ہے بلکہ اَنعام ہے یعنی چوپائے۔ اس سورہ مبارکہ کا نام اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور اس کی ۱۶۵ آیات میں تقریباً تمام تر آیات عقیدہ توحید و آخرت سے تعلق رکھتی ہیں جو مکہ کے ماحول کے لیے مناسب ترین تعلیم تھی لیکن اس کے باوجود آخر کا ایک حصہ جانوروں کے احکام سے مخصوص کر دیا گیا ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شائد اسی بنا پر اس کا نام انعام ہو گیا ہے کہ عام طور سے مکی سوروں میں احکام کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے اور وہ بھی اس قدر تفصیل کے ساتھ اور وہ بھی جانوروں سے متعلق۔ یہ انداز اس بات کی دلیل ہے کہ نگاہ پروردگار میں جانور اور اس کے احکام بھی اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہونے والے سورہ میں بھی ان کا تذکرہ کر دیا گیا اور تفصیل کے ساتھ کر دیا گیا۔

اس سورہ کا ماسبق سورہ سے ارتباط یہ ہے کہ اُس سورہ کا نام مائدہ تھا اور دسترخوان کی رونق کا زیادہ حصہ حیوانیات سے تعلق رکھتا ہے چاہے وہ دودھ کی شکل میں ہو یا گوشت کی شکل میں یا پنیر اور بالائی کی شکل میں۔

معنوی اعتبار سے بھی سورہ مائدہ "للہ ملک السمٰوات والارض وما فیھن وھو علیٰ کل شئ قدیر" پر ختم ہوا ہے اور یہ سورہ "الحمد للہ الذی خلق السمٰوات والارض" سے شروع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ دونوں سورے بالکل سورۂ فیل اور سورۂ قریش جیسے ہیں کہ ایک کے مقصد کی تکمیل دوسرے کے ذریعہ ہوئی ہے اور آغاز ہی سے واضح کر دیا گیا ہے کہ جو مالک سماوات وارض ہے

وہی قابل حمد و ستائش بھی ہے۔

مکی ہونے کے اعتبار سے یہ سورہ عقیدہ توحید و قیامت کے گرد گھوم رہا ہے کہ جاہلی ماحول کو انھیں دونوں عقائد سے آشنا بنانے کی ضرورت تھی اور اسلام کے یہی دو بنیادی عقائد ہیں۔ رسالت کی تاکید اس لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کلام کو رسالت کی تائید ہی میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر انسان اس عقیدہ سے مطمئن ہو گیا تو رسالت کا اقرار بہر حال کرے گا۔ اس کے بعد عدالت کا تعلق توحید سے ہے اور امامت رسالت کی نیابت کا نام ہے جس کا سلسلہ رسالت کے عقیدہ کے بعد سے شروع ہو گا۔

عقیدہ توحید و آخرت کے سمجھانے کے لیے اس سورہ میں بے شمار راستے اختیار کیے گئے ہیں کہ انسان ذرا بھی عقل و انصاف کا مالک ہو تو یہ عقیدہ پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ابتدا میں توحید کے دلائل یوں بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔

۲۔ نور و ظلمت کی تعیین کی ہے کہ ظلمت حقیقی تخلیق کے قابل نہیں ہے۔

۳۔ انسان کو مٹی سے پیدا کر کے اس کی ایک مدت مقرر کر دی ہے جس کا ٹلنا ناممکن ہے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کافر اسے ٹال سکتا ہے۔

۴۔ اس نے بڑی بڑی صاحب اقتدار قوموں کو ہلاک کر دیا ہے اور انھیں بے پناہ نعمتیں دینے کے بعد بھی صرف گناہوں کی پاداش میں تباہ کر دیا ہے اور کسی کا اقتدار کچھ نہیں کر سکا ہے۔

۵۔ دنیا کی سیر اور تکذیب کرنے والوں کا انجام گواہ ہے کہ اس کے علاوہ زمین و آسمان کا مالک کوئی نہیں ہے اور پھر وہی قیامت کے دن جمع بھی کرے گا۔

۶۔ روز و شب کے تمام ساکن اسی کے اختیار میں ہیں۔

۷۔ وہ نقصان پہونچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا ہے اور فائدہ پہونچائے تو یہ بھی اسی کے اختیار کا نتیجہ ہے۔

۸۔ تمام بندوں پر غلبہ اسی کا ہے اور سب اسی کی حکمت اور اطلاع کے نتائج ہیں۔

۹۔ وہ قیامت کے دن سوال کرے گا کہ جنھیں میرا شریک بنایا تھا وہ کہاں ہیں اور اس طرح توحید کو قیامت سے مربوط کر دے گا۔

۱۰۔ وہ جہنم کے کنارے کفار کو کھڑا کرے گا تو ایمان کی حسرت کریں گے مگر کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ان تمام آیات و دلائل سے اگرچہ توحید کا اثبات کر دیا گیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اسے اپنی توحید کے منوانے کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ لوگوں کا تسلیم کر لینا اس کی خدائی میں کوئی اضافہ کر سکتا ہے۔ اس کا مقصد اس کے پیغام پر عمل کر کے پرسکون زندگی گذارنا اور دوسروں کو سکون دینا ہے۔ لہذا اس نے درمیان میں اپنی تنزیل کا بھی تذکرہ کر دیا کہ یہ کتاب اگر کاغذ پر لکھ کر نازل کی جاتی تو اسے جادو کہہ دیا جاتا اور رسول کا انکار اس لیے کیا جاتا ہے کہ یہ ملک نہیں ہے حالانکہ ملک بھی ہوتا تو بشر ہی کی شکل میں ہوتا۔ یہ کتاب خدا کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے ہیں اور ان میں فہم قرآن کی صلاحیت نہیں رہ گئی ہے۔

● ۲۸ آیات میں توحید کے اثبات اور قیامت کے اشارہ کے بعد آیت ۲۹ سے انکار معاد کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے:

۱۔ یہ لوگ صرف زندگانی دنیا کے قائل ہیں اور حشر کا اعتراف نہیں کرتے ہیں۔ یہ جب جہنم کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تب اقرار کریں گے۔

۲۔ یہ لوگ لقائے الٰہی کے منکر ہیں اور یہ عظیم خسارہ ہے۔ جب خدا سے ملاقات ہی نہ ہوگی تو زندگی کا اجر کون دے گا۔

۳۔ زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے۔ اسے انسانیت کا ہدف اور مقصد نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ انکار قیامت و رسالت کا کاروبار گذشتہ امتوں میں بھی ہوتا رہا ہے لہذا اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم برداشت کر لیتے ہیں تو رسولوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے۔

● آیت ۳۵ سے پھر توحید کے اشارے شروع ہو گئے:

۱۔ زمین کے چوپائے اور فضا کے طیور سب تمھاری طرح کی قومیں ہیں۔ تمھیں تو خبر بھی نہیں ہے تو آخر ان کا خالق و رازق کون ہے؟

۲۔ مصیبتوں کا دفع کرنے والا اور مشکلات میں کام آنے والا خدا کے علاوہ کون ہے؟

۳۔ ہم نے سابق امتوں کو نعمتیں دے دیں اور جب وہ مغرور ہو گئے تو اچانک تباہ کر دیا اور کوئی اپنی حیثیت کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اعلیٰ ترین طاقت ہم ہیں۔

۴۔ اگر خدا سماعت و بصارت کو سلب کر لے اور دلوں پر مہر لگا دے تو کون سہارا دینے والا ہے؟

● آیت ۵۰ سے پیغمبرؐ کو تبلیغ کے مخصوص اصول تعلیم کیے گئے ہیں:

۱۔ آپ ان سے کہیں کہ نہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں۔ نہ ذاتی طور پر غیب کا علم ہے اور نہ میں ملک ہوں۔ میں تو صرف وحی خدا کا اتباع کرتا ہوں۔

۲۔ جو لوگ صبح و شام خدا کو یاد کرتے ہیں انھیں اپنی بزم سے مت نکالیے گا۔ چاہے دوسرے لوگ آئیں یا نہ آئیں۔

۳۔ صاحبان ایمان آجائیں تو ان سے سلامؑ کے بعد رحمت الٰہیہ کی بشارت کہیے کہ یہ رحمت ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے لکھ دی گئی ہے۔

۴۔ کہہ دیجئے کہ مجھے غیر خدا کی پرستش اور خواہشات کے اتباع سے منع کر دیا گیا ہے اور میں گمراہ نہیں ہو سکتا ہوں۔

۵۔ کہیے کہ میرے پاس دلائل ہیں لیکن میں فی الفور عذاب نہیں لا سکتا ہوں ورنہ اب تک سب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ غیب کے خزانے، بر و بحر کی مخلوقات کا علم، درخت سے گرنے والے پتوں کی اطلاع۔ زمین کی تاریکیوں میں چھپے ہوئے دانوں کی خبر سب خدا کے پاس ہے اور اس نے کتاب مبین میں سب کو جمع کر دیا ہے۔

۶۔ وہ راتوں کو ایک طرح کی موت دے کر صبح کو پھر زندگی دیتا ہے اور پھر سارے اعمال سے بھی باخبر ہے۔

۷۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور جب چاہتا ہے واپس بلا لیتا ہے اور اپنی

بارگاہ میں حاضر کر دیتا ہے۔

۸۔ کہیے کہ ظلمات بر و بحر میں مشکلات سے نجات دینے والا کون ہے؟ اور اگر صرف خدا ہے تو شرک کا راستہ کیوں اختیار کر رکھا ہے؟

۹۔ اگر لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں مہمل بحث کر رہے ہوں تو اس بزم میں مت جائیے گا جب تک کوئی معقول گفتگو شروع نہ کر دیں۔

۱۰۔ دین کو کھیل تماشہ بنا لینے والوں کو چھوڑ دیجیے لیکن یاد دہانی کرتے رہیے کہ وہ وقت بھی آسکتا ہے جب کوئی سفارش اور فدیہ کام نہ آئے۔

۱۱۔ کہیے کہ خدا کو چھوڑ کر انھیں کس طرح پکاریں جن کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔

۱۲۔ انھیں قیامت یاد دلائیں کہ خلق کرنے والا لمحوں میں فنا بھی کر سکتا ہے، اور ایک صور پھونکنے سے یہ ساری کائنات ٹھکانے لگ جائے گی۔

● حقائق و دلائل کے بعد آیت ۷۴ سے قصّوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ اس طرح بات جلدی ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلے جناب ابراہیمؑ اور ان کے چچا آذر کا تذکرہ ہے کہ خلیل نے بت پرستی سے روکا اور اس کے بعد مختلف اوقات میں چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھ کر ان کی خدائی کو بھی باطل کر دیا کہ یہ سب ڈوبنے والے ہیں اور ڈوبنے والا کام آنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اور آخر میں قوم کی دھمکیوں کا حسین ترین جواب دیا کہ جب تم لوگ رب العالمین سے نہیں ڈرتے ہو تو میرے لیے بتوں سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے اور اس طرح صاحبان ایمان کے سکون و اطمینان کا مکمل سامان فراہم کر دیا۔

● آیت ۸۳ میں ابراہیمؑ کے خدمات کے انعام کا اعلان ہوا کہ ہم نے ان کی اولاد میں نبوّت، رسالت اور امامت قرار دے دی ہے۔ انھیں منتخب بنا دیا ہے اور صراط مستقیم کی ہدایت دے دی ہے۔ انھیں کتاب، حکمت اور نبوت سب کچھ عطا کر دیا ہے اور لوگ انکار بھی کر دیں تو ایک ماننے والی قوم کا سلسلہ بہرحال برقرار رہے گا۔

● آیت ۹۱ سے پھر اپنے پیغام کی عظمت کا اعلان کیا گیا ہے کہ تنزیل الٰہی کا انکار

کرنے والے خدا کی قدر نہیں جانتے ہیں۔ اگر اس کی کوئی تنزیل نہیں ہے تو یہ توریت کہاں سے آگئی ہے۔؟

بے شک قرآن تنزیل الٰہی ہے جو سابق کتب کا مصدق بھی ہے اور عالم انسانیت کے لیے وسیلہ اصلاح بھی۔

افترا کرنے والا بدترین ظالم ہوتا ہے اور میں ایسا نہیں ہوں۔

● آیت ۹۳ سے عقیدہ معاد کی مزید وضاحت کے لیے اس کی تصویر کشی کی گئی ہے:

۱۔ اس وقت کیا ہوگا جب موت کی کشمکش ہوگی اور ملائکہ روح نکالنے پر آمادہ ہوں گے اور ذلت آمیز عذاب کا سامنا ہوگا۔

۲۔ سب کو ہماری بارگاہ میں تنہا آنا ہوگا نہ سامان ساتھ آئے گا اور نہ شرکا و شفعاء سارے رشتے منقطع ہوجائیں گے اور سارے تعلقات ختم ہوجائیں گے۔

۳۔ پروردگار جس طرح زمین سے دانہ نکالتا ہے اسی طرح قبروں سے مُردوں کو نکالے گا۔

۴۔ وہ صبح کو پیدا کرنے والا، رات کو پُرسکون بنانے والا، شمس و قمر کا حساب جاننے والا، ستاروں کا خلق کرنے والا، انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کرنے والا، پانی برسا کر طرح طرح کے میوے اور پھل ایجاد کرنے والا ہے تو اس کے لیے قیامت کون سا مشکل کام ہے۔

۵۔ وہ نگاہوں سے دور ہے مگر سب پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

۶۔ وہ جبراً شرک کو روکنا چاہتا تو روک سکتا تھا لیکن اس کے قانون میں جبر نہیں ہے۔

● آیت ۱۰۸ میں یہ اخلاقی تعلیم ہے کہ جاہلوں کے خداؤں کو ان کے سامنے بُرا بھلا نہ کہو کہ از راہ جہالت وہ تمہارے خدا کے بارے میں بھی ایسا ہی کہیں گے۔ انھیں سمجھاؤ کہ یہی بہترین راستہ ہے۔ اگرچہ یہ ایسے ضدی ہیں کہ ہم ملائکہ کو بھی نازل کردیں اور مُردوں سے بھی کلام کرا دیں تو بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

● آیت ۱۱۲ سے مقام تبلیغ میں پیغمبر کے اطمینان کا سامان فراہم کیا گیا ہے:

۱۔ ہر نبی کے دشمن ہوتے رہے ہیں اور شیاطین انھیں مہمل باتوں کی تلقین کرتے رہتے

ہیں اور ہم جبراً رو کتے بھی نہیں ہیں۔

۲۔ کہہ دیجئے کہ ایسی مفصل کتاب کے ہوتے ہوئے ہم کسی غیر خدا کے فیصلہ کو نہیں مان سکتے

۳۔ خبردار اکثریت کی پرواہ نہ کیجئے گا کہ یہ راہ حق سے گمراہ کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس سوائے اندازوں کے کچھ نہیں ہے اور یہ صرف خیالات کا اتباع کرنے والے ہیں۔

● آیت نمبر ۱۱۸ سے وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی بنیاد پر اس سورہ کو سورہ انعام کہا گیا ہے اور جو اس سورہ کی ایک انفرادیت ہے کہ مکی ہونے کے باوجود اس میں لحمیات کے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا گہرا تعلق عقیدہ سے تھا یا اس میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر غذا پاک و پاکیزہ نہ ہوئی تو عقیدہ کا استحکام خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل احکام کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱۔ صاحب ایمان ہو تو جس ذبیحہ پر نام خدا نہ لیا گیا ہو اسے استعمال نہ کرنا کہ زندگی خدا کی امانت ہے اور اس کے نام کے بغیر اسے ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جس پر نام خدا لیا گیا ہے اسے استعمال کرو کہ اذن خدا کے بعد توہمات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ نام خدا کے بغیر ذبیحہ کا کھانا فسق اور شیطانی عمل ہے۔ انسانوں کی طرح اجالے میں چلو، اندھیروں میں گم نہ ہو جاؤ۔

درمیان میں پرانی قوموں کا ذکر کیا گیا کہ انھوں نے آیات الٰہیہ میں مکاری سے کام لیا اور مرسلین سے مقابلہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انھیں ذلّت اور عذاب دونوں سے دوچار کر دیا۔ ہم جس کو ہدایت دیتے ہیں اس کے دل کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کا سینہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ جیسے آسمانوں کی طرف جا رہا ہو اور فضائے بسیط میں دم گھٹ رہا ہو۔ اسلام خدا کا سیدھا راستہ ہے اور اس کے رہرو کی آخری منزل دار السلام ہے۔

● آیت نمبر ۱۳۰ سے مکی آیات کی طرح عقیدۂ آخرت پر زور دیا گیا اور انسان و جنات دونوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ استکبار و انکار کا انجام جہنم ہے۔ ہم پہلے رسولوں کو بھیج کر اتمام حجت

کرتے ہیں اس کے بعد عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ پروردگار بے نیاز ہے وہ فنا کرنے کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے اور دوسری قوم کو ایجاد بھی کرسکتا ہے۔ انسان کو عمل کرنا چاہیے کہ انجام بخیر باعمل افراد ہی کے لیے ہے اور ظالمین کے مقدر میں کامیابی نہیں ہے۔

● آیت ۱۳۶ سے مشرکین کی ایک نئی حرکت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ کھیتوں اور حیوانات کو دو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ ایک حصہ خدا کے لیے ہے اور ایک حصہ شرکار کے لیے ہے اور پھر خدا کا حصہ بھی شرکار کے لیے ہے اور پھر خدا کا حصہ بھی شرکار کو دے دیتے ہیں۔ دوسری طرف شیطان انھیں قتل اولاد پر آمادہ کرتا ہے اور وہ کھیتی اور جانوروں کا ایک حصہ الگ کردیتے ہیں اور طرح طرح کے قوانین ایجاد کرکے حیوانات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ قتل اولاد اور رزق خدا کو حرام کرنے کا انجام بہت بُرا ہے۔

● آیت ۱۴۱ میں خدا کی مختلف نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر جانوروں کی خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا کہ ان میں بعض بوجھ اٹھانے والے ہیں اور بعض زمین سے لگ کر چلنے والے ہیں، اور انسان کا فرض ہے کہ جو رزق خدا دے اسے کھائے اور شیطان کی پیروی سے دور رہے۔

اس طرح آیت ۱۵۰ تک حیوانات کے بارے میں کفار کے طریقہ کار اور دین کے اصول کا تذکرہ کیا گیا اور یہ واضح کردیا گیا کہ کسی شخص کو حلال و حرام میں دخل دینے کا حق نہیں ہے ورنہ روز قیامت اس کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

● آیت ۱۵۱ میں محرمات کی تفصیل بھی بیان کردی گئی تاکہ انسان اپنے پاس سے حلال و حرام تیار نہ کرے۔ دین خدا میں بنیادی محرمات شرک، قتل اولاد، ارتکاب فواحش، قتل نفس اور مال یتیم کا کھانا ہے۔ اس کے بعد چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔

۲۔ ناپ تول کو برابر رکھا جائے۔

۳۔ انصاف سے کام لیا جائے۔

۴۔ عہد کو پورا کیا جائے۔

● آیت ۱۵۴ تا ۱۵۸ سے اتمام حجت کے طور پر کتاب موسیٰ کے نازل ہونے، قرآن مجید کے نزول، آیات الٰہی کی وضاحت کا حوالہ دے کر سمجھایا گیا کہ کیا اب ملائکہ یا خود خدا کے آنے کا انتظار ہے۔ خدائی نشانیاں آگئیں تو عذاب ثابت ہو جائے گا اور بچنے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔

● آیت ۱۵۹ تا ۱۶۴ سے دین میں تفرقہ اور گروہ بندی سے روکا گیا اور پھر نیکی پر دس گنا اجر کا وعدہ کیا گیا۔ ملت ابراہیمؑ کے اتباع کی اہمیت کا ذکر ہوا اور رسولؐ سے اعلان کرا دیا گیا کہ میری نماز، عبادتیں، حیات، موت سب اللہ کے لیے ہے۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا اطاعت گزار ہوں۔ خدا کے علاوہ کسی رب کو نہیں پکار سکتا کہ وہی سب کا رب ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

اس نے ہر قوم کو دوسری قوم کا جانشین بنایا ہے اور امتحان کے لیے نعمتوں کے درجات قرار دے دیے ہیں۔ وہ بہت جلد عذاب کرنے والا بھی ہے اور بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔

واضح رہے کہ بعض بے دین اہل قلم نے آیت ۱۵۹ میں شِیَعًا کو شِیۡعًا بنا دیا ہے اور عوام کو دھوکہ دینا چاہا ہے کہ خدا نے شیعوں کی مذمت کی ہے حالانکہ آیت میں تفرقہ پردازوں کا ذکر ہے جنھوں نے پیغمبرؐ کی بزم ہی سے تفرقہ شروع کر دیا تھا اور آج تک ہر دعوت اتحاد کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اعراف

۲۰۶ آیات پر مشتمل یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوا ہے اگرچہ اس کی سات آیتیں مدنی کہی جاتی ہیں اور ان کا نزول ہجرت کے بعد ہوا ہے لیکن مصلحت الٰہی یہی تھی کہ مضامین کی مناسبت سے ان آیات کو مکی سورہ میں جگہ دی جائے اور یہ واضح کر دیا جائے کہ مدینہ کا ماحول سراسر مکہ سے مختلف نہیں تھا بلکہ یہاں بھی عقائد کی تبلیغ و ترویج کی اسی طرح ضرورت تھی جس طرح مکہ میں تھی اور یہاں بھی ویسے کردار پائے جاتے تھے جس طرح کے کردار مکہ میں تھے۔

سورۂ اعراف اور انعام کا بنیادی فرق یہ ہے کہ انعام دنیا کے جانوروں کے بارے میں کفار کے نظریات اور ان کی تردید کے گرد گھوم رہا تھا اور یہ سورہ دنیا سے آگے بڑھ کر آخرت میں اعراف کی منزل کی نشان دہی کر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا آغاز بھی انذار اور ڈرانے سے ہوا ہے اور اس میں ان تمام اقوام کا ذکر کیا گیا ہے جنھیں ان کے کفر یا بداعمالی کی بنا پر ہلاک کیا گیا ہے تاکہ امت معاصر ہوشیار رہے اور اس کردار کو نہ دُہرائے جو سابق اقوام کا رہا ہے کہ اس طرح دوبارہ پھر عذاب نازل ہو سکتا ہے اور یہ عذاب صرف دنیا تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کے آثار آخرت میں بھی پائے جائیں گے۔

ابتدا میں قرآن مجید کے نزول کا تذکرہ کر کے پیغمبر کو نہایت کشادہ دلی سے تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد قوم کو اتباع کی دعوت دی گئی اور دعوت کے استحکام کے لیے سابق امتوں کا ذکر شروع کر دیا گیا جنھیں ان کے انکار یا بدکرداری

کی بنا پر تباہ کیا گیا تھا۔

سلسلۂ کلام کا آغاز خلقت آدم سے ہوا ہے تاکہ انسان کو اپنی نسلی شرافت کا احساس ہو اور وہ یہ سمجھے کہ پروردگار نے ہمارے مورث اعلیٰ کو خاک سے پیدا کر کے مسجود ملائکہ بنا دیا تھا اور ان کے منکر کو اپنی بارگاہ سے نکال باہر کر دیا تھا اور اس نے گمراہی کے لیے اولاد آدم کے بارے میں اپنے چیلنج کا اعلان کر دیا تھا کہ اس طرح انسان میں بیک وقت کئی احساسات بیدار ہوں گے:

ا۔ ہمیں اپنی موروثی حیثیت و عظمت کا تحفظ کرنا چاہیے۔

ب۔ ہمیں شیطان کی طرح سجدہ سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔

ج۔ ہمیں شیطان کے چیلنج سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم نسل آدمؑ میں ہونے کے باوجود اولاد شیطان میں شمار ہونے لگیں۔

● آیت ۱۹ سے آدم و حوا کی جنت کی داستان دہرائی گئی کہ دونوں کو جنت میں جگہ دی گئی اور ایک درخت کے قریب جانے سے روک دیا گیا لیکن ابلیس نے وسوسہ پیدا کر کے اور جھوٹی قسم کھا کر انھیں قریب تو نہ جانے دیا لیکن پھل کھانے پر آمادہ کر دیا جس کے نتیجہ میں ان کے لباس جنت الگ ہو گئے اور وہ ان تمام راحتوں سے محروم ہو گئے جن میں زندگی گذار رہے تھے اور مصیبتوں سے بھری ہوئی دنیا میں بھیج دیے گئے اور اس کے بعد انھوں نے توبہ و استغفار کر کے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیا۔ تاکہ اس تذکرہ سے اولاد آدمؑ چند مسائل کی طرف متوجہ ہو:

ا۔ انسان کو ابلیس کی بات یا اس کی قسم پر اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

ب۔ کسی مسئلہ میں صراحتاً ممانعت نہ بھی ہو تو پہلے منشاء الٰہی دریافت کر لینا چاہیے، اس کے بعد اقدام کرنا چاہیے۔

ج۔ انسان ادنیٰ ترک اولیٰ پر بے شمار نعمتوں سے محروم ہو سکتا ہے۔

د۔ توبہ ان تمام مقامات کو واپس دلوا سکتا ہے جن سے انسان کسی بنیاد پر محروم ہو جاتا ہے۔

● درحقیقت ان تمام مسائل کا تعلق آدمؑ سے زیادہ اولادِ آدمؑ سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ آیت ۲۶ سے براہ راست اولادِ آدمؑ سے خطاب شروع ہوگیا ہے:

ا۔ ہم نے تمہارے بابا آدمؑ کی طرح تمہیں بھی لباس عنایت کیا ہے لیکن لباسِ تقویٰ سب سے بہتر لباس ہے یہ نہ اُترنے پائے۔

ب۔ شیطان تمہارے مورثِ اعلیٰ کی طرح تمہیں بھی مصیبتوں میں نہ ڈال دے۔ وہ اور اس کے ساتھی برابر تمہاری تاک میں ہیں اگرچہ تم متوجہ نہیں ہو۔

ج۔ شیاطین بے ایمانوں کے دوست ہیں لہٰذا بے ایمانوں سے بھی ہوشیار رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ذریعہ تم پر حملہ کردیں۔

● آیت ۲۸ سے قوم کی حالتِ زار کا ذکر کیا گیا کہ ان تمام تذکروں کے بعد بھی ان کا عذر یہی ہے کہ ہمارے باپ دادا ہماری طرح کافر تھے اور ہم انھیں کے مسلک پر رہیں گے اور رسولِ اکرمؐ سے کہا گیا کہ آپ انصاف کی دعوت دیں اور رب العالمین کی عبادت کا حکم دیں اور بتائیں تم لوگ شیطانی وسوسہ میں مبتلا ہو۔

● آیت ۳۱ سے اولادِ آدمؑ کو نئی ہدایات سے روشناس کرایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ خدا ان ہدایات میں تم سے دشمنی نہیں کرتا ہے بلکہ تم سے محبت ہی کرتا ہے:

ا۔ دیکھو کھانے پینے کی پابندی نہیں ہے لیکن مال کو ضائع نہ کرو۔

ب۔ اللہ کی ہر زینت اور پاکیزہ رزق تمہارے لیے حلال ہے۔ کسی کو حرام کرنے کا حق نہیں ہے۔

ج۔ ظاہری اور باطنی ہر طرح کی بدکاری سے پرہیز کرو، شرک سے الگ رہو اور یاد رکھو کہ اجل آجائے تو اس کا ٹالنے والا کوئی نہیں ہے لہٰذا اعمال کو مت ٹالو۔

د۔ مرسلین آئیں تو ان کا اتباع کرو۔ تکذیب نہ کرو کہ اس کا انجام جہنم ہے جہاں سب ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

ھ۔ تکذیب کرنے والوں پر آسمان کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور ان کا جنّت میں داخلہ ناممکن ہوجاتا ہے۔

۹ - ایمان والوں کے لیے بہترین اجر و ثواب ہے جہاں دل پاک صاف ہوں گے اور جنت میں اعلیٰ ترین مقام ہوگا اور انھیں اس کا مالک و وارث قرار دیا جائے گا۔

۱۰ - وہاں اہل جنت اہلِ جہنم سے دریافت کریں گے کہ ہمیں تو وعدۂ الٰہی کا مشاہدہ ہوگیا ہے۔ اب تمھارا کیا حال ہے اور پھر ان پر لعنت کا اعلان کر دیا جائے گا۔

● آیت ۴۶ سے وہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی بنیاد پر اس سورہ کو سورۂ اعراف کہا گیا ہے کہ اعراف جنت و جہنم کے درمیان ایک مقام ہے جہاں کچھ افراد مامور ہوں گے اور وہ سب کو پہچانتے ہوں گے۔ کبھی اہل جنت کو مبارکباد پیش کریں گے اور کبھی اہل جہنم کو دیکھ کر پناہ مانگیں گے کہ خدایا ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ قرار دینا۔ اس کے بعد پھر کچھ افراد سے کہیں گے کہ وہ دنیا کا مال و اقتدار کہاں چلا گیا؟ اور جن پر تکیہ تھا وہ پتے کدھر اڑ گئے؟

پھر اہل جہنم اہلِ جنت سے دانہ۔ پانی کی بھیک مانگیں گے اور وہ اپنی شانِ کرم کو محفوظ رکھتے ہوئے کہیں گے کہ ہم مجبور ہیں خدا نے یہاں کی نعمتوں کو کافروں کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔

اولادِ آدم! کیا اس قدر وضاحت کے بعد بھی حقائق کا انتظار ہے۔ حقائق کے سامنے آجانے کے بعد تو بچنے کا کوئی راستہ نہ رہ جائے گا۔ لہٰذا ابھی سے ہوشیار ہو جاؤ!

● آیت ۵۴ سے خدائی احسانات کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔

● اس نے تمھارے لیے کائنات کو پیدا کر دیا ہے لہٰذا اس سے دعا کرو۔

● زمین میں فساد نہ برپا کرو۔

● اس نے ہواؤں کو حرکت دے کر بادلوں کے ذریعہ ہر علاقہ میں پانی پہونچا دیا ہے، اور مُردہ زمینوں کو زندہ بنا دیا ہے، تو اب حیات بعد الموت کا انکار نہ کرنا۔

● پیداوار زمین کی تابع ہوتی ہے لہٰذا زمینِ دل کو ہموار رکھو تاکہ ثمرات ایمان و عمل سامنے آئیں ورنہ اصل دانے بھی برباد ہو کر رہ جائیں گے۔

● مذکورہ یاددہانیوں کے بعد آیت ۵۹ سے قوموں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ امت معاصر سابق امتوں کے اعمال اور انجام دونوں سے باخبر رہے اور دوبارہ دھوکہ

نہ کھائے۔ سب سے پہلے قوم نوحؑ کا ذکر کیا گیا جنھیں نوحؑ نے عبادت کی دعوت دی تو قوم نے انھیں کو گمراہ کہہ دیا اور آخر میں اہل سفینہ کے علاوہ سب کو غرق کر دیا گیا۔

● اس کے بعد جناب ہودؑ نے قوم عاد کو دعوت عبادت و تقویٰ دی اور انھوں نے بھی انھیں سفیہ قرار دے دیا۔ جس کے بعد وہ خدائی احسانات اور سابق اقوام کے حالات یاد دلاتے رہے لیکن کوئی اثر نہ ہوا تو خدا نے صرف ان کے مخلصین کو نجات دی اور باقی سب کو ہلاک کر دیا۔

● اس کے بعد قوم ثمود کی طرف جناب صالحؑ کو بھیجا انھوں نے بھی دعوت بندگی دی اور ایک ناقہ کو بطور نشانی پیش کیا اور خدائی احسانات یاد دلائے کہ یہ سب حور و قصور اس کے کرم کا نتیجہ ہیں لیکن وہ مذاق ہی اڑاتے رہے اور آخر میں اس ناقہ کے بھی پیر کاٹ دیے اور عذاب خدا کو چیلنج کر دیا اور خدا نے ایک جھٹکے میں سب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور کوئی مال و اقتدار کام نہیں آیا۔

● اس کے بعد جناب لوطؑ کا ذکر کیا گیا کہ انھوں نے قوم کو بدکاری سے روکا اور ہم جنسی کی شدید مخالفت کی لیکن قوم کا جواب یہ تھا کہ یہ بہت پارسا بنتے ہیں انھیں علاقہ سے نکال باہر کیا جائے جس کے بعد ہم نے آسمان سے پتھر برسا دیے اور لوط اور ان کے اہل کے سوا کوئی نہ بچا۔ حد یہ ہے کہ ان کی زوجہ بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ تا کہ امت اسلامیہ ہوش میں آجائے اور نبی کی زوجیت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت نہ دے۔ زوجیت کا تقدس عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا ہے۔

● اس کے بعد مدین کی طرف جناب شعیبؑ کے بھیجنے کا تذکرہ کیا گیا کہ انھوں نے بھی عبادت خدا کے ساتھ برابر ناپ تول کا حکم دیا اور فساد فی الارض سے روکا لیکن ان کے متکبرین نے بھی انھیں نکال باہر کرنے کی دھمکی دی اور لوگوں کو ان کے اتباع سے روکا اور اسے خسارہ قرار دیا جس کے نتیجہ میں ایک زلزلہ سے سب کا خاتمہ ہو گیا۔

● اس کے بعد نام لیے بغیر اس صورت حال کا تذکرہ کیا گیا کہ ہر قوم کے متکبرین کا یہی حال ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا مزہ چکھتے ہیں۔ حالانکہ

انسان اگر ایمان اور تقویٰ سے کام لے تو خدا زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ لیکن قوموں نے تکذیب سے کام لیا اور اس کے نتیجہ میں کبھی دن میں کبھی رات میں عذاب کا مزہ چکھتے رہے جو اس بات کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ عذاب الٰہی کا کوئی وقت معین نہیں ہے اور وہ کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے۔

● آیت ۱۱۳ سے جناب موسیٰ کا تذکرہ شروع کیا گیا کہ اسلام کا عظیم ترین مقابلہ قوم یہود سے تھا اور اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ امت معاصر کو یہودیوں کی شرارتوں اور ان کے انجام سے باخبر کر دیا جائے تاکہ یہ صورت حال دوبارہ سامنے نہ آنے پائے۔

ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ موسیٰؑ کو فرعون اور اس کی جماعت کی طرف بھیجا گیا۔ انھوں نے فرعون سے کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

اس نے کہا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟

موسیٰؑ نے عصا کو اژدہا بنا دیا اور ہاتھوں کی چمک کو پیش کر دیا۔

لوگوں نے اس معجزہ کو جادو قرار دیا اور جادوگروں کو طلب کر لیا۔ ان سے انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا اور انھوں نے زبردست جادو کا مظاہرہ کیا۔ لیکن عصائے موسیٰؑ نے تمام سانپوں کو نگل لیا اور جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ فرعون نے سخت ترین سزاؤں کی دھمکی دی لیکن حق کی راہ پر چلنے والے مصائب سے نہیں ڈرا کرتے ہیں۔ کسی نے دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ مصاحبوں نے فرعون کو قتل عام پر آمادہ کیا۔ موسیٰؑ نے صبر و استقامت کا پیغام دیا لیکن قوم کی نالائقی نے موسیٰؑ پر الزام رکھنا شروع کر دیا کہ آپ کی وجہ سے پریشانی ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

اس کے بعد ہم نے فرعون پر عذاب شروع کر دیا اور اس کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک اور خون کی شکل میں مختلف قسم کے عذاب نازل کیے۔ اب سب نے موسیٰؑ سے فریاد کی اور جب ان کی دعا سے عذاب ٹل گیا تو پھر عہد کو توڑ دیا۔ نتیجہ میں ہم نے سب کو غرق کر دیا اور مستضعفین کو زمین کا وارث بنا دیا۔

● آیت ۱۳۸ سے بنی اسرائیل کی مختلف شرارتوں اور حماقتوں کا ذکر شروع ہوا۔

● انھیں دریا سے پار لگا دیا تو وہاں بت پرستی کو دیکھ کر بُت پرستی کی آرزو کرنے لگے اور سارے پیغام توحید کو بھول گئے۔

● موسیٰؑ کوہ طور پر جانے لگے تو دیدارِ خدا کا مطالبہ کر دیا اور آخر میں ایک تجلّی سے سب فنا ہو گئے اور موسیٰؑ بھی بیہوش ہو گئے۔ جس پر انھوں نے توبہ کا اعلان کیا اور خدا نے انھیں کلیم بنا کر توریت ان کے حوالہ کر دی۔

● اس کے بعد قوم موسیٰؑ نے ایک گوسالہ کو خدا بنا لیا جس پر موسیٰؑ نے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کیا اور پروردگار نے قوم کو ذلت و غضب کا سزاوار بنا دیا۔

● اس کے بعد ۷۰ افراد نے جناب موسیٰؑ کے ساتھ طور پر جا کر توبہ کی تو خدا نے اپنی رحمت کو تقویٰ، زکوٰۃ اور آیات الٰہیہ پر ایمان لانے سے مشروط کر دیا۔

● آیت ۱۵۷ سے رسول اکرمؐ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ان کا کام امر بالمعروف، نہی عن المنکر، طیبات کو حلال قرار دینا، خبائث کو حرام کرنا اور انسانیت کو آزادی دلانا ہے اور انھوں نے قوم کو دیگر مرسلین کی طرح اپنی رسالت کا پیغام سنایا اور اتباع کی دعوت دی اور قوم موسیٰؑ کے بھی کچھ افراد نے ایمان قبول کر لیا۔

● آیت ۱۶۰ سے پھر بنی اسرائیل کی داستان شروع ہو گئی۔

ہم نے یعقوبؑ کی اولاد کو بارہ حصوں پر تقسیم کر دیا، ہم نے موسیٰؑ کے عصا کے ذریعہ بارہ چشمے جاری کر دیے، ہم نے ان کے سروں پر ابر کا سایہ کر دیا، ہم نے ان کے لیے من و سلویٰ نازل کر دیا۔ لیکن جب ان سے کہا کہ شہر میں "حطۃ" کہہ کر داخل ہوتا کہ تمھارے گناہ معاف ہو جائیں تو انھوں نے اسے "حنطۃ" بنا دیا جس کی بنا پر ہم نے عذاب نازل کر دیا کہ ہم اپنے احکام میں ایک حرف کی تبدیلی بھی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس قریہ کا ذکر کیا گیا جہاں کے لوگوں نے خدائی ممانعت کے باوجود شنبہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا تو پروردگار نے نہی عن المنکر کرنے والوں کے علاوہ سب کو سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا کہ پروردگار اپنے احکام میں دنوں کی تبدیلی بھی برداشت نہیں کرتا ہے (کہ جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھا دی جائے)۔

یہ عذاب بھی اپنی نوعیت کا انوکھا عذاب تھا کہ انسانوں کو بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ صرف اس بنا پر کہ وہ احکام الٰہیہ کی نقل کر کے نئے احکام وضع کیا کرتے تھے۔

● آیت ۱۷۱ میں اس تہدید کا ذکر کیا گیا کہ ان کے سروں پر پہاڑ کو مسلط کر دیا گیا کہ اگر احکام الٰہیہ پر عمل نہ کریں گے تو پہاڑ ان کے سر پر گرا دیا جائے گا۔ لیکن اس کا بھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا، جب کہ یہ عہد صرف بنی اسرائیل سے نہیں تمام اولاد آدم سے لیا گیا ہے کہ خدا سب کا پروردگار ہے اور اس کی توحید کا اقرار کرنا ہے لیکن اس کے باوجود لوگوں نے شرک اختیار کر لیا اور ہلاک ہو گئے۔ اور یہ حال صرف جاہلوں کا نہیں تھا بلکہ بلعم باعور جیسے عالم کا بھی تھا جسے فرعون نے خرید لیا اور اپنے تقدس کی بنا پر جناب موسیٰؑ کے حق میں بددعا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ گدھے نے ساتھ نہیں دیا اور صاف کہہ دیا کہ میں نبی خدا کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتا اور اس طرح گدھا بھی بلعم جیسے عالم سے بہتر ثابت ہوا۔ ایسے عالم کتوں جیسے ہوتے ہیں کہ ان کی زبان ہر حال میں باہر نکلی ہوتی ہے اور ان کی فطرت میں لالچ کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔

● آیت ۱۷۹ میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا کہ بعض اپنے کان، آنکھ اور دل سے حقائق شناسی کا کام نہیں لیتے ہیں تو ان کی حیثیت ایسی ہو جاتی ہے کہ جیسے انھیں جہنم ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ بندوں کا فرض ہے کہ عقل سے کام لے کر اللہ کو اس کے بہترین اسماء کے ذریعہ پکاریں اور اس میں خود رائی سے کام نہ لیں ورنہ عذاب خدا دھیرے دھیرے بھی لپیٹ لیتا ہے۔ ان کے پاس وجود خدا کے لیے پیغمبر جیسے انسان کی رہنمائی موجود ہے جس میں کسی طرح کا خلل نہیں ہے اور پھر تخلیق کائنات بھی نگاہوں کے سامنے ہے اس سے بھی اس حقیقت کا ادراک ہو سکتا ہے اور پھر اس امر سے بھی ڈرنا چاہیے کہ اگر قیامت آ گئی تو کوئی عذر کام آنے والا نہیں ہے۔

● آیت ۱۸۷ میں اسلام کے دوسرے بنیادی عقیدہ قیامت کا ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ بداعمالی کا موقع نکالنے کے لیے قیامت کا وقت دریافت کرتے ہیں لہٰذا پیغمبر ہرگز نہ بتائیے گا اسے ہماری طرف موڑ دیجئے۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ قیامت اچانک آئے گی اور میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتا ہوں اور نہ مجھے اس غیب کا علم دیا گیا ہے ورنہ میں بہت خیر کر سکتا تھا

اور ہر بُرائی سے اپنے کو محفوظ کر لیتا تھا۔

اُس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ تمھارے سکون کے لیے تمھارا جوڑا بنایا ہے۔ پھر اولاد دی ہے لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ اولاد پاتے ہی اس سے بے نیاز ہو جاتے ہو حالانکہ جن کو پکارتے ہو وہ خود بھی مخلوق ہی ہیں۔ ان میں کوئی خالق نہیں ہے اور میرا ولی پروردگار ہے جو تمام صالحین کا ولی ہے لہٰذا مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

● آیت ۱۹۹ سے پیغمبرؐ کو مخاطب بنا کر زندگی کا بہترین نظام پیش کیا گیا ہے:

ا۔ معافی کا راستہ اختیار کرو، نیکیوں کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو، جھگڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ب۔ اگر شیطان کوئی وسوسہ پیدا کردے تو فوراً "اعوذ باللہ" کہہ کر خدا کی پناہ میں آجاؤ۔

ج۔ اپنے پاس سے کسی نشانی کا انتخاب نہ کرنا۔ صرف حکم خدا کا اتباع کرو۔

د۔ قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ رحمت خدا کے حقدار بن جاؤ۔

ھ۔ خدا کو ہر طرح یاد کرو اور صبح و شام اسے ہلکی آواز سے پکارتے رہو۔

و۔ یہ یاد رکھو کہ مقربین بارگاہ الٰہی اس کی عبادت سے اکڑتے نہیں اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ انفال

اس سورہ کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اس لیے کہ سرکار دوعالمؐ کی مکی زندگی میں انفال اور غنیمت کا کوئی تصور نہ تھا۔ یہ سلسلہ جنگ بدر کی فتح سے شروع ہوا ہے اور اسی لیے ابتدا میں انفال کا حکم بیان کرنے کے بعد درمیان میں جنگ بدر کے تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں کے حوصلۂ جہاد اور پروردگار کی غیبی امداد پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا ہے کہ اسلام میں فتح و کامرانی کے یہی دو ستون ہوتے ہیں جن پر یہ عمارت قائم ہوتی ہے۔

اس سورہ میں کل ۷۵ آیات ہیں جن کا آغاز مالیات سے ہوتا ہے اور یہ بات سورۂ اعراف کے اختتام سے نہایت درجہ گہری مناسبت رکھتی ہے کہ اعراف کا خاتمہ عدم استکبار، تسبیح اور سجدہ پر ہوا ہے اور انفال کا آغاز مالیات سے ہوا ہے کہ جو انسان گذشتہ تین صفات کا مالک ہے وہ مالیات میں ہرگز خیانت نہیں کرسکتا ہے اور خیانت نہ کرنے والے ہی اہل اعراف کی نظر میں اہل جنت میں شمار ہوں گے۔

ابتدا میں انفال کا حکم بیان کیا گیا کہ ان مالیات میں انسانی محنت کا کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا ان کا اختیار صرف خدا و رسول کے لیے ہے اور صاحبانِ ایمان کو تقویٰ و پرہیزگاری سے کام لینا چاہیے، خدا و رسول کی اطاعت کرنا چاہیے۔

ایمان والے ذکر خدا سے لرز جاتے ہیں، آیات کو سن کر اضافہ کرلیتے ہیں، خدا پر بھروسہ کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، راہ خدا میں انفاق کرتے ہیں اور انھیں اعمال کے ذریعہ حقیقی مومن کہلاتے ہیں ورنہ ایمان کسی دولت، سرمایہ یا قرابت کا نام نہیں ہے۔

● آیت ۵ سے جنگ بدر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو گھر سے نکلنا ہی ناگوار تھا اور اسی امر پر بحث کر رہے تھے جیسے میدان میں جانا موت کے منھ میں جانا ہو۔ خدا نے مالِ قافلہ یا فتح جنگ کا وعدہ کیا تھا لیکن لوگوں کی خواہش یہی تھی کہ جنگ نہ کرنا پڑے جب کہ خدا نے ملائکہ کی نصرت کا بھی وعدہ کر لیا تھا تاکہ مسلمانوں کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے، اور سارے غیبی سامان فراہم کر دیے تھے۔

نیند کے ذریعہ تازہ دم بنا دیا تھا،

بارش کے ذریعہ زمین کو جنگ کے قابل بنا دیا تھا اور سیرابی اور طہارت کا بھی انتظام کر دیا تھا،

ملائکہ کے ذریعہ قوت قلب کا سامان کر دیا تھا،

اور اسی بنا پر میدان سے فرار کو حرام کر دیا تھا اور اس کی سزا غضب الٰہی اور جہنم کو قرار دے دیا تھا۔

● آیت ۱۵ سے مسلمانوں کو چند ہدایات دی گئی ہیں:

ا۔ تمہارا جہاد تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ سب خدائی کاروبار ہے لیکن امتحان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

ب۔ خدا و رسول کی اطاعت کرنی چاہیے اور منھ نہیں پھیرنا چاہیے۔

ج۔ ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن واقعاً سنتے نہیں ہیں۔

د۔ خدا و رسولؐ کی آواز پر لبیک کہنا چاہیے۔

ہ۔ اس فتنہ سے ڈرنا چاہیے جس کے اثرات سب کو اپنی لپیٹ میں لے سکتے ہیں۔

و۔ خدائی احسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے پناہ دی ہے، امداد کی ہے اور پاکیزہ رزق عطا کیا ہے۔

ز۔ خدا و رسولؐ سے خیانت نہیں کرنا چاہیے اور امانتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

ح۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں کر رہے تھے لیکن ہم نے تمھیں اپنی تدبیر سے ہر مکر سے بچا لیا۔

● آیت نمبر ۳۰ سے دشمنان اسلام کی حرکتوں اور سازشوں کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ان احسانات سے باخبر کیا گیا ہے جو ان سازشوں کے مقابلہ میں ان کے شامل حال کیے گئے ہیں:۔

ا۔ یہ تمھیں قید کرنے یا شہر بدر کرنے کی فکر میں تھے۔

ب۔ یہ آیات الٰہیہ کو سن کر اساطیر الاولین کا نام دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خود بھی ایسی آیتیں بنا سکتے ہیں۔

ج۔ یہ بدنصیب ایسے دشمن حق تھے کہ خدا سے دعا کر رہے تھے کہ اگر پیغمبر برحق ہے تو آسمان سے کوئی پتھر یا عذاب نازل کر دے۔

د۔ ان کا کام مسجد الحرام سے روکنا تھا اور یہ اللہ کے دوست ہرگز نہیں تھے۔

ھ۔ ان کی نماز صرف سیٹی اور تالی تھی۔

و۔ ان کا انفاق بھی راہ خدا سے روکنے کے لیے تھا۔

ز۔ یہ اگر کفر سے باز آجائیں تو اب بھی خدا انھیں معاف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ کریں گے تو پرانی قوموں کا انجام سامنے موجود ہے۔

ح۔ ان سے اس وقت تک جہاد ضروری ہے جب تک کہ فتنوں کا سد باب نہ ہو جائے اور دین صرف خدا کا دین نہ رہ جائے۔

● آیت نمبر ۴۱ سے جہاد میں فتح کے بعد کے فرائض کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سرفہرست خمس ہے، جس کا حق اللہ، رسولؐ، قرابت داران پیغمبرؐ، ایتام، مساکین اور مسافران غربت زدہ کے لیے ہے اور جس کی ادائیگی وہی لوگ کرتے ہیں جن کا ایمان اللہ اور اس کی غیبی امداد پر ہے۔

اور یہ امداد یہ ہے کہ مسلمان قریبی محاذ پر تھے، دشمن دور کے محاذ پر تھا، قافلۂ تجارت اور نیچے کی طرف تھا اور مسلمان بغیر وعدۂ جنگ کے نکل آئے تھے لیکن خدا نے انھیں کامیاب بنا دیا کہ کفار کو ان کی نظروں میں کم کر دیا تاکہ کمزوری کا احساس نہ ہونے پائے اور انھیں بھی کفار کی نظروں میں کم دکھلا دیا تاکہ وہ زیادہ تیاری نہ کرنے پائیں۔

اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ثبات قدم کا مظاہرہ کریں، خدا و... کریں، آپس میں اختلاف نہ کریں کہ اس طرح ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ صبر سے کام لیں کہ خدا صابرین

کے ساتھ ہے۔

ان کے جیسے نہ ہو جائیں جو غرور و ریاکاری اور راہ خدا کو روکنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے اور شیطان نے انھیں دھوکہ دے دیا اور عین وقت پر بیزاری کا اعلان کر دیا۔

● آیت ۴۹ میں منافقوں کی سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دین نے دھوکہ دیا ہے حالانکہ خدا پر توکل بہر حال کام آنے والا ہے اور منافقین کی موت ملائکہ کے ذریعہ یقینی ہے۔ ان کا انجام وہی ہوگا جو فرعون کے ساتھیوں اور اس سے پہلے والے کافروں کا ہوا ہے۔

● آیت ۵۳ میں اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ خدا اس وقت تک اپنی نعمتوں میں تغیر نہیں پیدا کرتا ہے جب تک کہ لوگوں کے کردار میں تغیر نہ پیدا ہو جائے جس کی واضح مثال فرعون کے کردار میں موجود ہے، جس نے آیات الٰہیہ کی تکذیب کی — اور بدترین کردار کفار اور عہد شکن افراد کا ہوتا ہے۔ ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں نکال باہر کیا جائے اور اگر خیانت کا اندیشہ ہے تو ان کے معاہدہ کو انھیں کی طرف پھینک دیا جائے۔

● آیت ۶۰ میں ایک بنیادی قانون کا تذکرہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے ہر طرح کی طاقت فراہم کرنی چاہیے تاکہ ان کی ہیبت قائم ہو جائے اور کفار کے حوصلے پست ہو جائیں۔ پھر اس کے بعد وہ توبہ پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً قبول کر لیا جائے اور دھوکہ دینا چاہیں تو خدا تمھارے لیے کافی ہے۔

● آیت ۶۴ سے پیغمبرؐ کو آداب جنگ کی تلقین کی گئی ہے:

ا۔ تمھارے واسطے خدا اور وہ مومنین کافی ہیں جو تمھارا اتباع کرنے والے ہیں۔

ب۔ تم لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرو۔ یہ اگر بیس بھی ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے بشرطیکہ ان میں قوت برداشت ہو۔

ج۔ جہاد کی زحمت کے بغیر قیدی بنانے کا حق نہیں ہے۔

د۔ قیدیوں کو سمجھا دیجیے کہ اگر خدا تمھارے دلوں میں خیر دیکھے گا تو مال غنیمت سے بہتر نیکی عطا کر دے گا اور تمھارے گناہوں کو بھی معاف کر دے گا اور اگر خیانت کرو گے تو تم سے پہلے والے بھی بچ کر نہیں جا سکے ہیں۔

ھ۔ ایمان، ہجرت اور جہاد والے ہی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ہجرت نہ کرنے والوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اگر دین کے معاملہ میں مدد مانگیں تو مدد ضروری ہے جب تک کہ کسی معاہدہ والی قوم کے خلاف نہ ہو۔

و۔ ایمان، ہجرت، جہاد والے ہی سچے مومن ہیں اور انھیں کے لیے مغفرت اور محترم رزق ہے۔

ز۔ بعد میں ایمان لانے والے اور ہجرت و جہاد کرنے والے بھی تمھیں میں سے ہیں۔

ح۔ قرابت دار آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ اولیت اور قربت رکھتے ہیں اور اللہ ہر شے سے باخبر ہے۔

ان آیات میں بار بار ہجرت کے ساتھ جہاد کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ پروردگار کی نگاہ میں صرف ہجرت کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ہجرت مصائب و آلام سے فرار کا نام ہے۔ ہجرت ایک نئے محاذ زندگی میں قدم رکھنا ہے اور اس محاذ پر قدم رکھنے کے لیے جہاد کے حوصلے کا ہونا ضروری ہے۔ جن کے پاس حوصلۂ جہاد نہیں ہے ان کی ہجرت زندگی سے فرار ہے۔ راہ خدا میں استقامت و استقلال اور جدید ترین محاذ پر کام کرنا نہیں ہے اور اللہ ایسے لوگوں کو صاحب شرف و عزت نہیں قرار دیتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ توبہ

اس سورہ کو سورہ برات اور سورۂ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے جس کا آغاز ہی اس کے مدنی ہونے کی علامت ہے اور یہ قرآن مجید کا اکیلا سورہ ہے جس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے کہ نگاہ قدرت میں اعلان رحمت اعلان برات کے منافی ہے، لہذا اعلان برات سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اس سورہ میں ۱۲۹۔آیات ہیں اور یہ ۹ھ میں نازل ہوا ہے جب کفار کی عہد شکنی کی سازش کے پیش نظر اسلام نے عہد توڑنے کا اعلان کر دیا اور کفار کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور اس کے بعد کوئی رعایت اس وقت تک نہیں رکھی جب تک کفار توبہ نہ کر لیں اور توبہ کا اظہار نماز اور زکوٰۃ کے ذریعہ نہ ہو جائے۔

یہ اعلان برات امیر المومنین حضرت علیؑ کے ذریعہ اس وقت کیا گیا جب ابوبکر کو معزول کر کے یہ کام آپ کے سپرد کیا گیا اور آپ نے حکم الٰہی کے مطابق اس سورہ کی تبلیغ کا فرض انجام دیا۔

اس میں مشرکین کے بارے میں صرف دو طرح کی رعایتوں کا ذکر ہے۔ اگر ان سے کوئی معاہدہ ہے تو اس مدت کا احترام کیا جائے جو معاہدہ میں طے ہو گئی ہے اور اگر وہ پناہ مانگنے آئیں تو انھیں پناہ دے دی جائے تاکہ اس طرح مسلمانوں کے درمیان رہ کر اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں اور پھر اپنے گھر واپس چلے جائیں۔

اس کے علاوہ کوئی رعایت اس لیے نہیں ہے کہ ان سے کسی رعایت کی توقع نہیں ہے اور یہ ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ کسی عہد و پیمان اور قرابت کا خیال نہیں کرتے

ہیں تو شرافت کا کیا سوال ہے۔

انھوں نے روز اول ہر معاہدہ کو توڑ کر رسولؐ کو وطن سے باہر نکال دیا ہے تو اب ان سے کس شرافت کی توقع کی جا سکتی ہے ؟ ان سے جہاد ضروری ہے، خدا انھیں ذلیل کرنے والا اور صاحبان ایمان کی مدد کر کے انھیں مطمئن کرنے والا ہے۔

صاحبانِ ایمان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ انھیں بھی بغیر امتحان کے نہیں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کا جہاد بھی ضرور دیکھا جائے گا اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ دشمنانِ خدا سے خفیہ تعلقات تو نہیں رکھتے ہیں۔

● آیت ۱۷ میں کفار کی افادیت کے توہم کی نفی کی گئی ہے کہ ان سے آبادی مسجد کی کوئی توقع نہیں ہے۔ مساجد کا آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کا خدا اور آخرت پر ایمان ہے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں اور در حقیقت یہی لوگ ہدایت یافتہ بننے کے قابل ہیں۔

● آیت ۱۹ میں اس سے بالاتر درجہ کا اعلان کیا گیا ہے کہ آبادی مسجد اور سیرابی حجاج بھی اتنی بلند شے نہیں ہے جتنا بلند ایمان کے ساتھ جہاد کا مرتبہ ہے۔ ایمان، ہجرت، جہاد والے افراد خدا کی نگاہ میں بلند ترین درجہ کے مالک ہیں اور کامیاب ہیں۔

● آیت ۲۳ سے صاحبانِ ایمان کو چند ہدایات دی گئی ہیں :

ا۔ اگر تمھارے آباء و اجداد اور برادران بھی کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تو ان سے دوستی نہ رکھنا۔

ب۔ اگر تمھارے آباء، اولاد، برادران، ازواج، عشیرہ، اموال، تجارت، مکانات خدا و رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو نتیجہ کا انتظار کرو۔

ج۔ خدا نے تمھاری متعدد مقامات پر خصوصاً حنین کے سخت ترین حالات میں مدد کی ہے۔ تم پر سکون نازل کیا ہے اور غیبی لشکر سے تمھاری امداد کی ہے۔

د۔ دیکھو مشرکین ناپاک اور خبیث ہیں لہٰذا مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پائیں اور اگر تمھیں مادی پریشانی کا خیال ہے تو خدا غنی بنانے والا ہے۔

ھ۔ اہل کتاب بھی اگر جزیہ نہ دیں تو ان سے بھی جہاد کرو کہ یہ بے ایمان ہیں۔ حلال و حرام کا خیال نہیں کرتے ہیں اور دین حق کے پابند نہیں ہیں۔

و۔ یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو فرزند خدا کہتے ہیں۔ اور انہیں خدا بنائے ہوئے ہیں۔ خدا ان کا برا کرے۔ ان سے کوئی محبت نہیں ہو سکتی ہے۔

ز۔ یہ سب نور خدا کو خاموش کرنا چاہتے ہیں حالانکہ خدا اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا چاہے کفار کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

ح۔ خدا نے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے لہذا پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ط۔ یہ مذہبی ٹھیکیدار لوگوں کے اموال کو باطل طریقہ سے کھا رہے ہیں اور راہ خدا سے روک رہے ہیں لہذا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دی جائے۔

ی۔ جو لوگ بھی سونے چاندی کے خزانے جمع کر رہے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں بتا دیا جائے کہ انہیں سکوں سے ان کی پیشانی، پیٹھ اور پہلو کو داغا جائے گا۔

● آیت ۳۶ سے پھر جہاد کے اصول اور منافقین کے کردار کا تذکرہ کیا گیا کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے محترم ہیں۔ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم۔ ان میں قتال جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد مسلمان آزاد ہے اور کفار کا ان مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا مزید کفر کا اضافہ ہے۔ اور دیکھو جب جہاد کے لیے بلایا جائے تو زمین سے چپک نہ جانا کہ اس طرح خدا تم پر دردناک عذاب کرے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اسے تمہاری پرواہ نہیں ہے۔ اس نے ہجرت میں جب پیغمبرؐ ایک ساتھی کے ساتھ نکلے تھے جب بھی پیغمبرؐ کو بچا لیا تھا اور مطمئن بھی کر دیا تھا اور کفار کو پست کر کے اپنے کلمہ کو بلند کر دیا تھا۔

جہاد کے لیے ہر حال میں نکلو اور جان و مال سے جہاد کرو کہ اسی میں خیر اور بھلائی ہے۔ پھر پیغمبرؐ سے خطاب کر کے مسلمانوں کی بہانہ بازیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا کہ صاحبان ایمان جنگ سے بیٹھ رہنے کی اجازت نہیں مانگتے ہیں۔ یہ کام صرف بے ایمان اور

مشکوک قسم کے افراد کرتے ہیں۔ خیر۔ تم نے اجازت دے دی ہے تو کوئی بات نہیں ہے ورنہ یہ واقعاً جہاد کرنے والے ہوتے تو اس کی تیاری کرتے اور اچھا ہوا کہ یہ نہیں نکلے ورنہ دوسروں کے حوصلے بھی پست کر دیتے اور فتنے برپا کر دیتے۔

ان میں سے بعض فتنہ کے نام پر اجازت چاہتے ہیں کہ کہیں کفار کی عورتوں کے حسن وجمال سے گمراہ نہ ہو جائیں حالانکہ یہ خود ایک فتنہ اور گمراہی ہے۔ یہ ہر بری خبر کے منتظر رہتے ہیں حالانکہ مسلمان کے لیے فتح اور شہادت دونوں ہی خیر ہیں لہذا اسے کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے

یہ منافقین اس قدر نالائق ہیں کہ خدا ان کے مال کو بھی قبول نہیں کرنا چاہتا کہ یہ واقعاً کافر ہیں اور ان کی نماز اور ان کا انفاق سب مجبوری کا سودا ہے۔ ان کے اموال واولاد کسی کو حیرت میں نہ ڈال دیں کہ خدا اس ذریعہ سے بھی عذاب کرنا چاہتا ہے۔ یہ پناہ گاہوں کی تلاش میں ہیں اور صدقات کے بارے میں ناانصافی کا الزام بھی لگانا چاہتے ہیں کہ انھیں مل جائے تو خوش ہیں ورنہ ناراض ہیں حالانکہ صاحب ایمان ہوتے تو خدا اور رسولؐ کی ہر عطا سے راضی رہتے اور سمجھتے کہ صدقات صرف ان کے لیے نہیں ہیں۔ ان کے آٹھ مصرف ہیں فقراء ومساکین، عامل، مولفۃ القلوب، غلام، مقروض، فی سبیل اللہ اور مسافران غربت زدہ۔

● آیت ۶۱ سے منافقین کے صفات، اعمال، انداز کا ذکر کیا گیا تاکہ اہل ایمان ایسی حرکتوں سے الگ رہیں اور ایمان لانے کے بعد منافقین میں شمار نہ ہو جائیں کہ درک اسفل کا سامنا کرنا پڑے:

ا۔ یہ رسولؐ کو کان کہتے ہیں کہ ہر ایک بات سن لیتے ہیں۔ حالانکہ یہی ان کے حق میں بہتر ہے ورنہ سن کر اقدام بھی کرتے تو یہ محفل میں نہ رہ جاتے۔

ب۔ یہ خوش کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والے کا انجام جہنم ہے۔

ج۔ یہ ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں کہ کوئی آیت نازل ہو کر ان کے دل کا راز فاش نہ کر دے حالانکہ یہ ایک دن بہر حال ہونے والا ہے۔

د۔ یہ خدا اور رسولؐ کو بھی اپنے مذاق کا موضوع بنا لیتے ہیں اور پھر جھوٹی معذرت کرتے

ہیں حالانکہ خدا اور رسول حقیقت سے باخبر ہیں۔

ھ۔ یہ برائیوں کا حکم دیتے ہیں، اچھائیوں سے روکتے ہیں، بخل سے کام لیتے ہیں، خدا کو بھول گئے ہیں اور فاسق ہیں۔

حالانکہ ان سے پہلے والے ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور انھیں جرائم کی بنا پر مبتلائے عذاب ہو چکے ہیں۔ کیا انھوں نے قوم نوحؑ، قوم عاد، ثمود، قوم ابراہیمؑ، اصحاب مدین اور قوم لوطؑ کا ذکر نہیں سنا ہے کہ یہ سب انھیں حرکات کی بنا پر تباہ ہو گئے ہیں۔

و۔ صاحبانِ ایمان کی شان امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نماز، زکوٰۃ، اطاعتِ خدا و رسولؐ اور آپس کی محبت و الفت ہے جن ۔، جنت، قصورِ جنت، انہارِ جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور رضائے الٰہی بھی ہے جو ان سب سے بالاتر ہے اور یہی عظیم ترین کامیابی ہے۔

● آیت ۷۳ سے رسول اکرمؐ سے خطاب کر کے منافقین کے بارے میں مزید ہدایات کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ کفار کی طرح منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے کہ ان کا انجام جہنم ہے۔

ب۔ منافقین جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور مومنین پر عنایاتِ الٰہیہ سے ناراض ہیں، تو اگر توبہ کر لیں تو خیر ورنہ ان کا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے اور یہ مستحق عذاب ہیں۔

ج۔ یہ صدقات کا عہد کرتے ہیں اور پھر مال پانے کے بعد انکار کر دیتے ہیں، اور اس طرح ان کا نفاق اور گہرا ہو جاتا ہے۔

د۔ یہ کارِ خیر کرنے والوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں تاکہ کارِ خیر کا سلسلہ بند ہو جائے اور غریب مسلمان ہلاک ہو جائیں۔

ھ۔ یہ جہاد میں شرکت نہ کرنے پر خوش ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں کہ گرمی کے موسم میں نہ جاؤ حالانکہ ان کا انجام جہنم ہے جو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔

و۔ انھیں ہنسنے کے بجائے اپنے انجام پر رونا چاہیئے کہ جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہے۔

ز۔ یہ اب جہاد میں چلنا بھی چاہیں تو صاف کہہ دیجئے کہ تمھاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تمھیں آزمایا جا چکا ہے۔ تم اہل جہاد نہیں ہو۔

ح۔ یہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں اور ان کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہوں کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا ایمان والوں کے لیے ہے، منافقین کے لیے نہیں ہے۔

ط۔ ان کے اموال و اولاد آپ کو بھلے نہ معلوم ہوں کہ یہ خدائی ڈھیل ہے۔اس کے بعد عذاب ہی عذاب ہے۔

ی۔ جب حکم جہاد نازل ہوتا ہے تو ان کے صاحبانِ حیثیت گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت مانگنے لگتے ہیں اور محبت مال انھیں جہاد اور محبت خدا و رسولؐ سے روک دیتی ہے۔

ک۔ خدا نے کمزوروں سے جہاد خود ہی ساقط کر دیا ہے لیکن صاحبان حیثیت کو معاف نہیں کر سکتا اور ان کا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہے۔ خدا ان کے حال سے خوب باخبر ہے۔

ل۔ منافقین میں جو دیہاتی ہیں وہ اور زیادہ شدید ہیں کہ حقائق کی دنیا سے دور بسے ہوئے ہیں، ان سے ہوشیار رہیں۔

م۔ یہ دیہاتی عام طور سے انفاق کو بھی خسارہ کا نام دیتے ہیں اور مصائب کے منتظر رہتے ہیں ورنہ ان میں بھی بعض صاحبانِ ایمان اور خلوص دل سے انفاق کرنے والے پائے جاتے ہیں۔

ن۔ منافقین صرف دیہاتوں میں نہیں ہیں، اہل مدینہ میں بھی بدترین منافق پائے جاتے ہیں جنھیں ہم خوب پہچانتے ہیں اور ان پر دُہرا عذاب کریں گے۔

س۔ جو اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں ان کے صدقات کو قبول کر لیجیے کہ اس سے مال بھی پاک ہوتا ہے اور دل بھی پاک ہوتا ہے، اور دعائیں بھی دیجیے کہ اس سے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

ع۔ ان سے کہہ دیجیے کہ عمل کرتے جاؤ۔ خدا و رسول اور اہل ایمان تمھارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں اور عالم الغیب روز قیامت تمھیں تمھارے اعمال سے باخبر کرے گا۔

ف۔ ان منافقین نے تفرقہ پردازی کے لیے ایک مسجد ضرار بنا لی ہے، آپ خبردار

اس میں نماز نہ پڑھیں۔ نماز کی جگہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

ص۔ منافقین کی بنیاد ہمیشہ انھیں شک کے عالم میں رکھے گی جب تک ان کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں اور انھیں موت نہ آجائے۔

● آیت ۱۱۱ سے مجاہدین راہ خدا کے فضائل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ یہ منافقین کے برخلاف راہِ خدا میں اپنی جان جنت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں، دشمن کو قتل کرتے ہیں اور پھر شہید ہو جاتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ برحق ہے جس کا تذکرہ توریت، انجیل، قرآن ہر جگہ ہے۔

یہ توبہ کرنے والے، عبادت گذار، حمد کرنے والے، راہِ خدا میں سفر کرنے والے، رکوع و سجود کرنے والے، نیکیوں کا حکم دینے والے اور برائیوں سے روکنے والے اور حدود خدا کے محافظ ہیں۔

● آیت ۱۱۳ میں اس قانون کا اعلان کیا گیا ہے کہ مشرکین کے حق میں استغفار جائز نہیں ہے اور جناب ابراہیمؑ کا استغفار آزر سے وعدہ کی بنا پر یا اس کے وعدۂ ایمان کی بنا پر تھا لیکن جب اس کی دشمنی خدا واضح ہو گئی تو انھوں نے بھی بیزاری کا اعلان کر دیا کہ دشمنِ خدا سے برائت ہی اللہ والوں کا طریقہ کار ہے۔

● آیت ۱۱۵ سے توبہ کا ذکر شروع کیا گیا کہ جن لوگوں نے جنگ تبوک میں شرکت نہیں کی ہے اگر ان کا پچھلا کردار بہتر تھا تو ان کی توبہ قابل قبول ہے جیسے وہ ثلاثہ کعب بن مالک، مرار ابن ربیع، ہلال بن امیہ جنھوں نے سستی کی بنا پر شرکت نہیں کی تھی ان کی توبہ کو بھی قبول کر لیا گیا ہے۔ البتہ ایمان والوں کو ہمیشہ صادقین کے ساتھ رہنا چاہیئے۔

● آیت ۱۲۲ میں ایک نئے جہاد کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر تمام لوگ طلب علم کے لیے نہیں نکل سکتے تو ایک گروہ کو بہر حال نکلنا چاہیئے تاکہ علم دین حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرائے شاید وہ راستہ پر آجائیں۔

باقی لوگوں کا فرض ہے کہ آس پاس کے کفار سے جنگ کریں اور ان پر اپنی سختی کو واضح کر دیں تاکہ ان کے حوصلے بلند نہ ہونے پائیں۔

● آیت ۱۲۴ سے پھر منافق کردار کی ایک خصوصیت کا ذکر کیا گیا کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے، تو پیغمبر انھیں بتا دیجیے کہ صاحبانِ ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ منافق کا دل تو اور خبیث اور گندہ ہو جاتا ہے۔

(یہ ان لوگوں کے لیے سبق ہے جو ہر مذہبی پروگرام پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا فائدہ کیا ہے۔ حالانکہ فائدہ صاحبانِ ایمان کو ہوتا ہے، بے ایمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ ان کے اندر خباثت پائی جاتی ہے تو انھیں کیا فائدہ ہوگا۔)

منافقین مسلسل آزمائشوں کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

یہ کسی بھی سورہ کے نزول کے وقت داہنے بائیں دیکھنے لگتے ہیں کہ کس طرح چپکے سے نکل بھاگیں جو بعض معاصر منافقین کا بھی حال ہوتا ہے کہ ہر مذہبی کام میں بھاگنے کے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے ہیں۔ یہ اپنے خیال میں دانشور ہیں، لیکن واقعتاً نافہم اور احمق ہیں۔

● آیت ۱۲۸ میں اختتام سورہ پر رسول اکرمؐ کے صفات کا ذکر کیا گیا تاکہ اہل ایمان ان کی قدر کریں اور ان کے تعلیمات سے فائدہ اٹھائیں:

ا۔ یہ رسولؐ تمھیں میں سے ہے اور تمھارے درد کو خوب پہچانتا ہے۔

ب۔ تمھاری ہر تکلیف اس کے دل پر بہت شاق گذرتی ہے۔

ج۔ تمھاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے۔

د۔ صاحبانِ ایمان کے حق میں مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد رسول اکرمؐ کو ہدایت دی گئی کہ آپ کی ان صفات کے باوجود اگر یہ لوگ آپ سے منھ پھیر لیں تو کہہ دیجیے کہ مجھے تم سب کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میرے لیے میرا خدا کافی ہے۔ اسی پر میرا اعتماد ہے اور وہی صاحب عرش عظیم ہے جہاں تک کسی کی فکر کی بھی رسائی نہیں ہے۔

یہ درحقیقت ہر صاحب ایمان کا دستور حیات ہے کہ لوگوں کے درد کو پہچانے، ان کی

ہدایت کی فکر کرے ۔ ان کے حال پر مہربان رہے، اور اس کے بعد بھی کوئی ساتھ نہ آئے تو خود خدا کے ساتھ رہے اور اس سے الگ نہ ہونے پائے کہ اسی میں خیر ہے اور اس سے بہتر کوئی ناصر اور مددگار نہیں ہے ۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

یہ قدرت کا حسن انتظام ہے کہ کفار و مشرکین سے برائت کے اعلان سے شروع ہونے والا سورہ صاحبانِ ایمان پر رحم و کرم کے تذکرہ پر تمام ہوتا ہے اور درمیان میں منافقت کے کردار کا مفصل تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ انسان شرک سے نکل کر نفاق کی منزل پر نہ رک جائے اور اس منزلِ ایمان تک پہونچ جائے جہاں خدا و رسولؐ واقعاً مہربان ہو جاتے ہیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ یونس

یہ سورہ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۰۹ آیات ہیں۔ اس کے یونس نام ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں جناب یونس پیغمبر کی داستان الم کا ذکر کیا گیا ہے اور مکی ہونے کے رشتہ سے عقائد کا زور اعمال سے زیادہ ہے اور جن آیات میں اعمال کا ذکر کیا ہے انھیں بھی بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ مکی سوروں میں عام طور سے پانچ قسم کے مسائل کو اہمیت دی گئی ہے:

۱۔ وجود خدا کا اثبات

۲۔ قیامت کے دلائل

۳۔ ایمان لانے والوں کے فضائل

۴۔ انکار کرنے والوں کا انجام

۵۔ تنزیل الٰہی کی عظمت

اس کے بعد انھیں مسائل کو کبھی دلائل و براہین کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے اور کبھی قصص و امثال کے ذریعہ۔ اسی لیے اس سورہ مبارکہ میں بھی یہی مسائل زیر بحث آئے ہیں اور انھیں ابتدا میں بذریعہ دلائل سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد پرانے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں سے ایک قصہ جناب یونس کا بھی ہے۔ جنھوں نے قوم کی حالت بد کو دیکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سب کو چھوڑ کر چلے گئے جو بات رب العالمین کی نظر میں ترک اولیٰ کے مرادف قرار پائی اور انھیں شکم ماہی میں رہنا پڑا، اور وہاں بھی استغفار نہ کر لیتے تو قیامت تک اسی شکم ماہی

میں رہنا پڑتا کہ استغفار ہی ہر مشکل سے نجات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مخالفت مرضی پروردگار یا ترک اولیٰ انسان کو مشکلات میں مبتلا کرتا ہے اور استغفار سارے مشکلات سے باہر نکال لینے کا ذریعہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے بغیر کسی خطا و گناہ کے استغفار کرنے والے بندوں کو اس قدر عظمت دی ہے کہ انھیں تمام کائنات کا مشکل کشا بنا دیا ہے۔

سورہ کا آغاز تنزیل الٰہی کے تذکرہ سے ہوتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کو پروردگار کی بارگاہ میں منزل صداقت کی خوش خبری سنائی گئی ہے اور پھر انکار کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

اس کے بعد صاحب تنزیل کی عظمت کا حوالہ دیا گیا ہے کہ رب العالمین نے آسمان و زمین کو چھ منزلوں میں پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے اور اس کے سامنے کسی کو بلا اذن سفارش کرنے کا بھی حق نہیں ہے، سب کا کام عبادت کرنا ہے اور اسی کی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے، اور وہیں صاحبانِ ایمان کو انعام اور بے ایمانوں کو سزا ملنے والی ہے۔

اس نے چاند اور سورج کو پیدا کر کے ان کی منزلیں قرار دی ہیں اور ان منازل کے ذریعہ ماہ و سال اور دیگر حسابات قرار دیے ہیں، شب و روز کی رفت و آمد اور ارض و سما کی تمام مخلوقات صاحبانِ تقویٰ کے لیے آیات الٰہیہ ہیں۔

قیامت کے منکر، دنیا پرست افراد کا انجام جہنّم ہے اور ایمان و عمل صالح والوں کی جزا جنت ہے۔

خدا عذاب میں جلدی نہیں کرتا ہے ورنہ اب تک سب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

انسان مصیبتوں میں خدا کو یاد کرتا ہے لیکن بلا ٹلتے ہی یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ ہم ایسے مظالم پر گذشتہ امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور تمھیں ان کی جگہ پر رکھا ہے تو تمھاری جگہ پر دوسری قوموں کو بھی لا سکتے ہیں۔

یہ بے ایمان افراد آیات کو سن کر تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ پیغمبر کا کام نہیں

ہے۔ پیغمبر صرف وحی خدا کا اتباع کرنے والا ہوتا ہے اور بس! افترا کرنے والوں کا انجام بہت بُرا ہے۔

کفار ان خداؤں کی عبادت کرتے ہیں جو فائدہ تو بڑی بات ہے نقصان بھی پہونچانے کے قابل نہیں ہیں۔

یہ روز انہ نئی نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ آیات سب خدا کے پاس ہیں اور انھیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب آسمانی نشانیاں نازل ہو جائیں۔

● آیت ۲۲ سے خدائی احسانات اور انسانی شیطنت کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے:

ا۔ وہی بحر و بر میں سفر کراتا ہے اور کشتی طوفان میں پھنس جاتی ہے تو مخلصانہ دعاؤں کے زیر اثر نجات دے دیتا ہے لیکن انسان اس کے بعد بھی ناشکری کرتا ہے اور اُسے بھول جاتا ہے۔

ب۔ زندگانی دنیا کی مثال اس سبزہ اور میوہ کی ہے جو بارش کے زیر اثر پیدا ہوتا ہے اور حکم الٰہی کے زیر اثر لمحوں میں فنا ہو جاتا ہے لیکن انسان عبرت حاصل نہیں کرتا ہے۔

ج۔ نیک عمل افراد کے چہرے روشن ہوں گے اور اُن کی منزل جنت ہوگی اور بدعمل افراد کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان کا انجام جہنم ہوگا جہاں کوئی کام آنے والا نہ ہوگا۔ ہر انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور سب خدا کی بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔

د۔ ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان سے رزق دینے والا، سماعت و بصارت کا مالک، زندہ کو مُردہ اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا کون ہے؟ اور اگر خدا ہی ہے تو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں چلے جا رہے ہیں۔

ہ۔ کیا تمھارے شرکا میں کوئی تخلیق اوّل یا اعادہ کی قوت رکھتا ہے؟ کیا کوئی حق کی طرف بغیر دوسرے رہنما کے ہدایت کر سکتا ہے؟

و۔ اگر تمھارے خیال میں یہ قرآن کلام خدا نہیں ہے اور پیغمبر کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی ایسا ہی کلام بنا کر لے آؤ۔

ز۔ یہ لوگ از راہِ جہالت تکذیب کرتے ہیں۔ یہ کام اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے

اور ان کا انجام بھی سامنے آچکا ہے۔ خدا تمام مفسدین کو پہچانتا ہے۔ پیغمبر! اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو آپ مکمل بیزاری کا اعلان کر دیں۔ یہ اندھے بہرے ہیں، نہ کچھ دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ سننا چاہتے ہیں۔

● آیت ۴۵ تا ۵۶ سے قیامت کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ قیامت یوں اچانک آجائے گی جیسے دارِ دنیا میں صرف ایک ساعت قیام کیا ہو۔ اس کے بعد منکرین کو سخت خسارہ ہوگا۔

ب۔ لوگوں کو خدا کی بارگاہ میں بہرحال حاضر ہونا ہے، چاہے یہ کام پیغمبر کی زندگی میں ہو یا ان کے بعد ہو۔

ج۔ یہ قیامت کا وقت دریافت کریں تو صرف یہ کہہ دیجئے کہ یہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے، جب وقت آجائے گا تو ٹل نہیں سکتا ہے۔

د۔ عذاب دن میں آئے یا رات میں۔ مجرمین اسے ٹال نہیں سکتے ہیں تو آخر جلدی کس بات کی ہے۔

ہ۔ جب ارض و سما اور حیات و موت اسی کے ہاتھ میں ہے تو واپسی بھی اسی کی بارگاہ میں ہوگی۔

● آیت ۵۷ میں عظمت قرآن کا ذکر کیا گیا ہے:

ا۔ یہ خدا کی طرف سے موعظہ اور نصیحت ہے۔

ب۔ یہ دلوں کے امراض کا علاج اور وجہ شفا ہے۔

ج۔ یہ کائنات کے لیے نسخۂ ہدایت ہے۔

د۔ یہ صاحبانِ ایمان کے لیے رحمت ہے اور فضل و رحمتِ خدا اموالِ دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ مالک کائنات کی طرف سے مکمل کتاب کے آجانے کے بعد اپنی طرف سے حلال و حرام کیوں تیار کیے جا رہے ہیں۔ اس کا انجام قیامت کے دن بہت بُرا ہوگا۔

● آیت ۶۲ میں صاحبانِ ایمان کو بشارت دی گئی ہے کہ اولیاء خدا کے لیے نہ خوف ہے اور نہ حزن۔ یہ صاحبان ایمان و تقویٰ ہیں اور ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ بشارت ہے۔

عزت اللہ کے لیے ہے لہٰذا دشمنوں کے خرافات سے انسان کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا کا شریک قرار دینے والے صرف توہمات کا اتباع کر رہے ہیں اور اندازوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔

خدا ہی نے رات کو سکون کے لیے اور دن کو روشنی کے لیے خلق کیا ہے۔ لوگ اس کے لئے فرزند قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ یہ صرف افترا پردازی ہے اور افترا کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف چند روزہ لذت ہے اس کے بعد بازگشت ہماری ہی بارگاہ میں ہونے والی ہے۔

● آیت ۷۱ سے حقائق کے تذکرہ کے بعد مثالوں کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ عوام الناس حقائق سے زیادہ مثالوں کا ادراک رکھتے ہیں۔

سب سے پہلی مثال قوم نوحؑ کی ہے کہ انھوں نے تبلیغ مذہب کے بعد چیلنج کر دیا کہ اب اپنے شرکاء کو میرے مقابلہ میں لے آؤ اور اپنی طاقت کا اندازہ کر لو۔ میں کوئی اُجرت نہیں چاہتا ہوں صرف دینِ خدا کی تبلیغ چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود قوم نے تکذیب کی تو ہم نے عذاب نازل کر دیا اور سب کو غرق کر دیا۔

اس کے بعد جناب موسیٰؑ اور ہارونؑ کا ذکر آیا کہ انھیں بھی فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن ان لوگوں نے ازراہ غرور معجزہ کو جادو کا نام دے دیا اور مقابلہ کے لیے جادوگر طلب کر لیے۔ موسیٰؑ نے سب کے جادو کو باطل کر دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ خدا مفسدین کے عمل کو درست نہیں ہونے دیتا ہے۔ پھر بھی جناب موسیٰؑ پر تھوڑے سے افراد ہی ایمان لے آئے لیکن انھوں نے سب کو اطمینان دلا دیا کہ خدا پر بھروسہ رکھو وہ قوم ظالمین سے نجات دلانے والا ہے۔

آخر میں جناب موسیٰؑ نے قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے گذارش کی کہ خدایا یہ سب

دولت کا کرشمہ ہے۔ اگر فرعون کی دولت تباہ ہو جائے تو یہ لوگوں کو گمراہ نہ کر سکے گا، تو خدا نے ان کی دعا کو قبول کر لیا اور آخر میں جب فرعون نے ان کا پیچھا کیا تو ہم نے اسے دریا میں غرق کر دیا۔ اُس نے ڈوبتے ڈوبتے فریاد کی تو ہم نے کہا کہ اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ قوم میں فساد برپا کرنے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اس کے بدن کو عبرت کے لیے محفوظ کر لیا تاکہ ایک نشانی باقی رہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو بہترین مقام دے دیا لیکن پھر بھی انھوں نے اختلاف کیا اور اب خدا ہی روز قیامت اس اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ سارے واقعات اس قدر واضح ہیں کہ ان کے بارے میں خود اہل توریت سے بھی سوال کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی ان واقعات سے باخبر ہیں لہذا کسی کو نہ شک کرنے کا حق ہے اور نہ کوئی تکذیب ہی کر سکتا ہے۔

● آیت ۹۸ میں جناب یونسؑ کے قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا جس کی بنا پر اس سورہ کو سورۂ یونس کہا گیا ہے۔ جناب یونس نے قوم کی گمراہی پر عذاب کی خبر دی اور خود یہ منظر نہ دیکھ سکنے کی بنا پر باہر نکل گئے۔ اُدھر ایک عالم نے قوم کو توبہ کی دعوت دی اور ان لوگوں نے توبہ کر لی تو عذاب برطرف ہو گیا۔ اور جناب یونس قوم سے اعراض کی بنا پر شکم ماہی کی آزمائش میں مبتلا ہو گئے اور انھیں بھی استغفار ہی نے نجات دلائی۔ گویا قدرت نے اشارہ کر دیا کہ جس نسخہ سے آپ نے نجات حاصل کر لی ہے وہی قوم کو کیوں نہ تعلیم دے دیا کہ عذاب ٹل جاتا۔ بہرحال ہم نے ان کے استغفار پر عذاب کو برطرف کر دیا اور اسے اپنی سنت قرار دے دیا۔

اب قوموں کا فرض ہے کہ ایمان لے آئیں اور گناہوں سے توبہ کریں اور قوم یونسؑ جیسے حالات کا انتظار نہ کریں، ہم صرف اپنے مرسلین اور صاحبِ ایمان بندوں کو نجات دیتے ہیں کہ یہی ہماری ذمہ داری ہے۔

● آیت ۱۰۴ میں پیغمبرؐ سے خطاب کر کے اتمام حجت کا طریقہ تعلیم کیا گیا:

۱۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمھارے خداؤں کی بندگی نہیں کر سکتا۔ میرا معبود وہ ہے

جس کے قبضہ میں تمہاری بھی موت و حیات ہے اور مجھے اسی نے ایمان کا حکم دیا ہے۔

ب۔ اپنا رُخ صرف دین کی طرف رکھئے، اور مشرکین سے کوئی رابطہ نہ رکھیے۔

ج۔ کسی ایسے کو پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس کا نہ کوئی فائدہ ہے، نہ نقصان۔ اس میں صرف خسارہ ہی خسارہ ہے کہ انسان کا شمار ظالموں میں ہو جاتا ہے۔

د۔ خدا نقصان پہونچانا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا ہے اور خیر دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

ہ۔ کہہ دیجئے کہ لوگو! خدا کی طرف سے حق آچکا ہے۔ اب جو ہدایت حاصل کرلے گا اس کا اپنا فائدہ ہوگا اور جو بہک جائے گا وہ خود ذمہ دار ہوگا، میں کسی کا ذمّہ دار نہیں ہوں۔

و۔ وحی خدا کا اتباع کیجئے، اور صبر کرتے رہیئے یہاں تک کہ خدا کوئی فیصلہ کردے کہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ہود

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے جس میں ۱۲۳ آیات ہیں۔ اس کا نام سورۂ ہود اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں جناب ہودؑ اور ان کی قوم کا تذکرہ پایا جاتا ہے اگرچہ یہ تذکرہ صرف گیارہ آیات میں ہے اور اس کے برخلاف جناب نوحؑ کا تذکرہ اس سے کہیں زیادہ مفصل ہے اور جناب ابراہیمؑ کا تذکرہ بھی قدرے تفصیل کے ساتھ ہے لیکن ان حضرات کے نام کا سورہ موجود تھا لہٰذا یہ سورہ جناب ہودؑ کے نام سے منسوب ہو گیا۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے ایک حسین ترین ارتباط یہ ہے کہ سابق کا سورہ وحیِ خدا کے اتباع پر ختم ہوا ہے اور یہ سورہ قرآن مجید کے فضائل سے شروع ہوا ہے، اور گویا اس وحی کی توضیح ہے جس کے اتباع کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ قرآن مجید ہی ہے جس کی آیتیں محکم بھی ہیں اور مفصل بھی ہیں۔

اس سورہ میں مکی ہونے کے اعتبار سے عقائد کا حصہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے، اور اس میں وجودِ پروردگار، عظمت قرآن، مسئلہ معاد، عاقبت اہل ایمان اور انجام اہل کفر و شرک کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور عقلی دلائل کے بعد واقعات اور قصوں کا بھی حوالہ دیا گیا ہے تاکہ سادہ لوح افراد بھی حقائق کا اندازہ کرسکیں اور منکرین بھی انکار کا کوئی معقول راستہ نہ نکال سکیں اس لیے کہ دنیا میں تجربہ سے بڑی کوئی دلیل نہیں ہوتی ہے۔

ابتدا میں قوم کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد گذشتہ حالات پر استغفار کی دعوت دی گئی ہے۔ اور پھر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ علم خدا اسرار و خفیات سب پر حاوی ہے اور کپڑے

لپیٹ لینے سے انسان خدا کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا ہے۔

● آیت ۶ سے خدائی احسانات کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے :

ا۔ وہ تمام مخلوقات کے رزق کا ذمہ دار ہے اور ہر ایک کی منزل سے باخبر ہے لہذا رزق پہونچا سکتا ہے۔

ب۔ وہ آسمان و زمین کا خالق ہے اور تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے مگر افسوس کہ کفار قیامت کا بلا وجہ انکار کر رہے ہیں۔

ج۔ کفار کی بدبختی یہ ہے کہ عذاب ٹال دیا جاتا ہے تو عجلت کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے ہیں کہ اگر آگیا تو پھر ٹلنے والا نہیں ہے۔

د۔ انسانی مزاج یہ ہے کہ آرام سلب ہو جائے تو مایوس ہو جاتا ہے اور تکلیف کے بعد آرام دے دیا جائے تو اکڑ جاتا ہے۔

● آیت ۱۲ سے پیغمبرؐ کے لیے ہدایات کا تذکرہ کیا گیا ہے :

ا۔ لوگوں کے طعن وطنز آپ کو دل تنگ نہ کرنے پائیں اور آپ اپنے کار تبلیغ و انذار میں مصروف رہیں۔

ب۔ یہ قرآن کو خود ساختہ کہیں تو دس سوروں کا جواب طلب کر لیجئے۔

ج۔ انھیں بتا دیجئے کہ دنیا کے طلبگاروں کو دنیا دے دی جاتی ہے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔

د۔ وہ شخص افترا نہیں کر سکتا ہے جس کے پاس خدائی دلیل ہو اور پھر گواہ بھی ساتھ ہو اور کتاب موسیٰ بھی اس کے بارے میں خبر دے رہی ہو۔

ھ۔ خدا پر افترا کرنے والے سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے اور خدا ان پر لعنت کرتا ہے جو راہ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرتے ہیں۔

و۔ مومن اور غیر مومن کی مثال اندھے اور بینا کی ہے کہ کافر اندھیرے میں چل رہا ہے اور صاحب ایمان نور ایمان کا حامل ہے۔

● آیت ۲۵ سے جناب نوحؑ کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے جو ۲۴ آیات تک جاری

رہتا ہے اور اس میں اہم ترین موضوعات شامل ہیں:

ا۔ جناب نوحؑ نے توحید کا پیغام سنایا تو قوم نے ان کی بشریت کا حوالہ دیا اور ان کے ماننے والوں کو رذیل اور سادہ لوح قرار دیا۔

ب۔ جناب نوحؑ نے کہا کہ نہ میں اُجرت چاہتا ہوں اور نہ میں صاحبانِ ایمان کو دور کر سکتا ہوں کہ نبی ایمان دار کو محفل سے نہیں اُٹھا سکتا ہے۔ میں نہ خزائنِ خدا کا مالک ہوں نہ غیب کا عالم ہوں، نہ ملک ہوں اور نہ تمھاری نگاہ میں پست لوگوں کو لاخیر کہہ سکتا ہوں۔

ج۔ لوگوں نے ان کی باتوں کو افترا قرار دیا اور عذاب کا تقاضا کر دیا۔

د۔ خدا نے جناب نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو لوگ اس کا بھی مذاق اُڑاتے رہے کہ بغیر پانی کے کشتی کہاں چلے گی۔

ہ۔ طوفان آگیا تو سوائے صاحبانِ ایمان کے سب غرق ہو گئے اور صاحبانِ ایمان بھی بہت کم تھے۔

و۔ جناب نوحؑ نے بیٹے کو پکارا، اُس نے پہاڑ کی پناہ لی اور نبی سے دور بھاگنے کی بنا پر غرق ہو گیا۔

ز۔ اس کے بعد طوفان تمام ہو گیا، کشتی کوہ جودی پر ٹھہر گئی اور ظالم فنا ہو گئے۔

ح۔ نوحؑ نے اپنے فرزند کو اہل قرار دیا تو خدا نے اس کے عمل کی بنا پر نااہل قرار دے دیا، اور جناب نوحؑ کو ایسے افراد کے بارے میں سوال کرنے سے روک دیا۔

ط۔ جناب نوحؑ کو سلامتی اور برکت حاصل ہو گئی اور ان کے ساتھ رہنے والی قوم بھی ان برکتوں کی حقدار ہو گئی۔

● آیت ۵۰ سے جناب ہود کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ انھوں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی، اپنے لیے اُجرت کی نفی کی، قوم کو استغفار اور اس کے برکات سے آگاہ کیا۔

ب۔ قوم نے کہا کہ تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور ہم آبائی مذہب کو چھوڑ نہیں سکتے ہیں۔ ہمارے خداؤں نے آپ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔

ج۔ جناب ہودؑ نے شرک سے بیزاری کا اعلان کیا اور اپنے کو راہ راست پر ثابت کیا اور خدا پر توکل کو اپنا سہارا قرار دیا۔

د۔ نتیجہ کے طور پر عذاب آگیا اور صاحبانِ ایمان کے علاوہ کوئی نہ بچا۔ اس قوم نے آیاتِ خدا کی تکذیب کی تو دنیا و آخرت میں لعنت کی حقدار ہوگئی۔

● آیت ۶۱ سے جناب صالحؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ:

ا۔ انھیں قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا، انھوں نے توحید کی دعوت دی تخلیق کا حوالہ دیا اور استغفار کا مطالبہ کیا۔ لیکن قوم نے ازراہِ جہالت یہ کہہ دیا کہ آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں اور آپ نے بہت مایوس کیا۔ آپ تو ہمارے باپ دادا کے مذہب کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

ب۔ جناب صالحؑ نے معجزات کا حوالہ دیا اور تنبیہ کی کہ معصیتِ خدا میں عذابِ خدا سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا ہے، پھر ناقہ کو بطور معجزہ پیش کیا۔

ج۔ قوم نے اسے بھی مجروح کر دیا تو تین دن کی مہلت توبہ کے بعد عذاب نازل ہوگیا اور صاحبانِ ایمان کے علاوہ کوئی نہ بچا۔

د۔ یہ عذاب بھی ایک چنگھاڑ کی شکل میں تھا جس نے پوری قوم کو تباہ کر دیا اور اس طرح ایک شخص کا جرم پوری قوم کو لے ڈوبا کہ لوگوں نے اسے منع نہیں کیا تھا۔

● آیت ۶۹ سے جناب ابراہیمؑ اور جناب لوطؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے:

ا۔ ابراہیمؑ کے پاس فرشتے آئے، انھوں نے ضیافت کی۔ فرشتوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور قوم لوطؑ پر عذاب کا حوالہ دیا۔

ب۔ اس مہمان نوازی پر پروردگار نے جناب ابراہیمؑ کی زوجہ کو اسحاق کی بشارت دی اور اس کے بعد یعقوب جیسا فرزند عنایت کرنے کا وعدہ کیا۔

ج۔ زوجہ ابراہیمؑ نے تعجب کیا۔ فرشتوں نے کہا کہ قدرتِ خدا سے کوئی شے بعید نہیں ہے۔ اہلبیت بہرحال مستحق رحمت و برکات ہیں۔

د۔ قوم لوطؑ نے خوب صورت فرشتوں کو دیکھا تو ان کی طرف بھی دوڑ پڑے۔ نبی خدا

نے روکا مگر قوم نے سننے سے انکار کر دیا۔

ہ۔ فرشتوں نے لوطؑ کو اطمینان دلایا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ کل صبح عذاب نازل ہو جائے گا اور صبح ہوتے ہی طبقہ اُلٹ گیا اور آسمانوں سے پتھروں کی بارش ہو گئی۔

● آیت ۸۴ سے مدین کی طرف جناب شعیبؑ کی بعثت کا ذکر شروع کیا گیا:

ا۔ جناب شعیبؑ نے عبادت الٰہی کے ساتھ ناپ تول کو برابر رکھنے کی دعوت دی۔

ب۔ قوم نے نماز کا مذاق اُڑایا کہ شاید یہی بزرگوں کے طریقہ سے انحراف کی دعوت دیتی ہے۔

ج۔ جناب شعیبؑ نے معجزہ کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ میں اصلاح چاہتا ہوں اور خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ خبردار میری مخالفت تمھیں عذاب کا حقدار نہ بنا دے۔ توبہ و استغفار کرو کہ خدا بہت مہربان ہے۔

د۔ قوم نے انھیں کمزور قرار دیا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی کہ صرف قبیلہ کے احترام میں معاف کر دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا قبیلہ خدا سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟ یہ انتہائی افسوس ناک انداز فکر ہے۔

ہ۔ اس نالائقی پر عذاب نازل ہو گیا تو صاحبانِ ایمان کے علاوہ کوئی محفوظ نہ رہ سکا۔ ظالموں کو ایک صدائے آسمانی نے تباہ و برباد کر دیا۔

● آیت ۹۶ سے جناب موسیٰؑ کی داستان شروع ہوتی ہے کہ قوم یہود کو ہوش میں لانے کا یہ واحد ذریعہ ہے:

ا۔ موسیٰؑ دلائل اور معجزات لے کر فرعون اور قوم کی طرف آئے لیکن قوم نے فرعون ہی کا اتباع کیا جو دلیل گمراہی ہے۔

ب۔ اس گمراہی کی سزا قیامت میں جہنم ہے اور دنیا میں لعنت ابدی ہے اور یہ بھی اس کے اپنے کیے کی سزا ہے ہمارا ظلم نہیں ہے۔

ج۔ یہ ایک قانون عام ہے کہ شقی اور بدبخت لوگوں کا انجام جہنم ہوتا ہے۔ اور نیک بخت افراد کے لیے جنت النعیم ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہے کہ عطاء الٰہی منقطع ہونے

والی نہیں ہے۔

د۔ قوم نے کتاب موسیٰؑ میں اختلاف کیا کہ اگر وقت معین نہ ہوتا تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔ لہٰذا ظالموں کی طرف رجحان سے پرہیز کرنا چاہیے۔

● آیت ۱۱۲ سے گذشتہ تمام تذکروں سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور عذاب الٰہی سے بچنے کا راستہ بتایا گیا ہے:

ا۔ صبح و شام اور رات میں نماز قائم کرو کہ نیکیوں ہی سے برائیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

ب۔ صبر سے کام لو کہ نیک کرداروں کا اجر ضائع نہیں ہوتا ہے۔

ج۔ سابق امتوں نے امر بالمعروف نہیں کیا تو ہلاک ہو گئیں، تو اب تم اس ہلاکت سے عبرت حاصل کرو اور یاد رکھو کہ خدا مصلح افراد کو ہلاک نہیں کرتا ہے۔

د۔ خدا جبراً راہ راست پر نہیں لانا چاہتا لیکن اس کی رحمت اختلاف سے بچا لیتی ہے، لہٰذا تم بھی دوسروں پر مہربانی کرو کہ تمہاری خلقت بھی رحمت کے لیے ہوئی ہے۔

ھ۔ پروردگار کا فیصلہ ہے کہ منحرف افراد سے جہنم کو بھر دے گا، چاہے وہ انسانوں میں ہوں یا جنات میں۔

● آیت ۱۲۰ سے پیغمبر اسلامؐ کے اطمینان کا سامان فراہم کیا گیا ہے:

ا۔ ہم گذشتہ واقعات سے تمہارے دل کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں اور یہ قرآن حق، موعظہ اور صاحبانِ ایمان کے لیے یاد دہانی کا بہترین سامان ہے۔

ب۔ آپ بے ایمانوں سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ عمل کرو، ہم اپنی جگہ عمل کر رہے ہیں۔ اس کے بعد دونوں انجام کا انتظار کریں۔

ج۔ آسمان و زمین کا غیب اللہ کے لیے ہے اور اسی کی طرف سب کی بازگشت ہے۔ اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ رکھو کہ پروردگار لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ یوسف

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۱۱ آیات ہیں جن میں سے مکمل ۱۰۰ آیات جناب یوسفؑ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور گیارہ آیات میں اس کا نتیجہ اور اس سے عبرت حاصل کرنے کا سلیقہ بیان کیا گیا ہے۔

اس سورہ میں قصۂ جناب یوسفؑ کو احسن القصص کہا گیا ہے کہ اس میں مختلف نکات و امتیازات پائے جاتے ہیں:

۱۔ اس سورہ میں ایک نبی خدا کی مکمل زندگی کا تذکرہ اور اس کے تمام نشیب و فراز بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ اس سورہ میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ جنسی آزمائش پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

۳۔ اس سورہ میں مکی ہونے کے باوجود عمومی مکی سوروں سے الگ انداز اختیار کیا گیا ہے۔

۴۔ اس سورہ میں نبی کی قوم سے زیادہ نبی کی اپنی زندگی پر زور دیا گیا ہے۔

۵۔ اس سورہ میں مذہب کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

ابتدا جناب یوسفؑ کے خواب سے ہوتی ہے کہ انھوں نے چاند، سورج اور گیارہ ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا اور جناب یعقوبؑ سے بیان کیا تو انھوں نے ایک روشن مستقبل کی تعبیر دیتے ہوئے بھائیوں سے بیان نہ کرنے کا حکم دیا کہ انسانیت

روز اول سے حسد کے ہاتھوں تباہ ہوئی ہے۔

اس کے بعد بھائیوں کے حسد کا اشارہ دیا گیا ہے کہ انھوں نے جناب یعقوبؑ پر محبوبیت یوسفؑ کے سلسلہ میں اعتراض کرتے ہوئے یوسفؑ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا اور تفریح کے بہانے انھیں لے جا کر کنویں میں ڈال دیا اور باپ کو بھیڑیا کے آنے اور یوسف کو پھاڑ کھانے کی خبر سنا دی۔ جناب یعقوبؑ نے ان کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے اپنے صبر جمیل کا حوالہ دیا اور اس طرح حسد کی کارستانی، حاسدوں کی غلط بیانی، نبی خدا کے سلسلے میں بے اعتمادی اور نبی خدا کے صبر جمیل کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

اس کے بعد اُدھر سے قافلہ کا گذر ہوا۔ اس نے کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو یوسفؑ نکل آئے اور انھیں بازار میں بیچ دیا۔ بادشاہ مصر نے خرید لیا اور وہ قصر شاہی تک پہونچ گئے۔ زوجہ شاہ نے یوسف کو بہکانا چاہا اور تمام اسباب فراہم کر دیے لیکن یوسف نے اپنے خدا کا حوالہ دے کر اپنے کردار کو بچا لیا۔ جس اقدام میں کرتے کا دامن پیچھے سے پھٹ گیا اور وہی یوسفؑ کی عصمت کی دلیل بن گیا جس کا اظہار ایک گہوارہ کے [illegible] نے کیا۔

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا جسے بچانا چاہتا ہے اُسے کوئی ڈبو نہیں سکتا ہے اور خدا چاہے تو ہلاکت کی راہ پر جانے والے کو قصر شاہی تک پہونچا سکتا ہے اور پھر قصر شاہی میں بھی بندۂ مخلص کو وہاں کے ماحول سے محفوظ رکھتا ہے بشرطیکہ ایمان و اخلاص کامل ہو۔

بندۂ مخلص پر الزام لگایا جائے تو خدا گہوارے کے بچہ سے بھی گواہی دلوا سکتا ہے اور اپنے بندہ کو بدنامی سے بچا سکتا ہے۔

اُدھر مصر کی عورتوں نے زوجہ عزیز مصر پر طنز کیا کہ ایک جوان کی محبت میں دیوانہ ہو گئی اور اس نے سب کی دعوت کر دی اور ایک ایک پھل اور چھری دے دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف کے گذرتے ہی سب نے بدحواسی میں ہاتھ کاٹ لیے اور یہ عظمت یوسفؑ کا دوسرا ثبوت تھا۔ لیکن اس کے باوجود زلیخا نے رائے عامہ کو یوسفؑ کے خلاف کرنے کے لیے انھیں قید میں ڈال دیا تاکہ خود کو بے گناہ ثابت کر سکے لیکن یوسفؑ اس پر بھی مطمئن

نظر آئے کہ پریشانی گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ عصمت کے ثبوت کے بعد قید میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

اُدھر قید میں دو قیدیوں نے خواب دیکھے اور یوسفؑ سے تعبیر کا سوال کیا۔ انھوں نے تعبیر سے پہلے توحید کی تبلیغ کی اور پھر تعبیر بیان کی کہ ایک سولی پر لٹکایا جائے گا اور دوسرا دربار تک پہونچ جائے گا' اور ایسا ہی ہوا۔

ادھر عزیز مصر نے بھی ایک خواب پریشان دیکھ لیا اور جب کوئی تعبیر نہ مل سکی تو قید سے رہا ہو کر دربار تک پہونچنے والے نے یوسف کا حوالہ دیا اور انھیں طلب کر لیا گیا۔ انھوں نے مکمل تعبیر بتا دی تو انھیں رہا کر کے وزیر خزانہ بنا دیا گیا کہ ان کی تعبیر میں غلّہ کی حفاظت کا جدید ترین اصول شامل تھا اور ایسے اصولوں سے باخبر ہونا وزیر خزانہ کے لیے بے حد ضروری تھا۔

اس طرح پروردگار نے یوسفؑ کی عصمت کا اظہار بھی کر دیا اور انھیں دوبارہ قصر شاہی تک پہونچا دیا بلکہ عہدہ دار بھی بنا دیا۔

اس کے بعد مصر میں قحط پڑا تو برادرانِ یوسف غلّہ کی تلاش میں بادشاہ کے پاس آئے۔ جناب یوسفؑ نے غلّہ دے دیا لیکن دوبارہ غلّہ دینے کے لیے اپنے بھائی کو ساتھ لانے کی تاکید کر دی جو جناب یوسف کا حقیقی بھائی تھا اور برادرانِ یوسفؑ کو اس شرط کا مفہوم معلوم نہیں تھا' اس لیے کہ انھوں نے یوسف کو نہیں پہچانا تھا۔

برادران یوسف نے جناب یعقوب سے اس شرط کا ذکر کیا۔ انھوں نے یوسف کے ساتھ خیانت کا حوالہ دیا اور بالآخر مجبوراً اجازت دے دی۔ جناب یوسف نے غلّہ تو دے دیا لیکن ایک بہانہ سے بھائی کو روک لیا۔ برادرانِ یوسف پلٹ کر آئے تو جناب یعقوب نے سرزنش کرتے ہوئے پھر صبر جمیل کا حوالہ دیا اور فراقِ فرزند میں بے حد گریہ کیا کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اور فرزندوں سے کہا کہ جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کو تلاش کرو۔ وہ لوگ آئے اور جناب یوسف سے دردِ دل بیان کیا۔ انھوں نے پُرانے مظالم کا حوالہ دیا۔ بھائیوں نے یوسف کو پہچان لیا اور خطا کا اقرار کر لیا۔ تو جناب یوسفؑ نے معاف کرتے ہوئے فرمایا

کہ میرا یہ سارا عروج میرے صبر اور تقویٰ کی بنیاد پر ہے کہ خدا نیک کرداروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔
یہ کہہ کر قافلہ کو واپس کیا اور اپنی قمیص دے دی تاکہ جناب یعقوب مطمئن ہو جائیں۔ اُدھر قافلہ چلا، اِدھر یعقوبؑ نے خوشبوئے یوسف کا احساس کیا۔ یہاں تک کہ بشیر نے قمیص کو لا کر جناب یعقوبؑ کے رُخ پر ڈال دیا اور ان کی بصارت پلٹ آئی، اور اب یعقوبؑ نے بھی مصر کا ارادہ کر لیا۔ اور جب وارد مصر ہوئے تو جناب یوسفؑ نے استقبال کیا اور ماں باپ کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور بھائیوں نے سجدہ میں سر رکھ دیا، اور جناب یوسفؑ نے کہا کہ بابا یہ ہے میرے خواب کی تعبیر کہ اس نے مجھے یہ رتبہ عنایت فرمایا ہے اور قید خانہ سے نکال کر اس بلند مقام تک پہونچا دیا ہے۔
اس کے بعد شکر خدا میں مصروف ہو گئے کہ اس نے ملک عنایت کیا ہے، تاویل کا علم دیا ہے، اور یہ دعا کی کہ خدایا دنیا و آخرت میں تو ہی میرا والی و وارث ہے، لہٰذا دنیا سے اطاعت گذار اٹھانا اور آخرت میں نیک کرداروں سے ملحق کر دینا۔

● اس پورے واقعہ کے بعد پیغمبر اسلامؐ سے خطاب کیا جاتا ہے کہ یہ سب واقعات ہم نے بذریعہ وحی بیان کیے ہیں ورنہ آپ اس وقت نہ تھے اور اس واقعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان لاکھ چاہے سب مومن نہیں ہو سکتے ہیں۔ اکثریت آیات الٰہیہ کو صبح و شام دیکھنے کے بعد بھی گذر جاتی ہے اور شرک ہی رہ جاتی ہے ــــ تو انھیں بتا دیجئے کہ انھیں عذاب الٰہی سے کون بچا سکتا ہے اور قیامت اچانک آجائے تو یہ کیا کر سکتے ہیں۔
آپ صاف کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف بصیرت کے ساتھ میں اور میرا اتباع کرنے والے دعوت دیتے ہیں۔ آپ کی تکذیب کوئی نیا حادثہ نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور جب ہمارے مرسلین ناامید ہونے لگے ہیں تو ہم نے ان کی مدد کر دی ہے اور جسے چاہا ہے بچا لیا ہے اور باقی کو تباہ کر دیا ہے۔ ان واقعات میں سامانِ عبرت پایا جاتا ہے، یہ کوئی افترا نہیں ہے۔ سابق کے صحیفوں کی تصدیق ہے اور ہر شے کی تفصیل ہے اور صاحبانِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ رعد

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں کل ۴۳ آیات ہیں۔

اس سورہ کا آغاز اس منزل سے ہوتا ہے جہاں سورۂ یوسف کا اختتام ہوا تھا۔ سورۂ یوسف کے اختتام پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ پورا قصۂ یوسف ایک وحی الٰہی ہے اور یہ وحی سابق صحف کی مصدق اور تفصیل و ہدایت و رحمت ہے، اور اس سورہ کے آغاز میں پھر یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ سب کتابِ خدا کی آیات ہیں اور کتابِ خدا تنزیلِ خدا ہے اور سراپا برحق ہے۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس سورہ میں بھی وجود پروردگار، مسئلہ قیامت، تنزیل الٰہی، مدح صاحبان ایمان اور مذمت منکرین کو موضوع بنایا گیا ہے اور بار بار اشارۃً رسالت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں بالکل صاف چیلنج کر دیا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ رسالت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں تو ان کے سامنے خدا اور صاحب علم کتاب کی گواہی پیش کر دو۔ یہ ان گواہیوں کو رد بھی نہ کر سکیں گے اور اپنے انکار پر کوئی گواہ اور ثبوت بھی نہ لا سکیں گے۔

ابتدا میں پروردگار کے حسب ذیل کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔ اس نے آسمانوں کو کسی ستون یا قابل مشاہدہ ستون کے بغیر قائم کر دیا ہے۔

ب۔ اس نے چاند، سورج کو مسخر کر دیا ہے کہ ایک مخصوص نظام کے تحت چل رہے ہیں۔

ج۔ اس نے زمین کو پھیلا کر اس میں پہاڑ نصب کر دیے ہیں اور سخت ترین پتھروں سے نہریں جاری کر دی ہیں اور پھر ہر پھل کا جوڑا بنا دیا ہے۔

د۔ اس نے زمین کے مختلف حصے قرار دیے ہیں اور اس میں طرح طرح کے باغات

پیدا کر دیے ہیں جہاں ایک پانی سے مختلف قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فوراً منکرین معاد و رسالت کا ذکر کر دیا گیا کہ ان تمام کمالات اور آثار کو دیکھنے کے بعد بھی یہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ کس قدر تعجب خیز بات ہے۔ پھر یہ عذاب میں جلدی کر رہے ہیں حالانکہ اس استہزار کا انجام بہت بُرا ہے اور ان کے سامنے گذشتہ امتوں کی مثال موجود ہے۔ یہ جدید ترین معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ پوری کائنات اس کی قدرت کی نشانی ہے اور آپ کا کام صرف خوف خدا پیدا کرانا ہے اور بس! ۔ آیات و معجزات پروردگار کا کام ہے اور وہ اس کے مناسب وقت کو خوب جانتا ہے۔

اس کے بعد پھر سابق موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ا۔ وہ ہر حمل کے آغاز و انجام کو جانتا ہے اور اس کی کمی و زیادتی سے بھی باخبر ہے۔

ب۔ وہ ہر ظاہر و غائب کا جاننے والا ہے۔ کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ہو سکتی ہے، چاہے دن میں ہو یا رات کی تاریکی میں۔

ج۔ اس کے پاس ملائکہ اور غیبی طاقتوں کا ایک لشکر ہے جس کے ذریعہ کائنات کا تحفظ کرتا ہے اور کسی کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتا ہے جب تک وہ خود تبدیلی نہ پیدا کرلے۔

د۔ اس نے بجلیوں کی چمک کو پیدا کیا ہے اور بادلوں کے کاندھے پر پانی کا بوجھ لاد دیا ہے۔

ھ۔ رعد اور ملائکہ سب اسی کی حمد کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے۔

و۔ ارض و سما کی تمام مخلوقات اس کے حکم کے سامنے سربسجود ہیں۔

ز۔ اس کے علاوہ دوسرے خدا اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں۔ دوسروں کو کیا فائدہ یا نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

ح۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کر کے اس میں جھاگ پیدا کر دیا ہے اور یہی

جاگ آگ پر تپائی جانے والی دھات میں بھی پیدا کر دیا ہے۔ اس کے بعد جاگ کو فنا کر دیتا ہے اور مفید اشیاء کو باقی رکھتا ہے کہ بالا بالا رہنا افادیت کی علامت نہیں ہے۔

ان تمام آثار و کرامات کے تذکرہ کے بعد پھر انسان کو متوجہ کیا گیا کہ سارا خیر اس کی دعوت قبول کرنے میں ہے اور اس کے علاوہ قیامت میں کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ جو لوگ اس کی تنزیل کو برحق نہیں سمجھتے ہیں وہ درحقیقت اندھے ہیں۔

صاحبانِ عقل عہد الٰہی سے وفا کرتے ہیں اور اس کے پیمان کو توڑتے نہیں ہیں۔

ان کے دل میں حساب آخرت کا خوف رہتا ہے۔ انجام بخیر صرف ان لوگوں کا ہے جو راہ خدا میں صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، راہ خدا میں خفیہ یا علانیہ انفاق کرتے ہیں اور اپنی نیکیوں کے ذریعہ برائیوں کو دفع کرتے ہیں۔

ان کے واسطے جنتیں ہیں جن میں ان کے نیک کردار آباء و اجداد اور ازواج و ذرّیات سب ہوں گے اور ملائکہ سلام عرض کریں گے۔ اس کے برخلاف عہد الٰہی کے توڑنے والوں اور فساد فی الارض کرنے والوں کے لیے آتش جہنم ہے۔

رزق، خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کے زیادہ مل جانے پر اکڑنے کا کوئی جواز ہے۔

ہدایت یافتہ صاحبانِ ایمان ہیں جن کے دل یادِ خدا سے مطمئن ہیں کہ یادِ خدا ہی اطمینانِ قلب کا واحد ذریعہ ہے۔

● آیت ۳۱ سے قرآن مجید کی عظمت کا اعلان کیا گیا ہے کہ جس قسم کے قرآن پر ایمان لانا چاہتے ہیں وہ تمام خوبیاں اس قرآن میں موجود ہیں۔ اس سے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے چلایا جا سکتا ہے۔ اس سے زمین کے فاصلے طے کیے جا سکتے ہیں اور اس سے مُردوں سے کلام کیا جا سکتا ہے۔

یہ قرآن عربی زبان ہی میں نازل ہوا ہے، اس کے نازل ہو جانے کے بعد لوگوں کی خواہشات کا اتباع کہیں کام آنے والا نہیں ہے۔

معجزات سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ مرسلین ان کا اظہار اذن خدا ہی سے کرتے ہیں اللہ

منکرین کا انجام بہر حال بُرا ہونے والا ہے۔ چاہے جلدی ہو یا دیر میں۔ اِن کے پہلے والے بھی بہت مکر کر چکے ہیں لیکن کوئی مکر کام آنے والا نہیں ہے۔

● آیت ۴۳ میں صریحی طور پر کفار کے انکار رسالت کا ذکر کیا گیا اور اس کے مقابلہ میں دو گواہ پیش کیے گئے ہیں، خدا اور صاحب علم کتاب۔ اس لیے کہ رسالت کا دارومدار دو ہی چیزوں پر ہے۔ ایک بھیجنے والا خدا ہو اور دوسرے وہ پیغام ہو جس نے اس کو رسول اور پیغامبر قرار دیا ہے۔ خدا کا کام یہ ہے کہ اس کے ارسال کرنے کی گواہی دے۔ اور صاحب علم کتاب کا کام یہ ہے کہ اس کی کتاب کے برحق ہونے کا اثبات کرے۔

خدا اپنا کام معجزات کے ذریعہ انجام دے سکتا ہے لیکن کتاب کی تصدیق تو پیغمبر ہی کی زبان سے کرے گا اور یہ نالائق افراد پیغمبر کی بات نہیں ماننا چاہتے ہیں۔ لہذا ضرورت ہے کہ پیغمبر کے علاوہ ایک صاحب علم کتاب رکھا جائے جو اپنے علم کے زور پر کتاب کو خدائی کتاب ثابت کرے اور وہ مدعی کے علاوہ ہو، ورنہ مدعی اور گواہ کا ایک ہونا ہی دشمن کی نظر میں مقدمہ کو کمزور بنانے کا بہترین ذریعہ ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ابراہیم

اس سورۂ مبارکہ میں ۵۲ آیات ہیں اور یہ بھی مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اس کی ابتدا اسی منزل سے ہوئی ہے جہاں سورۂ رعد کا اختتام ہوا تھا۔ سورۂ رعد کی آخری آیت میں رسالت کی گواہی کے لیے پروردگار اور صاحب علم کتاب کا ذکر ہوا تھا تو اس سورہ کا آغاز اسی کتاب کی توصیف سے ہوا ہے کہ اس کا نزول عالم انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لانے کے لیے ہوا ہے اور یہ نور خدائے عزیز وحمید کا راستہ ہے جس کے اختیار میں کل کائنات ہے اور جس کے منکرین کے لیے عذاب شدید مہیا کیا گیا ہے۔

اس سورہ کا نام جناب ابراہیمؑ کے نام پر رکھا گیا ہے کہ اس میں ان کے تذکرہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اگرچہ دیگر انبیاء کرام کا تذکرہ بھی ہے اور تمام مکی سوروں کی طرح صفات خداوندی، مسئلہ معاد، رسالت، قرآن اور مومنین و کفار کا تذکرہ بھی نمایاں انداز سے نظر آتا ہے۔

ابتدا میں حمد الٰہی کے بعد ان لوگوں پر تبصرہ کیا گیا ہے جنھوں نے آخرت کا انکار کر دیا ہے اور راہِ خدا سے انحراف کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد تمام مرسلین کے مقصد بعثت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ان سب کا منشا عالم انسانیت کو ہدایت کے راستہ پر لگا دینا ہے۔ جس کی واضح ترین مثال جناب موسیٰؑ کا کردار ہے کہ ہم نے انھیں اسی مقصد کے لیے بھیجا اور انھوں نے بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں اور اس کے احسانات یاد دلائے اور عذابِ خدا سے ڈرایا اور خدا کی طرف سے شکر نعمت پر اضافہ کا وعدہ کیا اور کفرانِ نعمت پر سزا کا اعلان کیا اور اپنے سے پہلے قوم نوح و عاد و ثمود کا انجام بھی یاد دلایا کہ انبیاء کرام نے انھیں راہ خدا کی طرف بلایا اور ان لوگوں نے کوئی اعتنا نہیں کی جس کی بنا پر اس نے عذاب کا ارادہ کر لیا اور جناب موسیٰؑ نے قوم کو توکل کی

دعوت دی اور سمجھایا کہ توکل سے بڑا سہارا کوئی نہیں ہے اور اسی سہارے سارے بندگان خدا نے قیام کیا ہے لیکن کفار نے صاف کہہ دیا کہ ہم تمھیں علاقہ سے نکال باہر کریں گے اور خدا نے کھل کر اعلان کر دیا کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور آپ کے خاص افراد کو زمین کا وارث بنا دیں گے۔

کفار کے اعمال روز قیامت یوں ہی ضائع اور برباد ہو جائیں گے جیسے تیز و تند ہواؤں میں راکھ اُڑ جاتی ہے۔ کفر کی آندھیاں اعمال کو یوں برباد کر دیتی ہیں کہ ان کا نام و نشان بھی نہیں رہ جاتا ہے۔

● آیت ۱۹ سے اسلام کے دوسرے بنیادی عقیدہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جس خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے وہ انھیں فنا کر کے دوسری کائنات بھی ایجاد کر سکتا ہے۔ یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

اس وقت سب خدا کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں کا سہارا ڈھونڈھیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے، تم نے ہماری بات کیوں مانی تھی؟ اب اپنی حماقت پر اپنی ملامت کرو اور ہمیں ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔

اس کے بعد اہل ایمان و کردار کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا تاکہ سب کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ مل جائے۔

حقائق کی تشریح کے بعد مثالوں کا مرحلہ شروع ہوا ہے کہ کلمۂ طیبہ کی مثال اس شجرۂ طیبہ کی ہے جس کی اصل ثابت ہے، فرع آسمان میں ہے اور ہر فصل میں پھل حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کے برخلاف کلمۂ کفر، کلمۂ خبیثہ ہے اور اس کی مثال اس درخت کی ہے جس کی نہ اصل ہو نہ اساس۔

نعمت خدا کا انکار کرنے والے اور اس میں تبدیلی پیدا کرنے والے افراد کا انجام جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے۔

ان حقائق اور مثالوں کے بعد صاحبان ایمان کو نماز قائم کرنے اور مختلف انداز سے خیرات کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ قیامت کے دن کوئی دوستی یا کاروبار کام آنے والا

نہیں ہے۔

● آیت ۳۲ سے پھر درس معرفت کا آغاز ہو جاتا ہے کہ خدا ہی نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، پھر آسمان سے پانی برسا کر مختلف پھل پیدا کیے ہیں، دریاؤں میں کشتیاں چلائی ہیں، نہروں کو مسخر کر دیا ہے، آفتاب و ماہتاب، روز و شب سب کو مسخر کر دیا ہے اور اتنی نعمتیں عطا کر دی ہیں جن کا حساب ناممکن ہے۔

● آیت ۳۵ سے جناب ابراہیمؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے نام سے یہ سورہ موسوم ہے اور ان کے بیانات میں سارا زور اپنی اولاد کی ہدایت پر ہے کہ انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری اولاد کی تربیت ہے اور یہ کام امداد پروردگار کے بغیر ناممکن ہے۔ لہذا اوّلاً خلیل خدا نے سابقہ تمام بیانات کے اعتماد پر خدا سے التماس کی کہ جب رب العالمین خدائے وحدہٗ لاشریک تو ہی ہے تو اب مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھنا اور اس شہر کو مامون و محفوظ بنا دینا۔ بتوں نے انسانی اکثریت کو گمراہ کر دیا ہے، بت پرستوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میں نے اپنی ذریت کو ایک ناقابل زراعت علاقہ میں ساکن کر دیا ہے تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہذا خدایا لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دینا اور انھیں پھلوں کا رزق عنایت فرمانا۔ تو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور تجھ سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

شکر ہے اس خدا کا جس نے ضعیفی میں اسماعیل و اسحاق جیسی اولاد عنایت کی اور میری دعا کو قبول فرما لیا۔ خدایا! اب مجھے اور میری ذریت کو نماز قائم کرنے والوں میں قرار دیدے کہ تو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ مجھے اور میرے والدین کو اور تمام اہل ایمان کو روز قیامت بخش دینا۔

● آیت ۴۲ سے ایک نیا تذکرہ شروع ہوتا ہے جس سے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ جب کفار دشمنان خدا ہیں اور بت پرست خلیل خدا کے الفاظ میں بدترین افراد ہیں تو دنیا میں ان کا جاہ و جلال کیوں دیکھنے میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ خبردار خدا کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھ لینا۔ وہ فقط انھیں

مہلت دے رہا ہے۔ اس دن کے لیے جب آنکھیں پتھرا جائیں گی اور دل دہشت سے ہوا ہو جائیں گے۔ اُس دن کفار مہلت مانگیں گے تاکہ رسولوں کا اتباع کر لیں اور دعوت الٰہی کو قبول کر لیں، تو جواب ملے گا کہ تم اس سے پہلے بھی ایسی باتیں کر چکے ہو۔ اب تمہارا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ تم نے پہلے والی قوموں کے انجام کار سے عبرت کیوں نہیں حاصل کی۔ خدا رسولوں سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف نہیں کر سکتا ہے، وہ انتقام ضرور لے گا۔ اس دن جب زمین و آسمان دوسرے زمین و آسمان میں تبدیل ہو جائیں گے اور مجرمین گرفتار کر کے پیش کیے جائیں گے۔ ان کے لباس قطران کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ سے ڈھکے ہوں گے۔ خدا ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا اور وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ یہ قرآن ایک خدائی پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرایا جائے اور یہ احساس دلایا جائے کہ خدا واقعاً ایک ہے اور اس طرح صاحبانِ عقل عبرت حاصل کر سکیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ حجر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۹۹ آیات ہیں۔

اس کا نام حجر اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک مخصوص قوم اصحاب حجر کا تذکرہ ہے جسے اس کے انکار و تکذیب کی بنا پر تباہ و برباد کر دیا گیا اور عالم انسانیت کو ہوشیار کر دیا گیا کہ عذاب الٰہی کے آجانے کے بعد نہ دولت کام آسکتی ہے اور نہ اقتدار و امارت۔

اس کا آغاز بھی گذشتہ سورہ کے اختتام سے ہوا ہے کہ اُس سورہ کا اختتام قرآن مجید کے پیغام الٰہی اور وسیلہ انذار ہونے پر ہوا تھا اور اس کا آغاز اس بیان سے ہوا ہے کہ یہ سب کتاب خدا اور قرآن مبین کی آیات ہیں۔ اور پھر کفار کی حسرت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایک دن انھیں بھی آرزو کرنا پڑے گی کہ کاش ہم نے بھی اسلام اختیار کر لیا ہوتا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ انسانی زندگی کی تباہی کا راز لذیذ کھانے، راحت و آرام اور امیدوں اور آرزوؤں میں پوشیدہ ہے۔ خدا نے کسی قوم کو بلا سبب ہلاک نہیں کیا ہے، سب کی ہلاکت اُس کے کردار کی بنا پر مقدر ہو چکی تھی۔

آج بھی یہ لوگ قرآن مجید کو سُننے کے بعد پیغمبر کو دیوانہ قرار دے رہے ہیں اور ملائکہ کے نزول کا مطالبہ کر رہے ہیں، حالانکہ ملائکہ نازل ہو گئے ہوتے تو پھر مہلت کا کوئی امکان نہیں تھا۔

● آیت ۱ سے ۹ عظمت قرآن مجید اور سلوک امم کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے کہ ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہمیں اس کے محافظ ہیں۔ ان لوگوں کا کام صرف رسولوں کا استہزا کرنا ہے اور یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے بھی

کھول دیے جائیں تو یہ بلند ہوتے ہوئے یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر نشہ سوار ہے یا جادو کردیا گیا ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ چاند پر جانے والے پہلے انسان نے اپنے سفر کی روداد انھیں لفظوں میں بیان کی تھی کہ اب ہماری آنکھیں نشیلی ہوتی جارہی ہیں اور اب ہمیں صرف ایک جادو کا احساس ہو رہا ہے۔ (صدق اللہ العلی العظیم)

● آیت ۱۶ سے خدائی احسانات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ ہم نے آسمان میں بروج قائم کیے ہیں اور انھیں حسین بنا دیا ہے اور شیاطین کے شر سے محفوظ رکھا ہے اور ان کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام کر رکھا ہے۔

ب۔ ہم نے ہی زمین کا فرش بچھایا ہے، اس میں پہاڑ راسخ کیے ہیں اور مختلف چیزیں اگائی ہیں جن کا وزن معین ہے اور وہ سب کے لیے رزق کا سہارا ہیں۔

ج۔ ہم نے ہی ہواؤں کو زمادہ کے ملانے کا ذریعہ بنایا ہے اور آسمان سے پانی برسا کر سب کی سیرابی کا انتظام کیا ہے۔

اور آخر میں اس تذکرہ کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ موت وحیات ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم اول و آخر سب سے باخبر ہیں اور سب کو ایک دن جمع کرنے والے ہیں۔

د۔ ہم نے انسان کو مٹی اور جنات کو آگ سے پیدا کیا ہے اور جو ایسی قدرت رکھتا ہے اس کے لیے قیامت کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

● آیت ۲۸ سے جناب آدمؑ کی تاریخ شروع ہوتی ہے:

ا۔ پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ ہم مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والے ہیں اور جب اس کے پیکر میں اپنی روح کمالات پھونک دیں تو تم سب سجدہ میں گر پڑنا۔

ب۔ ملائکہ نے سجدہ کرلیا اور ابلیس نے انکار کردیا تو خدا نے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے کہا کہ میں مٹی کی مخلوق کو سجدہ نہیں کرسکتا۔

ج۔ پروردگار نے اسے ملعون قرار دے کر اپنی بارگاہ سے نکال باہر کردیا کہ حکم خدا سے انحراف کرنے والے کا آخری انجام یہی ہوتا ہے۔

د ۔ اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی۔ پروردگار نے ایک مقررہ وقت کی مہلت دے دی اور اس نے مخلصین کے علاوہ سب کی گمراہی کا چیلنج دے دیا۔

ہ ۔ پروردگار نے کہا کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے کہ مخلصین گمراہ نہیں ہو سکتے ہیں اور تیرے مریدوں کا انجام جہنم ہے جس کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازہ سے ایک گروہ داخل ہوگا۔

و ۔ میرے پرہیزگار بندوں کی جگہ جنت اور چشمے ہیں جہاں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے اور کسی طرح کی زحمت کا احساس نہ کریں گے۔

● آیت ۵۱ سے جناب ابراہیمؑ کی مہمانی اور قوم لوط کی تباہی کا ذکر شروع ہوتا ہے:

ا۔ فرشتوں نے آکر جناب ابراہیمؑ کو سلام کیا، آپ نے خوف کا اظہار کیا تو انھوں نے اطمینان دلاتے ہوئے فرزند کی بشارت دے دی اور کہا کہ یہ رحمتِ خدا ہے جس سے مایوسی جائز نہیں ہے۔

ب ۔ ابراہیمؑ نے غرض آمد دریافت کی۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں۔

ج ۔ فرشتے لوطؑ کے گھر والوں کے پاس پہونچے تو انھوں نے بھی نہ پہچانا۔ انھوں نے اپنی غرض بیان کرتے ہوئے کہا کہ راتوں رات نکل جائیے کہ یہ قوم صبح سویرے ہلاک ہو جائے گی۔

د ۔ قوم نے خوب صورت فرشتوں کو دیکھا تو حسب عادت دوڑ پڑی۔ جناب لوطؑ نے سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں، مجھے رُسوا نہ کرو، یہ قوم کی بیٹیاں موجود ہیں ان سے کام نکال لو۔

ہ ۔ قوم نے ایک نہ سُنی اور بالآخر تختہ اُلٹ دیا گیا کہ ان کا کام ایسا ہی تھا۔ پھر ان پر پتھروں کی بارش بھی ہوئی کہ سنگساری ان کی اصلی سزا ہے۔

● آیت ۸۰ سے اصحاب حجر کا ذکر شروع ہوتا ہے جن کے نام سے یہ سورہ موسوم ہوا ہے:

ا ۔ ان لوگوں نے مرسلین کی تکذیب کی اور ہماری آیات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

ب۔ ان کا غرور یہ تھا کہ پہاڑ کاٹ کر محفوظ مکانات بناتے تھے لیکن ایک آواز نے سب کو تباہ و برباد کر دیا اور کوئی قلعہ کام نہ آیا۔

ج۔ زمین و آسمان سب برحق ہیں اور قیامت بہرحال آنے والی ہے۔ ایسے افراد سے صرف نظر ہی زیادہ مناسب ہے۔ اب فیصلہ آخرت میں ہو گا۔

● آیت ۸۷ سے پیغمبر اسلامؐ پر خدائی احسانات اور اس کے مقابلہ میں ضروری احکام و آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ قوم عبرت حاصل کر سکے:

ا۔ ہم نے آپ کو قرآن عظیم اور سورۂ حمد عنایت کیا ہے، جس میں سارا قرآن سمٹ گیا ہے۔

ب۔ آپ لوگوں کے عیش و آرام کو نہ دیکھیں اور نہ اس سے رنجیدہ ہوں، البتہ صاحبانِ ایمان کے سامنے تواضع کا اظہار کریں۔

ج۔ آپ اپنے نذیر ہونے کا اعلان کر دیں، اس کے بعد ہم قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والوں سے روز قیامت حساب کر لیں گے۔

د۔ امر الٰہی کا اعلان کر دیں، مشرکین سے کنارہ کش رہیں کہ ہم سب کے لیے تنہا کافی ہیں۔

ھ۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ دل تنگ ہو رہے ہیں، لہٰذا آپ حمد پروردگار کی تسبیح کریں اور سجدہ گذاروں میں شامل رہیں۔ زندگی کی آخری سانس تک عبادت الٰہی کرتے رہیں کہ یہ آپ کا فریضہ ہے۔ اس کے بعد باقی معاملات کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم سارے حالات کو دیکھ بھی رہے ہیں اور سب کا علاج بھی کرنا جانتے ہیں۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ نحل

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۲۸ آیات ہیں۔

اس سورہ کے مضامین میں تمام مکی سوروں کے مشترکہ مضامین کے علاوہ دو باتوں پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا ہے: ایک عذاب الٰہی جس سے سورہ کا آغاز ہوا ہے، اور ایک نعمات الٰہیہ کا تسلسل جس کا بار بار تذکرہ کیا ہے تاکہ انسان کو یہ معلوم رہے کہ پروردگار بلاوجہ عذاب نہیں کرتا ہے اور عذاب کی بنیاد نعمات الٰہیہ کی ناقدری اور اس کے انکار پر ہے جس کے بعد حجت تمام ہو جاتی ہے اور عذاب ثابت ہو جاتا ہے۔

ابتدا میں امر الٰہی کی آمد کی خبر سنائی گئی ہے اور اس کی تمہید میں ملائکہ اور وحی کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے پروردگار مرسلین کے ذریعہ حجت تمام کرتا ہے اور اس کے بعد عذاب نازل کرتا ہے۔

● مرسلین بھی خدا کا تعارف اس انداز سے کراتے ہیں:

ا۔ اس نے آسمان و زمین کو خلق کیا ہے۔

ب۔ اس نے انسان کو ایک قطرۂ نجس سے پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد بھی انسان اکڑ کر جھگڑا کرنے لگتا ہے۔

ج۔ اس نے جانوروں کو گرمی پہونچانے کا ذریعہ اور رزق کا سامان بنا کر پیدا کیا ہے جس میں سامانِ آرائش بھی شامل ہے۔

د۔ اس نے جانوروں کو نقل و حمل کا بہترین ذریعہ بنا دیا ہے جن پر سواری کی جاتی ہے اور ان سے زینت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

ہ۔ اس نے پانی برسا کر پینے کا بھی انتظام کیا ہے اور درخت کاری کا بھی انتظام کیا ہے۔

و۔ اس نے پانی کے ذریعہ زراعت، زیتون، خرمے، انگور اور دیگر پھل پیدا کیے ہیں جو مقویات کا مجموعہ بھی ہیں اور ملذات کا مرکز بھی۔

ز۔ اس نے شب و روز، شمس و قمر اور نجوم و کواکب سب کو مسخر کر دیا ہے اور زمین سے بھی مختلف اللون چیزیں ایجاد کی ہیں۔

ح۔ اس نے سمندروں کو مسخر کر کے کھانے کے لیے گوشت، پہننے کے لیے زیورات اور چلنے کے لیے کشتیاں بنا دی ہیں۔

ط۔ اس نے پہاڑوں کے ذریعہ زمین کی حرکت کو روک رکھا ہے اور ستاروں کو راہنمائے مسافر بنا دیا ہے۔

ی۔ اس کی نعمتوں کا حساب ناممکن ہے۔ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے نہ عالم۔

ان تمام کمالات کے تذکرہ کے بعد مرسلین نے قوم کو سمجھایا کہ تمھارا خدا بس ایک ہے، اس کا انکار باعث عذاب ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی انھوں نے تنزیل خدا کو پرانی داستانوں کا نام دے دیا۔ اور اب اس کا خمیازہ روز حساب برداشت کریں گے۔ جب ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا اور اپنے شرکا کو تلاش ہی کرتے رہ جائیں گے۔ جہنم کے دروازے کھلے ہوں گے اور ملائکہ جہنم میں ڈھکیل رہے ہوں گے۔

اس کے برخلاف متقین تنزیل الٰہی کو خیر قرار دیتے ہیں تو ان کے لیے جنتیں ہیں جہاں نہریں جاری ہوں گی، ملائکہ سلام پیش کریں گے اور جنت میں داخل کردیں گے۔

● آیت ۳۲ سے کفار کی صورت حال کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ یہ ملائکہ یا عذاب الٰہی کا انتظار کر رہے ہیں اور یہی کام پہلی قوموں نے بھی کیا تھا جس کے نتیجہ میں ہلاک ہوگئیں۔

ان مشرکین کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ یہ شرک کو بھی مشیت خدا کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اس طرح خدا پر بھی الزام رکھتے ہیں جب کہ اس کے نمائندوں نے ہمیشہ عبادت خدا کی دعوت دی ہے اور طاغوت سے الگ رہنے کی نصیحت کی ہے۔

● آیت ۴۱ سے ظالمانہ ماحول سے بچ نکلنے کا راستہ بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر ایمان کا تحفظ مشکل ہو جائے تو ترک وطن ضروری ہے اور اس صورت میں دنیا میں بھی نیکی ملے گی اور آخرت میں بھی اجر عظیم عطا ہوگا۔ اس راہ میں صبر سے کام لینا ہوگا اور خدا پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

● آیت ۴۳ سے پیغمبر اسلامؐ کی تسکین قلب کا سامان فراہم کیا گیا ہے:

ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں، انھیں دلائل و براہین و معجزات عطا کیے ہیں۔ کفار کے اہل علم اس حقیقت سے باخبر بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے انکار کر دیا ہے اور شاید یہ ہمارے عذاب سے اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں حالانکہ ہم انھیں زمین میں دھنسا بھی سکتے ہیں اور دوسرا عذاب بھی نازل کر سکتے ہیں۔ کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ کل کائنات شعور و لاشعور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہے اور سایہ تک اس کے حکم کا پابند ہے۔

● آیت ۵۱ سے تبلیغ کا ایک اور طریقہ تعلیم دیا گیا ہے:

ا۔ خدا نے دو خداؤں کے عقیدہ سے منع کیا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے لہٰذا اس کا خوف پیدا کرو۔

ب۔ کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور تمھاری ہر نعمت اسی کی دین ہے، اور مصیبتوں میں بھی اسی سے فریاد کرتے ہو، تو بعد میں کیوں منحرف ہو جاتے ہو؟

ج۔ یہ لوگ خدا کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں حالانکہ خود انھیں بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اسے دفن کرنے کی سوچنے لگتے ہیں۔

د۔ خدا اگر ہر ظلم کا انتقام شروع کر دیتا تو روئے زمین پر کوئی نہ رہ جاتا اس نے سب کو مہلت دے رکھی ہے۔

آپ سے پہلے بھی رسول گئے تو شیطان نے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ آپ کا کام اختلافات کی وضاحت کرنا اور اس کتاب کی تبلیغ کرنا ہے جو ہدایت و رحمت ہے۔

● آیت ۶۵ سے پھر نعمات الٰہیہ کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے تاکہ انسان پھر ہوش میں آجائے:

ا۔ خدا نے پانی نازل کر کے مُردہ زمینوں کو زندہ کیا ہے۔

ب۔ تمھارے لیے جانوروں میں بھی سامانِ عبرت ہے کہ ان کے شکم کے اندر سے کثافتوں کے درمیان سے بہترین دودھ فراہم ہوتا ہے۔

ج۔ خرما، انگور وغیرہ سے پھلوں سے مٹھاس اور بہترین رزق حاصل ہوتا ہے۔

● آیت ۶۸ میں اس شہد کی مکھی کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نام پر یہ سورہ نحل کہا گیا ہے:

خدا نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی اور اس کی فطرت پر الہام کیا کہ پہاڑوں، درختوں اور بلندیوں پر اپنی جگہ بنائے، مختلف پھل اور میوے استعمال کرے اور راہِ خدا پر سکون کے ساتھ چلتی رہے۔ پروردگار اس اطاعت کے صلہ میں اس کے شکم سے وہ شہد نکالے گا جو عالمِ انسانیت کے لیے نسخۂ شفا ہوگا اور پھر نشانی خدا۔

● آیت ۷۰ سے انسان کو نعمت و قدرت خدا کی یاد دلائی گئی ہے کہ وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی موت دیتا ہے اور وہی طویل زندگی عطا کرتا ہے۔

اس نے حسب صلاحیت انسان رزق میں درجات رکھے ہیں۔ ہر ایک کا جوڑا قرار دیا ہے۔ اس سے اولاد کو وجود دیا ہے۔ پھر سب کو رزق عطا کیا ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ اسے چھوڑ کر ان کی عبادت کرنے لگتے ہیں جن کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

خدا نے اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ ایک طرف وہ بندۂ غلام ہے جس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے اور ایک طرف وہ صاحب رزق ہے جو ہر طرح انفاق کرتا ہے، تو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔؟

● آیت ۷۷ سے قیامت کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں:

ا۔ زمین و آسمان کا غیب خدا کے اختیار میں ہے۔ قیامت ایک چشم زدن کا کام ہے اور اُس کے لیے ہرگز مشکل نہیں ہے۔

ب۔ اُس نے تمھیں شکم مادر سے اس عالم میں نکالا ہے کہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ اس کے بعد علم کے وسائل کان، آنکھ اور دل عطا کر دیے ہیں تاکہ شکریہ ادا کرو۔

ج۔ دیکھو فضا میں پرندوں کو خدا ہی نے روک رکھا ہے ورنہ سب گر پڑتے۔

د۔ اس نے تمھارے واسطے بھی مختلف قسم کے مکانات بنائے ہیں۔ بعض کھالوں کے انتہائی ہلکے ہیں جو سفر میں بھی کام آتے ہیں۔

ہ۔ سکون کے لیے سایہ بنایا ہے۔ پہاڑوں میں پناہ گاہ قرار دی ہے۔ سرد و گرم سے بچنے کے لیے لباس عطا کیا ہے۔

و۔ افسوس کہ انسان نعمت خدا کو پہچان کر بھی کافر ہو جاتا ہے، تو اب قیامت کے دن انھیں بولنے کی بھی اجازت نہ ہوگی اور نہ کوئی شریک کام آئے گا۔

ز۔ ہم کفر کے بعد راہ خدا سے روکنے والوں پر دُہرا عذاب کریں گے۔

ح۔ ہم روز قیامت ہر قوم کو اس کے گواہ کے ساتھ طلب کریں گے اور پیغمبرؐ کو سب کا گواہ قرار دیں گے۔ یہ قرآن بیان، ہدایت، رحمت اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے۔

● آیت نمبر ۹۰ سے احکام و آداب کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے:

ا۔ خدا عدل، احسان، قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، منکرات اور ظلم سے روکتا ہے۔ اس موعظہ سے نصیحت حاصل کرو۔

ب۔ عہد خدا کو پورا کرو، اور خدا کو گواہ بنانے کے بعد عہد شکنی کا ارادہ نہ کرو۔

ج۔ عہد خدا کو تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو کہ اس کی عظمت کے مقابلہ میں ہر قیمت تھوڑی ہے۔

د۔ دنیا کی ہر شے کے لیے فنا ہے۔ صرف جو کچھ خدا کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے، اور صبر کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔

ہ۔ نیک عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ اس کے لیے پاکیزہ زندگی ہے اور اس کے عمل سے بہتر اجر ہے۔

و۔ قرآن کی تلاوت کرو تو پہلے شیطان رجیم کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرو۔

ز۔ کہہ دیجیے کہ قرآن روح القدس کے ذریعہ نازل ہوا ہے تاکہ صاحبانِ ایمان کو ثبات حاصل ہو، اور اطاعت گذاروں کے لیے ہدایت اور بشارت بنے۔

ح۔ یہ لوگ قرآن کو بشری تعلیم کا نام دیتے ہیں حالانکہ جس کو معلم قرار دیتے ہیں وہ عجمی ہے اور قرآن عربی مُبین ہے۔

ط۔ خدا بے ایمانوں اور افترا پردازوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ی۔ ایمان کے بعد کفر کی سزا عذاب عظیم ہے۔ لیکن اگر کوئی مجبور ہو جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن رہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

● آیت ۱۱۱ سے انسانی زندگی کے مختلف حالات کے اسباب بیان کیے گئے ہیں کہ ایک قریہ جس میں امن و امان بھی تھا اور رزق فراوان بھی تھا لیکن اس نے کفرانِ نعمت کیا تو خدا نے بھوک اور خوف سے دوچار کر دیا کہ انسانی کردار خدائی نعمتوں پر بہرحال اثر انداز ہوتا ہے:

ا۔ رزق خدا کھاؤ تو شکر خدا ادا کرو۔

ب۔ اس نے تمہارے لیے مُردار، خون، سور کا گوشت اور بغیر نام خدا کے ذبح ہونے والے جانوروں کو حرام کر دیا ہے۔ ہاں کوئی مجبور ہو جائے تو خدا معاف بھی کر دیتا ہے۔

ج۔ اپنے پاس سے حلال و حرام نہ بناؤ کہ افترا پردازوں کے لیے فلاح نہیں ہے۔ دنیا صرف چند روزہ ہے اسے بقا نہیں ہے۔

د۔ بُرائی کرنے والے توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو خدا بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی ہے۔

● آیت ۱۲۰ سے ایک عظیم کردار کی نشان دہی کی گئی ہے جو عالم انسانیت کے لیے

بہترین نمونۂ عمل ہے:

ا۔ ابراہیمؑ ایک فرد ہوتے ہوئے بھی ایک امت تھے جو اپنے خدا کے عبادت گزار اور باطل سے الگ رہنے والے تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے۔

ب۔ وہ نعمات الٰہیہ کا شکریہ ادا کرنے والے تھے۔ خدا نے ان کا انتخاب کر کے انھیں صراط مستقیم کی ہدایت دی تھی۔

ج۔ ہم نے انھیں دنیا میں بھی نیکی عطا کی ہے اور وہ آخرت میں بھی نیک کرداروں میں شمار ہونے والے ہیں۔

د۔ آپ بھی ابراہیمؑ کے طریقہ کو اختیار کریں کہ وہ بندۂ مسلم تھے اور مشرک نہیں تھے۔

ہ۔ لوگوں کو راہِ خدا کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ذریعہ دعوت دو، اور ان سے بہترین طریقے سے مقابلہ کرو۔

و۔ اگر کوئی زیادتی کرے تو اتنا ہی جواب دو جتنا اس نے ظلم کیا ہے، اور صبر کرلو تو زیادہ بہتر ہے۔

ز۔ صبر کرو کہ صبر اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں رنجیدہ نہ ہو اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو۔

ح۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں اور نیک عمل انجام دینے والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اسراء

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۱۱۔ آیات ہیں۔

اسراء عربی زبان میں رات کے وقت سفر کرنے کا نام ہے۔ اور اس سورۂ مبارکہ کا آغاز سرکار دو عالمؐ کی معراج سے ہوا ہے، لہٰذا اس کا نام سورۂ اسراء ہو گیا ہے۔

واضح رہے کہ سرکار دو عالمؐ کے سفر معراج کے دو مرحلے تھے۔ ایک مرحلہ مکہ سے مسجد اقصیٰ تک تھا اور دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے عرش اعظم تک تھا۔ اصطلاحی اعتبار سے پہلے مرحلہ کو "اسراء" کہا جاتا ہے کہ یہ رات کے وقت زمینی سفر تھا اور دوسرے مرحلہ کو "معراج" کہا جاتا ہے کہ یہ زمین سے آسمان کا سفر ہے جو عروج کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ پہلا سفر بھی بذریعہ عروج ہی طے ہوا تھا اور اسی لیے اس پورے سفر کو معراج پیغمبرؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے ربط بالکل واضح ہے کہ سابق سورہ کا اختتام سرکار دو عالمؐ سے اس خطاب پر ہوا تھا کہ آپ صبر کریں، رنجیدہ نہ ہوں، خدا صاحبانِ تقویٰ اور صاحبانِ حسن عمل کے ساتھ ہے اور اس سورہ میں اس "ساتھ" کی وضاحت کی گئی ہے کہ خدا جس بندہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اسے ایک رات میں زمین سے عرش اعظم کا فاصلہ طے کرا دیتا ہے اور صاحب معراج بنا دیتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی معراج کے تذکرہ کے فوراً بعد ہی بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہو گیا ہے کہ یہی اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور انھیں کو معراج کا ذکر سنا کر خدائی معیت کا ثبوت فراہم کیا گیا تھا۔

بنی اسرائیل پر خدا کا پہلا احسان یہ تھا کہ انھیں طوفان نوح سے بچے ہوئے افراد کی نسل

میں قرار دیا۔ پھر ان میں ایک صاحب شریعت پیغمبر موسیٰؑ کو بھیجا اور انھیں روئے زمین پر اقتدار بھی دیا لیکن ان کی نالائقی تھی کہ انھیں دو مرتبہ تباہ کیا گیا اور پھر بھی ہوش نہ آیا۔ ایک مرتبہ ۵۸۶ھ قبل مسیح میں بخت نصر نے تباہ کیا اور ۴۰ ہزار یہودیوں کو تہ تیغ کر دیا اور دوبارہ ۷۰ء میں ملک روم طیطوس نے حملہ کیا اور دس لاکھ یہودیوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا، لیکن اس قوم کو ہوش نہ آنا تھا نہ آیا۔

● آیت ۹ سے قرآن مجید کی عظمت اور اس کے معتقدین و منکرین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ یہ قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور صاحبانِ ایمان و کردار کو اجر عظیم کی بشارت دیتا ہے اور منکرین آخرت کے لیے دردناک عذاب کی خبر دیتا ہے۔

ب۔ انسان نیکیوں کی طرح برائیوں کے واسطے بھی جلدی کرتا ہے کہ اس کا مزاج جلد بازی کا واقع ہوا ہے۔

ج۔ ہم نے شب و روز کو اپنی نشانی قرار دیا ہے جس کی رفت و آمد سے سال و ماہ کا حساب ہوتا ہے اور شب کے بعد روز کسب معاش کا ذریعہ بن کر آتا ہے۔

د۔ ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں آویزاں ہوگا اور وہی اس کے حساب و کتاب کے لیے کافی ہوگا۔

ہ۔ ہر شخص اپنی ہدایت اور ضلالت کا ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے۔

و۔ پروردگار رسول کے ارسال کے بغیر عذاب نازل نہیں کرتا ہے، اور جب کسی قریہ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پہلے ان کے فسق و فجور کے ذریعہ حجت تمام کرتا ہے۔

ز۔ طالب دنیا کے لیے صرف دنیا ہے اور آخرت میں جہنم ہے، اور طالبِ آخرت کی سعی مشکور ہے بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو، اور آخرت کے لیے کوشش بھی کرے۔

ح۔ عطائے الٰہی سب کے لیے عام ہے اور اس میں درجات بھی ہیں۔ لیکن سب سے عظیم شے اجر آخرت ہے۔

ط۔ خدا کے ساتھ کسی کو خدا نہ قرار دینا ورنہ نتیجہ میں قابل مذمت اور لاوارث ہو کر رہ جاؤ گے۔

● آیت ۲۳ سے انسان کے لیے زندگی اور بندگی کے احکام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ تمہارے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ وہ بوڑھے بھی ہو جائیں تو ان سے اُف نہ کہنا اور انھیں جھڑکنا نہیں۔ ان سے شریفانہ گفتگو کرنا۔ ان کے سامنے تواضع سے پیش آنا اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنا۔

ب۔ قرابت دار، مسکین، مسافر، غربت زدہ کا حق ادا کرو اور اسراف سے کام نہ لو، اسراف کرنے والے شیاطین کی برادری کے افراد ہیں۔

ج۔ نہ اپنے ہاتھوں کو باندھ کر رکھو اور نہ بالکل کھول دو کہ خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ۔

د۔ اپنی اولاد کو غربت کے خوف سے قتل نہ کرو کہ تمہارا اور ان کا سب کا رازق خدا ہے اور ان کا قتل گناہ کبیرہ ہے۔

ہ۔ کسی نفس محترم کو بغیر حق قتل نہ کرنا ورنہ ہم نے وارث کو اختیار قصاص دے رکھا ہے۔

و۔ مال یتیم کو نامناسب طریقہ سے ہاتھ نہ لگانا اور عہد کو پورا کرتے رہنا کہ اس کے بارے میں روز قیامت سوال کیا جائے گا۔

ز۔ ناپ تول میں برابر سے کام کرنا اور کمی زیادتی نہ ہونے پائے۔

ح۔ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے مت دوڑنا کہ آنکھ، کان، دل سب کے بارے میں روز قیامت سوال کیا جائے گا۔

ط۔ زمین پر اکڑ کر مت چلنا کہ تم نہ زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کے برابر بلند ہو سکتے ہو۔

ی۔ یہ احکام حکمت الٰہیہ کا نمونہ ہیں۔ خدا کے ساتھ دوسرا خدا نہ قرار دینا کہ جہنم میں ڈھکیل دیے جاؤ۔

● آیت ۴۱ سے دوبارہ عظمت قرآن کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

ا۔ ہم نے قرآن میں ہر بات کو طرح طرح سے واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ عبرت حاصل کر سکیں۔

ب۔ اگر خدا کے علاوہ دوسرے خدا بھی ہوتے تو وہ بھی عرش تک جانے کا راستہ نکال لیتے۔

ج۔ زمین و آسمان اور کائنات کی ہر مخلوق تسبیح پروردگار میں مشغول ہے، مگر تم ان کی تسبیح سے واقف نہیں ہو۔

د۔ ہم تمھاری تلاوت کے وقت تمھارے اور بے ایمانوں کے درمیان حجابات قائم کر دیتے ہیں اور ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔

ہ۔ ہم ان کے ذوقِ سماعت کو بھی جانتے ہیں اور آپس کی رازداری سے بھی باخبر ہیں۔ یہ پیغمبر کو جادو زدہ انسان قرار دیتے ہیں۔

● آیت ۴۹ سے عقیدۂ آخرت اور اس کے منکرین کا ذکر شروع ہوتا ہے:

ا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا بوسیدہ ہڈیاں اور مٹی میں دوبارہ حیات پیدا ہو سکتی ہے۔ ان سے کہہ دو کہ لوہا پتھر بھی ہو جائیں تو انھیں دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

ب۔ ان سے کہہ دو کہ جس نے پہلے پیدا کیا ہے وہی دوبارہ زندگی دینے والا ہے۔

ج۔ یہ سب قیامت کے دن ندائے الٰہی پر لبیک کہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ دنیا میں بہت کم ٹھہرے ہیں۔

د۔ میرے بندوں سے کہہ دو کہ ہمیشہ اچھی باتیں کیا کریں کہ شیطان ان کے درمیان فساد پیدا کرنا چاہتا ہے۔

ہ۔ ان سے کہہ دو کہ خدا کے علاوہ جن کا خیال ہو انھیں بلا لیں۔ کوئی بلا کا ٹالنے والا نہیں ہے۔

و۔ ہم منہ مانگی نشانیاں اس لیے نہیں دیتے ہیں کہ اس کے بعد عذاب لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ قوم ثمود کا حشر ہوا۔

ز۔ پروردگار سب کے حالات سے باخبر ہے اور شجرۂ ملعونہ لوگوں کی آزمائش

کا ذریعہ ہے اور لوگ ہر تخویف کے بعد مزید سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

● آیت ۶۱ سے اولادِ آدمؑ کو قصۂ آدمؑ و ابلیس یاد دلایا گیا ہے تاکہ اولادِ آدمؑ باپ کے کھلے دشمن کی طرف سے ہوشیار رہے:

ا۔ ہم نے ملائکہ کو آدمؑ کے لیے سجدہ کا حکم دیا تو سب نے سجدہ کر لیا اور ابلیس نے خاک کہہ کر سجدہ سے انکار کر دیا اور پھر اعلان کر دیا کہ میں قیامت تک ان کی اولاد کا گلا دباتا رہوں گا۔

ب۔ پروردگار نے کہہ دیا کہ تیرے پیروؤں کی سزا جہنم ہے۔ تیری تمام کوششیں اور تیرے تمام انتظامات میرے مخلص بندوں پر قابو نہیں پا سکتے ہیں۔

ج۔ تم لوگ سمندر میں خدا کو پکارتے ہو اور خشکی پر آکر بھول جاتے ہو حالانکہ وہ خشکی پر بھی عذاب نازل کر سکتا ہے اور دوبارہ سمندر میں بھی لے جا سکتا ہے۔

د۔ ہم نے بنی آدم کو کرامت دی ہے، پاکیزہ رزق دیا ہے، خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور بہت سی مخلوقات سے افضل بنایا ہے۔

ہ۔ ہم قیامت کے دن ہر گروہ کو اس کے رہنما کے ساتھ بلائیں گے اور جو یہاں اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔

و۔ یہ باطل پرست آپ کو ہماری وحی سے منحرف کر کے دوست بنانا چاہتے تھے۔ ہماری توفیق نے بچا لیا ہے ورنہ سزا آپ کو بھی دی جاتی۔

ز۔ یہ لوگ آپ کو وطن سے نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود بھی آپ کے بعد زیادہ دنوں تک نہ رہ سکیں گے۔

● آیت ۷۸ سے بندگی کے تعلیمات کا آغاز ہوتا ہے:

ا۔ زوالِ آفتاب اور تاریکیٔ شب کے وقت نماز قائم کرو اور فجر کے وقت بھی نماز پڑھو کہ اس وقت ملائکہ گواہی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

ب۔ رات میں نافلۂ شب ادا کرو کہ اس طرح خدا مقامِ محمود تک پہونچانا چاہتا ہے۔

ج۔ دعا کرو کہ ہر آبادی میں خوبی کے ساتھ داخل ہو اور خوب صورتی کے ساتھ باہر آؤ اور خدا ایک مددگار طاقت قرار دیدے۔

د۔ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل فنا ہوگیا کہ باطل کا مقدر ہی فنا ہونا ہے۔
ہ۔ ہم قرآن کو صاحبانِ ایمان کے لیے شفا اور رحمت بنا کر نازل کرتے ہیں اور ظالمین کو خسارہ کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہوتا ہے۔
و۔ انسان نعمت پاکر اکڑ جاتا ہے اور تکلیف میں پڑ کر مایوس ہو جاتا ہے۔
ز۔ یہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دو کہ وہ ایک امرِ رب ہے اور تمھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

● آیت ۸۸ سے قرآن مجید سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوتا ہے:

ا۔ انسان اور جنات مل کر بھی اس قرآن کا جواب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے ہیں۔
ب۔ ہم نے قرآن میں ساری مثالیں الٹ پلٹ کر بیان کر دی ہیں لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ انکار ہی کرتے ہیں۔
ج۔ یہ لوگ ایمان لانے کے لیے زمین سے چشمہ نکلنے، خرما اور انگور کے باغات اور ان کے نیچے نہروں کے جاری ہونے، آسمان کے گر پڑنے، اللہ یا ملائکہ کے عرش سے اتر آنے، سونے کے محل ہونے اور آسمان پر چڑھ کر وہاں سے کتاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں صرف ایک انسان ہوں اور میرا خدا بے نیاز ہے۔ سارا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔
د۔ یہ لوگ بشریت کو منافی رسالت قرار دیتے ہیں، حالانکہ ہم ملک بھی بھیجتے تو بشر ہی کی شکل میں ہوتا، اس لیے کہ زمین ملائکہ کی بستی نہیں ہے۔
ہ۔ گمراہوں کا کوئی والی و وارث نہیں ہے اور وہ قیامت کے دن گونگے، بہرے، اندھے محشور ہوں گے جو اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کر دیا ہے اور قیامت کا اقرار نہیں کرتے ہیں حالانکہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

● آیت ۱۰۱ سے اختتام کلام پر پھر بنی اسرائیل اور ان کے حرکات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ ہم نے موسیٰؑ کو ۹ نشانیاں دیں لیکن فرعون نے کہہ دیا کہ تم جادو کے مارے ہوئے ہو۔
ب۔ موسیٰؑ نے کہا کہ یہ سب خدائی براہین ہیں اور لگتا ہے کہ فرعون اب تیری شامت

آگئی ہے۔

ج ۔ فرعون نے موسیٰؑ کے خلاف ہنگامہ کر کے انھیں نکال باہر کرنا چاہا تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو زمین کا ساکن بنا دیا۔

د ۔ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے، اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور آپ کو مبشر اور نذیر بنایا گیا ہے۔

ہ ۔ ہم نے قرآن کو جستہ جستہ نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کو دھیرے دھیرے سمجھاتے رہیں۔

و ۔ انھیں بتا دیں کہ خدا ان کے ایمان کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے پاس وہ بندے بھی ہیں جو آیات کو سُن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔

ز ۔ خدا کو اللہ یا رحمٰن کسی نام سے بھی پکارا جا سکتا ہے کہ اس کے تمام نام اسمارِ حسنیٰ ہیں۔

ح ۔ نماز کو نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو۔

ط ۔ یہ کہو کہ ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے، جس نے نہ کسی کو فرزند بنایا ہے اور نہ کوئی اس کی سلطنت کا شریک ہے، اور نہ کوئی اس کی کمزوری کا سہارا ہے، اور پھر مسلسل اس کی بزرگی کا اظہار اور اعلان کرتے رہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ کہف

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۱۱۰ آیات ہیں۔ اس سورہ میں تمام تر زور عقیدہ قیامت پر دیا گیا ہے اور اس کی تفہیم کے جملہ اسالیب اختیار کیے گئے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ اصحاب کہف بھی ہے جن کے نام سے یہ سورہ موسوم کیا گیا ہے ورنہ ان کے علاوہ بھی دو عجیب وغریب واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے عقیدۂ قیامت پر روشنی پڑتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر تعجب ختم ہو جاتا ہے۔

ابتدا اسی منزل سے ہوئی ہے جہاں سورۂ اسراء کا اختتام ہوا تھا۔ سورۂ اسراء کے اختتام پر حمد پروردگار کا ذکر کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں اس کی تین صفتوں کا ذکر ہوا تھا۔ اس کا کوئی فرزند نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک سلطنت نہیں ہے اور اس کا کوئی ولی وسرپرست نہیں ہے۔ اور اس سورہ کے آغاز میں چوتھی صفت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی ہے اور اس میں کسی طرح کی کجی نہیں ہے۔ یہ کتاب انذار کا ذریعہ بھی ہے اور صاحبانِ ایمان کے حق میں بشارت بھی ہے۔

اس کی عظمت پر زیادہ زور اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کے بعد اسی کتاب میں عجائبات عالم کا ذکر ہونے والا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ان واقعات کو سُن کر عظمت وحقانیت کتاب سے انکار کر دیں۔

سب سے پہلے ان نیک بندوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد راہِ حق میں قیام کیا اور لوگوں کو سیدھے راستہ کی دعوت دی اور خدا سے رحمت کی التماس کی۔ پروردگار نے سخت ترین حالات میں غار میں پناہ لینے کا حکم دیا اور ان لوگوں نے

پناہ لے لی۔ معبود نے انھیں مطمئن کرنے کے لیے ان پر نیند طاری کر دی اور یہ انتظام کیا کہ آفتاب طلوع وغروب کے وقت اُدھر سے کترا کر نکل جاتا تھا تاکہ نہ ان کی صحت متاثر ہونے پائے اور نہ لوگ ان کے حالات سے باخبر ہونے پائیں۔ ان لوگوں نے تین سو برس سے زیادہ وقت گذارا اور جب بیدار ہوئے تو ایسا محسوس کیا جیسے تھوڑی دیر ہی سوئے ہیں، اب جو آدمی بازار سودا لینے گیا تو معلوم ہوا کہ زمانہ تبدیل ہو چکا ہے اور اس بادشاہ کا دور بھی گذر چکا ہے جس کے خوف سے غار میں پناہ لی تھی۔ لوگوں نے باہمی مشورہ کے بعد ان کی جائے قیام پر مسجد بنا دی، اور اس کے بعد ان کے عدد میں اختلاف شروع کر دیا کہ وہ تین تھے یا چار یا پانچ یا چھ یا سات، جب کہ خدا ان حقائق کو بہتر جانتا ہے اور ان لوگوں کو علم کے بغیر بحث کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس حقیقت کو بذریعہ وحی پیغمبرؐ تک پہونچایا گیا ہے اور انھیں راہِ تبلیغ میں اسی طرح صبر کی دعوت دی گئی ہے جس طرح اصحاب کہف نے صبر کیا تھا۔ اس کے بعد منکرین کے لیے جہنم اور ایمان وکردار والوں کے لیے جنت کی خبر دی گئی ہے، اور مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے کہ دو انسانوں کے پاس بہترین باغات تھے، ایک کی حالت بہتر تھی اور ایک کی کمزور۔ کمزور آدمی نے طاقتور کو غرور سے روکا اور احسان پروردگار کا احساس دلایا لیکن اس کے غرور میں کوئی فرق نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن جو باغ کی طرف گیا تو وہاں سناٹا نظر آیا اور ساری محنت ضائع ہو چکی تھی۔ کمزور انسان نے کہا کہ اگر خدا کا نام لیا ہوتا، اس کی عظمت اور اس کے احسانات کا احساس کیا ہوتا تو یہ دن دیکھنے میں نہ آتے۔ قدرت خدا کا انکار کرنے والوں کا آخری انجام یہی ہوتا ہے اور کوئی طاقت یا کوئی شریک کام نہیں آتا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے زندگانی دنیا کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ ابتدا میں بارش ہوئی، ورمُردہ زمینوں میں زندگی آگئی اور آخر میں سب بھوسا بن کر اُڑ گیا۔ زندگانی دنیا میں مال اور اولاد صرف یہیں کی زینت ہیں۔ آخرت میں صرف عمل صالح کام آنے والا ہے۔ جب پہاڑ حرکت میں آجائیں گے، زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ اولین وآخرین جمع کر کے

خدا کی بارگاہ میں پیش کر دیے جائیں گے۔ نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا اور سب اپنے اعمال کو خود دیکھ لیں گے اور پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

● آیت ۵۰ سے اولاد آدمؑ کی غیرت کو بیدار کیا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے بابا آدمؑ کے لیے ملائکہ کو سجدہ کا حکم دے دیا اور سب نے سجدہ کر لیا۔ صرف شیطان نے حکم خدا کی نافرمانی کی اور آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا تو کیا تم اسے اور اس کی ذریت کو اپنا ولی اور سرپرست قرار دے رہے ہو جب کہ یہ ولایت کے قابل بھی نہیں ہیں کہ ہم نے ان کو نہ خلقت کائنات کا گواہ بنایا ہے اور نہ خود ان کی خلقت کا اور نہ ہم گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانا پسند کرتے ہیں۔

یہ روز قیامت کام آنے والے نہیں ہیں۔ اُس وقت مجرمین کا انجام جہنم ہوگا۔ آخر لوگ اتنے واضح آیات کے بعد ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں اور گذشتہ امتوں کے عذاب کا کیوں انتظار کر رہے ہیں۔

ہم نے مرسلین کو بشارت و انذار کے لیے بھیجا ہے مگر اہل باطل حق کو پامال کرنا چاہتے ہیں اور اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے جسے آیات الٰہیہ یاد دلائی جائیں اور اس کے بعد بھی اعراض سے کام لے۔ یہ بدترین انتظام قیامت ہے۔ پروردگار بہترین غفور و رحیم ہے کہ دنیا میں مواخذہ نہیں کرتا ہے ورنہ اب تک عذاب نازل ہو چکا ہوتا۔

● آیت ۶۰ سے جناب موسیٰ اور خضر کی ملاقات کا ذکر شروع ہوتا ہے جہاں پھر اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ ہمارے بعض بندوں نے کس طرح معاشرہ پر ظلم کیا ہے اور ہم نے کس طرح انھیں مہلت دی ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ اپنے ساتھی کے ساتھ چلے اور جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہونچے تو مچھلی کی طرف سے غافل ہو گئے اور وہ دریا میں چلی گئی۔ کچھ دور چل کر تھکن کا احساس کیا اور بیٹھ گئے۔ اب جو کھانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ مچھلی گم ہو گئی ہے۔ ساتھی نے کہا کہ ہم سنگم پر بھول آئے ہیں۔ اب جو چلے تو وہاں ایک بندۂ صالح کو دیکھا جسے ہم نے مخصوص رحمت اور علم سے نوازا تھا۔ موسیٰ نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ رہیں کیا آپ ہمیں اپنا علم دے سکتے ہیں؟ اس بندہ نے کہا کہ آپ صبر

نہ کرسکیں گے۔ اگر صبر کا وعدہ کریں تو ساتھ رہ سکتے ہیں۔ جناب موسیٰ نے وعدہ کرلیا اور دونوں چلے۔ اب جو کشتی میں سوار ہوئے تو خضر نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے سبب پوچھا۔ فرمایا کہ سوال مت کرو۔ موسیٰ خاموش ہو گئے۔ اور آگے بڑھے تو ایک بچہ کو دیکھا۔ خضر نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے پھر سبب دریافت کیا۔ کہا تم سے وعدہ ہو چکا ہے کہ سوال نہیں کرو گے، موسیٰ خاموش ہو گئے اور آگے بڑھے۔ ایک قریہ میں پہونچے وہاں کھانے کا مطالبہ کیا، ان لوگوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے ایک شکستہ دیوار نظر آ گئی۔ خضر نے اسے درست کرنا چاہا۔ موسیٰ نے کہا ایسے بداخلاق لوگوں کی دیوار درست کی جائے؟ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ مزدوری پر کام کیا جائے، کم سے کم اجرت تو ہاتھ آ جائے گی۔

خضر نے کہا کہ تم اب تک صبر نہیں کر سکے لہٰذا ہمارا تمھارا ساتھ نہیں ہو سکتا ہے، البتہ ہم تمھیں مصلحتوں سے باخبر کیے دیتے ہیں۔

کشتی اس لیے خراب کر دی کہ ظالم بادشاہ ہر صحیح و سالم کشتی پر قبضہ کر رہا تھا اور یہ کشتی مساکین کی تھی تو میں نے چاہا کہ اسے غصب ہونے سے محفوظ کر دوں۔

بچہ کو اس لیے قتل کر دیا کہ اس کے والدین مومن تھے اور یہ نالائق تھا۔ آگے چل کر انھیں اذیت دیتا، لہٰذا اہل ایمان کو اس کے شر سے محفوظ کر دیا۔

دیوار اس لیے درست کر دی کہ اس کے نیچے یتیموں کا خزانہ تھا۔ خیال تھا کہ کوئی نکال نہ لے، لہٰذا اسے درست کر دیا تاکہ بالغ ہونے کے بعد حاصل کر لیں۔

واقعہ نے تین طرح کے عیب اور تین طرح کے حسن کا پتہ دیا ہے۔ انسان کا عیب یہ ہے کہ حکومت پانے کے بعد غصب شروع کر دیتا ہے اور بخل کی بنیاد پر مسافروں کو دو روٹیاں نہیں کھلا سکتا ہے اور شرارت کی بنا پر ماں باپ کو اذیت دینے سے بھی باز نہیں آتا ہے اور انسان کا کمال کردار یہ ہے کہ مساکین کی کشتی کا تحفظ کرے، اصحابِ ایمان کو اذیتوں سے محفوظ رکھے اور ایتام کے مال کی حفاظت کرتا رہے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ کردار کے محاسن اختیار کرے اور برائیوں سے پرہیز کرے تاکہ اولادِ آدم میں شمار ہو

اور ذرّیتِ شیطان میں شمار نہ ہونے پائے۔

● آیت نمبر ۸۳ سے ذوالقرنین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے انھیں تمام اسباب فراہم کر دیے اور وہ محوِ سفر ہو گئے۔ جب غروبِ آفتاب کی جگہ پہونچے تو ایک قوم کو دیکھا۔ ہم نے کہا کہ تم ان پر عذاب بھی کر سکتے ہو اور رحم بھی کر سکتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ظالموں پر عذاب کروں گا اور نیک کرداروں کو بہترین جزا دوں گا۔ اس کے بعد طلوعِ آفتاب کی منزل تک پہونچے تو وہاں ایک نئی قوم کو دیکھا۔ آگے بڑھتے ہوئے جب دو دروں کے درمیان پہونچے تو ایک اور قوم کو دیکھا جو کوئی بات نہیں سمجھتی تھی۔ اس نے اپنی زبان میں فریاد کی کہ یاجوج و ماجوج بہت فساد کر رہے ہیں۔ آپ کوئی ایسی دیوار بنا دیں کہ اُس پار سے اِس پار نہ آسکیں۔ انھوں نے لوہا پگھلا کر اس پر تار کول ڈال دیا اور ایسی دیوار بن گئی جس کو نہ پار کیا جا سکے اور نہ اس میں سوراخ کیا جا سکے۔

اب اس کے بعد جب وعدۂ الٰہی کا وقت آجائے گا تو یہ قوم بھی نمودار ہوگی اور سب عرصۂ محشر میں جمع کیے جائیں گے اور کافروں کے سامنے جہنم کو پیش کر دیا جائے گا جنھوں نے اپنی آنکھوں پر پردے ڈال لیے تھے اور غیر خدا کو سرپرست بنائے ہوئے تھے جب کہ ایسے لوگوں کا انجام جہنم ہے۔ اور کس قدر خسارہ میں ہیں وہ لوگ جن کی محنت برباد ہو جاتی ہے اور ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ کوئی نیک کام انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کیا ہے تو ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں اور اب ان کی جزا صرف جہنم ہے۔ البتہ صاحبانِ ایمان و کردار کی جگہ جنت الفردوس ہے جہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

کلماتِ الٰہیہ اس قدر بے شمار ہیں کہ سمندر بھی روشنائی بن جائیں تو ان کا احصا ممکن نہیں ہے۔

مذکورہ واقعہ سے چند باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

ا۔ ذوالقرنین کو حکومت ملی تو انھوں نے اس کا مصرف غریبوں کے تحفظ کے انتظام کو قرار دیا۔

ب۔ پروردگار نے انھیں عذاب اور مہربانی کا اختیار دیا تو انھوں نے صرف ظالموں کے لیے عذاب کی بات کی اور نیک کرداروں پر سختی کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

ج۔ ذوالقرنین نے حفاظتی دیوار بنانے کا ایک فارمولا بھی عالم انسانیت کے حوالے کر دیا کہ غریب افراد اپنے علاقہ کا تحفظ کس طرح کر سکتے ہیں۔

د۔ ذوالقرنین نے بے پناہ اسباب کے بعد بھی قوم سے کہا کہ میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے لیے حفاظتی دیوار تیار کر دوں تاکہ قوم کو اپنے تحفظ کا احساس پیدا ہو اور لوگوں میں دوسروں کے سہارے زندہ رہنے کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔

ہ۔ قیامت ایک ایسا موقع ہوگا جہاں کوئی تحفظ کام نہ آسکے گا اور کوئی آدمی پس دیوار بھی نہ رہ سکے گا، سب کو منظر عام پر آنا ہوگا اور اپنے اعمال کا انجام دیکھنا ہوگا۔

● آیت ۱۱۰ آخری آیت ہے جس میں تمام واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے کہ پیغمبر ایک انسان ہے لیکن اس پر وحی نازل ہوتی ہے لہذا وہ وحی کے سہارے تمام دنیا کے اسرار کا انکشاف کر سکتا ہے اور وحی کی بنیاد بھی توحید الٰہی پر ہے لہذا ہر انسان کو اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے اور اس کی بارگاہ میں حاضری اور اس سے نورانی ملاقات کا راستہ یہ ہے کہ انسان عمل صالح انجام دے اور کسی کو اُس کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مریم

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۹۸ آیات ہیں۔

اس کا نام مریم اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں جناب مریم کی داستانِ زندگی کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سورہ کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ جب جناب جعفر طیارؑ نے ہجرت حبشہ کے موقع پر وہاں کے بادشاہ نجاشی کے سامنے اس سورہ کی تلاوت کی تھی تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے اور اس نے کہا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا پیغمبر بھی جناب مریم کے بارے میں اتنے پاکیزہ خیالات رکھتا ہے اور اس پر نازل ہونے والی کتاب میں اس قسم کے تذکرے پائے جاتے ہیں تو یقیناً وہ خدا کا پیغمبر ہے اور یہ کہہ کر غریب الوطن مسلمانوں کو مکمل پناہ دے دی اور مشرکین کے وفد کو دربار سے نکال باہر کر دیا۔

اس سورہ کا گذشتہ سورہ سے رابطہ یہ ہے کہ گذشتہ سورہ کا اختتام اس امر پر ہوا تھا کہ لقاء الٰہی کے امیدواروں کو شرک سے پرہیز کرنا چاہیے اور عمل صالح انجام دینا چاہیے اور اس سورہ کا آغاز ایک ایسے بندہ کے تذکرہ سے ہوتا ہے جو عبد صالح تھا اور پروردگار نے اس پر مخصوص قسم کی مہربانیاں کی تھیں۔

ابتدا جناب زکریا کے تذکرہ سے ہوتی ہے کہ ان کے یہاں فرزند کی ولادت بھی عام فطری قوانین سے ہٹ کر ہوئی تھی اور قدرت نے اسے مریم کے یہاں عیسیٰؑ کی ولادت کے لیے تمہید قرار دے دیا تھا۔

جناب زکریا نے دعا کی کہ میں ضعیف ہوگیا ہوں۔ میرے سر کے بال تک سفید

ہو گئے ہیں اور میری زوجہ بھی بانجھ ہے۔ اب مجھے خطرہ ہے کہ میری میراث کو ابنا ءِ عم برباد کر دیں گے، لہٰذا خدایا مجھے ایک ایسا فرزند دیدے جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور پسندیدہ کردار کا مالک ہو۔ قدرت نے دعا کو مستجاب کر کے فرزند کی بشارت دے دی۔ تو انھوں نے عرض کی کہ یہ کس طرح ہوگا جب کہ ہم دونوں ان منزلوں سے گذر چکے ہیں؟ ارشاد ہوا قدرت کے لیے یہ سب بہت آسان ہے۔ آخر تمھیں بھی تو عدم سے وجود دیا ہے۔ بس تم تین دن لوگوں سے کلام نہیں کروگے۔ اس کے بعد خدا فرزند عنایت کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یحییٰ جیسا فرزند دے کر اسے صاحبِ کتاب بھی بنا دیا اور بچپنے ہی سے حکمت بھی دے دی۔ وہ ولادت، وفات اور حشر و نشر تمام مواقع پر مستحق سلام تھا۔

اس کے بعد مریم کے یہاں ولادت کی داستان شروع ہوئی کہ وہ گھر والوں سے الگ دور پردہ میں چلی گئیں تو ہم نے ملک کے ذریعہ فرزند کی بشارت دے دی۔ انھوں نے فریاد کی کہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں ہے۔ میرے یہاں فرزند کیسے ہوگا؟۔ ملک نے کہا کہ قدرت کے لیے کوئی شے بعید نہیں ہے۔ خدا اسے اپنی نشانی اور رحمت قرار دینا چاہتا ہے، چنانچہ وہ حاملہ ہو گئیں اور وقت ولادت ایک درخت خرما کے نیچے پناہ لی اور سخت پریشان تھیں۔ آواز آئی پریشان نہ ہو۔ خدا نے تمھارے قدموں میں چشمہ جاری کر دیا ہے اور درخت کی شاخوں کو بلا بلا فصل کے خرمے حاصل ہو جائیں گے۔ اب کھاؤ پیو اور مطمئن رہو اور کوئی سوال کرے تو کہہ دینا کہ میں نے روزہ کی نذر کر لی ہے، میں کسی سے بات نہیں کر سکتی ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قوم نے دیکھ کر تعجب اور اعتراض کیا۔ مریم نے گہوارہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ قوم نے حیرت کا اظہار کیا کہ اس بچہ سے کس طرح بات کریں گے؟ عیسیٰ نے آواز دی کہ میں بندۂ خدا ہوں۔ مجھے خدا نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور بابرکت قرار دیا ہے اور نماز و زکوٰۃ کی نصیحت کی ہے اور والدہ کے حق میں نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور ظالم و بدنصیب نہیں بنایا ہے۔ میرے اوپر روزِ ولادت، روزِ وفات اور روزِ محشر سلام پروردگار ہے۔

یاد رکھو عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں، فرزند نہیں ہیں۔ خدا نے انھیں اپنے ارادہ کی طاقت سے پیدا کیا ہے۔ وہ سب کا پروردگار ہے اور اسی کی عبادت ہی صراطِ مستقیم ہے۔

● آیت ۴۱ سے انبیاء ماسبق کے تذکرے شروع ہو گئے ہیں کہ جس طرح عیسیٰ، یحییٰ اور زکریا کی زندگی میں ایک امتیاز خاص پایا جاتا تھا، ویسے ہی پروردگار نے ان سے پہلے والوں کو بھی امتیازات عنایت کیے تھے۔
سب سے پہلے جناب ابراہیمؑ کا تذکرہ ہوتا ہے کہ وہ نبی صدیق تھے، انھوں نے اپنے مربی آزر کو عبادت اصنام سے روکا تھا کہ یہ اندھے بہرے اور بے فائدہ ہیں، اسے اتباع علم کی دعوت دی تھی، اتباع شیطان سے منع کیا تھا، عذاب الٰہی سے ڈرایا تھا۔ لیکن وہ طاقت کے زعم میں سزا کی دھمکی دیتا رہا۔ ابراہیمؑ نے سلامتی کا پیغام دے کر کنارہ کشی اختیار کر لی تو پروردگار نے اس خدمت دین کے صلہ میں انھیں اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دے کر سب کو نبی بنا دیا اور ان کے لیے ایک بلند ترین صداقت کی زبان قرار دے دی کہ خدا کسی کے حسن عمل کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ اس نے زکریا کو بھی خدمت مریم کا صلہ دیا، مریم کو خدمت خانۂ خدا کا صلہ دیا اور ابراہیمؑ کو دعوت حق کا انعام دیا اور ہر انعام ایک نبی کی شکل میں ملا۔
● آیت ۵۱ سے جناب موسیٰ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ وہ بندۂ مخلص اور رسول نبی تھے۔ انھیں کوہِ طور پر مناجات کا شرف دیا گیا اور اپنی رحمت سے ہارون جیسا بھائی دے دیا گیا۔ یہ موسیٰ کے اخلاص عمل کا انعام تھا۔
اس کے بعد اولاد ابراہیمؑ میں جناب اسماعیل کا مستقل تذکرہ کیا گیا کہ وہ صادق الوعد تھے اور رسول نبی تھے۔ اپنے اہل کو نماز و زکوٰۃ کی تلقین کرتے تھے اور پروردگار کی نگاہ میں پسندیدہ کردار تھے۔
اس کے بعد جناب ادریس کا ذکر کیا گیا کہ وہ نبی صدیق تھے اور انھیں ہم نے بلند ترین مقام عنایت کیا تھا۔ یہ سب وہ اللہ کے بندے ہیں جن پر ہم نے نعمت نازل کی ہے۔ انھیں ہدایت یافتہ اور منتخب قرار دیا ہے، اور یہ اللہ کی آیتوں کو سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔
لیکن ان کے بعد ایک نسل آئی جس نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات کا اتباع کیا۔ یہ عنقریب اپنی گمراہی سے جاملیں گے علاوہ ان کے جو توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں کہ انھیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اس جنت کو ہم اپنے

پرہیزگار بندوں کی میراث قرار دیتے ہیں۔

● آیت ۶۶ سے انسان کے افسوسناک کردار کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ان تمام تذکروں اور کرامتوں کے باوجود انسان یہی کہتا ہے کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ اسے عدم سے وجود میں لایا گیا ہے تو اب دوبارہ اٹھا لینا کون سا مشکل کام ہے۔ یہ کام بہرحال ہونے والا ہے اور نافرمانوں کو جہنم میں بہرحال ڈالا جائے گا البتہ متقی افراد کو یقیناً نجات دی جائے گی۔

● آیت ۷۷ سے عمرو عاص کے باپ عاص بن وائل کی مثال بیان کی گئی ہے کہ اس نے قیامت کا مذاق اڑایا اور کہا کہ ہمیں وہاں بھی مال اور اولاد دی جائے گی نہ جانے اسے غیب کی خبر کس نے دے دی ہے یا اس نے کس خدا سے عہد لے لیا ہے۔ اس کا یہ بیان لکھ لیا گیا ہے اور اس کی سزا دی جائے گی اور اسے قیامت میں اکیلا بلایا جائے گا۔ شیاطین یوں ہی لوگوں کو گمراہ کرتے رہیں گے اور ہم روز قیامت پرہیزگاروں کو بارگاہِ الٰہی میں اور مجرموں کو جہنم میں حاضر کریں گے۔

ان ظالموں نے خدا کے لیے فرزند کا عقیدہ قائم کر لیا ہے حالانکہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے۔ ارض و سما کی تمام مخلوقات اس کی عبدیت میں ہے اسے سب کا حساب معلوم ہے اور سب کو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ خدا ایمان اور نیک عمل والوں کو لوگوں کا محبوب بنا دے گا اور اس امر کو صاحبانِ تقویٰ کے لیے ایک بشارت قرار دیا ہے ورنہ کتنی قوموں کو یوں ہلاک کر دیا ہے کہ نہ کہیں نظر آتی ہیں اور نہ کہیں آہٹ سنائی دیتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ طٰہٰ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۳۵ آیات ہیں۔
طٰہٰ سرکار دو عالمؐ کے القاب میں سے ایک لقب ہے اور یہ سورہ آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا بیشتر حصہ جناب موسیٰؑ سے متعلق ہے اور آخر میں ایک تذکرہ جناب آدمؑ اور شیطان کا بھی ہے کہ حق و باطل کا معرکہ وہیں سے شروع ہوا ہے اور اولاد آدمؑ کو عبرت کے سبق اسی مدرسہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اختتام سورہ پر پیغمبر اسلامؐ سے متعلق تعلیمات کا ذکر ہے لیکن پورے سورہ کا انتساب حضور ہی کی طرف ہے اور شاید اس کا راز یہ ہو کہ حضور نے اپنی ذات گرامی کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی تھی اور سورۂ مزمل نے بھی آپ کی بعثت کو رسالت موسیٰؑ سے مماثل اور مشابہ قرار دیا ہے۔
اس سورہ کا سابق سورہ سے ربط بالکل واضح ہے کہ اُس سورہ کا اختتام پیغمبرؐ سے مخاطبت پر ہوا تھا کہ ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں آسان بنا دیا ہے تاکہ آپ متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو افراد کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور اس سورہ کے آغاز میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ تبشیر اور انذار اپنے مقام پر ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنے کو زحمتوں میں ڈال دیں۔ آپ کا کام صرف یاد دہانی ہے کہ یہ خدائے پاک کی تنزیل ہے جو خالق سماوات و ارض بھی ہے اور صاحب عرش اعظم بھی۔ وہ تمام اسرار و رموز سے باخبر بھی ہے اور صاحب اسماء حسنیٰ بھی۔
اس کے بعد جناب موسیٰؑ کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے کہ انھوں نے آگ کو دیکھ کر اپنے اہل سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں یا راہنمائی حاصل کرلوں گا۔ اس کے

بعد جب قریب آئے تو آواز آئی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ یہ مقدس وادی ہے یہاں جوتیاں اُتار کر آؤ۔ میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے لہٰذا میری وحی کو غور سے سنو کہ میں خدائے وحدہٗ لاشریک ہوں۔ میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ قیامت آنے والی ہے۔ اُس دن ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا ملے گی۔ بے ایمان تمہیں راہِ حق سے ہٹانے نہ پائیں کہ اس میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

اچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰؑ نے کہا کہ میرا عصا ہے۔ اس پر تکیہ کرتا ہوں اور اس سے جانور چراتا ہوں۔ حکم ہوا اسے پھینک دو۔ اب جو پھینک دیا تو سانپ بن گیا۔ حکم ہوا کہ اب اُٹھالو، ہم اسے پرانی سیرت پر پلٹا دیں گے اور دیکھو تمہارے ہاتھ میں بھی چمک پائی جاتی ہے۔ یہ ہماری بڑی نشانیاں ہیں۔ انھیں کو لے کر فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

موسیٰؑ نے کہا خدایا میرے سینے کو کشادہ کر دے، میرے امر کو آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں، میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے، انھیں میرا شریک امر بنا دے تاکہ ہم تیری تسبیح اور تیرا ذکر کثیر کریں۔

ارشاد ہوا موسیٰ تمہاری مراد پوری ہو گئی اور ہم اس سے پہلے بھی تم پر احسان کر چکے ہیں جب تمہاری ماں کی طرف وحی کی تھی کہ بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا کے حوالے کر دو اسے ایک دشمن اٹھالے گا اور ہم اس کا تحفظ کریں گے۔ چنانچہ تمہاری بہن کو بھیج دیا اور انھوں نے کہا کہ میں کفالت کے لیے ایک گھر کا پتہ بتا سکتی ہوں اور اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں سے ملا دیا تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں اور رنجیدہ نہ ہوں۔

پھر تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور ہم نے تمہیں اس غم سے بھی نجات دلا دی اور تم اہلِ مدین کے درمیان ایک مدت تک رہے۔ پھر ایک بلند منزل پر آگئے۔ خیر اب تم اپنے بھائی کے ساتھ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور نرمی سے گفتگو کرو شاید وہ راستہ پر آجائے۔ موسیٰؑ نے خوف کا اظہار کیا۔ پروردگار نے کہا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تم

پیغام پہونچاؤ اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرو اور اسے عذاب سے ڈراؤ۔ موسیٰ نے جب ہدایت کا پیغام پہونچایا تو فرعون نے پوچھا کہ آخر تمھارا خدا کون ہے؟۔ فرمایا کہ کل کائنات کا خالق اور راہنما، زمین کو گہوارہ بنانے والا، زمین میں راستے بنانے والا، آسمان سے پانی برسا کر نباتات کے جوڑے پیدا کرنے والا۔

فرعون نے یہ سب سُن کر بھی انکار کر دیا اور معجزات کو جادو قرار دے دیا اور مقابلہ کے لیے جادوگر طلب کر لیے۔ جناب موسیٰ نے عذاب کا خوف دلایا۔ فرعونیوں میں آپس اختلاف ہو گیا۔ موسیٰؑ نے دوبارہ چیلنج کیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے رسیاں اور ڈنڈے پھینک دیئے جو سانپ کی طرح رینگنے لگے۔ موسیٰ کو قوم کی گمراہی کا خوف پیدا ہو گیا۔ ہم نے کہا ڈرو نہیں تم غالب رہو گے۔ اب جو موسیٰ نے عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر سارے سانپوں کو نگل گیا۔ جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہا کہ ہم تو رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے ازراہ شیطنت کہا کہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں ایمان لے آئے۔ اب تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں گے۔ ان لوگوں نے کہا کہ حق کی راہ میں سب گوارا ہے۔ پھر پروردگار سے مغفرت طلب کی کہ مجرم کا انجام جہنم ہے اور صاحبانِ ایمان و کردار کے لیے بلند ترین درجات ہیں جہاں جنت میں نہریں جاری ہوں گی۔

پھر ہم نے موسیٰؑ سے کہا کہ قوم کو لے کر دریا میں راستہ بنا کر نکل جاؤ۔ فرعون نے تعاقب کیا تو ہم نے اسے دریا میں غرق کر دیا اور اس نے قوم کو بھی گمراہ کیا اور غارت کر دیا۔

ان تمام تذکروں کے بعد بنی اسرائیل کو دعوت شکر دی گئی کہ تمھیں دشمن سے نجات دلائی۔ تم پر من و سلویٰ نازل کیا کہ پاکیزہ رزق کھاؤ اور سرکشی نہ کرو۔ سرکشی کا انجام تباہی ہے۔ میں توبہ کرنے والوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

پھر موسیٰؑ سے خطاب ہوا کہ تم قوم کو چھوڑ کر آگے کیوں نکل آئے ہو؟۔ عرض کی راہ خیر میں سبقت کی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تمھاری قوم کا امتحان لیا ہے اور اسے سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ اب جو موسیٰ آئے اور نیا نقشہ دیکھا تو فرمایا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ میرا انتظار کیوں نہیں کیا ہے۔

قوم نے کہا کہ سامری نے آواز دار گوسالہ بنا کر اسے خدا قرار دے دیا۔ ہارون نے بہت سمجھایا لیکن کسی نے ایک نہ سنی اور اس کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ موسیٰ نے ہارون سے کہا کہ تم نے کیا کیا؟ کہا، میں کیا کرتا۔ میں نے سمجھایا اور پھر چپ ہوگیا کہ قوم میں تفرقہ کا الزام نہ آنے پائے۔

پھر سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا؟۔ اس نے کہا مجھے ایک نمائندۂ خدا کی خاک مل گئی تھی اور میں نے اسے بچھڑے میں ڈال کر اسے گویا بنا دیا تھا۔ فرمایا، دور ہوجا۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ کسی کے قریب نہ جاسکے گا اور اس تیرے خدا کو میں جلا کر ہوا میں اڑا دوں گا۔

خدا بس وہی ہے جو کائنات کا مالک ہے اور ہر شے کا جاننے والا ہے۔ جو اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ جب صور پھونکا جائے گا اور سارے مجرمین کو جمع کیا جائے گا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ زمین چٹیل میدان ہوجائے گی۔ آوازیں دب جائیں گی اور کسی کی سفارش بھی کام نہ آئے گی جب تک خدا اجازت نہ دیدے۔ وہ ہر شے سے باخبر ہے اور ہر شے اس کے سامنے سر بسجود ہے۔ ظلم کرنے والا ناکام ہے اور ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو نہ کسی ظلم کا خوف ہے نہ نقصان کا۔ ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے اور ہر وعدہ کو طرح طرح سے بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں یا قرآن ان کے اندر عبرت پیدا کردے۔

● آیت ۱۱۶ سے داستانِ آدمؑ و ابلیس کا آغاز کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ پھر اولادِ آدمؑ کو فتنۂ ابلیس سے ہوشیار کر دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ اس کے شر سے بزعم ابلیس حضرت آدمؑ محفوظ نہ رہ سکے تو اولادِ آدمؑ کا کیا تذکرہ ہے۔ انھیں زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اللہ نے ملائکہ کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا اور سب نے سجدہ کر لیا۔ صرف ابلیس نے انکار کر دیا تو ہم نے بتا دیا کہ آدمؑ یہ تمھارا اور تمھاری زوجہ کا دشمن ہے۔ خبردار! کہیں تمھیں جنت سے نکال نہ دے۔ جنت تمھارے لیے بہترین راحتوں کی جگہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود ابلیس نے ایک درخت کے فضائل بیان کر کے اس کے پھل کھلا دیے اور نتیجہ میں آدمؑ کو باہر آنا پڑا اور پھر انھوں نے ہماری بارگاہ میں توبہ کی، تو ہم نے انھیں دوبارہ راحت و آرام

عطا کر دیا کہ ہماری ہدایت کا پیرو گمراہ یا بدبخت نہیں ہوتا ہے۔ البتہ ہماری یاد سے اعراض کرنے والا تنگی حیات کا شکار ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن بھی اندھا محشور ہوگا، اور جب سوال کرے گا کہ ایسا کس طرح ہوگیا تو ہم کہیں گے کہ تونے دنیا میں آنکھیں بند کرلیں تو یہاں ہم نے آنکھیں بند کر دیں اور یہ ہمارا برتاؤ ہر ایسے انسان کے ساتھ ہوتا ہے جو ظلم کرنے والا اور آیات الٰہیہ سے انکار کرنے والا ہوتا ہے۔

ہم نے اس جرم میں کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا اور اگر اب بھی وقت عذاب معین نہ ہوتا تو بہت سی قومیں ہلاک ہو جاتیں۔

● آیت نمبر ۱۳۰ سے قصۂ آدمؑ و ابلیس کے نتائج کی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ انسان کی واقعی ذمہ داری کیا ہے۔

پیغمبرؐ! آپ لوگوں کی بکواس پر صبر کریں۔ صبح و شام اور رات کے حصوں میں تسبیح پروردگار کریں۔ لوگوں کے راحت و آرام پر نگاہ نہ ڈالیں۔ یہ چند روزہ بہارِ زندگی ہے اور بس! رزق پروردگار اس سے کہیں زیادہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور اس راہ میں صبر سے کام لیں۔ ہمیں کسی رزق کی ضرورت نہیں ہے، ہم تو خود ہی رازق ہیں اور انجام کار اہلِ تقویٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ہم ارسال رسل سے پہلے عذاب نہیں کرتے ہیں۔ پہلے حجّت تمام کرتے ہیں اور اس کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔ لہٰذا سب کو وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ کون سیدھے راستہ پر ہے اور کس نے منزلِ ہدایت کو حاصل کر لیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ انبیاء

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ایک سو بارہ ۱۱۲ آیات ہیں۔ اس سورہ میں بیشتر انبیاء کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ قوموں کے سلوک اور ان کے انجام کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اس کا ماقبل سے رابطہ یہ ہے کہ سورہ طٰہٰ کے خاتمہ پر یہ تنبیہ کی گئی تھی کہ سب کو وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ عنقریب حق و باطل واضح ہو جائے گا اور اہلِ باطل عذابِ الٰہی کو دیکھ لیں گے اور اس سورہ کا آغاز اسی نکتہ سے کیا گیا ہے کہ حساب کا وقت آگیا ہے اور لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کا حال ہی یہ ہے کہ جب کوئی تازہ یاددہانی آتی ہے تو سن کر کھیل کود میں لگ جاتے ہیں اور ظالمین لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ یہ پیغمبر تمہارا ہی جیسا ایک انسان ہے۔ اس کا کلام جادو ہے بلکہ ایک خواب و خیال ہے، بلکہ افترا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے ورنہ سابق کے مرسلین کی طرح کوئی معجزہ کیوں نہیں پیش کرتا۔ حالانکہ ان کے پہلے والے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لے آئے اور ہم برابر مرسلین بھیجتے رہے اور وہ سب بھی عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے رہے ہیں۔ یہ اپنے اہلِ علم سے دریافت کرسکتے ہیں ہمارا وعدہ غلط نہیں ہوتا ہے ہم جسے چاہتے ہیں نجات دے دیتے ہیں اور زیادتی کرنے والوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

ہم نے ظالموں کی بستیوں کو تباہ کر دیا ہے اور جب وہ عذاب کو دیکھ کر بھاگنے لگے تو ہم نے کہا کہ اب بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ انھیں راحتوں اور لذتوں میں رہو جن کی بنا پر کفر اور انکار کر رہے تھے۔ ہم نے کائنات کو بے مقصد نہیں پیدا

کیا ہے۔ ہم حق کے ذریعہ باطل کو پاش پاش کرنا جانتے ہیں۔ کائنات ہمارے اختیار میں ہے۔ ہمارے نیک بندے استکبار سے کام نہیں لیتے ہیں اور رات دن تسبیح پروردگار کرتے رہتے ہیں۔

ان لوگوں نے زمین میں خدا کیوں بنائے ہیں جب کہ دو خدا ہوتے تو زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے۔ پھر انھیں خدا بنانا ہے تو اس کی دلیل بھی لے آئیں جس طرح یہ قرآن آپ کی دلیل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے اکثر افراد حق سے ناواقف ہونے کی بنا پر اعراض کر رہے ہیں۔

آپ سے پہلے بھی مرسلین توحید اور بندگی پروردگار کا پیغام دیتے رہے ہیں اور یہ نالائق خدا کے لیے اولاد بناتے رہے ہیں حالانکہ وہ سب بندۂ خدا تھے اور اس کے امر کی اطاعت کرنے والے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فرزند خدا یا خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا تو ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہم نے جڑے ہوئے زمین و آسمان کو الگ کر دیا ہے اور پانی سے ہر ذی حیات کو خلق کیا ہے۔ پھر زمین میں پہاڑ اور پہاڑوں کے درمیان راستے قرار دیے ہیں۔ آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے۔ روز و شب اور شمس و قمر کی تخلیق کی ہے اور سب اپنے فلک میں محو گردش ہیں۔

کوئی اس زمین پر رہنے والا نہیں ہے۔ سب کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور سب کی خیر و شر سے آزمائش ہونے والی ہے اور سب بارگاہ الٰہی میں جانے والے ہیں۔

یہ کفار آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں اور عذاب میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں اور اس کا وقت دریافت کر رہے ہیں۔ حالانکہ جب وہ آجائے گا اور اچانک آجائے گا تو کچھ نہ کر پائیں گے اور یہ سب کچھ ہو چکا ہے اور کوئی بچانے والا نہیں پیدا ہوا ہے۔ نہ کوئی خدا کام آیا ہے نہ کوئی محافظ۔ ہم تو زمین کو یوں ہی اطراف سے کم کرتے رہتے ہیں اور آبادیاں تباہ ہوتی رہتی ہیں۔

پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجیے کہ میرا کام وحی کے ذریعہ ڈرانا ہے۔ بہرے افراد آواز نہیں سن سکتے ہیں اگرچہ عذاب کا احساس کرتے ہی اپنے ظلم کا اقرار کر لیں گے۔ ہم قیامت

کے دن میزان قائم کریں گے تاکہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے اور ہر رائی کے دانہ کے برابر عمل کا حساب ہو جائے۔

● اس پوری تمہید کے بعد آیت ۴۸ سے انبیاء کرامؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو فرقان، روشنی اور یاد دہانی سب عطا کی جس طرح کہ یہ قرآن ایک مبارک ذکر ہے تو کیا تم بھی قوم موسیٰؑ کی طرح انکار کر دو گے۔

پھر اس سے پہلے ابراہیمؑ کو ہدایت عنایت کی جب انھوں نے اپنے مربی آذر اور قوم سے کہا کہ ان مجسموں کی عبادت کا فلسفہ کیا ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ سیرت آباء واجداد ہے۔ انھوں نے سمجھایا کہ یہ گمراہی ہے لیکن قوم نے تسلیم نہ کیا تو انھوں نے کہا کہ میں عنقریب ان سب کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دوں گا اور پھر ایسا ہی کیا اور ایک بڑے کو چھوڑ دیا اور جب لوگوں نے صورت حال کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے تو بعض افراد نے کہا کہ ایک ابراہیم نامی شخص ہے جو ان کی برائی کیا کرتا تھا۔ لوگ ابراہیمؑ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ یہ تمھارا کام ہے؟ فرمایا یہ ان کے بڑے کا کام ہے۔ یقین نہ آئے تو دریافت کر لو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بولنے کے لائق نہیں ہے۔ فرمایا افسوس ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے۔ افسوس صد افسوس کب تک بے عقلی کرتے رہو گے۔

لوگوں نے کہا کہ انھیں آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ آئندہ ہمارے خدا محفوظ رہ سکیں اور ہم نے آگ کو حکم دے دیا کہ ابراہیمؑ کے لیے سرد اور سلامتی بن جائے اور اس طرح لوگوں کے مکر کو باطل اور بیکار بنا دیا اور ابراہیمؑ کو ایک مبارک زمین تک پہونچا دیا اور انھیں اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی نیک کردار نسل عطا کر دی اور سب کو امام بنا دیا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کریں اور انھیں نیکیاں انجام دینے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھی کر دی کہ یہ سب ہمارے عبادت گذار بندے تھے۔

پھر لوطؑ کو علم و حکمت عطا کیا اور خبیث لوگوں سے نجات دلا کر اپنی رحمت میں داخل کر لیا کہ وہ نیک کردار بندوں میں سے تھے پھر اور آگے بڑھ کر نوحؑ کو دیکھو کہ انھوں نے

ہمیں پکارا تو ہم نے انھیں اور ان کے اہل کو کرب عظیم سے نجات دے دی اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیا۔

پھر داؤدؑ اور سلیمانؑ کی زندگیاں دیکھو کہ انھوں نے ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کیا تو ہم نے سلیمانؑ کو صحیح فیصلہ کا راستہ بتا دیا حالانکہ ہم نے سب کو حکمت اور علم عطا کیا ہے اور داؤدؑ کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اور جبال و طیور سب ان کے ساتھ مصروف تسبیح پروردگار تھے اور ہم نے انھیں زرہ سازی کا علم بھی دے دیا تھا اور سلیمانؑ کے لیے ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا اور شیاطین بھی ان کے لئے غوطے لگا کر سامان برآمد کرتے تھے۔

اس کے بعد اسماعیلؑ، ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کو دیکھو جو سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔

اور ذوالنونؑ کو یاد کرو جب وہ ناراض ہو کر چلے اور انھیں خیال تھا کہ ہم ان پر روزی کو تنگ نہیں کریں گے تو انھوں نے تاریکیوں میں ہمیں پکارا اور ہم نے انھیں غم سے نجات دلا دی کہ ہم صاحبانِ ایمان کو یوں ہی نجات دلاتے ہیں۔

اس کے بعد زکریا کو دیکھو کہ انھوں نے تنہائی کی فریاد کی اور وارث کا تقاضا کیا تو ہم نے انھیں یحییٰؑ جیسا فرزند دے دیا اور زوجہ کو بھی صالحہ بنا دیا کہ دونوں نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے اور ہم سے دعا کرنے والے تھے۔

پھر مریمؑ کے حالات پر نظر کرو جس نے اپنی عفت کا تحفظ کیا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اُسے اور اس کے فرزند کو اپنی نشانی قرار دے دیا۔

بے شک یہ تمھارا دین ایک ہی دین اسلام ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں لہٰذا میری عبادت کرو۔

اتمام حجت کے ان تمام وسائل کے بعد بھی لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا تو اب نیک کردار اور صاحبانِ ایمان کی سعی ضائع نہ ہوگی اور منکرین کو بھی ہماری بارگاہ میں حاضری دینا پڑے گی۔

اور جب وعدۂ الٰہی کا وقت آجائے گا تو یاجوج و ماجوج کو آزاد کر دیا جائے گا اور کفار کو یہ افسوس ہوگا کہ ہم غفلت میں تھے بلکہ ظالم تھے۔ بے شک تم سب اور تمھارے معبود

سب جہنم کا ایندھن بنیں گے اور یہ دلیل ہے کہ یہ خدا نہیں ہیں ورنہ جہنم میں نہ جاتے، ہاں جن کے حق میں نیکی مقدر ہو چکی ہے وہ محفوظ رہیں گے اور اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے بلکہ اپنی مطلوبہ نعمتوں کے درمیان آرام سے رہیں گے۔ فزع اکبر کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا اور ملائکہ انھیں مبارکباد پیش کریں گے۔

اس دن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے اور جس طرح پہلے سب کو پیدا کیا تھا دوبارہ منظر عام پر لائیں گے کہ ہمارا وعدہ برحق ہے۔

اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے آخری وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے، اور پیغمبرؐ ہم نے آپ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف برابر وحی آتی ہے کہ تمھارا خدا صرف ایک ہے تو کیا تم سب اطاعت گذار بنو گے اور اگر انکار کر دیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم ہے کہ عذاب جلدی آئے گا یا دیر میں آئے گا۔ خدا ظاہری اقوال سے بھی باخبر ہے اور رازداریوں سے بھی آگاہ ہے۔

شاید یہ تاخیر عذاب ایک طرح کا امتحان ہو اور ایک معینہ مدت کا آرام ہو۔

اس کے بعد پیغمبرؐ نے دعا کی کہ خدایا ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار ہی تم لوگوں کی باتوں کے مقابلہ میں ہمارا مددگار ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ حج

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۷۸ آیات ہیں۔ اس کی بنیاد اسلام کے اس فریضہ پر رکھی گئی ہے جو شوکتِ اسلام کا بہترین ذریعہ ہے اور جس کے ذریعہ اسلام نے عظیم ترین سیاسی مسائل حل کیے ہیں۔

حج اسلام کی عظیم ترین سیاسی عبادت ہے جس میں تمام عالم اسلام کو ایک مرکز پر جمع کر کے مسلمانوں کی ذہنی اور عملی تربیت کے ساتھ ان کے اجتماعی اور سیاسی مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔

یہ سورہ اگرچہ مدنی ہے لیکن اس کے باوجود اس کا محل وقوع سابق سورہ سے عمیق ترین رابطہ رکھتا ہے کہ سورۂ انبیاء کے اختتام پر چند روزہ راحت و آرام کے بعد عظیم عذاب کی خبر دی گئی تھی اور اس سورہ کا آغاز قیامت کے زلزلہ سے ہوتا ہے جس کے زیر اثر دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ نشہ کے عالم میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ نشہ نہ ہوگا بلکہ عذاب الٰہی ہوگا، اور عذاب الٰہی بہت شدید ہوتا ہے۔

اس سورہ کی بنیاد فریضۂ حج پر رکھی گئی ہے لیکن ابتدائی آیات میں عقیدۂ قیامت اور اس کے متعلقات کا ذکر کیا گیا ہے اور حج کے بعد جہاد کی اہمیت کا اعلان کیا گیا ہے درمیان درمیان بعض بنیادی عقائد اور ایمانی مسائل کی تاکید بھی کی گئی ہے کہ انسان کسی قیمت پر ان عقائد سے غافل نہ ہونے پائے۔

● آیت ۵ سے دلائل قیامت کا آغاز ہوتا ہے کہ اگر تمہیں قیامت میں شک ہے

تو یہ سوچو کہ ہم نے ہی تمھیں مٹی، نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ سے یہاں تک پہونچایا ہے۔ پھر بچہ، جوان، ضعیف بنایا ہے تو جس طرح یہ سب ممکن ہے دوبارہ زندہ کرنا بھی ممکن ہے۔ دیکھو ہم پانی برسا کر مُردہ زمینوں کو زندہ بناتے ہیں یا نہیں اور پھر کیسا سبزہ زار بنا دیتے ہیں۔

قیامت میں کسی طرح کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تمام مُردوں کو قبر سے اُٹھانے والا ہے۔ جو لوگ علم، ہدایت اور کتاب کے بغیر بحث کرتے ہیں ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب جہنم ہے اور یہ سب ان کے اعمال کی جزا ہے۔ خدا کا کسی طرح کا ظلم نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا ایمان صرف ایک رُخ کا ہوتا ہے کہ اگر نیکی مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور مصیبت پڑ جاتی ہے تو پلٹ جاتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ خسارہ ہے اور یہ ایسے افراد کو پکارتے ہیں جن کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ نقصان اور یہ ایک طویل گمراہی ہے۔

اللہ ایمان و کردار والوں کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ نصرت الٰہی میں شک کرنے والا خودکشی کرنے والے کے مرادف ہے۔ ہم نے آیات کو واضح کر کے بیان کر دیا ہے تاکہ قابلِ ہدایت افراد ہدایت حاصل کر سکیں۔

اللہ قیامت کے دن مومنین، یہود، نصاریٰ، ستارہ پرست، مجوس اور مشرکین سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ آخر یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات، شمس و قمر، نجوم و جبال و اشجار و حیوانات اور بہت سے انسان اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور بہت سے لوگوں پر عذاب الٰہی ثابت ہو چکا ہے تو انھیں کوئی عزت دینے والا بھی نہیں ہے۔

● آیت ۲۵ سے حج کی تمہید میں مسجد الحرام کی عظمت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اللہ کا انکار کرنے والے اور راہ خدا اور مسجد الحرام سے روکنے والے جس میں قریب و بعید سب کا برابر کا حق ہے اور ظلم کے ساتھ مسجد میں الحاد کرنے والے سب کے لیے عذاب الیم مہیا کیا گیا ہے۔

اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے خانۂ خدا کی جگہ مہیا کی کہ شرک نہ ہونے پائے اور طواف و اعتکاف و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اسے پاک رکھا جائے اور کہا لوگوں کے درمیان حج کے لیے آواز دو لوگ پیدل اور سواریوں پر دور دراز علاقوں سے بھی آئیں گے تاکہ اپنے منافع کا مشاہدہ کر سکیں اور مقررہ دنوں میں ذکر خدا کر سکیں اس رزق پر جو جانوروں کی شکل میں دیا گیا ہے اور اسے خود بھی کھائیں اور فقیروں کو بھی کھلائیں۔ پھر اپنے بدن کی کثافت کو دور کریں۔ نذر کو پورا کریں اور قدیم ترین گھر کا طواف کریں۔

خدا کی محترم چیزوں کی تعظیم خدا کی بارگاہ میں نہایت ہی بہتر شے ہے۔ اور تمہارے لیے جانوروں کو حلال کر دیا گیا ہے علاوہ ان کے جن کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ دیکھو بت پرستی کی کثافت سے دور رہو اور مہمل باتوں سے بھی پرہیز کرتے رہو۔ خالص اللہ کے ہو جاؤ اور شرک نہ کرو کہ شرک آسمان سے گرنے والے کے جیسا ہے کہ ہوا اسے جدھر چاہے اڑا لے جائے یا کوئی پرندہ جب چاہے اچک لے جائے۔

شعائر اللہ کی تعظیم دل کے خوف خدا سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر قوم کے لیے طریقۂ عبادت معین کر دیا گیا ہے لہٰذا قربانی کے جانور پر نام خدا ضرور لیا جائے۔ اس لیے کہ وہی ایک خدا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے۔

بشارت ان نیک بندوں کے لیے ہے جن کے سامنے ذکر خدا ہوتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور وہ مصائب میں صبر کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور رزق خدا میں سے انفاق کرتے رہتے ہیں۔

ہم نے قربانی کے جانور کو بھی شعائر اللہ میں قرار دے دیا ہے، لہٰذا اس پر بھی نام خدا لے کر نحر کرو اور جب گر جائے تو اسے خود بھی کھاؤ اور غریبوں کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے ان جانوروں کو اس لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر خدا ادا کر سکو۔ اور یاد رکھو کہ خدا کے یہاں ان کا گوشت یا خون جانے والا نہیں ہے۔ وہاں صرف تقویٰ جانے والا ہے۔ تم ہدایت الٰہی پر اس کی کبریائی کا اعلان کرو وہ صاحبان ایمان کی طرف سے دفاع کرنے والا ہے۔

● آیت ۳۹ سے ایک نئے حکم کا تذکرہ ہوتا ہے جو راہِ خدا کی دوسری نمایاں مثال ہے کہ انسان یا خدا کے گھر کی طرف سفر کرتا ہے اور حج بیت اللہ بجا لاتا ہے یا خدا کی بارگاہ کا ارادہ کرتا ہے تو راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے۔

اس مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ مظلومین کو جہاد کا اذن دے دیا گیا ہے کہ ان پر جنگ مسلط کی جا رہی ہے اور خدا ان کی مدد کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں صرف اس جرم میں کہ اللہ کو اپنا پروردگار مانتے ہیں اور اس طرح اگر خدا بعض انسانوں کے ذریعہ بعض کا دفعیہ نہ کرتا تو تمام گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے، مجوسیوں کے مرکز اور اسلام کی مسجدیں سب منہدم ہو جاتیں۔ اللہ اپنے مددگاروں کی ضرور مدد کرے گا کہ وہ قوی بھی ہے اور صاحبِ عزت بھی ہے۔

اس کے مددگار وہ بندے ہیں جنھیں زمین میں اختیار مل جائے تو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور انجام کار تو خدا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

● آیت ۴۲ سے پیغمبر اسلامؐ کی تسکین کا سامان فراہم کیا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو اس سے پہلے قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ، قوم ابراہیمؑ، قوم لوطؑ، اصحاب مدین، قوم موسیٰؑ سب یہی کام کر چکے ہیں اور ہم نے سب کو پہلے مہلت دی، اس کے بعد اپنی گرفت میں لے لیا۔ دیکھ لو کتنی ظالم بستیاں اُلٹی پڑی ہیں۔ کتنے کنویں معطل ہو گئے ہیں اور کتنے مضبوط قصر مسمار ہو گئے ہیں۔

کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ ان کے پاس سمجھنے والے دل اور سُننے والے کان ہوتے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں۔ سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں۔

● آیت ۵۲ سے فتنۂ شیاطین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شیاطین کا ہر رسول کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ جب کسی امر کی آرزو کرتا ہے تو درمیان میں دخل اندازی کرتے ہیں اور خدا اس کی مداخلت کو باطل کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو مستحکم بنا دیتا ہے اور یہ

دخل اندازی اصل میں ان صاحبانِ ایمان کا امتحان ہوتی ہے جن کے دل میں مرض ہے یا جن کے دل سخت ہو گئے ہیں ورنہ صاحبانِ علم جانتے ہیں کہ یہ وحی پروردگار کی طرف سے بالکل برحق ہے وہ اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے دل بارگاہِ الٰہی میں اظہار عاجزی کرتے ہیں اور خدا انھیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے۔

● آیت ۵۵ سے پھر عقیدۂ قیامت کی تاکید کی گئی ہے کہ کفار کو اس وقت تک شک رہے گا جب تک وہ اچانک آنہ جائے یا کسی منحوس دن کا عذاب آجائے اس دن ملک صرف اللہ کے لیے ہوگا اور کفار کے لیے ذلت آمیز عذاب ہوگا ـــــ اور صاحبانِ ایمان و کردار جنّت النعیم میں رہیں گے۔

خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والے اور شہید ہو جانے والے یا مر جانے والوں کے لیے بہترین رزق ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ وہ انھیں ایسی جگہ رکھے گا جہاں خوش ہو جائیں گے کہ خدا مظلومین کی مدد کرتا ہے اور کرسکتا ہے اس لیے کہ وہ دن کو رات، اور رات کو دن بنانے کی طاقت رکھتا ہے اور وہ خدائے برحق ہے اور اس کے علاوہ سارے خدا باطل ہیں۔

قیامت کو سمجھنا ہے تو زمین کو دیکھو کہ کس طرح مُردہ ہونے کے بعد ایک بارش سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ دیکھو خدا لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

پھر دیکھو کہ اس نے تمھارے لیے زمین کی ہر شے کو مسخر کر دیا ہے۔ دریاؤں میں کشتیاں چلا دی ہیں۔ آسمان زمین پر گرنے سے بچا ہوا ہے۔ اس نے حیات دی ہے پھر موت دے گا اور پھر زندہ بنائے گا لیکن انسان کس قدر ناشکرا ہے۔

ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقۂ عبادت بنا دیا ہے لہٰذا جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ خدا کی طرف دعوت دیں کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں اور اگر یہ لوگ جھگڑا کریں تو انھیں خدا کے حوالے کر دیں وہ خود ہی فیصلہ کر دے گا کہ وہ آسمان و زمین کی ہر شے سے باخبر ہے۔

یہ غیر خدا کی پرستش بغیر کسی دلیل کے کرتے ہیں اور کوئی ہماری آیات کی تلاوت

کرتا ہے تو حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ انھیں بتا دیجئے کہ ان کا انجام جہنم ہے جس کا وعدہ ہر کافر سے کیا گیا ہے اور وہ بدترین انجام ہے۔

● آیت ۷۳ سے غیر خدا کی بے کسی اور خدا کی عظمت کی مثالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ خدا کے علاوہ تمام معبود اس قدر کمزور ہیں کہ ایک مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں اور اگر مکھی کوئی چیز چھین لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ یہاں طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے خدا کی قدر نہیں پہچانی ہے۔ وہ ملائکہ اور انسانوں میں سے اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے اور سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ حال و مستقبل سب کا عالم ہے اور سب کی بازگشت اسی کی بارگاہ کی طرف ہے۔

ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، پروردگار کی عبادت کرو، نیکیاں انجام دو کہ اسی میں کامیابی ہے۔ راہ خدا میں حق جہاد ادا کرو کہ اس نے تمھیں منتخب کیا ہے اور دین میں مشقت نہیں رکھی ہے۔ یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے جنھوں نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ رسول تمھارے اعمال کا نگراں رہے اور تم لوگوں کے گواہ رہو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اللہ سے وابستہ ہو جاؤ کہ وہی تمھارا مولا ہے، بہترین مولا ہے اور بہترین مددگار۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ مومنون

یہ سورہ مکی ہے اور اس میں ۱۱۸ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس میں سارا زور عقائد پر دیا گیا ہے اور اعمال کا تذکرہ بہت مختصر ہے لیکن خود عقائد میں بھی اس سورہ کا محور عقیدۂ قیامت کو بنایا گیا ہے اور اس کے اثبات کے مختلف وسائل و دلائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے بھی صرف دو انبیاء کے تذکرہ کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ جناب نوحؑ اور جناب موسیٰؑ ـ کہ ان دونوں کی قوم انکارِ حقائق کے اعتبار سے بدترین قوم تھی اور ان دونوں کی زندگی میں قیامت کے بہترین دلائل پائے جاتے ہیں۔ طوفانِ نوحؑ کے بعد از سر نو دنیا کا آباد ہونا قدرتِ خدا کی بہترین دلیل ہے اور جناب موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا اس امر کی طرف حسین ترین اشارہ ہے کہ خدا جس بے جان میں چاہے زندگی پیدا کرسکتا ہے۔ اس کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

یہ سورہ اگرچہ مکی ہے اور اس سے پہلے والا سورہ مدنی ہے لیکن اس کے باوجود دونوں میں حسین ترین ارتباط پایا جاتا ہے۔ سورۂ حج کے اختتام پر صاحبانِ ایمان کو یاد دلایا گیا تھا کہ راہِ خدا میں جہاد کرو کہ اس نے تمھیں منتخب بنایا ہے اور تمھارا نام مسلم رکھا ہے۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، خدا سے وابستہ رہو کہ وہی بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے ـ اور اس سورہ کا آغاز ایسے ہی افراد کی کامیابی کے اعلان سے ہوتا ہے کہ کامیابی ان صاحبانِ ایمان کا مقدر ہے جو نمازمیں خشوع سے کام لیتے ہیں، لغویات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اپنی عفت و عصمت کا تحفظ کرتے

ہیں علاوہ اپنی ازواج اور کنیزوں کے کہ ان سے تعلقات اور ان کے سامنے آزادی قابلِ ملامت نہیں ہے، امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں، نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور درحقیقت یہی لوگ جنت کے وارث اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

● آیت ۱۲ سے قیامت کی تمہید شروع کی گئی ہے۔

ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے پھر اسے نطفہ بنا کر رکھا ہے پھر نطفہ کو علقہ، علقہ کو مضغہ، مضغہ کو ہڈی بنایا ہے اور پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا ہے اور پھر ایک نئی مخلوق بنادیا ہے کہ مجھ سے بہتر خالق کون ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد تمھیں موت دی جائے گی اور پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ہم ساتوں آسمانوں کے خالق اور محافظ ہیں۔ ہم نے پانی برسا کر اسے محفوظ کر دیا ہے اور پھر سے ختم بھی کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس پانی سے باغات، کھجور، انگور اور میوے پیدا کیے ہیں۔ ہم نے زیتون کا درخت بھی ایجاد کیا ہے جس میں تیل بھی ہے اور سالن بھی۔ ہم نے جانوروں کے اندر دودھ اور دوسرے بے شمار منافع بھی پیدا کیے ہیں۔ ہمیں نے جانوروں اور کشتیوں کو نقل و حمل کا ذریعہ بنایا ہے۔

لیکن افسوس کہ جب ہم نے نوحؑ کو بھیجا اور انھوں نے توحید کا پیغام دیا تو ایک جماعت نے قوم کو یہ کہہ کر بہکا دیا کہ یہ تمھارے ہی جیسے انسان ہیں اور اس بہانے سے برتری کے خواہاں ہیں ورنہ خدا چاہتا تو ملائکہ کو بھیجتا۔ یہ بشر کی رسالت تو عجیب و غریب شے ہے۔ یہ انسان دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔

نوحؑ نے ہم سے فریاد کی تو ہم نے کشتی بنانے کا حکم دے دیا اور بتا دیا کہ جب طوفان آجائے تو ہر مخلوق کا ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لینا تاکہ آئندہ نسل برقرار رہ سکے اور باقی سب کو غرق ہو جانے دینا۔ مگر کشتی پر سوار ہونے کے بعد شکر ادا کرنا کہ ظالموں سے نجات مل گئی اور جہاں اُترنا وہاں بہتری کی دعا کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم غرق ہو گئی۔ لیکن اس کے بعد بھی جب ہم نے دوسری قوم کی طرف رسول بھیجے تو انھوں نے بھی یہی برتاؤ کیا اور بشر کی اطاعت کی مخالفت کر کے قیامت کا مذاق اڑایا کہ بھلا کہیں بوسیدہ ہڈیوں میں

زندگی آسکتی ہے۔ یہ افترا کرنے والا انسان ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ایک چنگھاڑ سے فنا کر دیا گیا اور اس کے بعد دوسری قوموں کو آباد کیا گیا لیکن ان کا بھی یہی حال رہا اور جس طرح مسلسل رسول آتے رہے اسی طرح مسلسل تکذیب بھی ہوتی رہی۔

یہاں تک کہ ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھیجا تو وہاں بھی فرعونیوں نے استکبار سے کام لیا اور تکذیب کر دی جس کے بعد سب ہلاک ہو گئے۔ حالانکہ ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب دی تھی اور اس کے بعد ابن مریمؑ کو بھی اپنی نشانی بنایا ہے لیکن قوموں کا کام انکار کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

ہم نے رسولوں کو حکم دے دیا کہ پاکیزہ غذا کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو۔ انھیں بتاتے رہو کہ میں قابلِ اطاعت خدا ہوں اور میرا ایک دین ہے لیکن اس کے بعد بھی لوگوں نے تفرقہ پیدا کیا اور ہر قوم اپنے عقائد و خیالات میں خوش رہی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ مال و اولاد ان کے حق میں نعمت و برکت ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

برکت ان کے لیے ہے جو خوفِ خدا سے لرزتے رہتے ہیں۔ آیاتِ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ شرک نہیں کرتے ہیں۔ راہِ خدا میں انفاق کرتے ہیں اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں لیکن لوگ غفلت میں پڑ جاتے ہیں تو ہم دولت مند اور عیش پرست افراد کو پکڑ لیتے ہیں اور وہ فریاد کرنے لگتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ پہلے ہماری آیات سے کیوں انکار کیا تھا۔ پہلے غور و فکر سے کیوں کام نہیں لیا تھا۔ کیا رسول کو نہیں پہچانا تھا۔ یا اسے دیوانہ سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ حق کا پیغام لے کر آیا تھا اور حق خواہشات کی پیروی کر لے تو زمین و آسمان برباد ہو جائیں۔

پیغمبرؐ! آپ کو ان کے خرچ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے لیے خراجِ پروردگار بہت بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ آپ صراطِ مستقیم کی دعوت دے رہے ہیں اور یہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے راستہ سے ہٹ گئے ہیں اور ہم ان پر

رحم بھی کردیں تو بھی ان کا حال یہی رہے گا۔ یہ عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بھی راہ راست پر نہیں آتے ہیں۔ صرف مایوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

● آیت ۹۰-۸۴ سے پھر خدائی احسانات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس نے زمین میں تمہیں پھیلا دیا ہے۔ وہی حیات و موت دینے والا ہے۔ اسی کے اختیار میں گردشِ روز و شب ہے۔ مگر یہ سب پہلے والوں کی طرح ایک ہی بات کہتے ہیں کہ کیا خاک اور بوسیدہ ہڈی ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں۔ یہی تو ہمارے باپ دادا سے بھی کہا گیا تھا لیکن اب تک کوئی واپس نہیں آیا ہے۔

پیغمبرؐ! انھیں خدائی اقتدار یاد دلائیے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے۔؟ ساتوں آسمان اور زمینوں کا پروردگار کون ہے؟ عرش اعظم کا مالک کون ہے؟ کائنات کا اختیار کس کے ہاتھوں میں ہے اور پناہ دینے والا کون ہے۔؟ آپ دیکھیں گے کہ ان کے پاس ہر سوال کا جواب یہیں ہوں گے تو پھر یہ کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں۔ انھیں بتائیے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا ہوتا تو اس کی خدائی کے آثار بھی نظر آتے۔ خدا ان مہملات سے پاک و پاکیزہ ہے۔ آپ پروردگار کی پناہ طلب کریں، شیاطین سے محفوظ رہنے کی دعا کریں، اور نیکیوں سے برائیوں کا دفاع کرتے رہیں۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب موت آجائے گی تو واپسی کا مطالبہ کریں گے تاکہ عمل صالح انجام دیں۔ حالانکہ ایسا ہرگز ہونے والا نہیں ہے اور نہ آئندہ یہ کوئی عمل خیر کریں گے۔ انھیں بتائیں کہ صور پھونک دیا گیا تو سارے رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اعمال کا پلہ بھاری ہوگا تو کامیابی ورنہ خسارہ ہی خسارہ اور جہنم میں ہمیشگی۔ جہاں سے نکلنے کا کوئی امکان نہ ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے نیک بندوں کا مذاق اڑایا تھا تو اب انھیں صبر کی جزا دی جائے گی اور تمھیں تمھارے اعمال کی سزا۔ کیا تمھارا خیال تھا کہ ہم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ہے اور قیامت نہ آئے گی خدائے وحدہٗ لاشریک برحق ہے اور اس کے علاوہ کسی کی خدائی کی کوئی دلیل نہیں ہے اور کفار کے لیے کامیابی نہیں ہے۔ خدایا رحم کر، مغفرت فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

اس طرح فلاحِ مومنین سے شروع ہونے والا سورہ عدم فلاح کفار پر تمام ہو گیا۔!!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نور

یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں ۶۴ آیات ہیں۔

مدنی ہونے کے اعتبار سے اس کا آغاز ہی فرائض واحکام سے ہوا ہے اور یہ پہلا سورہ ہے جس کی ابتدا میں اس کے سورہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے اور کھلی ہوئی نشانیوں کے نزول کا حوالہ دے کر نصیحت حاصل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

سورۂ مومنون کے اختتام پر مغفرت اور رحمت کا مطالبہ کیا گیا تھا تو اس سورہ کے آغاز میں فرائض الٰہیہ کا تذکرہ کر دیا گیا ہے تاکہ انسان کو یہ خیال رہے کہ رحمت اور مغفرت کا طلبگار ہے تو ان فرائض کا لحاظ بھی رکھنا ہوگا اور ان منکرات اور فواحش سے اجتناب بھی کرنا ہوگا جن سے اجتناب کرنے کا حکم اس سورہ میں دیا گیا ہے۔

اس سورہ میں اصل سورہ کی بنیاد نور الٰہی کے تذکرہ پر ہے لیکن تفصیلات میں انسان کے کردار کو نورانی بنانے اور اس کے اندر نور الٰہی کی جھلک پیدا کرنے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسان اپنے اندر جلوۂ ربوبیت پیدا کرنا چاہے تو قول وعمل میں ان تمام خباثتوں سے پرہیز کرنا ہوگا جو انسان کے کردار کو تاریک تر بنا دیتی ہیں خصوصیت کے ساتھ بدکاری کہ جو بدکرداری کا بہترین وسیلہ اور نمونہ ہے اور جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل و دماغ پر خواہشات کی حکمرانی ہوگئی ہے، اور خواہشات کی اس حکمرانی کے بعد انسان کے کردار کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتا ہے۔

سورہ کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے کہ زناکار مرد ہو یا عورت ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور کسی طرح کی مروت نہ کی جائے گی، بلکہ اس موقع پر مومنین کی جماعت

بھی حاضر رہے تاکہ اسے بھی عبرت حاصل ہو اور زنا کار کو بھی احساس پیدا ہو کہ کوئی بھی جرم چھپا نہیں رہ سکتا ہے۔

اس مقام پر عورت کا ذکر مرد پر مقدم رکھا گیا ہے کہ زنا کاری کا دار و مدار عورت کی عفت پر ہے۔ وہ اپنی عفت کا تحفظ کر لے تو مرد کی طرف سے اس جرم کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن عورت ہی دعوتِ حسن دینے لگے تو مرد کے لئے اس سے اجتناب کرنا بہت مشکل ہے ــــــ اس کے لیے حضرت یوسف جیسا کردار اور پھر اس کے ساتھ بھی رحمتِ پروردگار کی عنایت درکار ہے۔

زنا کی سخت ترین سزا کے بعد اس کے ثبوت کے شرائط کا ذکر کیا گیا کہ اس جرم کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ تہمتِ زنا لگانے والے ہی کو ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شوہر یہ الزام لگائے گا تو اسے چار مرتبہ قسم کھانا ہوگی اور پھر زوجہ بھی چار مرتبہ انکار پر قسم کھا کر اپنے کو شرعی حد سے بچا سکتی ہے۔

اسلام میں حرمتِ مومن اس قدر اہم ہے کہ زنا کار کی طرح تہمت زنا لگانے والا بھی مجرم ہے چاہے وہ صحابیٔ رسولؐ ہی کیوں نہ ہو جس طرح کہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر لوگوں نے عائشہ پر الزام لگا کر رسول اکرمؐ کو پریشان کرنا چاہا تھا تو قرآن مجید نے شدید مذمت کر کے رسولؐ کو مطمئن بھی کر دیا تھا اور صحابیت کا بھرم بھی کھول دیا تھا کہ بعض اصحاب الزام زنا لگانے سے بھی باز نہیں آسکتے ہیں تو یہ رسول اکرمؐ کے بعد صحابیٔ رسولؐ کی زوجہ سے بھی زنا کر سکتے ہیں۔

عمومی طور پر صحابیت سے حسن عقیدت ایک جہالت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسلام میں کردار کی بے حد اہمیت ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص بھی قابلِ احترام نہیں ہوتا ہے۔

تہمتِ زنا کی طرح غیبت اور برائیوں کی اشاعت بھی اسلام میں ایک جرم عظیم ہے جس کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب رکھا گیا ہے اور درحقیقت یہ سارے کام شیطان کی پیروی سے پیدا ہوتے ہیں اور شیطان ہی ان برائیوں کا حکم دیتا ہے کہ اگر فضل پروردگار شامل حال نہ ہو تو کوئی انسان بھی پاکیزہ کردار نہیں رہ سکتا ہے۔

● جنسی جرائم عام طور سے گھروں میں آزادانہ آمد و رفت سے بھی پیدا ہوتے ہیں اسی لیے

آیت ۲۷ سے اخلاق و آداب کا سلسلہ شروع کیا گیا کہ خبردار! کسی گھر میں سلام کیے بغیر اور اجازت لیے بغیر داخل نہ ہونا۔ کسی گھر میں تمہارا سامان ہے تو داخل ہو سکتے ہو بشرطیکہ اس میں کوئی رہتا نہ ہو، ورنہ بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

گھروں کے علاوہ عام زندگی میں بھی عفت کا تقاضا یہی ہے کہ مرد اور عورت دونوں اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عفت کا تحفظ کریں اس لیے کہ فتنہ کا سلسلہ نگاہوں ہی کے ٹکراؤ سے شروع ہوتا ہے اور یہ آگ انھیں چنگاریوں سے پیدا ہوتی ہے۔

نگاہوں کے نیچے رکھنے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پرکشش مقامات کی زینت کا اظہار نہ کیا جائے کہ انسان کے دل میں غلط جذبات انگڑائیاں لینے لگیں۔ البتہ جہاں ایسے جذبات کا خطرہ نہیں ہے اور خونی قرابت بدنیتی سے روک سکتی ہے وہاں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے شوہر، باپ دادا، خسر، اولاد، شوہر کی اولاد، برادران، بھانجے بھتیجے، اپنی عورتیں، غلام و کنیز اور وہ افراد جن کی خواہش ختم ہو چکی ہے یا وہ بچے جن میں خواہش بیدار نہیں ہوئی ہے۔

زینت کے اظہار کی طرح پیر پٹک کر چلنا بھی مناسب نہیں ہے کہ زیورات کی جھنکار بھی مرد کے تارِ دل کو جھنجھنا دیتی ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ ذمہ داران خاندان کا فرض ہے کہ غیر شادی شدہ افراد اور باصلاحیت غلام و کنیز کا عقد کر دیں اور غربت کی پروا نہ کریں کہ رزق دینے والا پروردگار ہے اور جذبات کی بیداری دولت کا انتظار نہیں کرتی ہے اور جب تک نکاح کا امکان نہ ہو عفت کا راستہ اختیار کیے رہیں۔

اور دیکھو خبردار! اپنی عورتوں کو پیسہ کی خاطر زنا پر آمادہ نہ کرنا کہ یہ بدترین کمائی ہے اور انھیں تو مجبوری کی بنا پر خدا معاف بھی کر سکتا ہے لیکن تمھیں ہرگز معاف نہ کرے گا کہ اس نے تمام احکام کو واضح کر دیا ہے اور تمہارے سامنے گزشتہ قوموں کی مثال بھی موجود ہے۔

● آیت ۳۵ سے اس نورِ مطلق کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جو ہر نورانیت کا مرکز اور ہر روشنی کا مصدر ہے۔

"اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس طاق کی ہے جس میں چراغ

رکھا ہو اور چراغ شیشہ کے اندر ہو اور شیشہ کی قندیل روشن ستارہ کے مانند ہو جو زیتون کے درخت سے روشن کیا جائے۔ نہ مشرق والا ہو نہ مغرب والا، اور قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر بھڑک اٹھے۔ یہ نور بالائے نور ہے اور خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دے دیتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا رہتا ہے۔

یہ چراغ بھی ان گھروں میں ہے جن کی بلندی کے بارے میں خدا کا حکم ہے اور جن میں صبح و شام ذکر خدا ہوتا رہتا ہے اور وہ لوگ تسبیح پروردگار کرتے رہتے ہیں جنھیں کاروبار حیات ذکر خدا، اقامہ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے روک نہیں سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں قیامت کا خوف پایا جاتا ہے۔

خدا ان کے اعمال کی بہترین جزا دینے والا ہے اور اپنے فضل سے اضافہ بھی کر دے گا۔ البتہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، ان کے اعمال کی مثال صحرا کے سراب کی ہے جسے پیاسا پانی سمجھ کر قریب جاتا ہے تو پانی تو نہیں ملتا ہے لیکن حساب کرنے والا مل جاتا ہے۔

یا اس کی مثال قعر دریا کی تاریکیوں کی ہے جہاں موجوں پر موجیں ہوں اور اس کے اوپر بادل ہوں اور تہ بہ تہ تاریکیاں ہوں کہ ہاتھ باہر نکالے تو کچھ نظر نہ آئے اور خدا جس کے لیے نور نہ قرار دے اس کی قسمت میں نور کہاں ہے۔"

اس کے بعد کفار کو وجود خدا اور عظمت پروردگار کے شواہد سے آگاہ کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اور فضا کے پرندے سب اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور وہ سب کی تسبیح سے باخبر بھی ہے۔ وہ ابر کو چلاتا ہے، پھر سب کو جوڑ کر تہ بہ تہ بنا دیتا ہے۔ پھر اس کے درمیان سے پانی برساتا ہے اور جہاں تک چاہتا ہے اس بارش کو پہونچا دیتا ہے اور وہ پانی کو برف کے پہاڑوں کے درمیان سے بھی برساتا ہے اور جہاں چاہتا ہے پہونچا دیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک اتنی تیز ہے کہ جیسے آنکھوں کی بینائی کو ختم کر دے گی۔

اس نے طرح طرح کے جانور پیدا کیے ہیں۔ بعض دو پیروں سے چلتے ہیں، بعض چار سے اور بعض پیٹ کے بل۔ وہ ہر طرح کی خلقت پر قادر ہے۔ ہم اسی طرح واضح آیات

بیان کرتے ہیں اور پھر جسے چاہتے ہیں صراط مستقیم کی ہدایت دے دیتے ہیں ورنہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو ایمان و اطاعت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر منھ پھیر لیتے ہیں اور خدا و رسول کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں مبتلا ہیں یا خدا و رسول کو ظالم سمجھتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ یہ خود ظالم ہیں — ورنہ شانِ ایمان یہ ہے کہ خدا و رسولؐ کے فیصلہ کی طرف بلایا جائے تو فوراً حاضر ہو جائیں کہ اسی میں کامیابی ہے۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے اور خوفِ خدا رکھ کر اس کے مطابق عمل کرنے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔

یہ لوگ اطاعتِ رسولؐ میں باہر نکلنے کا وعدہ کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں حالانکہ وعدہ یا قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اطاعت بہرحال ضروری ہے اور اس سے انحراف کرنے والے کو اس کی مسئولیت کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اس کی اطاعت میں ہدایت ہے اور اس کی ذمہ داری صرف واضح تبلیغ ہے اور بس!

● آیت ۵۵ میں پروردگار نے واقعی صاحبانِ ایمان سے کیے گئے وعدہ کا ذکر کیا ہے اور اس طرح مستقبلِ انسانیت کو روشن اور تابناک بنا دیا ہے:

"اللہ نے صاحبانِ ایمان و کردار سے وعدہ کیا ہے کہ گذشتہ افراد کی طرح انھیں بھی روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنائے گا اور ان کے پسندیدہ دین کو غلبہ عنایت کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دے گا۔ وہ صرف عبادتِ پروردگار کریں گے اور شرک نہیں کریں گے کہ کفر کرنے والے فاسق ہوتے ہیں۔

تم لوگ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ خدا تم پر رحم کرے اور کفار کے بارے میں یہ خیال نہ کرنا کہ وہ خدا کو عاجز کر دیں گے۔ ان کا انجام جہنم ہے اور یہ بدترین انجام ہے۔"

● آیت ۵۸ سے دوبارہ قوانین عفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ صاحبانِ ایمان کا فرض ہے کہ ان کے غلام اور نابالغ بچے بھی نمازِ صبح سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب آدمی کپڑے اتار دیتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد تمہارے پاس آنے سے پہلے اجازت

لے لیں کہ یہ پردہ کے اوقات ہیں۔ اس کے بعد آزادی ہے کہ بلا اجازت بھی آسکتے ہیں اور جب بالغ ہوجائیں تو کسی وقت بھی بلا اجازت نہیں آسکتے ہیں۔

البتہ جو عورتیں جنسی خواہش سے بالاتر عمر تک پہونچ گئی ہیں وہ اپنے ظاہری لباس کو اتار سکتی ہیں بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں اور عفت سے کام لیں۔

اسی طرح اندھے، لنگڑے اور بیمار افراد یا خود تمہارے لیے اپنے گھر، ماں باپ کے گھر، بھائی بہن کے گھر، چچا، پھوپھی کے گھر، ماموں، خالہ کے گھر، دوست کے گھر اور جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہیں ان میں سے جو کھانا چاہو کھا سکتے ہو، لیکن جب گھر میں داخل ہونا تو پہلے اپنے اوپر سلام کرنا کہ یہ خدا کا پاکیزہ اور بابرکت تحفہ ہے۔

صاحبانِ ایمان کی شان یہ ہے کہ اجتماعی کام چھوڑ کر اس وقت تک نہ جائیں جب تک رسول اجازت نہ دیدے اور رسول جس کو چاہے اجازت دے سکتا ہے اور دیکھو خبردار! رسولؐ کو آپس کی طرح مت پکارنا کہ اللہ چپکے سے کھسک جانے والوں کو بھی جانتا ہے اور اس کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو فتنہ اور عذاب الیم سے ڈرنا چاہیئے۔ زمین و آسمان کی ہر شے خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ سب کے حالات کو جانتا ہے اور روزِ قیامت ہر ایک کو اس کے عمل سے باخبر کرے گا کہ وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فرقان

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۷۷ آیات ہیں۔
مکی ہونے کے اعتبار سے زیادہ حصہ عقائد پر زور دیا گیا ہے اور عظمت پروردگار اور اہمیت قرآن مجید کے ساتھ ایمان و کفر کے نتائج کو مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے۔
ابتدا رقرآن مجید اور رسول اکرمؐ کے مشترک تذکرہ سے ہوئی ہے جہاں قرآن مجید کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا اور رسول اکرمؐ کو عالمین کے لیے نذیر قرار دیا گیا ہے اور اس طرح یہ سورہ اپنے ماقبل کے سورہ سے مربوط ہوگیا ہے کہ اُس کا اختتام عظمت رسالت ہی کے بیان پر ہوا تھا کہ رسولؐ کو عام انسانوں کی طرح نام لے کر مت پکارا کرو۔ اس کی عظمت اور جلالت کا خیال رکھا کرو اور اس سورہ کا آغاز اسی عظمت کی وضاحت سے ہوا ہے کہ وہ وحی الٰہی کی منزل اور سارے عالمین کے لیے نذیر ہے۔
اسے اس خدا نے منزل وحی بنایا ہے جس کے اختیار میں کُل کائنات ہے اور جس کا نہ کوئی فرزند ہے نہ شریک مملکت اور نہ ولی و سرپرست۔ وہ خود ہی ہر شے کا خلق کرنے والا اور ہر ایک کے حالات سے باخبر ہے۔
کفار کے عیب دونوں مقامات پر یہ ہیں کہ ایک طرف ان مخلوقات کو خالق بنالیا ہے جن کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ نقصان اور دوسری طرف قرآن کو افترا کہنا شروع کردیا ہے حالانکہ اس کا نازل کرنے والا آسمان و زمین کے تمام رازوں سے باخبر ہے۔
اس کے بعد جب کوئی بس نہ چلا تو رسولؐ کا مذاق اُڑانا شروع کردیا کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں گھومتا ہے لہٰذا رسول نہیں ہوسکتا ہے۔ رسول کے ساتھ ایک ملک

کو بھی ہونا چاہیے یا اس کے پاس خزانہ ہونا چاہیے یا باغات ہونا چاہیے۔ یہ تو جادو زدہ انسان معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو یہ ظالم کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں جب کہ خدا اس سے بہتر باغات عنایت کر سکتا ہے۔ اس کی نظر میں ان دنیاوی باغات کی کیا قیمت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایمان آخرت پر نہیں ہے اور ایسے لوگوں کا انجام وہ جہنم ہے جس کے جوش و خروش کی آوازیں دور سے سنائی دیں گی اور جب کوئی اس کے کسی گوشہ میں ڈال دیا جائے گا تو موت کی دہائی دے گا حالانکہ یہ ایک موت نہیں کام نہ آئے گی۔ کئی موتوں کی ضرورت ہوگی۔

کہاں یہ صورت حال اور کہاں دائمی جنت، جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اور جس میں ہمیشہ رہنا ہے اور ہر طرح کی نعمت سے بہرہ اندوز ہونا ہے۔

قیامت کے دن خدا عبد و معبود دونوں کو جمع کرے گا اور معبودوں سے پوچھے گا کیا تم نے انھیں گمراہ کیا تھا اور وہ کہیں گے کہ ہماری کیا مجال کہ تیرے علاوہ کسی کو سرپرست بناتے۔ یہ ان کا مال و اقتدار تھا جس نے انھیں گمراہ کیا ہے اور یہ تجھے بھول گئے ہیں۔ اس وقت کوئی عذاب کو ٹالنے والا نہ ہوگا ــــ اور رہ گیا رسول کا کھانا کھانا اور بازاروں میں جانا تو یہ کام اس کے پہلے کے تمام مرسلین کرتے رہے ہیں تو اب کون سی خاص بات ہو گئی ہے کہ یہ صورت حال رسالت کے منافی ہو گئی ہے۔

● آیت ۲۱ سے قیامت کے تفصیلات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ا۔ اس دن یہ ملائکہ کو دیکھیں گے اور مجرمین کے لیے کوئی بشارت نہ ہوگی بلکہ انھیں ہر نعمت سے دور کر دیا جائے گا۔

ب۔ اس دن ہم کفار کے سارے اعمال کو خاک کے ذروں کی طرح اُڑا دیں گے۔

ج۔ اس دن اہل جنت کو بہترین منزل اور بہترین ضیافت میں رکھا جائے گا۔

د۔ اس دن آسمان بادلوں کی وجہ سے پھٹ جائیں گے اور ملائکہ کا نزول ہو جائے گا۔

ہ۔ اس دن ملک صرف پروردگار کے ہاتھ میں ہوگا اور کفار کے لیے وہ دن انتہائی سخت ہوگا۔

و۔ اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا کہ کاش رسولؐ کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا اور فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

ز۔ اس دن رسولؐ فریاد کرے گا کہ خدایا اس قوم نے قرآن کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

● آیت ۳۵ سے اقوام عالم کا تذکرہ کر کے اس صورت حال کی وضاحت کی گئی ہے کہ کفر اور انکار کوئی نئی شے نہیں ہے۔ یہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور اس کا انجام بھی ہمیشہ سامنے آتا رہا ہے:

ا۔ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دے کر اور ہارونؑ کو ان کا وزیر بنا کر بھیجا لیکن قوم نے تکذیب کر دی اور ہم نے انھیں یکسر تباہ کر دیا۔

ب۔ قوم نوحؑ نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔

ج۔ قوم عاد و ثمود و اصحاب رس اور ان کے درمیان اور بھی قومیں تھیں جنھوں نے یہی طریقہ اختیار کیا اور ان کا بھی یہی انجام ہوا۔

د۔ ہم نے قوم لوطؑ پر بھی پتھر برسا کر انھیں ہلاک کر دیا اور اس بستی کو ان لوگوں نے دیکھا بھی ہے۔

اس کے بعد بھی یہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ عنقریب عذاب دیکھنے کے بعد انھیں اندازہ ہوگا کہ گمراہ کون ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے خواہشات کو خدا بنا لیا ہے تو اب کون ان کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔ یہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ یہ صرف جانور ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ جب کہ دیکھ رہے ہیں کہ خدا ہی سایہ کو متحرک بناتا ہے جب کہ وہ ساکن بھی کر سکتا ہے جس سے ہر مسافر محروم رہ جاتا۔ پھر اس نے رات کو پردہ پوش اور نیند کو وسیلۂ آرام اور دن کو ذریعہ معاش و عمل قرار دیا ہے۔

اسی نے پانی برسا کر مُردہ زمینوں کو زندہ بنایا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کو سیراب کیا ہے اور ہواؤں کو ان کی بشارت کا ذریعہ قرار دے دیا ہے۔

اسی نے دو دریا شیریں اور تلخ مخلوط کر کے بہائے ہیں اور ان کے درمیان حائل بھی قرار دے دیا ہے۔

اسی نے پانی سے انسان کو بنا کر نسب اور دامادی کے رشتے قرار دیئے ہیں۔

یہ لوگ تو صرف ان خداؤں کی پرستش کرتے ہیں جن کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہے اور کافر ہمیشہ خدا کے خلاف پشت پناہی کرتے رہتے ہیں۔

پیغمبرؐ! ہم نے آپ کو صرف بشارت اور انذار کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے کوئی اُجرت نہیں چاہیئے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ لوگ راہِ حق کو اختیار کر لیں۔ پھر آپ خدائے لایموت پر بھروسہ رکھیں، اس کے حمد کی تسبیح کرتے رہیں۔ وہ بندوں کے گناہوں سے خوب باخبر ہے۔

اس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو چھ دن کے اندر پیدا کیا ہے اور عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے۔

یہ تو رحمان کے سجدہ کے نام سے بھڑک جاتے ہیں —— حالانکہ کس قدر بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج قائم کیے ہیں اور ان میں چراغ آفتاب اور قمر منیر کو قرار دیا ہے۔ دن اور رات کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں اور شکر پروردگار کرتے رہیں۔

کفر اور کفران نعمت کرنے والوں کے اس مفصل تذکرہ کے بعد شکر گذار بندوں کے تذکرہ کی باری آتی ہے۔

● آیت ۶۳ سے اللہ کے مخلص بندوں کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے:

ا۔ یہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو انھیں سلامتی کا پیغام دے دیتے ہیں اور اُلجھتے نہیں ہیں۔

ب۔ راتوں کو قیام اور سجدہ میں بسر کرتے ہیں۔

ج۔ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہم سے عذاب جہنم کو موڑ دے کہ وہ بہت بڑا خسارہ ہے اور بدترین ٹھکانا ہے۔

د۔ مال خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

ہ۔ خدا کے ساتھ کسی اور خدا کو نہیں پکارتے ہیں۔

و۔ کسی محترم نفس کو قتل نہیں کرتے ہیں جب تک کہ اس کا حق نہ پیدا ہو جائے۔

ز۔ زنا نہیں کرتے ہیں کہ اس کی سزا بھی برداشت کرنا پڑے گی اور جہنم میں بھی ذلت کا سامنا کرنا ہوگا جب تک توبہ کرکے نیک عمل نہ کرے۔

ح۔ یہ لوگ لہو ولعب کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے ہیں اور لغویات کے پاس سے بزرگانہ انداز میں گذر جاتے ہیں۔

ط۔ انھیں آیاتِ خدا یاد دلائی جاتی ہیں تو اندھے بہروں کی طرح نہیں گر پڑتے ہیں بلکہ سوچ سمجھ کر سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

ی۔ یہ کہتے ہیں کہ خدایا! ہمیں ہماری اولاد اور ازواج کی طرف سے خنکیٔ چشم عنایت فرما اور ہمیں متقین کا پیشوا قرار دیدے۔

یہ وہ افراد ہیں جنھیں ان کے صبر کی بنا پر جنت کے بالاخانے عنایت کیے جائیں گے اور وہاں تعظیم اور سلام کی پیشکش کی جائے گی اور یہ وہیں ہمیشہ ہمیشہ مقیم رہیں گے کہ وہ بہترین منزل ہے۔

پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ یہ ساری برکتیں بندگانِ رحمان کی دعاؤں کی ہیں ورنہ اگر بندہ دعا نہ کرے تو پروردگار اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا ہے اور اگر رسولؐ کی تکذیب کرتا ہے تو اس کا عذاب بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ شعراء

یہ سورہ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۲۷ آیات ہیں۔

اس سورہ کا نام اگرچہ سورہ شعراء ہے کہ اس کے آخر میں چند آیات میں شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ یہ سورہ بالکل سورہ انبیاء جیسا ہے کہ اس میں تقریباً تمام مشہور انبیاء کرامؑ اور ان کی قوموں کی داستان اجمالاً یا تفصیلاً موجود ہے اور اس کے شعراء ہونے یا شعراء کی طرف منسوب ہونے کا راز شاید یہ ہے کہ نبوت کے سلسلہ میں سب سے خطرناک حملہ نبی کا شاعر ہونا ہے اس لیے کہ مجنون یا جادوگر ہونے کا تعلق نبی کی ذات سے ہے اور شاعری کا تعلق اس کے پیغام سے ہے۔ شعر اصطلاحی طور پر اس مضمون کا نام ہے جس کی کوئی واقعی بنیاد نہ ہو اور صرف خیالات کی دنیا سے لایا گیا ہو۔ اب اگر نبوت کا پیغام شعر ہوگیا اور رسول شعراء کی فہرست میں شامل ہوگیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے پیغام کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ شریعت کی بنیادوں کی تباہی اور بربادی کے مترادف ہے۔

مالک کائنات نے چاہا کہ پہلے ان تمام اقوام کا ذکر کیا جائے جنھوں نے اپنے انبیاء کی باتوں کو بے بنیاد قرار دیا تھا اور ان کی تکذیب کر دی تھی اس کے بعد آخر میں ان کے پیغام اور شاعری کے فرق کو بیان کیا جائے تاکہ انسان کو یہ اندازہ ہو جائے کہ شعراء کی دنیا الگ ہے اور انبیاء کی دنیا الگ ہے۔ رسالت الٰہیہ کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی بنیاد پر یہ سورہ ماقبل کے سورہ سے مرتبط ہوگیا ہے کہ ماقبل کا سورہ پیغمبر اسلامؐ کی تکذیب کرنے والوں کی سزا پر تمام ہوا تھا اور اس سورہ کے آغاز میں اس پیغام کی حقیقت کے

اعلان سے کیا گیا ہے کہ یہ پیغام کتاب مبین کی آیات پر مشتمل ہے اور اگر لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے ہیں تو نبی کو ان کی خاطر جان دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا جبراً بھی اپنی بات منوا سکتا تھا لیکن وہ جبر نہیں کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ لوگ ہر نئے پیغام اور تازہ یاد دہانی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور عنقریب وہ انجام دیکھ لیں گے جو گذشتہ اقوام کا ہوا ہے۔ شاید انھیں نہیں معلوم ہے کہ پروردگار نے زمین سے کیسی کیسی چیزیں اگائی ہیں اور ان میں اس کی کتنی نشانیاں پائی جاتی ہیں کہ وہ دانہ کو مٹا بھی سکتا ہے اور سبزہ کو اُگا بھی سکتا ہے اور اس کی مثالیں تاریخ اقوام میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

● آیت ۱۰ سے جناب موسیٰؑ کی داستان حیات کا آغاز ہوتا ہے کہ پروردگار نے انھیں آواز دی کہ فرعون اور اس کی ظالم قوم کی طرف جا کر انھیں تقویٰ کی دعوت دو۔ موسیٰؑ نے کہا کہ خدایا! مجھے خوف ہے کہ یہ جھٹلا دیں گے اور میری زبان بھی رواں نہیں ہے لہٰذا ہارون کو میرے ساتھ کر دے پھر میرے ذمہ ان کا ایک خون بھی ہے اور یہ بھی خطرہ ہے کہ یہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ارشاد ہوا تم دونوں جاؤ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ جاؤ فرعون کو بتاؤ کہ میں رب العالمین کا نمائندہ ہوں۔ بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دے۔ اس نے کہا کیا میں نے تمھیں پالا نہیں ہے اور کیا میرے قصر میں نہیں رہے ہو کہ اب تمام باتوں کو بھول کر ایسی بات کر رہے ہو۔؟

موسیٰؑ نے کہا کہ اُس قتل کے وقت میں تیرے قوانین کی طرف متوجہ نہیں تھا اور بعد میں احساس پیدا ہوا تو میں نے گریز اختیار کیا اور خدا نے مجھے نبوت عطا کر کے اپنے نمائندوں میں شامل کر دیا اور یہ جو تربیت کا احسان جتا رہا ہے تو یہ تیرا ظلم تھا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔

اس نے کہا کہ یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟۔ فرمایا کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر شے کا مالک! بلکہ تیرا اور تیرے آباء و اجداد کا بھی پروردگار اور مشرق و مغرب کا بھی مالک!۔

اس نے پہلے ساتھیوں کی طرف رُخ کرکے مذاق اُڑایا، اس کے بعد کہا کہ اگر میرے علاوہ کسی کو خدا قرار دیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔

فرمایا اگر میں رسالت کی کوئی نشانی لے آؤں ؟ اس نے کہا لاؤ ! آپ نے عصا کو پھینک دیا اور وہ اژدہا بن گیا اور ہاتھ کو نکالا تو اس میں چمک پائی جاتی تھی۔

فرعون نے کہا کہ یہ بہت ہوشیار جادوگر ہے اور تمہیں تمہاری زمین سے نکالنا چاہتا ہے، لہٰذا اسے روک کر رکھو اور جادوگروں کو جمع کرو۔

جادوگروں کو بُلایا گیا، انھوں نے اجرت کا مطالبہ کیا۔ فرعون نے مقرب بارگاہ بنانے کا وعدہ کیا۔

موسیٰؑ نے کہا کہ اپنے جادو دکھلاؤ ؟ انھوں نے رسّیاں اور ڈنڈے پھینک دئے اور سب سانپ بن گئے۔

جناب موسیٰؑ نے اپنا عصا ڈال دیا اور وہ اژدہا بن کر سب کو ہڑپ کر گیا۔

جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔

فرعون نے کہا کہ یہ میری اجازت کے بغیر ایمان کیسا ہے ؟ میں عنقریب تم سب کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور سولی پر چڑھا دوں گا۔

ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اب تو صرف اس بات کی فکر ہے کہ پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہمیں مومنین میں شمار کرلے۔

پھر ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ موسیٰؑ لیکر نکلے تو فرعون نے تعاقب شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے فرعون کو علاقہ سے باہر لے جاکر غرق کر دیا اور علاقہ بنی اسرائیل کے حوالے کر دیا کہ ہم مجرمین کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

● آیت ۶۹ سے دوسری مثال یعنی جناب ابراہیمؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مُربّی اور قوم سے پوچھا کہ آخر تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو ؟ ان لوگوں نے کہا کہ بُتوں کی، اور ہم انھیں کے گرد جمع ہیں۔

فرمایا کیا یہ تمھاری آواز کو سنتے ہیں؟ کیا ان کا کوئی نفع یا نقصان ہے۔؟
قوم نے کہا کہ ہم یہ سب کچھ نہیں جانتے ہیں، ہمارے باپ دادا نے عبادت کی ہے لہٰذا ہم بھی کر رہے ہیں۔
فرمایا کہ یہ سب ہمارے دشمن ہیں، ہمارا خدا رب العالمین ہے جس نے پیدا کیا ہے اور ہدایت دے رہا ہے، وہی کھلاتا ہے اور وہی پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ اسی سے توقع ہے کہ روز حساب غلطیوں کو معاف کر دے گا۔ خدایا! مجھے حکمت عطا فرما اور صالحین سے ملحق کر دے۔ میرے لیے آئندہ نسلوں میں لسان صدق قرار دے اور مجھے جنّت کے وارثوں میں شمار فرما۔ میرے مربی کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور روز قیامت رسوا نہ کرنا جب مال اور اولاد کوئی کام آنے والا نہ ہوگا جب تک انسان قلب سلیم کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر نہ ہو۔ اس دن جنّت متقین سے قریب تر کر دی جائے گی اور جہنم گمراہوں کے سامنے کر دیا جائے گا اور مجرمین سے پوچھا جائے گا کہ تمھارے معبود کہاں ہیں، کیا آج کام آسکتے ہیں؟
اس وقت سب اقرار کریں گے کہ ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے اور ہمیں مجرمین نے گمراہ کر رکھا تھا۔ اب ہمارا کوئی سفارش کرنے والا یا دوست نہیں ہے، البتہ اگر واپسی کا موقع مل جائے تو ہم صاحب ایمان ہو جائیں گے۔ لیکن ایسا کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

● آیت ۱۰۵ سے قوم نوحؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نوحؑ کی تکذیب کی جب انھوں نے اپنی رسالت کا حوالہ دے کر تقویٰ کی دعوت دی اور کہا کہ میری اطاعت کرو۔ میں کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں۔
ان لوگوں نے کہا کہ تمھارے پیرو سب پست لوگ ہیں۔ ہم کیسے ان میں شامل ہو سکتے ہیں؟
فرمایا یہ سب معاملات خدا کے حوالے ہیں۔ میں کسی صاحب ایمان کو دور نہیں کر سکتا ہوں۔

ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ تبلیغ سے باز نہ آئیں گے تو ہم آپ کو سنگسار کردیں گے۔
نوحؑ نے فریاد کی کہ خدایا! میری قوم نے تکذیب کی ہے اب میرے اور ان کے
درمیان فیصلہ کردے اور مجھے اور صاحبانِ ایمان کو ان سے نجات دلادے۔
چنانچہ ہم نے نوحؑ اور اصحاب سفینہ کو نجات دے دی اور باقی سب کو غرق کردیا کہ
اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے اور ان کی اکثریت صاحب ایمان نہ تھی۔
● آیت ۱۲۳ سے جناب ہودؑ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ انھیں قوم عاد کی طرف
بھیجا گیا اور انھوں نے کہا کہ میں رسول امین ہوں، تم لوگ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت
کرو، میں کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں۔ کیا تمھارے کھیل تماشے کی یادگاریں اور یہ محل
ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں اور کیا یہ جابرانہ حملے کام آنے والے ہیں؟ ہرگز نہیں! خدا
سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس خدا کا خوف کرو جس نے یہ سب نعمتیں دی ہیں۔
جانور، اولاد، باغات، چشمے ــ مجھے تو بہت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔
ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے اوپر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے، یہ سب پرانے
لوگوں کی عادت ہے، ہم پر عذاب نہیں ہو سکتا ہے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اس تکذیب کے زیر اثر ہم نے انھیں بھی ہلاک کردیا اور اسے بھی
ایک نشانی بنادیا۔
● آیت ۱۴۱ سے قوم ثمود کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی مرسلین کی تکذیب
کی، جب جناب صالحؑ نے انھیں تقویٰ کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ میں ایک پیغمبر امین
ہوں اور تم سے کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
تم اس آرام میں نہیں چھوڑے جاؤ گے۔ یہ باغات، یہ چشمے، یہ زراعت، یہ نخلستان رہنے
والا نہیں ہے اور پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے ہوئے مکانات بھی باقی نہ رہ جائیں گے۔
موقع ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو اور مفسدین کی اطاعت نہ کرو لیکن
ان لوگوں نے کہا کہ تم پر جادو ہوگیا ہے۔ تم ہمیں جیسے ایک انسان ہو۔ رسالت کا
دعویٰ ہے تو دلیل لے آؤ۔؟

انھوں نے ایک ناقہ کو پیش کر دیا کہ ایک دن کا پانی تمھارے لیے ہے اور ایک دن کا اس کے لیے ہے۔ قوم نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور انھیں عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کے بعد شرمندہ ہوئے۔ تو ہم نے اسے بھی ایک نشانی بنا دیا کہ ان کی اکثریت مومن نہ تھی۔

● آیت ۱۶۰ سے قوم لوط کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ انھیں جناب لوطؑ نے تقویٰ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں رسول امین ہوں۔ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں۔ میرا اجر پروردگار کے پاس ہے۔ آخر تم مردوں سے بدفعلی کیوں کرتے ہو جب کہ وہ مخلوق موجود ہے جسے اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم یقیناً زیادتی کرنے والے لوگ ہو۔

ان لوگوں نے کہا کہ اگر آپ تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم بستی سے نکال باہر کریں گے۔

فرمایا بہرحال مجھے اس عمل سے نفرت ہے۔ اور یہ کہہ کر خدا کی بارگاہ میں اس قوم سے نجات کی دعا کر دی اور پروردگار نے انھیں اور ان کے اہل کو بچا کر سب کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا اور اسے بھی ایک نشانی بنا دیا کہ ان کی اکثریت بھی مومن نہیں تھی اور خدا تو صاحب عزت بھی ہے اور مہربان بھی ہے۔

● آیت ۱۷۶ سے جھاڑی والے افراد اصحاب الایکہ کا تذکرہ کیا گیا کہ ان کی طرف شعیبؑ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے بھی کہا کہ میں رسول امین ہوں اور مجھے کوئی اجر درکار نہیں ہے۔ میرا اجر پیش پروردگار ہے۔ تم لوگ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو اور روئے زمین پر فساد برپا نہ کرو۔

ان لوگوں نے کہا کہ یقیناً تمھارے اوپر جادو کر دیا گیا ہے ورنہ تم ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔ اور اگر اس کے علاوہ کوئی دعویٰ ہے تو آسمان سے کوئی ٹکڑا گراؤ۔

انھوں نے کہا کہ تمھارے اعمال سے خدا خوب واقف ہے تو قوم نے تکذیب کی اور بالآخر انھیں بجلیوں کے عذاب نے تباہ و برباد کر دیا اور اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے کہ ان کی اکثریت بھی صاحب ایمان نہ تھی۔ بے شک آپ کا پروردگار عزیز

بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

● آیت ۱۹۲ سے اتنے انبیاء کے حوالے سے سرکار دو عالمؐ کے اطمینان قلب کا سامان فراہم کرنے کے بعد آپ کی اپنی رسالت کا ذکر شروع کیا گیا کہ یہ قرآن رب العالمین کی تنزیل ہے جسے جبرئیل کے ذریعہ آپ کے قلب پر اُتارا گیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔ یہ واضح عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر سابق کی کتابوں میں بھی موجود ہے اسے علمائے اسرائیل بھی جانتے ہیں۔ اگر یہ کسی عجم پر نازل ہوتا اور وہ پڑھ کر اسے سُناتا تو یہ ہرگز ایمان نہ لاتے کہ یہ انکار مجرمین کے دل میں پیوست ہوگیا ہے۔ یہ عذاب الیم کو دیکھے بغیر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور عذاب بھی اچانک ہی آئے گا جب مہلت نہ دی جائے گی۔ اس لیے کہ اگر انھیں برسوں کی مہلت دے دی جائے تو بھی انھیں کوئی عذاب سے بچا نہیں سکتا ہے۔ ہم کسی قریہ کو اتمام حجت کے بغیر ہلاک نہیں کرتے ہیں۔ ہم ظالم نہیں ہیں۔

یہ قرآن شیاطین کی تنزیل نہیں ہے اور نہ یہ ان کے بس کا کام ہے۔ وہ تو وحی کے سُننے سے بھی محروم ہیں۔ خبردار! آپ اپنے خدا کے علاوہ کسی کو خدا قرار نہ دیجیے گا کہ شرک کا عذاب سب کے لیے ایک جیسا ہے۔

اپنے قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے اور صاحبانِ ایمان کے سامنے اپنے شانوں کو جھکا دیجیے۔ اگر لوگ بغاوت کریں تو ان کے اعمال سے بیزاری کا اعلان کیجیے اور خدائے عزیز و رحیم پر اعتماد رکھیے جو آپ کو حالت قیام میں بھی دیکھتا ہے اور سجدہ گزاروں کے درمیان بھی۔ وہ سمیع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

کیا میں بتاؤں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں۔ یہ شیاطین ہر افترا پرداز اور بدکردار پر نازل ہوتے ہیں جو فرشتوں کی باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں اور ان کی اکثریت جھوٹی ہے۔

اور یاد رکھو کہ شعراء کا اتباع صرف گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہ ہر وادیٔ خیال میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ علاوہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال انجام دیے اور خدا کا بکثرت ذکر کیا اور مظلومیت کے بعد انتقام لینے کا انتظام کیا اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ پلٹا دیے جائیں گے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نمل

یہ سورہ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۹۳ آیات ہیں۔

مکّی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی سارا زور عقائد پر ہے اور اس کے اثبات کے لیے مختلف حوالے دیے گئے ہیں۔ پھر ان اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے مرسلین کے سمجھانے کے باوجود حق سے انحراف کیا اور نتیجہ میں شدید عذاب میں مبتلا ہو گئیں اور ان کے مقابلہ میں اس عورت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس نے حق کی خاطر سارا تخت و تاج ترک کر دیا اور جناب سلیمانؑ کو نبی خدا سمجھنے کے بعد ان پر ایمان لے آئی اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گئی جب کہ ارکانِ سلطنت مظاہرۂ اقتدار کا مشورہ دے رہے تھے۔

اس کے بعد جناب سلیمانؑ کے ملک عظیم کے ساتھ ایک مختصر سے جانور چیونٹی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس نے اپنی قوم کی تنظیم کا حق ادا کر دیا اور وہ فرض انجام دیا جو ایک رئیس مملکت کو انجام دینا چاہیے اور پھر جناب سلیمان سے اس انداز میں گفتگو کی جس طرح رعایا کو سلطان سے اپنا درد دل بیان کرنا چاہیے اور حالات کی ترجمانی میں کسی طرح کے تکلف سے کام نہیں لیا۔ اور اسی خصوصیت کی بنا پر سارا سورہ اسی کے نام سے موسوم ہو گیا اور اس کے تذکرہ کو تمام تذکروں کے درمیان بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی۔

اس سورہ کا آغاز بھی اسی مقام سے ہوا ہے جہاں سورۂ شعراء کا اختتام ہوا تھا۔ سورۂ شعراء کے آخر میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ قرآن مجید شعری کلام نہیں ہے — اور نہ تنزیل شیاطین ہے اور اس سورہ کے آغاز میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ

کتاب مبین اور قرآن حکیم ہے جو صاحبانِ ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت ہے کہ وہی اس کے پیغام کو قبول کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ورنہ دنیا میں انکار کرنے والے بھی موجود ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور وہ آخرت میں شدید خسارہ میں رہیں گے۔

۸ آیت ۷ سے تکذیب کرنے والی اقوام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے جناب موسیٰؑ کی قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ موسیٰؑ نے اپنے اہل سے کہا کہ مجھے ایک آگ دکھائی دے رہی ہے۔ تم ٹھہرو میں جا کر دیکھتا ہوں کہ تاپنے کے لیے آگ لے کر آؤں گا یا کم سے کم راستہ ہی معلوم ہو جائے گا۔ اب جو قریب پہونچے تو آواز آئی کہ موسیٰ یہ بڑی بابرکت جگہ ہے۔ میں خدائے رب العالمین ہوں۔ تم اپنا عصا پھینک دو اور دیکھو کہ اس علاقہ کی کرامت کیا ہے۔ موسیٰؑ نے عصا پھینک دیا اور وہ سانپ بن گیا۔ موسیٰؑ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ارشاد ہوا ڈرو نہیں، ہماری بارگاہ میں مرسلین ڈرا نہیں کرتے ہیں۔ یہاں ظالموں کو ڈرنا چاہیئے جب تک توبہ نہ کر لیں اور دیکھو اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر دیکھو اس میں سے روشنی نمودار ہوگی اور یہ نو آیات میں سے ایک علامت ہے جس کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانا ہے اور اسے پیغام الٰہی دینا ہے۔

موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا لیکن ان لوگوں نے جادو کہہ دیا اور جان بوجھ کر انکار کر دیا اور تم نے دیکھا کہ مفسدین کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پھر ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عنایت کیا اور انھوں نے اس نعمت کا شکریہ بھی ادا کیا اور سلیمانؑ داؤد کے وارث بنے اور ہم نے انھیں پرندوں کی گفتگو کا ہنر دے دیا اور ہر شے کا ایک حصہ دے دیا کہ یہ کھلا ہوا فضل الٰہی ہے۔ ان کے ساتھ انسان، جنات، پرندے سب جمع رہتے تھے۔ ایک دن چلتے چلتے چیونٹیوں کی بستی سے گزرے تو ایک چیونٹی نے سب سے پکار کر کہا کہ اپنے اپنے سوراخ میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان کا لشکر تمھیں پامال نہ کر دے۔ جناب سلیمان مسکرا دئیے اور اس عظیم اقتدار پر شکر خدا کی دعا کرنے لگے اور التماس کی کہ خدایا! مجھے عمل صالح کی توفیق عطا کر

اور نیک کردار بندوں میں شمار کرلے۔

پھر ایک دن سلیمانؑ نے ہُدہُد کو نہیں دیکھا۔ فرمایا وہ کہاں ہے اگر کوئی واضح عذر نہ لایا تو اس غیر حاضری پر سخت سزا دی جائے گی یا اسے ذبح کر دیا جائے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں وہ خبر لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو بھی اطلاع نہیں ہے۔ میں ملک سبا سے ایک عجیب و غریب خبر لے کر آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت کی حکومت ہے اور اس کی قوم سورج کی پرستش کرتی ہے۔ وہ لوگ خالق کائنات کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔

جناب سلیمانؑ نے کہا کہ میں اس بیان کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ میرا خط لے کر جا اور اسے دے کر جواب کا انتظار کرنا۔ اس نے خط پہونچا دیا۔ ملکۂ سبا نے زعمار سلطنت سے کہا کہ میرے پاس ایک بڑا محترم خط آیا ہے جو سلیمانؑ نے لکھا ہے اور نام خدا سے شروع ہوا ہے اور مجھے اطاعت کی دعوت دی گئی ہے۔ اب تم لوگ بتاؤ کہ تمھاری رائے کیا ہے۔؟

ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ طاقتور ہیں۔ ہمیں کوئی خوف نہیں ہے لیکن آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے۔

اس نے کہا کہ سلاطین جن علاقوں میں داخل ہوتے ہیں انھیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور صاحبان عزت کو ذلیل کر دیتے ہیں، لہذا مناسب یہ ہے کہ ایک تحفہ بھیج کر یہ اندازہ کر لیا جائے کہ سلیمان بادشاہ ہیں یا نہیں۔؟

جناب سلیمانؑ کے پاس تحفہ آیا تو انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میرے پاس خدا کا دیا ہوا بہت ہے۔ مجھے صرف تمھاری اطاعت چاہیئے ورنہ پھر تنبیہ کے لیے لشکر موجود ہے اور یہ کہہ کر درباریوں سے کہا کہ بلقیس کے تخت کو کتنی دیر میں لایا جا سکتا ہے؟

ایک بڑے جن نے کہا کہ دربار برخاست ہونے تک!

فرمایا، نہیں!

دوسرے شخص نے کہا کہ پلک جھپکنے سے پہلے اور یہ کہہ کر تخت حاضر کر دیا۔

سلیمانؑ نے کہا بے شک یہ شکر خدا کا مقام ہے۔ اب تخت کی ہیئت بدل دو تاکہ دیکھوں بلقیس کو اندازہ ہوتا ہے یا نہیں۔

ادھر بلقیس اسلام لانے کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ اب جو آئی تو سلیمانؑ نے پوچھا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا کہ شاید یہی ہے اور میں تو پہلے ہی آپ کی عظمت پر ایمان لا چکی ہوں۔ اس کے بعد محل میں داخل ہوئی تو پانی سمجھ کر پائینچے اٹھا لیے۔ جناب سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے۔ تجھے شیشہ اور پانی کا فرق نہیں معلوم ہے تو سورج اور خدا کا فرق کیسے معلوم ہوگا۔؟

اس نے کہا کہ بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور اب میں سلیمانؑ کیساتھ رب العالمین کی اطاعت گذار ہو گئی ہوں۔

● آیت ۴۵ سے قوم ثمود کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی طرف جناب صالحؑ کو بھیجا گیا۔ انھوں نے عبادت کی دعوت دی تو دونوں فریق آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ عذاب کے لیے جلدی نہ کرو، استغفار کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ لوگوں کو نحوست سمجھتے ہیں۔

فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ تمھاری بدقسمتی تمھارا مقدر ہے اور مفسدین کا کوئی علاج نہیں ہے۔

اس شہر میں مفسدین کے نو قبیلے تھے۔ سب نے مل کر معاہدہ کیا کہ راتوں رات صالحؑ پر حملہ کر کے انھیں فنا کر دیں گے اور صبح کے وقت ورثہ سے کہہ دیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہے اور اس طرح مکاری سے کام لینا چاہا، لیکن ہم نے ایسی سزا دی کہ آج ان کا نام و نشان تک نہیں ہے اور ساری بستیاں خالی پڑی ہوئی ہیں اور یہ بھی ہماری ایک نشانی ہے۔ ہم نے عذاب سے صرف صاحبانِ ایمان و تقویٰ کو نجات دی ہے اور بس!

● آیت ۵۴ سے دوسری بدترین قوم، قومِ لوط کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھیں جناب لوطؑ نے سمجھایا کہ مردوں سے بدکاری بہت بری بات ہے اور جہالت ہے۔

ان لوگوں نے کہا کہ لوطؑ کو آبادی سے نکال باہر کرو یہ بہت پاکباز بنتے ہیں۔ نتیجہ

یہ ہوا کہ ہم نے انھیں اور ان کے اہل کو بچا لیا اور سب کو آسمان سے سنگسار کر کے ہلاک کر دیا اب شکر خدا کرو اور اللہ کے منتخب بندوں کی سلامتی کی دعا کرو۔ خدا سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ بھلا اس سے بہتر کون ہوگا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ آسمان سے پانی نازل کر کے باغات اور سبزے پیدا کیے ہیں۔ زمین کو مستقر بنایا ہے۔ اس میں نہریں جاری کی ہیں پہاڑوں کے ذریعہ اسے ثابت بنایا ہے۔ سمندروں کے درمیان حد فاصل قرار دی ہے۔ پریشان حال افراد کی فریاد سنتا ہے۔ مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔ تمھیں زمین پر دوسری قوموں کا جانشین بنایا ہے۔ خشک و تر میں راہنمائی کرتا ہے۔ ہواؤں کو بارش کی بشارت دے کر بھیجتا ہے ابتدا میں پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ حیات دیتا ہے۔ زمین و آسمان سے رزق عطا کرتا ہے اور اس کے علاوہ غیب کا جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

بھلا ایسے خدا کے ہوتے ہوئے عقل و منطق کے نزدیک شرک کا کیا جواز ہے۔؟

لیکن اس کے بعد بھی کفار نے رُخ بدل کر قیامت کا انکار کر دیا کہ خاک سے انسان کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ یہ بات ہمارے باپ دادا سے بھی کہی گئی تھی لیکن آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔؟

پیغمبرؐ! آپ کہہ دیں کہ ذرا زمین میں سیر کر کے اپنے جیسے انسانوں کا حشر تو دیکھو۔ آپ ان لوگوں کی طرف سے تنگ دل نہ ہوں اور انھیں بتا دیں کہ عذاب تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ خدا تمام حالات سے خوب باخبر ہے۔ وہ بندوں پر فضل و کرم بھی کرنے والا ہے، لیکن افسوس کہ اکثریت شکر خدا نہیں کرتی ہے۔

یہ قرآن بنی اسرائیل کے اختلافات میں حق کی وضاحت کرنے والا ہے۔ اور صاحبانِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ پروردگار ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ آپ صرف اس پر بھروسہ رکھیں۔ آپ مُردوں یا بہروں کو پیغام نہیں سُنا سکتے ہیں اور نہ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ پیغام الٰہی کا سُننا صرف صاحبانِ ایمان کا کام ہے۔ اس کے بعد جب عذاب کا وقت آجائے گا تو ہم زمین سے ایک مخلوق کو برآمد کریں گے جو یہ اعلان کرے گا کہ لوگ آیاتِ خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور پھر ہم منکرین کی تمام جماعت کو اکٹھا

کرکے الگ الگ تقسیم کردیں گے اور ان سے تکذیب کا سبب دریافت کیا جائے گا اور وہ کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ ان کے ظلم کی بنا پر عذاب ثابت ہو جائے گا اور وہ بولنے کے قابل بھی نہ ہوں گے۔ آخر ان لوگوں نے کیوں نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو سکون کا ذریعہ اور دن کو روشن بنایا ہے اور یہ سب ہماری نشانیاں ہیں۔ اس کے بعد جب صور پھونکا جائے گا تو تمام اہل زمین و آسمان لرز جائیں گے اور اس کی بارگاہ میں سر جھکا کر حاضر ہو جائیں گے۔ پہاڑ حرکت میں آجائیں گے اور بظاہر ساکن دکھائی دیں گے کہ یہ پروردگار کی مستحکم صنعت ہے۔

یاد رکھو کہ جو نیکی کرے گا اسے بہترین نتیجہ ملے گا اور وہ خوفِ قیامت سے محفوظ رہے گا اور جو برائی کرے گا اسے منھ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور جیسا عمل ہوگا ویسی ہی سزا دی جائے گی۔

کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس محترم شہر کے مالک کی عبادت کروں کہ کل کائنات اسی مالک کی ہے اور مجھے اطاعت گذاروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

میرا فرض ہے کہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اس کے بعد جو ہدایت پائے گا وہ بھی اپنے لیے ہوگا اور جو گمراہ ہو جائے گا وہ بھی خود ہی ذمہ دار ہوگا۔ میرا کام تو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانا ہے۔

کہہ دیجئے کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائے گا اور تم پہچان لو گے اور خدا تمھارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قصص

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸۸ آیات ہیں۔

اس کا نام بظاہر قصص ہے جس سے احساس ہوتا ہے کہ اس میں مختلف انبیاء کرامؑ اور اقوام کے قصے ہوں گے لیکن یہ سورہ درحقیقت صرف ایک جناب موسیٰؑ کی زندگی کے گرد گردش کر رہا ہے اور انہیں سے متعلق مختلف قصوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ابتدا میں ۴۰ آیات میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد اس کے نتائج اور مواعظ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر انہیں کی قوم کے ایک شخص اور اس کی دولت کا ذکر کیا گیا ہے اور سات آیات صرف اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موعظہ و عبرت کے لیے جناب موسیٰؑ سے زیادہ جامع اور ہمہ جہت شخصیت کسی پیغمبر کی نہیں ہے اور بنی اسرائیل سے بدتر دنیا کی کوئی قوم نہیں ہے، اور شاید سرکار دو عالمؐ نے اپنے کو جناب موسیٰؑ سے اسی لیے تشبیہ دی تھی کہ امت اسلامیہ بنی اسرائیل کے کردار سے سبق حاصل کرے اور اس داستان کو نہ دُہرائے جو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا باعث بنی ہے۔ اگرچہ سرکار دو عالمؐ نے مستقبل بینی کے تحت یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ جو کچھ گذشتہ اقوام میں ہو چکا ہے وہ سب اس قوم میں ہونے والا ہے۔ اور حد یہ ہے کہ وہ لوگ اگر کسی جانور کے سوراخ میں گئے تھے تو یہ قوم بھی وہاں جانے کی کوشش کریگی اور وہی طرز عمل اختیار کرے گی۔ یہ اور بات ہے کہ حضورؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی بنا پر ان پر دنیا میں عذاب نازل نہ ہوگا اور ان کا حساب پروردگار نے آخرت پر اُٹھا رکھا ہے۔

اس سورہ کا آغاز بھی اسی منزل سے ہوا ہے جہاں گذشتہ سورہ کا اختتام ہوا تھا کہ گذشتہ سورہ کے اختتام پر تلاوت قرآن کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ خدا عنقریب اپنی نشانیاں دکھلائے گا اور لوگ پہچان لیں گے کہ خدا کسی کے اعمال سے غافل نہیں ہے اور اس سورہ کا آغاز اسی نکتہ سے ہوا ہے کہ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ اور پھر قصۂ موسیٰ و فرعون شروع کر دیا گیا ہے تا کہ ان آیات کا تذکرہ کر دیا جائے اور انہیں دکھلا دیا جائے جن کا وعدہ گذشتہ سورہ کے خاتمہ پر کیا گیا تھا۔

اس سورہ میں جناب موسیٰؑ کی زندگی کے مختلف واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے:

۱۔ سب سے پہلے جناب موسیٰؑ اور فرعون کی داستان ہے کہ فرعون نے غرور کا مظاہرہ کیا اور قوم کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ وہ بچوں کو ذبح کر دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا تا کہ ان سے خدمت لے سکے حالانکہ خدا کا ارادہ یہی تھا کہ ان کمزور افراد کو قیادت کا شرف دے اور انہیں زمین کا وارث بنائے اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر والوں کو ان کے اعمال کا انجام دکھلا دے۔

۲۔ اس کے بعد جناب موسیٰؑ کے ابتدائی حالات کا تذکرہ کیا گیا کہ فرعون کے مظالم کے بدترین دور میں ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی کی کہ بچہ کو دودھ پلا کر دریا کے حوالے کر دیں اور کوئی فکر نہ کریں۔ ہم انہیں واپس بھی کر دیں گے اور پیغمبر بھی بنا دیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس صندوق کو فرعون والوں نے اٹھا لیا کہ ان لوگوں کو ہوش بھی نہیں تھا کہ اس بچہ کا مستقبل کیا ہوگا۔ بلکہ زوجۂ فرعون نے تو یہ کہہ کر سمجھایا کہ یہ خنکیٔ چشم ہے اسے قتل کرنا مناسب نہیں ہے۔ شاید مستقبل میں یہ ہمارے کام آجائے۔

اُدھر ہم نے مادرِ موسیٰؑ کے دل کو مطمئن بنائے رکھا اور انہوں نے موسیٰؑ کی بہن سے کہا کہ جاؤ دیکھو موسیٰؑ پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ آئیں تو دیکھا کہ فرعون والے رضاعت کے سلسلہ میں سخت پریشان ہیں اور موسیٰؑ کسی کا دودھ نہیں پی رہے ہیں تو انہوں نے موقع غنیمت دیکھ کر یہ پیش کش کی کہ ایک گھرانا میری نظر میں بھی ہے شاید وہ یہ ذمہ داری ادا کر سکے۔

چنانچہ مادرِ موسیٰؑ کو بلایا گیا اور قدرت نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا کہ بیٹے کو ماں سے ملا دیا۔

۲۔ جب موسیٰؑ منزلِ شباب تک پہونچے تو خدا نے انھیں علم و حکمت عطا کر دیا اور اب جو شہر میں داخل ہوئے تو دو آدمیوں کو آپس میں جھگڑا کرتے دیکھا۔ ایک موسیٰؑ کا شیعہ تھا اور ایک دشمن۔ شیعہ نے فریاد کی۔ موسیٰؑ نے امداد کی اور دشمن کو ایک ہاتھ مار دیا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا لیکن موسیٰؑ سخت خوف زدہ ہو گئے کہ اب انجام کار کیا ہوگا۔

دوبارہ پھر جو شہر میں داخل ہوئے تو پھر وہی اسرائیلی فریاد کر رہا تھا۔ جناب موسیٰؑ نے فرمایا کہ یہ روز روز کا جھگڑا مناسب نہیں ہے قبطیوں کے مظالم کو دیکھ کر تقیہ کرنا چاہیے۔ پھر بھی جناب موسیٰؑ نے اسرائیلی کی امداد کرنا چاہی لیکن قبطی نے یہ الزام لگا دیا کہ تمھارا کاروبار ہی قتلِ عام کرنا ہے۔ اُدھر سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ موسیٰ! یہ قوم تمھارے قتل کا منصوبہ بنا رہی ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ تم شہر سے باہر نکل جاؤ۔ چنانچہ جناب موسیٰؑ نکل گئے اور دعا کی کہ خدایا! مجھے ظالموں کے شر سے نجات عنایت فرمانا۔

۳۔ شہر سے نکل کر موسیٰؑ مدین کی طرف چلے وہاں ایک چشمہ پر وارد ہوئے تو کیا دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتیں دور کھڑی ہوئی انتظار کر رہی ہیں۔

جناب موسیٰؑ نے ان کی عفت اور مجبوری کو دیکھ کر ان کے جانوروں کو سیراب کر دیا اور پھر ان کے مطالبہ پر ان کے گھر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا کہ انھیں ان کے عمل کی اُجرت دیجئے کہ یہ مرد قوی بھی ہیں اور امین بھی ہیں۔

باپ نے کہا کہ میں کسی ایک بیٹی کا عقد تم سے کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ اور اگر دس سال مکمل کر دو تو کیا کہنا۔؟ جناب موسیٰؑ نے منظور کر لیا اور پھر عقد ہو گیا۔

۵۔ اجرت کی مدت گذارنے کے بعد جناب موسیٰؑ اپنے اہل کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے ایک آگ کا احساس کیا۔ فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں آگ لے کر آؤں گا

یا پھر کوئی ہدایت لے کر آؤں گا۔ اب جو طور تک پہونچے تو وادی ایمن سے آواز آئی کہ موسیٰ! میں تمہارا خدا رب العالمین ہوں۔

اب تم اپنے عصا کو ڈال دو اور دیکھو کہ اس وادی کی کرامت کیا ہے۔ موسیٰ نے عصا کو ڈال دیا اور وہ سانپ بن گیا۔ موسیٰ گھبرا گئے۔ لیکن ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں، تم بالکل محفوظ ہو۔ اور اب اپنے ہاتھوں کو باہر نکالو دیکھو ان میں کس قدر نورانیت پائی جاتی ہے اور انہیں دونوں معجزات کو لے کر فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بالکل فاسق اور منحرف ہو گیا ہے۔

موسیٰؑ نے عرض کی خدایا! میں پہلے ہی ایک قبطی کو قتل کر چکا ہوں۔ یہ لوگ مجھے کس طرح برداشت کریں گے۔ کم سے کم میرے بھائی ہارون کو تو میرے ساتھ کر دے کہ ان کی زبان زیادہ واضح ہے۔ وہ میرے مددگار رہیں گے۔ قدرت نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور دونوں کی امداد کا وعدہ کر کے روانہ کر دیا۔

۶۔ موسیٰؑ نے قوم کے سامنے آیات الٰہیہ کو پیش کیا۔ ان لوگوں نے انہیں جادو کہہ دیا۔

جناب موسیٰؑ نے لاکھ سمجھایا لیکن کسی نے قبول نہ کیا۔

اُدھر فرعون نے قوم سے کہا کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور پھر ہامان سے کہا کہ ایک اونچا سا قلعہ تیار کرو تاکہ میں وہاں جا کر دیکھوں کہ موسیٰؑ کا خدا کہاں ہے۔ اس طرح اس نے غرور و تکبّر کا مظاہرہ کیا اور اس کے نتیجہ میں ہم نے اسے لشکر سمیت نیل میں غرق کر دیا کہ ظالمین کا آخری انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ جہنم کی طرف دعوت دینے والے قائد تھے لہٰذا ان کے پیچھے چلنا دنیا میں بھی باعثِ لعنت ہے اور آخرت میں بھی ان کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

ہم نے موسیٰؑ کو یہ کتاب کتنی ہی قوموں کی ہلاکت کے بعد دی تھی کہ شاید قوم کو ہوش آجائے اور اس ہدایت و رحمت و بصیرت سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر مختلف اوقات میں اتمام حجت بھی کیا لیکن قوم کو ہوش نہیں آنا تھا نہیں آیا۔

اور قیامت یہ ہے کہ ان تمام واقعات کے بعد بھی جب پیغمبرؐ نے قرآن پیش کیا تو موسیٰؑ جیسے معجزات کا مطالبہ کر دیا۔ جیسے موسیٰؑ کی قوم ایمان لے آئی تھی جو اب یہ ایمان لے آئیں گے۔ پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تم ایسی ہی کوئی کتاب لے آؤ میں ایمان لانے کے لیے تیار ہوں۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو سمجھ لو کہ یہ صرف خواہشات کا اتباع کرنے والے ہیں اور ان سے بڑا گمراہ کوئی نہیں ہے۔

پھر بھی ہم نے ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ہے کہ شاید یہ نصیحت حاصل کر سکیں اور کچھ یقیناً ایسے ہیں جو ایمان لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب پروردگار کی طرف سے برحق ہے اور ہم انھیں دُہرا اجر عنایت کرتے ہیں۔ یہ لوگ صبر کرتے ہیں، نیکیوں کے ذریعہ برائیوں کا دفاع کرتے ہیں، ہمارے رزق میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، لغویات کو سُن کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور غیروں کے لیے ان کے اعمال ہیں۔ ہمیں جاہلوں کی روش پسند نہیں ہے۔

پیغمبرؐ! ان کی ہدایت آپ کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ توفیق الٰہی کا کاروبار ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو پہچانتا ہے اور انھیں کو توفیق دیتا ہے۔ آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیں اور قوم کی گمراہی پر دل تنگ نہ ہوں۔

ان کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ اگر ہم ہدایت کا اتباع کریں گے تو اپنی زمینوں سے اُچک لیے جائیں گے۔ جیسے انھیں اس امر کا احساس ہی نہیں ہے کہ ہم نے انھیں ایک محفوظ حرم عطا کیا ہے جہاں ہر طرف سے میوے آ رہے ہیں۔ جب کہ کتنے متکبرین کے علاقے ہم برباد کر چکے ہیں اور وہ آج تک خالی پڑے ہوئے ہیں اور ہمیں ان علاقوں کے وارث ہیں۔

اور یاد رکھیے کہ آپ کا پروردگار کسی علاقہ کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا ہے جب تک کہ وہاں کوئی رسول نہ بھیج دے اور جب تک ان لوگوں سے ظلم سرزد نہ ہو جائے۔

یہ چند روزہ زندگانی دنیا ہے۔ بہتری اور فلاح آخرت میں ہے اور وہ انھیں بہر حال ملے گی جن سے آخرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جس طرح کہ اہل دنیا کو لذت دنیا دی گئی ہے اور پھر قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ تمھارے شرکا کہاں چلے گئے؟ اور وہ بیزاری

کا اظہار کریں گے اور ارشاد ہوگا کہ انھیں بلاؤ۔ اور انھیں خبر بھی نہ ہوگی کہ وہ کدھر ہیں،
صرف عذاب سامنے ہوگا۔

فلاح ان لوگوں کے لیے ہے جو توبہ کرلیں، ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں کہ ایسے ہی
لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔

● پیدا کرنا اور انتخاب کرنا خدا کا کام ہے اس میں کسی شخص کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔
خدا سب کے دل کا حال جانتا ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ دنیا و آخرت میں مالک حمد و حکم
ہے اور اسی کی طرف ہر ایک کی بازگشت ہے۔ وہ رات کو قیامت تک کے لیے دائمی
بنادے تو کوئی دن کا لانے والا نہیں ہے اور دن کو سرمدی بنادے تو کوئی پُرسکون رات
کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ یہ دن اور رات اس کی طرف سے معیشت اور سکون کے بہترین
اوقات اور ذرائع ہیں اور قیامت کے دن اس کے علاوہ کوئی کام آنے والا نہیں ہوگا۔

دیکھو ہم نے قارون کو بے پناہ دولت دی تو اس نے قوم پر ظلم کیا۔ جب کہ قوم نے
کہا کہ خدا نے تجھ پر احسان کیا ہے تو قوم کے ساتھ اچھا سلوک کر اور دنیا دے کر آخرت حاصل
کرلے۔ فساد نہ کر کہ خدا مفسدین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور نہایت
درجہ تزک و احتشام کے ساتھ نکلا۔ یہاں تک کہ لالچی افراد کے دل میں بھی دولت کی آرزو
شروع ہوگئی۔ اہل علم نے سمجھایا کہ صاحبانِ ایمان کے لیے ثواب آخرت بہت کافی ہے اور
وہ صابرین کا حصہ ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد جب قارون دھنس گیا تو سب نے
کہنا شروع کردیا کہ اچھا ہوا کہ خدا نے ہمیں دولت نہیں دی تھی ورنہ ہمارا انجام بھی ایسا ہی ہوتا۔
بے شک آخرت ان لوگوں کا حصہ ہے جو فساد نہیں چاہتے ہیں اور پرہیزگار ہیں۔ نیکی کا انعام
عمل سے زیادہ ہوتا ہے اور برائی کی سزا برائی کے برابر ہوتی ہے۔

پیغمبرؐ! جس خدا نے قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو منزل تک بہرحال پہونچائے گا۔
یہ آپ کی آرزو نہیں ہے خدا کی رحمت ہے۔ آپ دعوت دیتے رہیں اور مشرکین کے ساتھ ہرگز
نہ رہیں۔ توحید کی دعوت دیں۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ ہر شے فانی ہے۔ حکم اسی کے
ہاتھ میں ہے اور بازگشت اسی کی طرف ہے۔!!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ عنکبوت

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۶۹ آیات ہیں۔

اس سورہ کا نام عنکبوت اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں کفار ومشرکین کے عقائد من گھڑنددوں کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لیے مکڑی کے جالے کا ذکر کیا گیا ہے جو دیکھنے میں انتہائی حسین اور محکم نظر آتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے انتہائی بے جان اور کمزور ہوتا ہے جو ایک اشارہ سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔ کفار ومشرکین کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ ان کے عقائد کے تانے بانے تار عنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں اور اسلام کے مستحکم حقائق ومعارف کے مقابلہ میں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس سورہ کا آغاز بھی اسی منزل سے ہوتا ہے جہاں سورۂ قصص کا اختتام ہوا تھا۔ سورۂ قصص کے اختتام پر اعلان ہوا تھا کہ دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ بقا صرف ذات پروردگار کے لیے ہے اور سب کو اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اور اس سورہ کا آغاز اسی نقطہ سے ہوا ہے کہ پروردگار کی نگاہ میں دعوائے ایمان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہر انسان کو اپنے ایمان کا امتحان دینا ہوگا اور امتحان ہی سے یہ ثابت ہونے والا ہے کہ کون دعوائے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس سورہ کا بھی سارا زور عقائد اور اخلاقیات پر ہے اور گزشتہ اقوام کے حالات سے ایمان اور کفر کے نتائج کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ مادی نگاہ رکھنے والے انسان کے لیے تجربیات سے بہتر کوئی دلیل نہیں ہے اور اقوام عالم کے حالات بہترین تجربات ہیں جن سے انسان کفر وشرک کے نتائج کا اندازہ کر سکتا ہے

اور مستقبل کے لیے سامانِ عبرت فراہم کر سکتا ہے۔

سورہ کے آغاز میں امتحان کو سنت الٰہیہ قرار دیتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ بدکردار افراد خدائی قبضہ سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں۔ انھیں ایک دن بہرحال اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ جہاد کرنے والا بھی اپنے ہی واسطے جہاد کرتا ہے اور خدا کو کسی کی ضرورت نہیں ہے البتہ وہ ایمان اور کردار والوں کے گناہوں کو نظرانداز کر کے انھیں بہترین اجر دینے والا ہے۔

● آیت ۸ میں ایک عظیم اخلاقی درس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ انسان کو ماں باپ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا چاہیئے لیکن اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ پروردگار کے مقابلہ میں ان کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے حکم دینے پر بھی شرک کا کوئی جواز نہیں ہے۔

نیک کردار والوں کو خدا صالحین میں ضرور شامل کرے گا لیکن اس کی شرط بھی صاحب ایمان ہونا ہے۔

● آیت ۱۰ سے منافقت کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے کہ بعض لوگ آزمائش کو بھی عذاب الٰہی کا درجہ دیتے ہیں اور جب حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں تو صاحبانِ ایمان کے ساتھ آجاتے ہیں۔ انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ خدا ان کے حالات سے خوب باخبر ہے اور ان کی منافقت کو بہرحال بے نقاب کرنے والا ہے۔

● آیت ۱۲ سے کفار کی اس تحریک سے ہوشیار کیا گیا ہے کہ یہ صاحبانِ ایمان کو یہ کہہ کر دعوتِ گناہ دیتے ہیں کہ عذاب کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے حالانکہ کوئی کسی کی ذمہ داری لینے کے قابل نہیں ہے اور کفار کو اس دعوت کا عذاب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔

● آیت ۱۴ سے گذشتہ اقوام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ نوحؑ نے ۹۵۰ برس تبلیغ کی اور جب قوم راہِ راست پر نہ آئی تو طوفان نے اپنی گرفت میں لے لیا اور صرف نوحؑ کے ساتھ اصحابِ سفینہ کو نجات حاصل ہوئی کہ نجات اصحابِ پیغمبر کے لیے نہیں

ہے اصحاب سفینہ کے لیے ہے۔

اس کے بعد جناب ابراہیمؑ کا حوالہ دیا گیا کہ انھوں نے لوگوں کو عبادت اور تقویٰ کی دعوت دی اور غیر خدا تمام معبودوں کی بے بسی کا حوالہ دیا اور گذشتہ اقوام کے انجام سے بھی باخبر کیا۔ لیکن قوم کے پاس ایک ہی جواب تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں ڈال دیا جائے۔ جن کا انجام یہ ہوا کہ ہم نے انھیں بچا لیا اور کفار کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں۔ انھوں نے اس کے بعد بھی قوم کو سمجھایا کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور آخرت میں دنیا کی دوستی کام آنے والی نہیں ہے۔ وہاں سب ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔

ان کے اس پیغام کی صرف جناب لوطؑ نے تصدیق کی اور ابراہیمؑ کا ساتھ دیا۔ پروردگار نے ابراہیمؑ کے خدمات کے صلہ میں انھیں اسحاقؑ و یعقوبؑ کی جیسی اولاد عطا کی اور ان کی ذریت میں نبوت کو قرار دے دیا۔

پھر لوطؑ نے اپنی قوم کو بدکاری سے روکنے کی کوشش کی اور ان کا بھی جواب یہی تھا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو عذاب الٰہی کو پیش کر دو اور فرشتے ابراہیمؑ کے پاس فرزند کی بشارت لے کر آئے اور بتایا کہ ہم قوم لوط کو تباہ کرنے والے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس بستی میں لوط جیسے پاکیزہ کردار بھی ہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم مستحقین عذاب کو پہچانتے ہیں (نبی کے پہلو میں بھی ہوں گے تو نبی کو بچا کر انھیں ہلاک کر دیں گے)۔

ادھر فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو انھیں قوم کی بدکرداری سے پریشانی پیدا ہوئی۔ فرشتوں نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں۔ ہم عنقریب اس قوم کو تباہ کر دینے والے ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ صرف خدا نے انھیں ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا کہ آئندہ نسلیں عبرت حاصل کر سکیں۔

پھر مدین کی طرف جناب شعیبؑ کے جانے کا ذکر ہوا، اور ان کی تکذیب پر ان کے ہلاک ہونے کا حوالہ دیا گیا۔

پھر قوم عاد و ثمود اور قارون و فرعون و ہامان کی ہلاکت کا تذکرہ کیا گیا کہ ان لوگوں نے کھلی ہوئی نشانیوں کی تکذیب کی اور اس کے نتیجہ میں سب ہلاک ہو گئے۔ کسی پر پتھر

رہے، کسی کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا، کسی کو پانی میں غرق کر دیا گیا اور اس طرح سب کو ان کے کیفر کردار تک پہونچا دیا گیا۔

غیر خدا کو ولی بنانے والوں کی مثال مکڑی کی جیسی ہے جو بہترین جالے تیار کرتی ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے۔ ہم ان مثالوں کو مسلسل بیان کرتے رہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ان کا ادراک صرف صاحبانِ عقل ہی کر سکتے ہیں۔

● آیت ۴۵ سے پیغمبر اسلامؐ کے ہدایات کا ذکر ہوتا ہے کہ آپ وحی الٰہی سے نازل ہونے والی کتاب کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں کہ نماز ہر طرح کی برائی سے روکنے والی ہے اور اس کے اندر یادِ خدا کا بہترین جوہر پایا جاتا ہے۔ اہل کتاب سے نہایت خوبصورت انداز میں بحث کریں اور بتائیں کہ ہمارا ایمان تمھاری کتابوں پر بھی ہے اور ہم سب کا خدا ایک ہی ہے تو ہمیں مشرکین کے مقابلہ میں متحد ہو جانا چاہیئے۔ انھیں یہ بھی سمجھائیں کہ آپ نے کہیں کچھ پڑھا نہیں ہے لہٰذا یہ قرآن کسی مدرسہ کی دین نہیں ہے۔ یہ ایک وحی الٰہی ہے جسے صاحبانِ علم کے سینوں میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور اس کا انکار صرف ہٹ دھرم افراد ہی کر سکتے ہیں۔

اب اگر یہ نئی نشانیوں کا مطالبہ کریں تو ان سے کہہ دیں کہ یہ سب کام پروردگار کا ہے۔ میرا کام صرف پیغامِ الٰہی کا پہونچا دینا اور عذابِ الٰہی سے ڈرانا ہے اور بس! یہ کتاب خدا رحمت اور یاد دہانی کا بہترین ذریعہ ہے۔ خدا ہمارے اور تمھارے درمیان بہترین گواہ ہے۔ عذاب میں جلدی نہ کرو۔ اس کا وقت معین ہے ورنہ خدا کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کا عذاب کفار کو ہمیشہ میسر رہتا ہے جو اوپر اور نیچے سے ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اس سے بچ کر کوئی جانے والا نہیں ہے۔

● آیت ۵۶ سے صاحبانِ ایمان کی تسکینِ قلب کا سامان فراہم کیا گیا ہے کہ میری زمین تنگ نہیں ہے۔ موت سب کو آنے والی ہے اور آخری بازگشت میری ہی طرف ہے۔ میں صاحبانِ ایمان و کردار کو جنت میں بہترین غرفے عنایت کروں گا اور میرے یہاں ان لوگوں کا اجر بہترین ہے جو صبر کرنے والے اور پروردگار پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ اللہ سب کو روزی دینے والا ہے اور اکثر مخلوقات تو اپنی روزی کا انتظام بھی نہیں کر سکتی ہیں۔

یہ کفار کا انکار بھی صرف زبردستی ہے ورنہ ان سے پوچھو کہ زمین وآسمان کا خالق اور آفتاب وماہتاب کی تسخیر کرنے والا کون ہے تو اللہ ہی کا نام لیں گے۔ وہی روزی میں وسعت یا تنگی دینے والا ہے۔ وہی آسمان سے پانی برسا کر زمین کو زندہ کرنے والا ہے۔

زندگانی دنیا صرف ایک کھیل تماشہ ہے۔ واقعی حیات آخرت میں ہے۔ انسان کشتی میں سوار ہوتا ہے تو خدا کو یاد کرتا ہے اور خشکی پر آجاتا ہے تو پھر شرک شروع کر دیتا ہے۔ یہ راحت دنیا کب تک ؟ اس کا انجام تو ایک دن بہر حال سامنے آنے والا ہے۔

دیکھو ہم نے ان کے واسطے ایک محفوظ حرم بنا دیا ہے جب کہ اس کے گرد و پیش لوٹ مار کا بازار گرم ہے مگر اس کے باوجود یہ لوگ باطل پر ایمان لے آتے ہیں اور نعمتِ خدا کا انکار کر دیتے ہیں۔

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر افترا کرے یا خدا کی طرف سے آئے ہوئے حق کا انکار کر دے۔ کیا ان کافروں کا ٹھکانا جہنم کے علاوہ کہیں اور ہے۔

ہماری راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے ہم خود اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور بے شک اللہ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ روم

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۶۰ آیات ہیں۔

اس سورہ کا نام سورہ روم اس لیے ہے کہ اس کا آغاز روم کی فتح سے ہوتا ہے جس کی مختصر داستان یہ ہے کہ روم کے عیسائیوں اور ایران کے آتش پرستوں کے درمیان جنگ ہوئی اور ایرانی غالب آگئے تو مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو طعنے دینا شروع کر دیے کہ جس طرح ایرانیوں کو اللہ والوں پر غلبہ حاصل ہوگیا ہے اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ قرآن مجید نے اس غرور کے خلاف یہ اعلان کیا کہ چند سال میں یہ شکست فتح میں تبدیل ہو جائے گی اور اللہ کا نام لینے والے مشرکین پر بہرحال غالب آکر رہیں گے۔ یہ آج کی شکست بھی اس لیے ہے کہ روم والوں نے مذہب حق قبول نہیں کیا لیکن مشرکین کے مقابلے میں بہرحال پروردگار ان کی امداد کرے گا اور اسی طرح مکہ کے مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد کرے گا۔ اور ایسا ہی ہوا کہ ۹ بعثت کی رومیوں کی شکست ۲ھ میں فتح میں تبدیل ہو گئی اور آتش پرستوں کو مغلوب ہونا پڑا۔

اس بیان کے بعد پروردگار نے اپنی قدرت کی متعدد نشانیوں کا اعلان کیا ہے اور اس قدر آیات الٰہیہ کا تذکرہ کسی اور سورہ میں نہیں ہوا ہے جس قدر اس سورۂ مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے رابطہ یہ ہے کہ سابق سورہ کا اختتام "ان اللہ لمع المحسنین" پر ہوا تھا اور اس سورہ میں روم والوں کی مستقبل کی فتح کا اعلان کیا گیا ہے جو اللہ کے نیک کرداروں کا ساتھ دینے کا ایک نمونہ ہے کہ اس سے رومیوں کو خوش کرنا

مقصود نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو اطمینان دلانا مقصود ہے۔

● آیت ۲۰ سے قدرت الٰہی اور وعدۂ پروردگار کی صداقت کی نشانیوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

● یہ لوگ اپنے نفس کے اندر فکر کیوں نہیں کرتے ہیں کہ ہم نے آسمان و زمین کو بالکل برحق پیدا کیا ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ لقائے الٰہی کے منکر ہیں۔

● کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھتے کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

● پیدا کرنے والا دوبارہ پھر زندہ کرے گا اور اس وقت کوئی شریک پروردگار کسی کے کام آنے والا نہیں ہے۔ اس دن سب لوگ بکھر جائیں گے اور کوئی کسی کا پہچاننے والا نہ ہوگا۔ ایمان والے باغِ جنت میں ہوں گے اور کفّار عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

● پروردگار زندہ کو مُردہ اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ وہی مُردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی مُردہ انسانوں کو زندہ کرے گا۔

● اس کی نشانیوں میں یہ بات بھی ہے کہ تم کو خاک سے نکالا ہے اور پھر بشر بنا کر منتشر کر دیا ہے۔

● اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ تم ہی میں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں سکونِ زندگی حاصل ہو اور اختلافِ جنس کے باوجود مودت اور رحمت کا جذبہ قرار دے دیا ہے تاکہ تم قدرت پروردگار میں غور و فکر کر سکو۔

● اس کی ایک نشانی آسمان و زمین کی خلقت اور تمہارے رنگ اور زبان کا اختلاف بھی ہے جس میں اہلِ علم کے لیے نشانیاں ہیں۔

● اس کی ایک نشانی رات کو سونا اور دن کو اُٹھ کر رزق تلاش کرنا ہے۔

● اس کی ایک نشانی بجلیوں کا خوف و طمع کے انداز سے چمکنا بھی ہے جس کے بعد بارش ہوتی ہے اور مُردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔

- اس کی ایک نشانی آسمان و زمین کا امر الٰہی سے قائم رہنا ہے اور پھر تمھارا زمین سے دوبارہ نکلنا بھی ہے۔
- آیت ۲۸ سے مذکورہ بالا آیات و علامات کی روشنی میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے:
- اگر تم اپنے مال میں اپنے نوکروں کو شریک نہیں بنا سکتے ہو تو خدا اپنی خدائی میں کس طرح شریک بنا سکتا ہے۔ یہ ظالموں کی طرف سے صرف خواہشات کا اتباع اور گمراہی کا راستہ ہے ورنہ کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں ہے۔
- انسان کا رُخ دین حنیف کی طرف ہونا چاہیئے جو فطرت الٰہیہ کے عین مطابق ہے اور یہی سیدھا دین ہے جس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔
- انسان کا فرض ہے کہ خدا کی طرف متوجہ رہے اور نماز قائم کرے اور مشرکین میں شامل نہ ہو جائے جنھوں نے دین میں تفرقہ پیدا کر کے اسے ٹکڑے کر دیا اور پھر ہر جماعت اپنے خیالات میں مگن ہے۔
- انسانوں کا حال یہ ہے کہ پریشانی آجاتی ہے تو نہایت خلوص سے خدا کو آواز دیتے ہیں اور رحمت شامل حال ہو جاتی ہے تو پھر شرک شروع کر دیتے ہیں۔
- یہ رحمت پا کر اکڑ جاتے ہیں اور تکلیف دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ خدا رزق میں وسعت بھی دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے۔ اب تمھارا فرض ہے کہ وسعت دی ہے تو قرابت داروں اور غریبوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دو کہ اسی میں خیر ہے۔
- سود سے واقعی مال میں اضافہ نہیں ہوتا ہے اور زکوٰۃ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔ سود کا مال خدا کے یہاں ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور زکوٰۃ سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔
- خدا ہی خلق کرنے وا[illegible] ور رزق دینے و[illegible] تا ہے اور کسی شریک میں اتنا دم نہیں ہے اور خدا ہر شریک سے بے نیاز ہے۔

● انسانوں کے اعمال نے بحر و بر ہر جگہ فساد پھیلا دیا ہے اور اب خدا ان کے اعمال کا مزہ چکھائے گا کہ شاید راہ راست پر آجائیں۔

● اپنا رخ اللہ کی طرف رکھو، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کی واپسی کا امکان نہیں ہے۔

● اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہواؤں کو پانی کی بشارت دے کر بھیجتا ہے۔ پھر بارش کو نازل کر کے پانی میں اپنے حکم سے کشتیاں چلاتا ہے۔

● آیت ۴۷ سے بدکرداری کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے مرسلین کو بھیجا لیکن مجرمین نے ہمیشہ مخالفت کی تو ان سے انتقام لیا اور صاحبانِ ایمان کی مدد کی۔ ہم ہواؤں کو چلا کر بادلوں کو فضائے آسمان میں پھیلا دیتے ہیں اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر برسا دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں لوگ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے بالکل مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔

یہ رحمتِ خدا کا اثر ہے کہ مُردہ زمینوں کو زندہ بنا دیتا ہے ورنہ کھیتوں کو مسموم ہواؤں سے زرد بنا دے تو یہ کفر شروع کر دیں گے۔ پیغمبر! آپ اندھے، بہرے اور مُردہ لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے ہیں۔ آپ صرف ایمان والوں کو بات سنا سکتے ہیں ورنہ باقی لوگوں کا معاملہ تو خدا ہی کے حوالے ہے۔

خدا ہی وہ ہے جس نے تمھیں کمزوری کے ساتھ پیدا کیا۔ پھر طاقت دی پھر کمزور بنا دیا اور پھر بڑھاپے تک پہنچا دیا تو اب اس کی قدرت میں کیا شک ہے۔

قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ ہم نے تو صرف چند ساعت زندگی گذاری ہے اور صاحبانِ ایمان کہیں گے کہ تم نے قیامت تک کی زندگی گذاری ہے اور اب قیامت آگئی ہے جس کا انکار کیا کرتے تھے تو اب کوئی معذرت کام آنے والی نہیں ہے۔

ہم نے اس قرآن میں تمام مثالیں بیان کر دی ہیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ہر مثال پر ایک نیا الزام باطل لگا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ جاہل ہیں اور ان کے دل پر مہر لگ گئی ہے۔ پیغمبر! آپ صبر کریں۔ خدا کا وعدہ برحق ہے اور خبردار! یہ بے یقین افراد آپ کو ہلکا نہ بنا دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ لقمان

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۳۴ آیات ہیں۔

اس سورہ کا نام جناب لقمان کے نام پر رکھا گیا ہے جو ایک مرد حکیم تھے اور جن کی نصیحتوں کو قرآن حکیم نے اپنے دامن میں محفوظ کر کے عالم انسانیت کو نصیحت کرنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ تعلیم کیا ہے۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے ربط یہ ہے کہ سابق سورہ کے اختتام پر یہ بیان کیا گیا تھا کہ ہم قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں اور اس سورہ کے آغاز میں لقمان کی نصیحتوں کے تذکرہ سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو نیک کرداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں اور ظاہر ہے کہ جب کتاب حکیم کی آیات ہیں تو ان میں حکمت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

● ابتدا میں نیک کرداروں کا تعارف کرایا گیا ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، خیرات کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے فوراً بعد ان لوگوں کا تذکرہ کر دیا گیا جو بیہودہ ہیں کہانیوں کو اختیار کر کے لوگوں کو راہ خدا سے گمراہ کرتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کے لیے اسی طرح عذاب مُہین ہے جس طرح نیک کرداروں کے لیے فلاح، رحمت اور ہدایت ہے۔

● ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کے سامنے آیات الٰہیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو اکڑ کر یوں منھ پھیر لیتے ہیں جیسے کچھ سُنا ہی نہیں ہے اور بہرے ہو گئے ہیں، انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو جس طرح کہ ایمان و کردار والوں کے لیے جنت النعیم

کی بشارت ہے جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

● آیت نمبر ۱۰ سے خدا کی عظمت کی نشانیوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ اس نے ستون کے بغیر آسمانوں کو پیدا کر دیا ہے اور زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے تاکہ اپنے مرکز سے ہٹنے نہ پائے۔ مختلف چوپائے پھیلا دیے ہیں اور آسمان سے پانی نازل کر کے ہر قسم کا نفیس جوڑا پیدا کر دیا ہے۔

اب بتاؤ کہ اس تخلیق خدا کے مقابلہ میں دوسرے خداؤں نے کیا پیدا کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ظالمین کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

● آیت نمبر ۱۲ سے جناب لقمان کا تذکرہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور یہ حکم دیا کہ اللہ کا شکریہ ادا کریں کہ شکریہ کا فائدہ اپنی ہی ذات کو ہوتا ہے اور خدا کفرانِ نعمت کرنے والوں سے بے نیاز ہے۔

اس کے بعد لقمان کی نصیحتوں کا تذکرہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ خبردار! شرک اختیار نہ کرنا کہ شرک ظلم عظیم ہے اور پھر ضمناً معبود کی طرف سے بھی انسان کو نصیحت کی گئی کہ انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا چاہیے کہ اس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ سہہ کر شکم میں رکھا ہے اور پھر دو سال تک دودھ پلایا ہے۔ البتہ اگر وہ خدا کے بارے میں شرک کا مطالبہ کریں تو خبردار! ان کی اطاعت بھی نہ کرنا، اور دنیا میں نیک برتاؤ کرنا اور ان لوگوں کا راستہ اختیار کرنا جو خدا کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس لیے کہ سب کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے اور وہ سب کو ان کے اعمال سے باخبر کرنے والا ہے۔

ب۔ فرزند! کوئی شے رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور پتھر کے اندر دبی بھی ہو یا آسمانوں پر ہو یا زمین کی تہہ میں ہو تو بھی خدا روزِ قیامت ضرور سامنے لائے گا کہ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

ج۔ فرزند! نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے پرہیز کرنا اور مصیبتوں میں صبر کرنا کہ یہ بڑی ہمت کرنے والوں کا کام ہے۔

ہ۔ لوگوں کے سامنے منہ نہ پھلا لینا اور زمین میں اکڑ کر مت چلنا کہ خدا متکبر اور مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا۔

ہ۔ رفتار میں میانہ روی سے کام لینا اور آواز کو دھیما رکھنا کہ بدترین آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

● آیت ۲۰ سے خدائی احسانات اور ان کے ردعمل کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ خدا نے تمہارے لیے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے اور تم پر تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے جب کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر علم یا ہدایت اور کتاب منیر کے خدا کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور جب ان سے تنزیل الٰہی کے اتباع کے لیے کہا جاتا ہے تو باپ دادا کی تقلید کا حوالہ دیتے ہیں۔ گویا شیطان انھیں جہنم کی طرف برابر کھینچ رہا ہے۔

ب۔ جو شخص بھی اپنا رُخ خدا کی طرف رکھے گا اور نیک کردار ہوگا اس نے گویا مضبوط ریسمان ہدایت پکڑ لی ہے اور انجام کار تو خدا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

ج۔ پیغمبر! آپ کافروں کے کفر سے پریشان نہ ہوں۔ سب کا انجام میری ہی طرف ہے اور میں سب کو ان کے اعمال سے باخبر کر دوں گا۔ انھیں چند روز راحت و آرام دے کر سخت ترین عذاب کی طرف کھینچ لوں گا۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان سے سوال کرو کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو اللہ ہی کا نام لیں گے لیکن اس کے بعد بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ کائنات کل کی کل اللہ کے لیے ہے اور وہ بے نیاز بھی ہے اور سزاوار حمد بھی ہے۔

د۔ اگر تمام دنیا کے اشجار قلم بن جائیں اور سمندر کے ساتھ سات سمندر مل کر روشنائی کا کام کریں جب بھی کلمات الٰہیہ تمام نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ غالب بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے۔

ھ۔ کل کائنات کی خلقت اور اس کا حشر و نشر سب ایک ہی انسان جیسا ہے کہ اللہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔

د۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ اللہ ہی دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور اسی نے چاند سورج کو مسخر کر رکھا ہے کہ سب اسی کے حکم سے چلتے ہیں اور وہی تمہارے اعمال سے بھی باخبر ہے۔ وہ خدائے برحق ہے اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ ہے سب باطل ہے۔ وہ خدائے علی و کبیر ہے۔

ر۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ دریاؤں میں کشتیاں بھی اسی کی نعمت کے سہارے چلتی ہیں اور وہ صبر و شکر کرنے والوں کو اسی طرح اپنی نشانیاں دکھلاتا رہتا ہے۔

ح۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب موجیں سر پر آجاتی ہیں تو خلوص دل کے ساتھ خدا کو یاد کرتے ہیں اور جب وہ انھیں بچا کر خشکی تک پہونچا دیتا ہے تو چند ہی افراد اعتدال پسند رہ جاتے ہیں اور متکبر اور غدار افراد انکار کر دیتے ہیں۔

ط۔ انسانو! اپنے پروردگار کا خوف اختیار کرو اور اس دن سے ڈرو جب باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہ آئے گا کہ خدا کا وعدہ بالکل برحق ہے اور خبردار! زندگانی دنیا تمھیں دھوکہ نہ دیدے اور شیطان اپنے فریب میں گرفتار نہ کر لے۔

ی۔ خدا کے علم میں اتنی وسعت ہے کہ وہ قیامت کا حال بھی جانتا ہے اور بارش کے قطروں کا حساب بھی رکھتا ہے اور شکم کے اندر جو کچھ ہے اس کے کیفیات و حالات سے بھی باخبر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نفس نہیں جانتا ہے کہ کل کیا کمائے گا اور کس سرزمین پر اسے موت آئے گی۔ خدا ہی علیم و خبیر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ سجدہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۳۰ آیات ہیں۔
اس سورہ کا بیشتر حصہ عقیدۂ قیامت اور اس کے مومن و منکر افراد سے متعلق ہے جس کی تمہید میں قدرت پروردگار کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ انسان کو یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جو عدم سے وجود کی طرف لا سکتا ہے وہ دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے اور اسی وسعتِ قدرت کی طرف گذشتہ سورہ کے اختتام پر اشارہ کیا گیا تھا اور اسی کا سلسلہ اس سورہ کے آغاز میں قائم رکھا گیا ہے:

● یہ کتاب رب العالمین کی تنزیل ہے۔ کیا یہ لوگ اسے رسول کا افترا کہتے ہیں؟ یہ پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے تاکہ رسول لوگوں کو ہدایت دیں کہ شاید یہ لوگ راستہ پر آجائیں۔

● خدا ہی نے زمین و آسمان کی تمام اشیاء کو چھ مرحلوں میں خلق کیا ہے اور عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست ہے نہ سفارش کرنے والا۔

● وہ آسمان سے زمین تک تمام امور کا انتظام کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی بارگاہ میں اس دن پیش ہو گا جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہو گی۔ وہ غیب و شہود دونوں کا جاننے والا ہے اور صاحب عزّت و رحمت ہے۔

● اس نے ہر شے کو نہایت حُسن کے ساتھ بنایا ہے اور انسان کی خلقت کو مٹّی سے شروع کیا ہے۔ پھر اس کی نسل کو معمولی پانی سے قرار دیا ہے۔ پھر اس میں اپنی روح حیات پھونک کر اسے سماعت، بصارت اور قوت قلب کا حامل بنا دیا

ہے مگر تم لوگ بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو۔

● آیت ۱۰ سے اس تمہید کے بعد قیامت کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین کے اندر گم ہو جائیں گے تو دوبارہ کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ لقائے رب کا انکار کر رہے ہیں۔

انھیں سمجھائیے کہ پہلے ملک الموت بحکم خدا تمھاری زندگی کا خاتمہ کریں گے اس کے بعد تم خدا کی بارگاہ میں پلٹا دیے جاؤ گے۔ قیامت کے دن مجرمین سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور التماس کریں گے کہ خدایا! اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے اور سن لیا ہے لہٰذا ہمیں پلٹا دے کہ ہم نیک عمل انجام دیں اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے کہ ہم جبراً راہ راست پر نہیں لاتے ہیں۔ ہم نے منکرین کے لیے عذاب جہنم طے کر دیا ہے۔ لہٰذا آج کے دن کو بھلا دینے کا مزہ چکھو۔ اب ہم نے بھی تم کو بھلا دیا ہے۔ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔

● آیت ۱۵ سے صاحبانِ ایمان وایقان کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ انھیں آیاتِ الٰہیہ کی یاد دلائی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور حمد خدا کی تسبیح کرنے لگتے ہیں۔ ان میں کسی طرح کا استکبار نہیں ہے۔ ان کے پہلو بستر سے الگ اور خوف وطمع کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے انفاق بھی کرتے ہیں۔ کسی شخص کو نہیں معلوم ہے کہ اس کے نیک عمل کے انعام میں کس خنکی چشم کا انتظام کیا گیا ہے۔ مومن کو فاسق جیسا نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایمان وکردار کا انجام جنّت الماویٰ ہے جو ان کے عمل کی بہترین جزا ہے اور فاسق کا ٹھکانا جہنّم ہے جہاں سے نکلنا بھی چاہے تو نہیں نکل سکتا ہے اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنی تکذیب کا مزہ چکھو۔ انھیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا اور ہم مجرمین سے بہرحال انتقام لینے ہیں۔

صاحبانِ ایمان کی صفت سجدہ گذاری پروردگار کے نزدیک اس قدر عزیز ہے کہ اس سورہ مبارکہ کا نام سورۂ سجدہ رکھ دیا گیا ہے اور اس مقام پر آکر ہر صاحب ایمان

کا فرض ہے کہ سجدۂ قدرت انجام دے اور اپنے کمال ایمان وایقان کا ثبوت فراہم کرے۔

● آیت ۲۳ سے تمام مکی سورتوں کی طرح یہاں بھی حقائق کے تذکرہ کے بعد مثالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ حقائق پر ایمان نہ لانے والے بھی محسوس کرلیں کہ یہ صرف مستقبل کی دھمکی نہیں ہے بلکہ اس کے آثار ماضی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں اور انسان کا فرض ہے کہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرے۔

ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عنایت کی ہے لہذا قرآن کے بارے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہم نے توریت کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت قرار دیا تھا اور بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں کو امام اور قائد بنایا تھا کہ ان میں صبر کی قوت تھی اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔ پروردگار قیامت کے دن تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے والا ہے۔

کیا انہیں ہوش نہیں ہے کہ ان سے پہلے کتنی قومیں انکار کی بنا پر ہلاک ہوچکی ہیں۔

کیا یہ سنتے بھی نہیں ہیں۔

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم چٹیل میدانوں تک پانی لے جاکر ان سے زراعت اگاتے ہیں اور یہ لوگ اور ان کے جانور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیا انہیں یہ بھی دکھائی نہیں دیتا ہے کہ جو پروردگار مُردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے وہ مُردہ انسانوں کو بھی حیات دے سکتا ہے

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ یہ روز فتح کا انتظار کر رہے ہیں جب سارے حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے اور ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اس دن ایمان لائیں گے حالانکہ آپ انہیں بتادیجیے کہ روز فتح کسی کا ایمان کام آنے والا نہیں ہے اگر اس نے پہلے سے ایمان اختیار نہیں کیا اور اس دن کسی کو مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔

آپ ان لوگوں سے کنارہ کش رہیں اور اس وقت کا انتظار کریں جس کا ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ احزاب

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۷۳ آیات ہیں۔

مدنی ہونے کے اعتبار سے اس میں احکام کا رُخ عقائد سے زیادہ واضح ہے اور اکثر احکام کا تعلق شخصیت مرسل اعظمؐ سے ہے اور اسی بنیاد پر یہ سورہ سابق سورہ سے بالکل مسلسل ہے کہ اس کا خاتمہ پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں دو احکام پر ہوا تھا اور اس کا آغاز یا ایھا النبی سے ہوا ہے اور پھر احکام کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

اس سورہ کا نام احزاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں حیات پیغمبرؐ کے اس عظیم ترین معرکہ کا ذکر ہوا ہے جس سے سخت تر کوئی معرکہ نہیں ہوا ہے اور جس کا سامنا اسلام کو ہر دَور میں کرنا پڑتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بدر میں مسلمان تھوڑے اور نہتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ احد میں مسلمان کفار کے برابر طاقت کے مالک نہیں تھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کفار کی ایک ایک جماعت برسر پیکار تھی اور معرکہ مدینہ کے باہر ہو رہا تھا لیکن احزاب کی صورت حال بالکل مختلف تھی یہاں کفر کے تمام گروہ متحد ہو گئے تھے اور حوصلے اس قدر بلند ہو گئے تھے کہ مدتوں کی محنت سے تیار ہونے والی خندق کو پار کر کے شہر کے اندر داخل ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے خوف کا یہ عالم تھا کہ اکثریت سر اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔ اس لیے پروردگار عالم نے سورہ کا آغاز دعوت تقویٰ سے کیا ہے کہ انسان میں خدا کا خوف ہوتا ہے تو مخلوقات کے خوف سے بلند تر ہو جاتا ہے۔

"یا ایھا النبی" کے بارے میں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جب "یا" کے ساتھ

"ایسے" کا اضافہ ہو جاتا ہے تو یہ حکم کے عام ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔

بہر حال ابتدا میں مرسل اعظمؐ کے فرائض ان کی حیثیت اور شخصیت کا اعلان کیا گیا ہے اور منافقین کے کردار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

● پیغمبر! آپ صرف تقویٰ الٰہی اختیار کریں اور کافرین و منافقین کی ہرگز اطاعت نہ کریں۔ آپ کے پاس رابطہ الٰہی وحی موجود ہے آپ اسی کا اتباع کریں اور خدا پر بھروسہ رکھیں، وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔

● کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے گئے ہیں لہٰذا دہرے دعویٰ قابل قبول نہیں ہیں۔ نہ اس کا امکان ہے کہ زوجہ کو ماں کہہ دیا جائے تو وہ ماں بن جائے، اور نہ اس کا امکان ہے کہ دوسرے کے بیٹے کو بیٹا کہہ دیا جائے تو وہ بیٹا بن جائے۔ حقیقت، حقیقت ہوتی ہے اور ادعا، ادعا۔ اگر کسی کا باپ نہیں بھی معلوم ہے تو وہ تمہارا اسلامی بھائی اور دوست ہے اور یہی رشتہ کافی ہے۔

● البتہ ایک بات کا خیال رہے کہ چونکہ نبی امت کے لیے اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے لہٰذا اس کی زوجہ ماں بن جاتی ہے اور ظہار کی ماں تو کفارہ دینے کے بعد جائز ہو سکتی ہے لیکن نبی کی زوجہ نبی کے مرنے کے بعد بھی جائز نہیں ہو سکتی ہے اور یہی معنی اس کے ماں ہونے کے ہیں ورنہ دیگر احکام کے اعتبار سے وہ بھی ماں نہیں ہے اس لئے کہ حقیقت، حقیقت ہوتی ہے اور قانون، قانون۔

● مسئلہ تبلیغ و ہدایت صرف پیغمبر اسلامؐ سے متعلق نہیں ہے۔ اس کا عہد تمام سابق انبیاء سے بھی لیا گیا ہے اور اس کے بارے میں روز قیامت ضرور سوال کیا جائے گا۔

● آیت ۹ سے ۲۷ تک جنگ احزاب کی صورت حال کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کفر کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور مسلمانوں کے کلیجے منھ کو آرہے تھے، آنکھیں دہشت سے خیرہ کر رہی تھیں اور اہل ایمان سخت ترین آزمائش سے گذر رہے تھے اور انھیں سخت جھٹکے دیے جا رہے تھے یہاں تک کہ منافقین اور بیمار دل لوگوں نے خدا و رسولؐ پر فریب دینے کا الزام لگا دیا تھا اور بعض لوگ اہل مدینہ کو بھاگنے کی ترغیب دے رہے

تھے اور بعض پیغمبرؐ سے بہانے کر کے بھاگنے کی اجازت مانگ رہے تھے اور صورت حال یہ تھی کہ ان سے کفر کا مطالبہ کیا جاتا تو دوبارہ کافر ہونے کے لیے بھی تیار تھے۔ اپنے فرار نہ کرنے کے تمام وعدے بھول چکے تھے اور یہ سمجھنے سے بھی قاصر تھے کہ فرار موت کو نہیں روک سکتا ہے اور خدا پر سے بھی بالکل اعتماد اٹھ چکا تھا۔ اکثریت جنگ سے روک رہی تھی، لوگ ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ نگاہوں کا یہ عالم تھا کہ جیسے موت کی غشی طاری ہو۔ یہ اور بات ہے کہ مصیبت کے ٹل جانے کے بعد بڑی بڑی باتیں کرنے کے لیے بھی تیار تھے اور مال غنیمت میں سب سے زیادہ حصہ لینے کے امیدوار تھے۔ دشمن کا رعب اس کے چلے جانے کے بعد بھی طاری تھا اور سوچ رہے تھے کہ اے کاش! دیہاتوں میں آباد رہتے اور مدینہ کی اس مصیبت سے محفوظ رہتے۔

رسول اکرمؐ کی سیرت کا نمونہ موجود تھا لیکن یہ صرف ان لوگوں کے لیے تھا جنھیں اللہ اور آخرت کا خیال تھا اور جو خدا کا ذکر کرنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبان ایمان نے ان احزاب کو دیکھا تو ان کے ایمان اور حوصلۂ تسلیم میں اضافہ ہو گیا اور انھوں نے کہا کہ ہم سے خدا اور رسولؐ نے اسی امر کا وعدہ کیا تھا اور وہ اپنے عہد پر قائم رہے یہاں تک کہ بعض نے اسی راہ میں جان دے دی اور بعض موت کا انتظار کرتے رہے لیکن کسی نے اپنے کردار میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

ان تمام باتوں کے باوجود پروردگار نے ایک علیؑ کے ذریعہ تمام مومنین کو جنگ کی زحمت سے بچا لیا اور جو قبائل شریک جنگ نہ تھے انھیں بھی اس قدر دہشت زدہ کر دیا کہ وہ اپنے قلعوں سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں نے ان کے اپنے فیصلہ کی بنا پر انھیں قتل کر دیا یا قیدی بنا لیا اور ان کے دیار و اموال کے وارث بن گئے۔

● آیت ۲۸ سے ازواج پیغمبرؐ کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ عالم اسلام میں عظمت واحترام کے دو ہی عنوان تصور کیے جاتے ہیں: ایک صحابیت اور ایک زوجیت۔ پروردگار نے صحابیت کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تو روئے سخن زوجیت کی طرف مڑ گیا کہ ان کے اندر کیسے کیسے کردار پائے جاتے ہیں اور ان کی عظمت کی حقیقت کیا ہے۔

● پیغمبر! آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں کہ اگر زندگانی دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ دے لو لیکن اس گھر سے چلی جاؤ، اور اگر آخرت چاہتی ہو تو "تم میں سے نیک کردار افراد" کے لیے اجر عظیم مہیا کیا گیا ہے۔ (اس مرحلہ پر خطاب پیغمبرؐ سے تھا)

● یا نساء النبی! اگر تم میں سے کوئی کھلا ہوا گناہ کرے گی تو اس پر دُہرا عذاب ہوگا اور یہ خدا کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی خدا و رسولؐ کی اطاعت اور نیک عمل کرے گی تو اُس کے لیے دُہرا اجر اور بہترین رزق بھی ہے۔

دیکھو تم تقویٰ پر قائم رہو تو تمھارا مرتبہ عام عورتوں سے بلند تر ہے لہٰذا ایسی لگاوٹ کی گفتگو نہ کرنا کہ مریض دل افراد کے دل میں لالچ پیدا ہو جائے اور اپنے گھر میں سکون سے بیٹھنا، جاہلیت جیسا بناؤ سنگار نہ کرنا اور خدا و رسول کی اطاعت کرتی رہنا۔

● اے اہلبیت! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر رجس کو دور رکھے اور تمھیں حق طہارت کی منزل پر فائز رکھے۔

● ازواج پیغمبر! دیکھو تمھارے گھروں میں جن آیات الٰہیہ کی تلاوت ہوتی ہے انھیں یاد رکھنا کہ خدا لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

● دیکھو مسلمان مرد ہو یا عورت، صاحب ایمان مرد ہو یا عورت، اطاعت گذار، صداقت شعار، صابر، خاشع، صدقہ دینے والا، عفت کی محافظت کرنے والا، ذکر خدا کرنے والا مرد ہو یا عورت سب کے لیے خدا نے مغفرت اور اجر عظیم کا انتظام کر رکھا ہے۔

● دیکھو پیغمبر کے فیصلہ و انتخاب کے بارے میں کسی مومن مرد یا عورت کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ خدا و رسول کی نافرمانی کرنے والا کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہے۔

● آیت ۳۷ سے ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے حکم خدا سے اپنی رشتہ کی بہن زینب بنت جحش کا عقد زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیا تاکہ اسلام میں رشتوں کی تفریق ختم ہو جائے اور آپ کو یہ خیال تھا کہ اگر یہ شادی کامیاب نہ ہوئی تو زینب کو اس ایثار کا انعام اپنی زوجیت کی شکل میں دیں گے۔ اب چونکہ آپ زید کو اپنا بیٹا بنا چکے تھے لہٰذا جب زید نے طلاق دی اور آپ نے عقد کر لیا تو ایک ہنگامہ

کھڑا ہو گیا کہ اپنے بیٹے کی زوجہ سے عقد کیا ہے۔

پروردگار نے پہلے تو زید کو رشتہ قائم رکھنے کی ہدایت دی، اس کے بعد اپنے رسولؐ کو زینب سے عقد کرنے کا حکم دے دیا اور آخر میں لوگوں کو تنبیہ کی کہ خبردار! منھ بولی اولاد کو اولاد نہ سمجھ لینا۔ رسول کو ایسی اولاد کی مطلقہ سے عقد کرنے کا حق ہے اور پیغام الٰہی پہونچانے والے سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرا کرتے ہیں۔ خدا کا امر بہر حال نافذ ہونے والا ہے۔

دیکھو محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں — وہ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اس اعتبار سے ساری امت کے باپ ہیں لیکن روحانی رشتے مادی رشتوں پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

ایمان والو! برابر خدا کو یاد کرتے رہو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمھیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آتا ہے۔ وہ صاحبان ایمان کے حال پر مہربان ہے۔ ان کی مدارات روز قیامت سلام سے کی جائے گی اور ان کے لیے بہترین اجر ہوگا۔

● آیت ۴۵ سے نبی کریمؐ کی واقعی حیثیت کا اعلان ہوتا ہے کہ پیغمبر! ہم نے آپ کو شاہد، بشارت دینے والا، عذاب الٰہی سے ڈرانے والا، خدا کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا، اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔

آپ مومنین کو بشارت دے دیں کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بہت بڑا فضل و کرم ہے اور خبردار! کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کریں اور ان کی اذیت کا خیال بھی چھوڑ دیں صرف خدا پر بھروسہ رکھیں کہ وہ اپنے بندوں کی نگرانی کے لیے کافی ہے۔

● آیت ۴۹ سے صاحبان ایمان اور مرسل اعظمؐ دونوں کے لیے عورتوں کے بارے میں بعض احکام کا اعلان کیا گیا ہے۔

● ایمان والو! اگر کسی عورت کو جنسی تعلقات سے پہلے طلاق دے دو تو اس پر عدہ تو نہیں ہے لیکن آزاد کرنے سے پہلے اسے کچھ عطیہ دے دو کہ زمانۂ عدت میں تم پر

اس کے رزق کی ذمہ داری نہیں ہے اور اب یہی اس کی زندگی کا سہارا ہے۔

● پیغمبر! ہم نے آپ کے لیے ان تمام عورتوں کو حلال کر دیا ہے جن کا مہر ادا کر دیا ہے یا جو آپ کی کنیزیں ہیں، یا رشتہ کی چچازاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، ماموں زاد بہنیں ہیں یا جس مومنہ عورت نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے اور یہ آخری قسم صرف آپ کے لیے ہے۔

پھر عورتوں کے درمیان تقسیم بھی آپ پر فرض نہیں ہے۔ جسے چاہیں روک سکتے ہیں، جسے چاہیں الگ کر سکتے ہیں اور جسے چاہیں الگ کرنے کے بعد پھر دوبارہ بلا سکتے ہیں کہ اس طرح انھیں بھی سکون حاصل ہوگا اور سب خوش رہیں گی۔ اللہ سب کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔

البتہ ان سب کے علاوہ اور کوئی قسم آپ کے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ان کا بدلنا جائز ہے چاہے دوسری عورتیں کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں البتہ کنیزوں میں تبدیلی ہو سکتی ہے اور اللہ تمام امور کی نگرانی کر رہا ہے۔

● ایمان والو! اجازت کے بغیر پیغمبرؐ کے گھروں میں داخل نہ ہونا اور اجازت مل بھی جائے تو برتنوں پر نگاہ مت رکھنا اور کھانے کے بعد فوراً منتشر ہو جانا۔ باتوں میں مت لگ جانا کہ اس طرح پیغمبرؐ کو اذیت ہوتی ہے اور وہ کچھ نہیں کہہ پاتے ہیں۔

ازواج پیغمبر سے کوئی سوال کرنا تو پردہ کے پیچھے سے سوال کرنا کہ یہ دونوں فریق کے دلوں کی طہارت کے لیے بہترین طریقہ ہے۔ دیکھو خبردار! پیغمبرؐ کو اذیت مت دینا اور ان کے بعد بھی ان کی ازواج سے نکاح مت کرنا کہ یہ بہت بڑی بات ہے۔ تم کسی بات کو چھپاؤ یا اظہار کرو، خدا ہر حال سب سے باخبر ہے۔

● باایمان عورتوں کے لیے باپ، دادا، برادران، بھتیجے، بھانجے، گھرانے کی عورتیں اور کنیزوں کے سامنے بے حجاب آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ ہر شے کا حال دیکھ رہا ہے۔

● اللہ اور ملائکہ پیغمبرؐ پر درود بھیجتے ہیں لہٰذا تم بھی درود و سلام بھیجو اور دیکھو

خدا و رسول کو اذیت دینے والے دنیا اور آخرت دونوں جگہ ملعون ہیں اور ان کے لیے رُسوا کن عذاب مہیا کیا گیا ہے۔

مومنین و مومنات کو اذیت دینے والے بھی بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

● پیغمبرؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادر کو سینے پر لٹکائے رکھیں تاکہ ان کی شرافت کی شناخت ہو جائے اور پھر انھیں ستایا نہ جائے۔

● منافقین، بیمار دل والے، اور مدینہ میں افواہ پھیلانے والے اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور پھر انھیں مدینہ میں رہنا بھی نصیب نہ ہوگا۔ یہ ملعون ہوں گے اور جہاں پکڑے جائیں گے وہیں قتل کر دیے جائیں گے کہ یہی سنت الٰہیہ ہے اور سنت الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔

● آیت ۶۳ سے عقیدۂ قیامت کا تذکرہ کیا جارہا ہے تاکہ مدنی سوروں میں بھی عقائد کا تذکرہ رہے اور باعمل افراد بھی آخرت سے غافل نہ ہونے پائیں۔

● پیغمبرؐ! لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف پروردگار کو ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ قریب ہی ہو۔

اور اللہ منکروں پر لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے عذاب جہنم مہیا کر رکھا ہے جہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کا کوئی سرپرست اور مددگار نہ ہوگا، ان کے چہرے جہنم کی طرف موڑ دیے جائیں گے اور اس وقت کہیں گے کہ اے کاش! ہم خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر لیتے اور پھر فریاد کریں گے کہ خدایا! ہم نے اپنے بزرگوں اور سرداروں کی اطاعت کی تو انھوں نے ہم کو راستے سے بہکا دیا۔ اب تو ان پر دُہرا عذاب نازل کرنا اور بہت بڑی لعنت کرنا۔

● ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی اور اللہ نے موسیٰ کو ان کے الزام سے بچالیا اور وہ نگاہِ پروردگار میں ایک باوجاہت انسان تھے۔

● اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو تاکہ وہ تمھارے اعمال کی اصلاح کر دے اور تمھارے گناہوں کو بخش دے۔ دراصل خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

ہم نے اپنی امانتِ اطاعت و عبادت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا اور کوئی اس کا بوجھ نہ اٹھا سکا اور یہ صرف انسان نے حوصلہ کیا اور اپنے حق میں ظلم اور نادانی سے کام لیا۔ خدا منافق اور مشرک مرد و عورت پر عذاب کرنا چاہتا ہے اور صاحبانِ ایمان کی توبہ قبول کرنا چاہتا ہے کہ وہ غفور و رحیم ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ سبا

یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۵۴ آیات ہیں۔

اس سے پہلے سورۂ احزاب کا خاتمہ اس بات پر ہوا تھا کہ خدا صاحبانِ ایمان کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔ اور اس سورہ کا آغاز حمدِ پروردگار سے ہوتا ہے جو بات دونوں سوروں کو باہم مرتبط بنا دیتی ہے۔ اگرچہ سورۂ احزاب مدنی ہے اور یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے۔

اس سورہ کا مرکزی نقطہ مسئلہ قیامت ہے اور اس پر ہونے والے اعتراض کا جواب دینے کے لیے ابتدا میں بھی قدرتِ خدا کا حوالہ دیا گیا ہے اور آخر تک اسی قدرت کی مثالوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس میں انبیاء کرام کی قدرت و طاقت کے بعد ان کی موت کا حوالہ دیا گیا ہے اور قوم سبا کی قوت و طاقت کے بعد ان کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے اور دونوں رُخ سے یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ موت و حیات پروردگار کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا نہ کوئی مارنے سے روک سکتا ہے اور نہ دوبارہ زندہ کرنے سے منع کر سکتا ہے۔

یہ سورۂ مبارکہ ان پانچ سوروں میں شامل ہے جن کا آغاز حمدِ خدا سے ہوا ہے اور جن کے تین میں تخلیق ارض و سما اور قدرتِ پروردگار کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے ایک رابطہ یہ بھی ہے کہ سابق سورہ کے اختتام پر بھی عقیدۂ قیامت کا تذکرہ کیا گیا تھا اور اس سورہ میں بھی قدرت و علم پروردگار کا حوالہ دینے کے بعد اس اعتراض کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کفار قیامت کا انکار کر رہے ہیں تو پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور خدا ذرہ ذرہ کا علم رکھتا

ہے۔ اُسے مُردوں کو زندہ کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہے۔ وہ صاحبان ایمان و کردار کو جزا دینا چاہتا ہے اور کفار کو بدترین عذاب سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ تنزیل الٰہی برحق ہے اور اس سے خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد علمی اعتراض کے ساتھ کفار کے استہزار کا ذکر کیا گیا ہے کہ انھیں جس طرح قدرت و علم خدا میں شک ہے اسی طرح استہزاء کے ذریعہ بھی قیامت کا انکار کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو بہکا رہے ہیں اور اسے افترا یا جنون کا نام دے رہے ہیں۔ انھوں نے شاید ابھی قوموں کی تباہی کا منظر نہیں دیکھا ہے۔

● دیکھو ہم نے داؤد کے لیے پہاڑوں کو مسخر کردیا۔ طیور ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ لوہا ان کے لیے موم ہوگیا لیکن موت کا دل نرم نہ ہوسکا۔

● سلیمان جن کی بساط صبح و شام ایک ماہ کا راستہ طے کرتی تھی اور جن کے لیے جنات محراب، مجسمے، برتن وغیرہ بنایا کرتے تھے۔ ان کی موت کا پتہ بھی اس دیمک نے دیا جس نے ان کے اس عصا کو چاٹ لیا جس پر ٹیک لگائے ہوئے اپنے اقتدار کا معائنہ کر رہے تھے اور ان جنات کو بھی ان کی موت کی اطلاع نہ ہوسکی۔ تو جب ایسے ایسے صاحبانِ اقتدار انبیاء نہ بچ سکے تو دوسرا کون بچ سکتا ہے۔

● دوسری طرف دنیاداروں کا حال دیکھو کہ قوم سبا کے پاس کیسے کیسے خوبصورت باغات تھے اور انھوں نے کس طرح دریا پر باندھ باندھ کر دروازے بنا کر بقدر ضرورت پانی لینے کا انتظام کر رکھا تھا لیکن ہم نے ایک سیلاب کے ذریعہ سب کا خاتمہ کردیا اور اب وہ صرف ایک افسانہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ابلیس نے انھیں گمراہ کردیا اور وہ گمراہ ہوگئے اور ہم نے اس لیے چھوٹ دے دی تاکہ آخرت پر ایمان لانے والوں اور شک کرنے والوں میں امتیاز قائم ہوجائے۔ اب آپ ان سے کہیں کہ اپنے شرکاء کو دعوت دیں۔ ان کے پاس تو ایک ذرہ کا بھی اختیار نہیں ہے۔ اور خدا کی بارگاہ میں تو اجازت کے بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کرسکتا ہے۔

● ان سے یہ بھی سوال کریں کہ خدا کے علاوہ رازق کون ہے اور پھر سمجھائیں کہ ہم دونوں میں سے کوئی نہ کوئی گمراہ ضرور ہے لیکن فکر و نظر سے کام لو اور یاد رکھو کہ خدا ایک دن سب کو جمع کرنے والا ہے اور پھر ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

● پیغمبرؐ! ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثریت اس نکتہ کو بھی نہیں جانتی ہے اور ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہے کہ عذاب کب آئے گا تو کہہ دیجیے کہ ہر ایک شے کا ایک دن معین ہے جس میں تقدیم و تاخیر کا کوئی امکان نہیں ہے۔

● کفار کی بدبختی یہ ہے کہ وہ صاف صاف یہ کہتے ہیں کہ ہم تنزیل الٰہی پر ایمان نہ لائیں گے۔ کاش! آپ اس منظر کو دیکھتے جب یہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے اور سب ایک دوسرے سے جھگڑا کر رہے ہوں گے۔ کمزور افراد مستکبرین سے کہیں گے کہ اگر تم درمیان میں نہ آگئے ہوتے تو ہم ایمان لا چکے ہوتے اور مستکبرین کہیں گے کہ ہم نے تمھیں منع نہیں کیا تھا۔ تم خود ہی مجرم تھے۔ جس کا جواب مستضعفین یہ دیں گے کہ یہ دن رات کی مکاری کیا تھی کہ کیا تم نے کفر اور شرک کی دعوت نہیں دی تھی؟۔ اس وقت عذاب کو دیکھ کر سب کو ندامت کا احساس ہوگا اور کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیے جائیں گے۔

● یہ فقط ایک قوم سبا کی بات نہیں ہے، جب کسی قوم کی طرف کوئی ہادی بھیجا گیا تو اس کے دولت مندوں نے انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ ہمارے پاس مال و اولاد تم سے زیادہ ہے لہٰذا ہم پر عذاب نہیں ہو سکتا ہے۔ حالانکہ رزق میں کمی اور زیادتی بھی خدا کے ہاتھ میں ہے اور اموال و اولاد سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ قرب الٰہی کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے جس کی بہترین جزا ہے اور جنت کے غرفوں میں قیام ہے۔

● اللہ جسے جس قدر رزق چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور انفاق کرنے والوں کی کمی کو بھی پورا کر دیتا ہے کہ وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

● قیامت کے دن سب کو جمع کر کے ملائکہ سے بھی سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمھاری عبادت کر رہے تھے؟ تو وہ عرض کریں گے کہ تو ہمارا ولی و حاکم ہے تجھے معلوم ہے کہ یہ جنات کے پرستار تھے۔ اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہم ظالموں سے کہیں گے

کہ اب اس عذابِ جہنم کا مزہ چکھو جس کا انکار کر رہے تھے۔

● ان نالائقوں کا یہ عالم ہے کہ جب ان پر کھلی ہوئی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ افترائے محض ہے اور حق کو جادو کا نام دے دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس نہ ایسی کتابیں ہیں اور نہ ایسے رہنما۔ ان سے پہلے والے بھی اسی طرح انکار کر چکے ہیں جب کہ ان کے پاس اُن کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے لیکن دیکھو ان کا انجام کیا ہوا ہے۔

● اب آپ کہہ دیجئے کہ میری ایک ہی نصیحت ہے کہ تم لوگ ایک ایک دو دو کر کے خدا کے لیے قیام کرو اور اس بات پر غور کرو کہ تمہارے ساتھی میں کسی طرح کا جنون نہیں ہے۔ وہ خدا کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرانے والا ہے اور کہیے کہ میں تم سے کوئی اجر بھی نہیں چاہتا ہوں کہ میرا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز کا گواہ اور نگراں ہے۔ وہ حق کا القا برابر دل میں کرتا ہے کہ وہ علام الغیوب ہے۔ حق آچکا ہے، باطل نہ کچھ ایجاد کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔ میں اگر گمراہ ہو جاؤں تو یہ میرا اپنا نقصان ہوگا اور ہدایت پر رہوں تو یہ وحیِ پروردگار کا کرم ہوگا۔ کاش! آپ دیکھتے کہ یہ کس طرح خوف زدہ ہوں گے اور بہت قریب سے پکڑ لیے جائیں گے اور اس وقت ایمان کا اظہار کریں گے، حالانکہ اتنی دور سے ایمان تک دسترس کہاں ہے؟ یہ پہلے بھی انکار کر چکے ہیں اور بے بنیاد باتیں بہت دور تک پھیلا چکے ہیں اور اب ان کے درمیان حجابات حائل ہو گئے ہیں جس طرح کہ پہلے والوں کا انجام ہوا تھا کہ وہ بھی بے چین کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فاطر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۴۵ آیات ہیں۔

اس کا نام فاطر اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے آغاز میں خدا کے "فاطر السماوات والارض" نے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ صفت لفظ خالق سے بالکل مختلف ہے اور اس میں بڑے بلیغ نکات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر آخر تک اسی صفت کے تفصیلات اور اس کے لوازم کا ذکر کیا گیا ہے اور مکی ہونے کے اعتبار سے عقیدۂ قیامت کی بھی وضاحت کی گئی ہے اور اس کے ماننے والوں کی جزا اور نہ ماننے والوں کی سزا کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔

سورۂ سبا کا اختتام انکار حق کرنے والوں کے انجام پر ہوا تھا تو اس سورہ کا آغاز اقرار حق کرنے والوں کے طریقۂ کار سے ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ حمد خدا کرتے رہتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور دو یا تین یا چار پروں والے فرشتوں کو آسمان سے پیغامبر بنا کر بھیجنے والا ہے۔ اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا ہے اور وہ روک دے تو کوئی جاری نہیں کر سکتا ہے۔

لوگو! اس کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جو زمین و آسمان سے رزق دے سکے۔ تم کہاں بہکے جا رہے ہو، یہ تکذیب رسل بھی کوئی نیا کام نہیں ہے، اس سے پہلے بھی یہ کام ہو چکا ہے۔ وعدۂ خدا برحق ہے لہٰذا خبردار! زندگانی دنیا یا شیطان رجیم تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اسے دشمن سمجھو، ورنہ وہ صرف عذاب جہنم کی دعوت دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے لیے بُرے اعمال کو آراستہ

کر دیتا ہے اور لوگ اسے حسن سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ نیک کرداروں جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔

● خدا وہ ہے جو ہواؤں کو چلا کر اور پانی برسا کر مُردہ زمینوں کو زندہ کر دیتا ہے اور اسی طرح قیامت میں مُردوں کو زندہ کرے گا۔

● عزت چاہتے ہو تو وہ اللہ کے پاس ہے۔ پاکیزہ کلمات اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور اس کا سہارا نیک اعمال ہوتے ہیں۔ بُرائیوں کی تدبیر کرنے والوں کے لیے عذاب شدید ہے اور یہ مکر بہر حال تباہ ہونے والا ہے۔

● دیکھو خدا نے تمھیں خاک سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے اور پھر تمھارا جوڑا بنا دیا ہے۔ ہر حمل، ہر ولادت، ہر طویل یا ناقص زندگی اس کے علم میں ہے، اور اس کی کتاب تکوین میں درج ہے۔ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

● ایمان و کفر کو یکساں نہ بناؤ۔ شیریں اور نمکین و تلخ سمندر ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں اگرچہ گوشت اور زیورات دونوں سے برآمد ہوتے ہیں اور کشتیاں دونوں میں چلتی ہیں۔

● خدا دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور چاند سورج کو مسخر کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی یہ کام نہیں کر سکتا ہے۔

● تم جنھیں پکارتے ہو ان کے اختیار میں تمھاری آواز کا سُننا بھی نہیں ہے اور سُن لیں تو جواب دینا بھی ان کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ روز قیامت تمھارے شرک کا انکار بھی کر دیں گے اور ان حالات کو خدائے خبیر کی طرح کوئی نہیں بتا سکتا ہے۔

● تم سب خدا کی بارگاہ کے فقیر ہو اور صرف وہ بے نیاز ہے۔ وہ جب چاہے سب کو فنا کر کے دوسری مخلوقات کو لا سکتا ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے اور نہ یہ کام کسی کے بس کا ہے چاہے قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

● پیغمبر! آپ صرف انھیں ڈرا سکتے ہیں جن کا ایمان غیب پر ہو، اور نماز قائم کرتے ہوں اور یہ پاکیزگیٔ نفس بھی انھیں کے کام آنے والی ہے۔ اندھے اور

بینا، ظلمت اور نور، سایہ اور دھوپ، زندہ اور مُردہ ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔ آپ مُردوں کو اپنی آواز نہیں سُنا سکتے ہیں۔

● کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسا کر طرح طرح کے پھل پیدا کیے ہیں۔ پھر پہاڑوں کے راستے اور انسان اور جانور سب مختلف اللون ہیں لیکن اللہ کا خوف رکھنے والے صرف صاحبانِ علم و معرفت ہیں، جو کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، راہِ خدا میں انفاق کرتے ہیں اور اس طرح وہ تجارت کرتے ہیں جس میں کسی طرح کی تباہی کا خطرہ نہیں ہے بلکہ خدا ان کے اجر میں اضافہ ہی کر دیتا ہے۔

● ہم نے آپ کی طرف جس کتاب کی وحی کی ہے وہ برحق ہے اور سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے۔ پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے منتخب بندوں کو قرار دیا ہے جب کہ ان میں ظالم بھی ہیں اور میانہ رو بھی، اور نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے بھی ہیں اور یہی خدا کا بہت بڑا فضل و کرم ہے، ان کے واسطے ہمیشگی والی جنّت ہے جہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتیوں کے علاوہ ریشم کے لباس ہوں گے۔ وہ وہاں بھی حمد خدا کریں گے کہ اس نے ہر قسم کے حُزن سے محفوظ رکھا ہے اور ایسی جگہ رکھا ہے جہاں کسی طرح کی تھکن یا تکلیف نہیں ہے۔

● ہاں کفار کے لیے آتشِ جہنم ہے جہاں نہ موت ہے اور نہ عذاب میں تخفیف کہ منکرین کو ایسی ہی سزا دی جاتی ہے۔ وہ وہاں سے باہر نکلنے کے لیے فریاد بھی کریں گے تو جواب ملے گا کہ تمھیں بہت زندگی دی جا چکی ہے اور نذیر بھی آچکے ہیں۔ اب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

● اسی خدا نے تم لوگوں کو سابق اُمتوں کا جانشین بنایا ہے۔ کافر اپنے کفر کا خود ذمہ دار ہے اور کفر کا انجام غضب الٰہی اور خسارہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آخر جن لوگوں کو شریک بنا رکھا ہے بتاؤ انھوں نے کیا پیدا کیا ہے یا ان کے پاس کون سی کتاب اور

دلیل ہے۔

● آسمان و زمین کو خدا نے روک رکھا ہے ورنہ کوئی اور روکتا تو اب تک گر چکے ہوتے۔ وہ حلیم بھی ہے اور غفور بھی ہے۔

● یہ لوگ قسم کھاتے تھے کہ اگر کوئی ڈرانے والا آگیا تو بہترین ہدایت یافتہ ہو جائیں گے لیکن جب آگیا تو دور بھاگنے لگے اور استکبار شروع کر دیا حالانکہ بُرا مکر مکار ہی کو گھیر لیتا ہے اور یہ اسی قدیم روش کا انتظار کر رہے ہیں جس میں ہمارے یہاں کوئی تبدیلی ہونے والی نہیں ہے۔

● کیا انھوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے زیادہ طاقتور کافروں کا کیا انجام ہوا ہے اور ان میں کوئی خدا کو عاجز نہیں کر سکا ہے۔

خدا واقعی مواخذہ کرنا چاہتا تو روئے زمین پر کوئی رینگنے والا نہ رہ جاتا لیکن وہ ایک مدت کی مہلت دے دیتا ہے۔ اس کے بعد جب وقت آجائے گا تو وہ اپنے بندوں کو خوب پہچانتا ہے اور ہر ایک کو قرار واقعی سزا دینے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ یٰسین

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸۳ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی سارا زور عقائد پر ہے اور خصوصیت کے ساتھ قدرت خدا اور انکار بشر پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ قدرت خدا کی بیشمار نشانیوں کے باوجود انسان کا انکار خدا کر دینا ایک ایسی مہمل بات ہے جس کی توقع کسی صاحب عقل وعدل سے نہیں کی جا سکتی ہے۔

سورۂ فاطر کا اختتام اسی نقطہ پر ہوا تھا کہ خدا انسان کو مہلت دیتا رہتا ہے اور اس نے عذاب کا ایک وقت معین کر دیا ہے جس میں کسی تاخیر کا امکان نہیں ہے اور انسان پھر بھی ہوش میں نہیں آتا ہے۔ اور اس سورہ کا آغاز اس نکتہ سے ہوا ہے کہ پیغمبر کا کام انذار ہے اور اس انذار کا مقصد یہ ہے کہ دور فترت کی طرح یہ لوگ بھی غافل نہ رہ جائیں۔

ابتدا میں پیغمبر اسلامؐ کو یٰسین کہہ کر پکارا گیا ہے جو آپ کا منفرد لقب ہے۔ اس کے بعد قرآن کی قسم کا حوالہ دے کر آپ کو مرسل اور صراط مستقیم کا رہبر قرار دیا گیا ہے اور پھر قرآن کو تنزیل خدا قرار دے کر اس کے مقصد انذار کا اعلان کیا گیا ہے۔

پھر منکرین کی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے چاروں طرف تعصب اور جہالت کی دیواریں کھڑی ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں لہٰذا ان سے ایمان کی کوئی توقع نہیں ہے اور یہی حال ان کا جہنم میں ہونے والا ہے۔

انذار کا فائدہ صرف ان لوگوں کو ہوگا جو قرآن کا اتباع کرنے والے اور رحمان سے ڈرنے والے ہیں کہ مغفرت اور اجر کریم بھی انھیں کے لیے ہے۔

● آیت ۳۲ سے قیامت اور انسانی کردار کا ذکر شروع کیا گیا ہے اور گذشتہ اقوام کی نالائقی اور اس کے انجام کا اظہار کیا گیا ہے۔

ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور انسان کے اعمال اور ان کے اثرات کو ضبط کرتے رہتے ہیں اور ہر چیز کا احصار امام مبین میں کر دیا گیا ہے تاکہ یہ دریافت کرکے تجربہ کرلیں اور اس دعویٰ کو صرف دعویٰ یا دھمکی نہ قرار دیں۔

دیکھو انطاکیہ والوں کی طرف دو نمائندے بھیجے گئے۔ انھوں نے تکذیب کی تو تیسرا گیا اور اس نے نہایت خوب صورتی سے سمجھایا کہ خالق و مالک کی اطاعت نہ کرنا حیرت انگیز ہے جب کہ اس کی بارگاہ میں بہر حال جانا ہے اور اس کے علاوہ کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ لیکن قوم نے قتل کا منصوبہ بنا لیا تو حبیب نجار نامی شخص نے آکر قوم کو دعوتِ اتباع مرسلین دی اور مرسلین کو بچانے کا انتظام کیا تو پروردگار نے اسے جنت کا حقدار بنا دیا اور اسے اس کے بعد بھی یہ صدمہ رہا کہ کاش قوم راستہ پر آجاتی اور دیکھتی کہ خدا اتباعِ مرسلین کا کتنا بہترین اجر دیتا ہے۔ مگر ان لوگوں نے گذشتہ اقوام کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کی ہے۔

کاش! انھوں نے کم سے کم بارش کو دیکھ لیا ہوتا کہ کس طرح مُردہ زمینوں کو زندہ کیا جاتا ہے اور سبزہ اُگایا جاتا ہے اور باغات پیدا کیے جاتے ہیں، پھر رات کو دیکھ لیا ہوتا کہ کس طرح اس میں سے دن کو نکال لیا جاتا ہے اور سورج کس طرح ایک نظام پر چلتا رہتا ہے اور ڈوب کر پھر اُبھرتا رہتا ہے اور چاند کس طرح منزلیں طے کرکے غائب ہو کر پھر نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ سب علامتیں ہیں کہ انسان کو ایک دن تاریکیوں سے منظرِ عام پر آنا ہے، ڈوب کر اُبھرنا ہے، غائب ہو کر نمودار ہونا ہے اور یہی قیامت ہے۔

پھر کشتیوں کو دیکھ لیا ہوتا کہ کس طرح وہ بے حساب بوجھ لے کر سینۂ دریا پر چلتی ہیں اور ڈوبتی نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کا ڈبو دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے، مگر یہ نہ ایمان لاتے ہیں، نہ راہِ خدا میں انفاق کرتے ہیں بلکہ طنز کرتے ہیں کہ خدا خود ہی کیوں نہیں دے دیتا ہے، جیسے انھیں کسی اور نے دیا ہے۔

● آیت ۴۹ سے قیامت کی تصویر کشی شروع کی جاتی ہے۔ ایک آواز جس کے بعد وصیت کرنے کی بھی مہلت نہ ملے اور پھر ایک صور جس کے بعد سب قبروں سے باہر نکل آئیں اور گھبرا کر پوچھنے لگیں، یہ ہم قبروں سے کس طرح نکل آئے۔ اس دن سب کا حساب ہوگا، لیکن کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

● اہلِ جنت ہر طرح کے آرام میں ہوں گے۔ ازواج، مسندیں، فواکہ، اور پروردگار کی طرف سے پیغام سلام۔

اور دوسری طرف مجرمین جنھوں نے خدا کے عہدِ عبادت کو نظر انداز کر کے شیطان کا اتباع کیا ہے۔ ان کے لیے جہنم، منھ پر مُہر، ہاتھ پاؤں کی مخالف گواہی اور اس سے بدتر صورت حال۔

اور دیکھو یہ سب شاعری نہیں ہے۔ ہم نے رسولؐ کو نہ شاعری سکھائی ہے اور نہ یہ اس کا کام ہے۔ یہ نصیحت اور قرآن مبین ہے، اس کا کام زندہ دل افراد کو ڈرانا ہے اور کافروں پر حجت تمام کرنا ہے۔

کاش! انھوں نے جانوروں ہی کو دیکھ لیا ہوتا کہ کس طرح ان پر سواری کرتے ہیں، ان کا گوشت کھاتے ہیں، ان سے دودھ حاصل کرتے ہیں، ان کے اذن سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر پھر بھی شکریہ نہیں ادا کرتے ہیں۔ خیر پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، ہم ان کی ہر حرکت سے آگاہ ہیں۔

اور کاش انھوں نے خود اپنے کو دیکھ لیا ہوتا کہ کس طرح انھیں ایک قطرۂ نجس سے پیدا کر دیا گیا ہے اور پھر یہ مقابلہ پر کھڑے ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیاں کس طرح زندہ ہو سکتی ہیں، جیسے اپنی خلقت کو بالکل بھول گئے ہیں جب یہ ہڈیاں اور یہ مٹی کا ڈھیر بھی نہ تھا اور مالک نے پیدا کر دیا تھا۔ جو سرسبز و شاداب درخت سے آگ پیدا کر سکتا ہے، جو زمین و آسمان خلق کر سکتا ہے وہ کیا اس کی جیسی چیزیں نہیں پیدا کر سکتا ہے۔ یقیناً وہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ خلاق بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

اس کا امر ایک ارادہ کُن ہے جس کے بعد چیز خود بخود ہو جاتی ہے اور کوئی محنت نہیں کرنا ہوتی ہے۔ بے نیاز ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھوں میں مُلک ہے اور اُسی کی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے۔ !!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ صافات

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۸۲ آیات ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کی آیات بہت چھوٹی چھوٹی ہیں اسی لیے مجموعی طور پر اس کا حجم بڑا نہیں ہے۔

اس سورہ میں ابتدا میں فرشتوں کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد قیامت کا انکار کرنے والے افراد کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انبیاء کرام اور ان کی خدمات کا تذکرہ ہے۔ چوتھے مرحلہ پر شرک کی ایک بدترین قسم کا تذکرہ ہے جہاں خدا اور مخلوقات کے درمیان رشتہ داری ثابت کی گئی ہے اور آخر میں لشکر حق کی فتح و کامرانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

گذشتہ سورہ کے اختتام پر امر الٰہی اور ملکوت پروردگار کا تذکرہ کیا گیا تھا اور اس سورہ کے آغاز میں اسی عالم ملکوت کی ایک قسم فرشتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے مختلف فرائض کے بیان کے بعد قدرت خدا کے دیگر آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر منکرین قیامت کے اس اعتراض کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ مٹی اور ہڈی ہونے کے بعد کس طرح زندہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو صرف ایک جادو معلوم ہوتا ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انسان کی دوبارہ خلقت زمین و آسمان کی خلقت سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب اس کا وقت آجائے گا تب انھیں ہوش آجائے گا اور سارے ظالمین کو جہنم کے راستے پر لگا دیا جائے گا اور ان سے تمام زندگی کا محاسبہ کیا جائے گا جس میں اہم ترین سوال اولیاء خدا کی محبت اور اطاعت کا ہوگا۔ اس وقت کوئی کام کرنے والا نہ ہوگا اور سب آپس میں ایک دوسرے کی ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

● یہ پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ انھیں یہ بھی خبر نہیں ہے کہ یہ حق کا پیغامبر اور حق کا مرسل ہے۔ اس الزام کا انجام بہت برا ہوگا اور جنت و بہار جنت صرف بندگان مخلصین کے

لیے ہے جو ہر طرح کی نعمت سے فیضیاب ہوں گے اور اہل جہنم سے کہیں گے کہ تم تو ہم کو بھی گمراہ کرنے والے تھے لیکن رحمتِ پروردگار نے بچالیا۔ اب اپنے انکار کا انجام دیکھو۔

اس کے بعد جہنم کے عذاب اور اس کی کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے جہاں باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے والوں کا بدترین ٹھکانا ہوگا اور انھیں بدترین مشکلات کا سامنا ہوگا۔

● آیت ۷۱ سے انبیاء و مرسلین کا ذکر شروع کیا گیا ہے جنھوں نے قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن قوم کو ہوش نہ آیا۔

● نوحؑ نے ہم کو آواز دی تو ہم نے انھیں اور ان کے اہل کو کرب عظیم سے بچالیا اور ان کی اولاد کو باقی رہنے والوں میں قرار دے دیا۔ نوحؑ پر ہمارا سلام۔

● ابراہیمؑ اپنے رب کے سامنے قلب سلیم کے ساتھ آئے۔ قوم کو تنبیہ کی اور بالآخر موقع پاکر بتوں کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا۔ ان لوگوں نے انھیں بطور سزا آگ میں ڈال دیا لیکن ہم نے بچالیا۔ اس کے بعد ہم نے انھیں ایک ہوشمند فرزند عنایت کیا اور انھوں نے خواب میں اس کی قربانی کو دیکھ کر فرزند سے دریافت کیا تو وہ قربانی کے لیے تیار ہوگیا اور ہم نے ذبح عظیم کو فدیہ بنا کر اسے قربانی سے بچالیا لہٰذا ابراہیمؑ پر بھی ہمارا سلام۔ پھر ہم نے انھیں اسحاقؑ کی بشارت دی اور ان کی ذریت میں ایک صالحین کا سلسلہ قائم کر دیا اگرچہ بعض افراد ظالم بھی تھے۔

● ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر احسان کیا اور انھیں کرب عظیم سے بچالیا اور دشمن پر غالب بنادیا۔ انھیں روشن کتاب بھی دے دی اور سیدھے راستے کی ہدایت بھی دے دی۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر ہمارا سلام۔

● الیاسؑ ہمارے مرسلین میں تھے۔ انھوں نے قوم کو بت پرستی سے روکا اور رب العٰلمین کی عبادت کی دعوت دی لیکن ان کی بھی تکذیب کی گئی اور مکذبین کو بارگاہِ الٰہی میں یقیناً پیش کیا جائے گا۔ الیاسؑ پر بھی ہمارا سلام کہ وہ ہمارے باایمان بندوں میں تھے۔

● یونسؑ بھی ہمارے مرسلین میں تھے۔ جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تو طوفان کو دیکھ کر اہل کشتی نے قرعہ نکالا اور انھیں دریا میں ڈال دیا، مچھلی نے انھیں نگل لیا اور اگر تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک یوں ہی رہ جاتے۔ اس کے بعد ہم نے انھیں ایک لاکھ سے

زیادہ افراد کا نبی بنایا اور وہ لوگ ایمان بھی لے آئے اور ایک مدّت تک آرام سے بھی رہے۔

● آیت ۱۴۹ سے شرک کی ایک نئی قسم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پیغمبرؐ! آپ ان سے دریافت کریں کہ یہ کون سا انصاف ہے کہ اپنے لیے لڑکے بنا لیے ہیں اور خدا کے لیے لڑکیاں بنا دی ہیں اور ملائکہ کو دختران خدا قرار دے دیا ہے۔ جیسے کہ یہ خلقت کے گواہ ہیں یا انھیں خدا سے زیادہ سلیقہ معلوم ہے۔ ان سے پوچھئے کہ ان کی دلیل کیا ہے۔ ان پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے۔

قیامت یہ ہے کہ خدا کو جنات کا رشتہ دار بنا دیا ہے جب کہ وہ خود بھی اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں اور وہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔

ہر شخص کا ایک مقام ہے، اور ہم سب اس کی بارگاہ میں صف بستہ اور تسبیح کرنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ کفار بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس بھی اولین کا کوئی تذکرہ ہو : تو ہم بندۂ مخلص ہو جاتے۔ یہ سب کافر ہیں اور عنقریب انھیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

● آیت ۱۷۱ سے حق و باطل کے معرکہ کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے بندگانِ مرسلین کے بارے میں طے کر دیا ہے کہ ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر بہر حال غالب آنے والا ہے۔

پیغمبرؐ! آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیں اور ان کا انجام دیکھتے رہیں۔ یہ عذاب میں جلدی کر رہے ہیں، حالانکہ جب وہ نازل ہو جائے گا تو وہ بدترین صبح ہوگی۔

پھر آپ تھوڑی دیر ان سے الگ رہیں تاکہ انھیں بھی ان کا انجام معلوم ہو جائے۔

آپ کا پروردگار صاحب عزت ہے اور ان کے بیانات سے بلند تر ہے۔

ہمارا سلام ان تمام مرسلین پر اور ساری تعریف اس خدا کے لیے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ صٓ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸۸ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس سورہ کے بھی تقریباً پانچ حصے ہیں:

ایک حصہ میں توحید اور پھر شرک کے خلاف جہاد کا تذکرہ ہے۔ دوسرے حصہ میں زمرہ انبیاء کی داستان زندگی ہے۔ تیسرے حصہ میں قیامت میں کفار کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چوتھے حصہ میں انسان کی تخلیق اور اس کی کرامت کا تذکرہ ہے۔ اور آخر میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لیے ایک تہدید اور تنبیہ ہے جس کے ذریعہ پیغمبر اسلامؐ کی تسلی خاطر کا انتظام کیا گیا ہے۔

سورۂ صافات کا اختتام منکرین حق سے اعراض اور وقت کے انتظار پر ہوا تھا اور اس سورہ کا آغاز نصیحت بھرے قرآن کے تذکرہ سے ہوا ہے جس کے بعد فوراً اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ کفار غرور اور اختلاف کی روش میں مبتلا ہیں جب کہ اس کا انجام دیگر اقوام میں دیکھ چکے ہیں۔

یہ دعوت پیغمبرؐ کو کبھی جادوگری کا نام دیتے ہیں اور کبھی قوم کو اپنے آبائی مذہب کے تحفظ کی دعوت دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر عربیؐ کے پاس قرآن کہاں سے آگیا ہے حالانکہ یہ رحمت خدا کے مالک و مختار نہیں ہیں اور نہ زمین و آسمان کا ملک ان کے اختیار میں ہے۔ ان کے پہلے قوم نوح، عاد، فرعون، ثمود، قوم لوط، اصحاب الایکہ، وغیرہ سب رسولوں کی تکذیب کر چکے ہیں اور عذاب کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اب یہ بھی ایک چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں۔

● آیت ۱۵ سے انبیاء کرامؑ کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے جن میں سر فہرست جناب داؤدؑ کا نام ہے۔

● داؤد صاحب طاقت اور خدا کی طرف مسلسل رجوع کرنے والے تھے۔ ان کے لیے پہاڑ مسخر تھے اور ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح پروردگار کرتے تھے، طیور ان کے گرد جمع ہوتے تھے۔ انھیں حکمت اور فیصلہ کی قوت عطا کی گئی تھی۔ ان کے پاس لوگ فیصلہ کرانے کے لیے آئے کہ ایک بھائی کے پاس ۹۹ بھیڑیاں ہیں اور ایک کے پاس ایک۔ ۹۹ والا اس ایک کا بھی مطالبہ کر رہا ہے تو اب کیا ہونا چاہیے؟ انھوں نے بغیر دوسرے کا بیان سُنے ہوئے فرما دیا کہ شرکا ر اسی طرح ظلم کیا کرتے ہیں لیکن فوراً ترک اولیٰ کا احساس کر کے توبہ کرنے لگے اور ہم نے اس توبہ کو قبول کرلیا اور انھیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنا دیا اور یہ حکم دے دیا کہ فیصلوں میں خواہشات کا دخل نہ ہونے پائے ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔

● ہم نے آسمان و زمین کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے۔ ایمان و کردار والے مفسدین جیسے نہیں ہوسکتے ہیں اور نہ متقین کو فجار جیسا قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ مبارک کتاب تدبّر اور تذکر کا بہترین ذریعہ ہے۔

پھر ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ جیسا فرزند عطا کیا جو بہترین بندہ اور ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ ان کے سامنے بہترین گھوڑے پیش کیے گئے تو وہ ان کی دوڑ دیکھنے میں مصروف ہوگئے تو ہم نے ان کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک بے جان جسم کو ڈال دیا جس کے بعد وہ اپنے ترک اولیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے اور انھوں نے استغفار شروع کردیا اور ایک بے مثال ملک کا مطالبہ کردیا۔ ہم نے وہ ملک دے دیا اور ہواؤں کے ساتھ شیاطین کو بھی مسخر کردیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے چاہے رکھو یا راہ خدا میں دے دو کوئی حساب نہ ہوگا۔ بہرحال وہ ہمارے مقرب بندہ تھے اور ان کے لیے بہترین بازگشت ہے۔

اس کے بعد ایوبؑ کی داستان زندگی ہے کہ انھوں نے پروردگار کو پکارا کہ

مجھے شیطان نے بہت پریشان کر رکھا ہے تو ارشاد ہوا کہ زمین پر پیروں کو رگڑو بہترین چشمہ برآمد ہوگا۔ پھر ہم نے انھیں اہل وعیال عطا کر دیے لیکن جب زوجہ سے ادنیٰ غلطی ہو گئی تو ہم نے کہا کہ سو لکڑیاں ایک ساتھ لے کر مار دو تاکہ تمھاری نذر پوری ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ وہ مکمل طور پر مجرم نہیں ہے ورنہ مجرم کے ساتھ اس طرح کی نرمی جائز نہیں ہے۔

● پھر ہمارے بندے ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کرو جو صاحبانِ قوت وبصیرت تھے اور ہم نے آخرت کی یاد کی بنا پر ممتاز بنا دیا تھا اور وہ ہمارے نیک اور منتخب بندوں میں تھے۔

● پھر اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو کہ یہ بھی اخیار میں تھے اور متقین کے لیے بہترین انجام ہے جہاں جنتوں کے دروازے کھلے ہوں گے۔ تکیہ لگائے ہوئے چین سے بیٹھے ہوں گے۔ طرح طرح کے میوے اور شروبات طلب کر رہے ہوں گے اور ان کے گرد پاکیزہ کردار، حسین بیویاں ہوں گی اور یہ رزق ختم ہونے والا نہیں ہے۔

● اس کے برخلاف سرکشوں کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔ جہنم میں تپلائے جائیں گے۔ گرم پانی اور پیپ کا مزہ چکھیں گے اور اسی قسم کی اور دوسری چیزیں بھی ہوں گی۔ یہ سب فوج در فوج جہنم میں جانے والے اور جلنے والے ہیں جہاں پیر بھی مرید سے کہیں گے کہ تمھارا بھلا نہ ہو، اور مرید بھی کہیں گے کہ خدا تمھارا برا کرے تم نے ہمیں اس عذاب میں پھنسا دیا ہے اور ہر ایک کا عذاب دوسرے سے زیادہ ہی ہوگا۔

● تب ان متکبرین کو وہ غریب مومنین یاد آئیں گے جنھیں اشرار میں شمار کرتے تھے اور جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

● پیغمبر! آپ سمجھا دیں کہ میں عذاب سے ڈرانے والا رسول ہوں۔ معبود صرف خدائے واحد قہار ہے جو مالک ارض وسما اور عزیز غفار ہے۔

● انھیں اس موقع کو یاد دلائیے جب پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں اور جب اس پیکر میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدہ میں گر پڑنا۔ ملائکہ نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے انکار کر دیا۔ پروردگار نے پوچھا کہ تو نے

میری ہاتھ کی مخلوق کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو متکبر ہے یا واقعاً بلند افراد میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور انھیں خاک سے بنایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہاں سے نکل جا۔ تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت تک کے لیے میری لعنت ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے۔ ارشاد ہوا کہ یہ مہلت صرف وقت معلوم تک کے لیے ہے۔ اس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم میں مخلص بندوں کے علاوہ سب کو گمراہ کروں گا۔

ارشاد ہوا کہ پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ تجھ سے اور تیرے اتباع کرنے والوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میں نہ اس تبلیغ کا کوئی اجر چاہتا ہوں اور نہ بناوٹ کرنے والا ہوں۔ یہ قرآن عالمین کے لیے ایک نصیحت ہے جس کی حقیقت عنقریب معلوم ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ زمر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۷۵ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی وہی پانچوں مسائل زیر بحث آئے ہیں جن کا تذکرہ عام طور سے مکی سوروں میں کیا گیا ہے۔ ابتدا میں قرآن حکیم کی عظمت کا اعلان ہوا ہے اس کے بعد توحید پروردگار کے مسائل کا تذکرہ ہے اور توحید خالقیت، توحید ربوبیت اور توحید عبادت جیسی تمام اقسام کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

ایک حصہ قیامت اور جزا و سزا سے متعلق ہے اور ایک مختصر حصہ میں گذشتہ اقوام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک اہم موضوع خدا کی طرف بازگشت اور توبہ کا ہے جس کی حسین ترین آیت اسی سورہ میں پائی جاتی ہے۔

زمر نام اس سورہ کی آیت ۷۱-۷۳ کی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ قیامت میں حاضری جماعتوں کی شکل میں ہوگی اور کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ ہمیں اپنی جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دنیا میں جس طرح کی زندگی گذاری ہے آخرت میں اسی طرح کا خمیازہ برداشت کرنا ہوگا۔

اس سورہ کا سابق سورہ سے ربط بھی بالکل واضح ہے کہ سورۂ صٓ کا اختتام اس نقطہ پر ہوا تھا کہ قرآن عالمین کے لیے ایک نصیحت ہے۔ اور اس سورہ کا آغاز اس نقطہ سے ہوا ہے کہ قرآن خدائے عزیز و حکیم کی تنزیل ہے جسے حق کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تاکہ اخلاص کے ساتھ عبادت کی جائے اور دین میں کسی طرح کا شرک نہ ہونے پائے۔

● مشرکین اگر اپنے خداؤں کو تقرب کا ذریعہ قرار دیتے ہیں تو اس کا فیصلہ بھی روز قیامت کیا جائے گا۔ وہ کسی کو فرزند بنانا چاہتا تو خود ہی بنا لیتا، انھیں زحمت

کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے۔ شمس و قمر کا اختیار اسی کے پاس ہے اور سب کی مدّت اسی نے مقرر کر دی ہے۔

● تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی کی مٹی سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے۔ شکریہ سے راضی ہوتا ہے اور کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالتا ہے۔ ہر ایک کو روز قیامت اس کے عمل سے باخبر کر دیا جائے گا۔

● انسان کا حال یہ ہے کہ تکلیف میں خدا کو یاد کرتا ہے اور نعمت پانے کے بعد اسے بھول جاتا ہے اور اس کا شریک بنانے لگتا ہے ایسے انسان کی لذت دنیا بھی چند روزہ ہے اور اس کا انجام بہر حال جہنم ہے۔

یہ اس کے مثل نہیں ہو سکتا ہے جو راتوں کو قیام و سجود میں خدا سے لو لگاتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا ہے اور رحمت کا امیدوار رہتا ہے، کہ جاہل اور عالم ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔ (یہاں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم سے مراد عبادت گذار اور باعمل انسان ہے)

● ایمان والو! تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ نیک کرداروں کی جزا بہترین ہے اور زمینِ خدا بہت وسیع ہے۔ صبر کرنے والوں کا اجر بے حساب ہے۔

● پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ مجھے اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا اطاعت گذار ہوں اور معصیت کی صورت میں مجھے بھی عذاب عظیم کا خطرہ ہے۔ میں اخلاصِ دین کے ساتھ عبادتِ الٰہی کرتا ہوں۔ تم جس کی چاہو عبادت کرو۔ ہر آدمی اپنے خسارہ کا خود ذمہ دار ہے جہاں چاروں طرف جہنم کے شعلوں کا سائبان ہوگا اور نکلنے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔ اسی لیے پروردگار تقویٰ کی دعوت دیتا ہے۔

● جن لوگوں نے طاغوت سے اجتناب کیا اور خدا کی طرف توجہ کی۔ ان کے لیے بشارت ہے اور بشارت ان بندوں کا حصہ ہے جو مختلف باتوں کو سن کر بہترین بات کا اتباع کرتے ہیں کہ یہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہی صاحبانِ عقل ہیں اور انھیں کے لیے

نعمات جنت کا اہتمام کیا ہے۔

● اس کے بعد فنائے دنیا اور قیامت کی تصویر کشی کی جاتی ہے "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ پروردگار نے آسمان سے پانی برسا کر اسے چشموں کی شکل میں ہر طرف پہونچا دیا۔ اس کے بعد اس سے طرح طرح کی زراعت پیدا کی ہے اور پھر وہ سوکھ کر زرد ہو جاتی ہے اور آخر میں بھوسا ہو جاتی ہے۔ اس میں صاحبانِ عقل کے لیے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔"

یہ مسئلہ فقط زراعت کا نہیں ہے، یہی معاملہ قلب انسانی کا بھی ہے کہ جس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ ہو گیا وہ خدا کی طرف سے ایک نورانیت رکھتا ہے اور جن کے دل سخت ہو گئے، وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

● قرآن بہترین حدیث اور ہم رنگ آیات کا مجموعہ ہے جس سے خوف رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر جسم اور دل یادِ خدا کے لیے نرم ہو جاتے ہیں اور یہی اللہ کی طرف سے ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت کر دیتا ہے اور اپنے چہرہ کے ذریعہ عذاب کا دفاع کرنے والا ہدایت یافتہ جیسا نہیں ہو سکتا ہے۔ ظالمین کو اپنے کیے کا مزہ بہرحال چکھنا ہوگا۔ عذاب بغیر بتائے آتا ہے اور ظالموں کو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب اکبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پروردگار ان مثالوں کے ذریعہ نصیحت کرنا چاہتا ہے، اور قرآن مستقیم عربی زبان میں ہے تاکہ لوگ خوفِ خدا پیدا کر سکیں۔

● مشرک اور مومن کی مثال اس انسان کی ہے جس کے مختلف مالک ہوں اور وہ انسان جو کسی ایک کے حوالے ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔ مومن کی زندگی پُرسکون ہوتی ہے اور مشرکین اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

موت سب کے لیے ہے اور پھر سب کا جھگڑا روزِ قیامت خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔

● خدا پر افترا کرنے والا اور اس کی طرف سے آنے والے صدق کا جھٹلانے والا سب سے بڑا ظالم ہے اور ایسے کافروں کا ٹھکانا صرف جہنم ہے۔ اور صدق کا لانے

والا اور اس کی تصدیق کرنے والا متقی اور پرہیز گار ہوتا ہے اور اس کا انعام حسب خواہش پیش پروردگار ملنے والا ہے۔

● خدا اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔ یہ لوگ غیر خدا سے ڈراتے ہیں تو جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اور وہ جسے ہدایت دیدے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ خدا یقیناً صاحب عزت اور انتقام لینے والا ہے۔

● ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ اگر پوچھو کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو خدا ہی کا نام لیں گے تو پوچھو کہ آخر ان شرکاء کا مصرف کیا ہے کیا یہ عذاب کو روک سکتے ہیں یا رحمت کے درمیان حائل ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا ہمارے لیے کافی ہے اور اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

● پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ بھی اپنی جگہ پر عمل کرو، میں بھی عمل کر رہا ہوں، عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔ مستحق عذاب کو عذاب رسوا کر دیتا ہے اور پھر مستقل رہ جاتا ہے۔

● ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اب جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے لیے اور جو گمراہ ہو جائے گا وہ بھی اپنے ہی لیے۔ پیغمبرؐ کسی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

● اللہ روحوں کو موت کے وقت اپنی طرف بلا لیتا ہے۔ پھر جسے نیند میں موت آتی ہے اس کی موت مقدر ہوتی ہے تو روح کو روک لیتا ہے ورنہ واپس کر دیتا ہے۔ اس میں صاحبان فکر کے لیے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

● ان لوگوں نے غیر خدا کو شفیع بنا رکھا ہے حالانکہ ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے اور یہ سمجھتے بھی نہیں ہیں۔ شفاعت کا تمام تر اختیار پروردگار کے ہاتھ میں ہے کہ وہی آسمان و زمین کا مالک ہے اور اسی کی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے۔

بے ایمانوں کا حال یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کا ذکر آتا ہے تو متنفر ہو جاتے ہیں اور شریکوں کا ذکر آتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ کہیے کہ خدایا! تو آسمان و زمین کا خالق ہے، ظاہر و غائب کا جاننے والا ہے۔ تو روز قیامت تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ عذاب قیامت اسقدر سخت ہے کہ ظالموں کو کل کائنات مل جائے تو بطور فدیہ

دے دیں گے لیکن ان کا انجام بہرحال سامنے آنے والا ہے۔

● انسان کا حال یہ ہے کہ تکلیف میں ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم نعمت دیدیتے ہیں تو کہتا ہے یہ ہمارے علم کا نتیجہ ہے حالانکہ دراصل یہ ایک آزمائش ہے۔ یہ باتیں اس کے پہلے والے بھی کہتے رہے ہیں لیکن کوئی بات کام آنے والی نہیں ہے۔ اعمال کا انجام تو بہرحال برداشت کرنا ہے۔

○ آپ کہہ دیں کہ اے نفس پر ظلم کرنے والو! رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہو۔ وہ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے اور غفور و رحیم ہے۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کرو اور عذاب سے پہلے اُس کے ہو جاؤ اور بہترین تنزیل الٰہی کا اتباع کرو قبل اس کے کہ اچانک عذاب آجائے اور تمھیں ہوش بھی نہ رہے۔ اس وقت ہر نفس کو حسرت ہوگی کہ ہم نے خدا کے حق میں کوتاہی کی ہے اور ہم مذاق اُڑاتے رہے ہیں۔ کاش! خدا ہمیں ہدایت دے دیتا تو ہمارا شمار بھی متقین میں ہو جاتا یا ہمیں دوبارہ واپس کر دیا جاتا تو نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ حالانکہ ہدایت دی جا چکی ہے لیکن اس نے آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کی ہے اور استکبار و کفر کا راستہ اختیار کیا ہے تو اب کافروں کا مقدر روسیاہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ان کا انجام جہنم ہے۔ البتہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو کسی بُرائی اور رنج کا سامنا نہ ہوگا۔

● خدا کے اختیار میں کل کائنات ہے لہٰذا جاہلو! مجھے غیر خدا کی عبادت کا حکم کیوں دے رہے ہو جب کہ خدا کی طرف سے اعلان ہو گیا ہے کہ شرک کرنے والے کے اعمال برباد کر دیے جائیں گے اور اس کا شمار خسارہ والوں میں ہوگا۔ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور شاکرین میں شامل ہو جاؤ۔

● ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں جانی ہے جس کے اختیار میں زمین و آسمان دونوں ہیں اور وہ ہر شرک سے بالاتر ہے۔

● قیامت کا نقشہ یہ ہے کہ پہلے صور پھونکا جائے گا اور تمام مخلوقات بیہوش ہو جائے گی علاوہ ان کے جنھیں خدا بچالے گا۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور

سب اُٹھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ زمین نورِ پروردگار سے چمک اٹھے گی۔ نامۂ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ انبیاء اور شہداء کو حاضر کیا جائے گا اور حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ سب کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیدیا جائے گا، اور خدا ہر ایک کے عمل سے باقاعدہ واقف ہے۔

● اس کے بعد کافروں کے گروہ کو جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا اور اس کے دروازے کھُلے ہوں گے اور خازنِ جہنم پوچھیں گے کیا رسول نہیں آئے تھے کہ آیات کی تلاوت کرتے اور عذاب سے ڈراتے اور سب اعتراف کرلیں گے کہ غلطی ہماری ہے۔ ہم نے تکذیب کی ہے اور انجام ہمیشہ کے لیے عذابِ جہنم ہوگا۔

دوسری طرف متقین کی جماعت کو لایا جائے گا اور جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ خازنِ جنت سلام پیش کریں گے اور ہمیشہ کے لیے داخلِ بہشت کر دیے جائیں گے۔ اُس وقت متقین کہیں گے کہ شکر خدا ہے کہ اس نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا ہے اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا ہے کہ جنت میں جہاں چاہیں آرام کریں کہ یہی عاملین کا بہترین اجر ہے۔

● اس وقت ملائکہ عرشِ الٰہی کے گرد جمع ہوں گے۔ تسبیح پروردگار کرتے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر طرف ایک ہی آواز ہوگی الحمد للہ رب العٰلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ غافر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۸۵ آیات ہیں۔

اس سورہ کو سورۂ مومن بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں مومن آل فرعون کا تذکرہ ہے اور یہ تذکرہ قرآن مجید کے کسی دوسرے سورہ میں نہیں ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کا شمار حوامیم میں ہوتا ہے اور یہ سات سورے حٰم سے شروع ہوتے ہیں اور سب مکہ میں نازل ہوئے ہیں اور قرآن مجید میں یکے بعد دیگرے پائے جاتے ہیں۔

مکّی ہونے کے اعتبار سے اس سورہ میں بھی مختلف عقائدی اور تاریخی مسائل پائے جاتے ہیں۔

● ایک حصہ میں ذات وصفات پروردگار کا ذکر ہے۔ دوسرے حصہ میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے ذیل میں مومن آل فرعون کا ذکر ہے۔ تیسرے حصہ میں عام ظالموں اور جابروں کے انجام کا تذکرہ ہے۔ چوتھے حصہ میں قیامت کے مسئلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پانچویں حصہ میں توحید و شرک کا تذکرہ ہے اور آخری حصہ میں پیغمبر اکرمؐ کو صبر و سکون کی تلقین کی گئی ہے۔

گزشتہ سورہ کے خاتمہ پر پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ جنت، جہنم، ملائکہ کا تذکرہ کیا گیا تھا اور اس سورہ کے آغاز میں اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ سب تنزیل الٰہی ہے اور پیغمبرؐ کی ذاتی رائے نہیں ہے۔

● خدائی اوصاف میں اس کے غافر الذنب اور شدید العقاب ہونے کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان خوف و رجاء کے درمیان زندگی گزارے۔

● مختلف اقوام کے درمیان قوم نوح کا حوالہ دیا گیا ہے کہ انھوں نے حق کو فنا کرنا

چاہا تھا لیکن خود ہی فنا ہو گئے۔

● اس کے بعد صاحبانِ ایمان کا تذکرہ ہے کہ حاملانِ عرش تسبیح پروردگار کے ساتھ ان کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں اور ان کے جنت میں داخلہ کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

● اس کے بعد کفار کا تذکرہ ہے کہ ان سے روزِ قیامت کہا جائے گا کہ جس قدر تم اپنی جان سے بیزار ہو خدا اس سے زیادہ ناراض ہے اور وہ فریاد کریں گے کہ خدایا! ہم گناہوں کا اعتراف کر رہے ہیں تو کیا عذاب سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟ ارشاد ہوگا کہ تم نے خدا کی بات کب مانی ہے۔ اب اس کا فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا اسے برداشت کرو۔

● آیت ۱۳ سے عظمت پروردگار کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

● وہ اپنی آیات کو دکھاتا ہے اور آسمان سے رزق نازل کرتا ہے مگر رجوع کرنے والوں کے علاوہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا ہے۔ وہ بلند درجات کا مالک، صاحبِ عرش ہے۔ جس پر چاہتا ہے اپنے امر سے روح کا القا کر دیتا ہے تاکہ روزِ قیامت کے شر سے ڈرائے جس دن سارے راز بے نقاب ہو جائیں گے۔ ملک صرف خدائے واحد قہار کا ہوگا اور ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

انھیں جلد آنے والی قیامت سے ڈرائیے جب کلیجے منھ کو آجائیں گے اور ظالمین کا کوئی ہمدرد نہ ہوگا۔ خدا آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے راز کو بھی جانتا ہے اس کا فیصلہ برحق ہے۔ کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر کرکے قوموں کا انجام نہیں دیکھا ہے کہ وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں لیکن خدائی گرفت میں آگئیں۔

● آیت ۲۳ سے جناب موسیٰؑ کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوتا ہے

● ہم نے موسیٰؑ کو معجزات اور دلائل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تو انھوں نے جادوگر اور جھوٹا کہہ دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ ان پر ایمان لانے والوں کے بچوں کو قتل کر دو اور لڑکیوں کو خدمت کے لیے زندہ رکھو لیکن یہ مکر بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

فرعون نے قوم کو یہ کہہ کر مرعوب کرنا چاہا کہ میں موسیٰؑ کو قتل کر دوں گا تاکہ تمہارے

دین کو تبدیل نہ کرسکیں اور زمین میں کوئی فساد نہ برپا کرسکیں۔ لیکن موسیٰؑ نے اس کے جواب میں خدا کی پناہ طلب کی اور اُدھر فرعون والوں میں سے ایک مرد مومن نے جو تقیہ کی بنا پر اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یہ انتباہ دیا کہ کسی شخص کو صرف عقیدۂ خدا کی بنیاد پر اور دلائل رکھنے کے بعد قتل کرنا عقل مندی نہیں ہے ورنہ اگر وہ سچا ہے تو عذاب نازل ہوسکتا ہے اور دیکھو عذاب نازل ہوگیا تو یہ ملک و اقتدار کام آنے والا نہیں ہے۔ فرعون یہ سُن کر گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ میرا راستہ عقل مندی کا راستہ ہے۔ مومن آل فرعون نے کہا کہ مجھے گذشتہ قوموں کی طرح اس قوم پر بھی عذاب نازل ہونے کا خوف ہے۔ اس دن کا خوف ہے جب ایک دوسرے کو آواز دے گا اور کوئی سُننے والا اور بچانے والا نہ ہوگا۔

دیکھو اس سے پہلے یوسفؑ بھی دلائل لے کر آئے تھے لیکن تمھیں شک ہی رہا اور ان کے انتقال کے بعد تم نے بلا سبب طے کرلیا کہ اب کوئی رسول آنے والا نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ آیاتِ الٰہیہ میں بلا دلیل بحث کرنے والا بھی غضب الٰہی کا حقدار ہوتا ہے اور خدا متکبر و جبار افراد کے دل پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے۔

اس کے بعد فرعون نے ہامان سے کہا کہ ایک بلند ترین قلعہ تیار کرادو تاکہ میں اوپر جاکر موسیٰ کے خدا کا حال دیکھوں (وائے بدقسمتی کہ خدا کو خدا کا حال نہیں معلوم ہے اور اطلاع کے لیے دوسروں کا محتاج ہے) لیکن یہ مکر بھی کامیاب نہ ہوسکا۔

اُدھر مرد مومن نے کہا کہ قوم والو! میرا اتباع کرو میں سیدھا راستہ بتا رہا ہوں۔ یہ دنیا صرف عارضی لذت کی جگہ ہے۔ قرار و سکون کی منزل آخرت ہے۔ جو بُرائی کرے گا اُسے بُرائی بھر سزا ضرور ملے گی اور جو ایمان و کردار کا راستہ اختیار کرے گا وہ جنت میں رزق بے حساب کا حقدار ہوگا۔

قوم والو! آخر یہ کیا ہو رہا ہے کہ میں تمھیں جنت کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بُلا رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ میں بلا دلیل و برہان خدا کا شریک قرار دے دوں۔ یہ بات نہ دنیا میں کام آنے والی ہے اور نہ آخرت میں۔ بازگشت صرف خدا کی طرف ہے اور اسراف کرنے والوں کا انجام جہنم ہے۔ عنقریب تمھیں میری بات یاد آئے گی اور میں

اپنے معاملہ کو خدا کے حوالے کر رہا ہوں کہ وہ بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے اس مرد مومن کو فرعون کے مکر سے بچا لیا اور فرعون والے بدترین عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اب یہ صبح و شام جہنم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن انھیں شدید ترین عذاب میں داخل کر دیا جائے گا جہاں آپس میں بحث کریں گے۔ کمزور لوگ کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا ہے تو اب عذاب سے بچاؤ، اور مستکبرین کہیں گے کہ ہم تو خود ہی جہنم میں ہیں اور خدائی فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ پھر سارے اہل جہنم خازن جہنم سے کہیں گے کہ اپنے خدا سے کہو کہ کچھ عذاب میں تخفیف کر دے، تو جواب ملے گا کہ کیا مرسلین دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ اقرار کریں گے کہ بے شک! ۔ تو ارشاد ہوگا کہ اب تم خود ہی آواز دو، اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ہم اپنے مرسلین کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور روز قیامت بھی مدد کریں گے۔ جب ظالمین کی کوئی معذرت کام نہ آئے گی اور ان کے لیے لعنت اور بدترین عذاب ہوگا۔ اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت دے دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنا دیا۔

- آیت ۵۵ سے پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں ہدایات کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔
- پیغمبرؐ! آپ صبر کریں کہ وعدۂ الٰہی برحق ہے۔ اپنے حق میں استغفار کرتے رہیں اور صبح و شام تسبیح پروردگار کرتے رہیں۔
- جو لوگ آیات الٰہی میں بغیر دلیل بحث کرتے ہیں ان کے دل میں غرور پایا جاتا ہے اور وہ اپنے خیال تک پہونچ بھی نہیں سکتے ہیں۔
- آپ اپنے پروردگار کی پناہ طلب کریں کہ وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔
- آسمان و زمین کی تخلیق کا کام انسانی تخلیق سے زیادہ بڑا ہے، تو اب یہ کیوں جہالت کر رہے ہیں۔
- یاد رکھو کہ اندھے اور بینا، ایمان و کردار والے اور بدکردار ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں مگر تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

قیامت بہرحال آنے والی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثریت ایمان نہیں لا رہی ہے۔

● پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور جو اس مسئلہ میں اکڑ جائیں گے وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ نے رات کو وجہ سکون اور دن کو روشن گر بنایا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہے لیکن اکثریت شکریہ ادا نہیں کرتی ہے۔

اسی نے زمین کو قرار اور آسمان کو عمارت بنایا ہے اور تمہیں بہترین شکل و صورت عنایت کی ہے۔ پاکیزہ رزق عنایت کیا ہے وہ رب العالمین اور صاحب برکت ہے۔ زندہ اور لاشریک ہے۔ اسی کو اخلاص دین کے ساتھ پکارو کہ ساری تعریف اسی کے لیے ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تمہارے خداؤں کی پرستش سے منع کیا گیا ہے۔ میرے پاس دلائل موجود ہیں۔ میرا فرض ہے کہ صرف رب العالمین کا اطاعت گذار رہوں۔

● آیت ۶۷ سے عظمت انسانی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے:

اس نے تم کو خاک اور پھر نطفہ اور علقہ سے بنا کر بچہ بنایا۔ پھر جوان ہو گئے پھر بوڑھے ہو گئے اور بعض پہلے ہی مر گئے، بعض اپنے مقررہ وقت تک زندہ رہے۔ وہ حیات و موت کا مالک ہے اور اس کا فیصلہ کُن فیکون ہے۔

کتاب و مرسلین کی تکذیب کرنے والے عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے جب گردن میں طوق و زنجیر ہوگا اور جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔

پھر پوچھا جائے گا کہ وہ شرکا کہاں ہیں اور وہ کہیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے اور ہم نے کسی کو پکارا ہی نہیں تھا۔ درحقیقت یہ سب غرور اور استکبار کا نتیجہ ہے۔ اب جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ اسی میں رہو کہ متکبرین کا انجام ایسا ہی بدترین ہوتا ہے۔

پیغمبرؐ! آپ صبر سے کام لیں۔ وعدۂ الٰہی برحق ہے۔ آپ دنیا میں دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ ان سب کو ہماری بارگاہ میں بہر حال حاضر ہونا ہے۔

ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے۔ بعض کی داستان بیان کی اور بعض کی داستان نہیں بیان کی۔ لیکن سب ہمارے ہی یہاں سے معجزات لے کر گئے تھے اور

جب حکم خدا آگیا تو فیصلہ ہوگیا اور اہل باطل کو خسارہ ہوگیا۔

اللہ ہی نے ان جانوروں کو پیدا کیا ہے جن پر سواری کی جاتی ہے اور انھیں کھایا بھی جاتا ہے اور ان کے دیگر منافع بھی ہیں۔ پھر سواری کے لیے کشتیاں بھی پیدا کی ہیں۔ وہ اپنی آیات کو برابر دکھلاتا رہتا ہے تم لوگ کہاں تک انکار کروگے۔ جاؤ زمین میں پہلے انکار کرنے والوں کا انجام دیکھو جہاں کوئی طاقت اور دولت کام نہیں آئی۔ ان لوگوں نے مرسلین کا مذاق اڑایا اور پھر اسی استہزاء میں گرفتار ہوگئے۔ اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان باللہ کا اعلان کیا لیکن عذاب کے آجانے کے بعد کوئی ایمان کام نہیں آتا ہے۔ یہی ہماری سنت مستمرہ ہے اور یہیں آکر کفار خسارہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فصّلت

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۴ آیات ہیں۔
اسے حمٓ السجدہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک آیت پر سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے،
اس کے مندرجات حسب ذیل ہیں:
عظمت قرآن مجید، تخلیق ارض و سما اور اہمیت دخان، عاد و ثمود جیسی بے ایمان قوموں کا انجام، قیامت کا قیامت خیز منظر جہاں اعضاء و جوارح بھی انسان کے خلاف گواہی دیں گے۔ قیامت کے دلائل و شواہد، وعظ و نصیحت اور دشمن سے مقابلہ کرنے کی منطقی ہدایت، آفاق و انفس کے آیات اور ان کا اثر۔

اس سورہ کا گذشتہ سورہ سے رابطہ یہ ہے کہ گذشتہ سورہ عذاب کے سلسلہ میں سنت الٰہیہ کے بیان پر تمام ہوا تھا اور پیغمبرؐ کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا گیا تھا کہ اہل باطل ہمیشہ خسارہ میں رہتے ہیں اور اس سورہ کا آغاز اسی نقطہ سے ہوا ہے کہ یہ خدائے رحمٰن و رحیم کی تنزیل اور ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں اور عربی زبان میں ہیں مگر اس قوم کے لیے جو سمجھنے والی ہے۔ یہ قرآن بشیر بھی ہے اور نذیر بھی لیکن اکثریت کنارہ کش ہو جاتی ہے اور بات سنتی ہی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کان بہرے ہیں لہٰذا آپ اپنا کام کریں ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔

اب پیغمبرؐ آپ کہہ دیں کہ میں تمہیں جیسا ایک بشر ہوں لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ استقامت اور استغفار سے کام لو۔ مشرکین کا انجام جہنم ہے کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔

یمان اور عمل والوں کے لیے یقیناً ہمیشہ رہنے والا اجر ہے۔

● آیت نمبر ۹ سے قدرت پروردگار کا حوالہ دے کر کفر پر تنقید کی جارہی ہے کہ پیغمبر! آپ ان سے دریافت کریں کہ کیا تم لوگ اس کا انکار کر رہے ہو جس نے زمین و آسمان کو دو دن میں پیدا کر دیا ہے اور وہ رب العالمین ہے۔ اس نے زمین پر پہاڑ بنا دیئے ہیں اور اسے بابرکت بنا کر اس میں تمام سامان معیشت چار دن کے اندر قرار دیدیا ہے جو تمام طلبگاروں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ پھر آسمان کی طرف رُخ کیا جو دھواں تھا اور اسے اور زمین کو آواز دی کہ اس کی طرف آئیں تو سب اطاعت گزار بن کر حاضر ہو گئے۔ پھر دو دن کے اندر تمام ساتوں آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اپنے امر کی وحی کر دی اور اسے چراغوں سے سجا دیا کہ یہ تقدیر خدائے عزیز و علیم ہے۔

اب اگر یہ اس کے بعد بھی کنارہ کشی کریں تو ان کا انجام عاد و ثمود جیسا ہونے والا ہے جہاں ایک بجلی نے ساری قوم کا خاتمہ کر دیا جب رسولوں نے عبادت الٰہی کی دعوت دی اور ان لوگوں نے کہہ دیا کہ ہم تو فرشتہ کو رسول تسلیم کریں گے۔

قوم عاد کا خیال تھا کہ وہ بہت طاقتور ہے اور یہ بھول گئی تھی کہ خدا اس سے زیادہ طاقت والا ہے لہٰذا خدا نے اسے ایک تیز ہوا کے ذریعہ اُڑا دیا جو دنیا میں رسوائی کا عذاب ہے ورنہ آخرت کا عذاب اس سے زیادہ شدید تر ہے۔

پھر ثمود کا بھی یہی حال تھا کہ اس نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا تو ایک عذاب کی بجلی نے سب کا خاتمہ کر دیا۔ صرف صاحبان ایمان و تقویٰ محفوظ رہ گئے اور بس!

اس کے بعد روزِ قیامت تمام دشمنانِ خدا کو جہنم کے پاس جمع کیا جائے گا اور ان کے کان، آنکھ، جلد سب ان کے اعمال کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی تو ان کا جواب ہوگا کہ جس خدا نے ہر شے کو گویائی دی ہے اسی نے ہمیں بھی گویا بنا دیا ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے اور اسی کی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے۔

تم لوگوں نے اپنے اعضاء و جوارح سے چھپنے کی کوشش نہیں کی اور سوچ لیا کہ

خدا کو بھی تمھارے جرائم کی اطلاع نہ ہو گی اور اسی خیال نے تمھیں تباہ و برباد کر دیا۔ اب جہنم ہی میں رہنا ہو گا اور اسے برداشت کرنا ہو گا، اس لیے کہ اب توبہ کا کوئی وقت نہیں رہ گیا ہے۔

یہی حشر ان کے ساتھیوں کا بھی ہو گا جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا اور خدائی فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔

● کفار کی بدبختی یہ ہے کہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اور ہلڑ مچاؤ تاکہ پیغمبرؐ پر غالب آجاؤ تو ہم ان پر بھی سخت عذاب کریں گے اور ان کے اعمال کی بدترین سزا دیں گے۔ یہ دشمنانِ خدا کی ابدی سزا ہے جس کا نام جہنم ہے اور جو ہر منکر حقیقت کا ٹھکانا ہے۔

● اس کے بعد کفار کہیں گے کہ خدایا! انسان و جنات میں سے گمراہ کرنے والوں کو ہمیں دکھلا دے تاکہ ہم انھیں اپنے پیروں سے کچل دیں اور یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ انتہائی پست لوگ تھے۔ لیکن فائدہ کیا؟

● بے شک جن لوگوں نے خدا کو رب مان لیا اور پھر اسی پر قائم رہے، ان پر ملائکہ نازل ہوں گے کہ ہرگز رنج و خوف نہ کرو اور اس جنّت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دنیا و آخرت میں تمھارے دوست ہیں اور جنت میں تمام نعمتیں خواہش کے مطابق موجود ہیں۔ یہ خدائے غفور و رحیم کا سامانِ ضیافت ہے۔

● اس سے بہتر کون ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اور نیک عمل انجام دے اور اپنے کو اطاعت گذاروں میں شمار کرے۔ نیکی بُرائی ایک جیسی نہیں ہیں لہٰذا تم بُرائی کا جواب نیکی سے دو تاکہ بدترین دشمن بھی گہرے دوست کی طرح مہربان ہو جائے اور یہ صلاحیت بھی صرف صبر کرنے والوں اور خوش قسمت افراد کو حاصل ہوتی ہے اور اگر کبھی شیطان وسوسہ پیدا کرے تو خدائے سمیع و علیم کی پناہ طلب کرو۔

● اس کی نشانیوں میں لیل و نہار اور شمس و قمر سب شامل ہیں لہٰذا شمس و قمر کو سجدہ مت کرو۔ اُس خدا کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا ہے، اس کے بعد اگر یہ

لوگ استکبار کریں تو خدا کے پاس ایسے افراد موجود ہیں جو رات دن تسبیح پروردگار کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں۔

● اس کی ایک نشانی زمین کی زمی ہے جس پر پانی برستا ہے تو سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ یہی زمین کو زندہ بنانے والا ایک دن مُردہ کو زندہ بنائے گا۔ یہ ملحدین ہم سے چھپ کر نہیں جا سکتے۔ ان سے پوچھو کہ جہنم میں جانے والا بہتر ہے یا محفوظ طریقہ سے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا؟ تم جو چاہو کرو خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

● یہ قرآن ایک کتاب عزیز ہے جس کے قریب سامنے یا پیچھے کی طرف سے باطل نہیں آسکتا ہے۔ یہ خدائے حکیم و حمید کی تنزیل ہے۔ اگر ہم نے اسے عجمی زبان میں اُتارا ہوتا تو کہتے کہ عجمی زبان اور عربی انسان کا کیا ربط ہے تو اب ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں؟ انھیں بتائیے کہ یہ صاحبانِ ایمان کے لیے ہدایت اور شفا ہے، اور بے ایمان اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔ انھیں بہت دور سے پُکارا جائے گا۔

● ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تو اس میں بھی جھگڑا ڈال دیا۔ اب اگر مہلت طے نہ ہو گئی ہوتی تو عذاب نازل ہو چکا ہوتا۔ ہر انسان کا اچھا یا بُرا عمل اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔

● خدا ظالم نہیں ہے۔ قیامت کا علم اسی کو ہے، تمام ثمرات، تمام حمل اور وضع حمل اسی کے علم میں ہے اور قیامت کے دن کوئی شریک نظر نہ آئے گا۔

● انسان ہمیشہ خیر کا طلبگار رہتا ہے اور ذرا تکلیف میں مایوس ہو جاتا ہے۔ نعمت پا کر اکڑ جاتا ہے۔ احسان کی قدر نہیں کرتا ہے اور تکلیف میں فریاد کرنے لگتا ہے۔

● ہم عنقریب آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ حق واضح ہو جائے اور خدا کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر شے کا نگراں ہے۔ یہ لوگ اس کی ملاقات میں شک کرتے ہیں حالانکہ وہ ہر شے پر محیط ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ شوریٰ

یہ سورہ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

اس کا آغاز وحی الٰہی کے تذکرہ سے ہوتا ہے جو درحقیقت اس شبہ کا جواب ہے جس کا تذکرہ گذشتہ سورہ فصلت کے اختتام پر کیا گیا تھا کہ قیامت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی وحی گذشتہ ادوار میں بھی کی گئی ہے اور آج بھی نازل کی جارہی ہے۔

اس سورہ کے مندرجات میں وحی الٰہی، دلائل توحید، آیات آفاق و انفس، شواہد قیامت اور انجام کفار کے علاوہ اخلاقی مسائل اور انسان کی معاندانہ کیفیت کا تذکرہ شامل ہے۔

آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے اور یہاں دہرے حروف مقطعات کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ عام طور سے حم کے بعد دوسرے ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال یہ وہ انداز بیان ہے جس کی مصلحت معبود کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ اگرچہ مفسرین نے اس سلسلہ میں بارہ احتمالات کا تذکرہ کیا ہے۔

● ابتدا میں حروف مقطعات کے بعد عظمت قرآن کا تذکرہ اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ یہ اس خدا کا نازل کیا ہوا ہے جو عزیز و حکیم ہے۔ جس کے اختیار میں کل کائنات ہے۔ وہ علی و عظیم ہے اور قریب ہے کہ اس کی ہیبت سے آسمان شق ہو جائیں۔ ملائکہ اس کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تمام روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کے علاوہ کسی کو ولی بنا یا وہ ان کا بھی نگراں ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

یہ قرآن عربی زبان میں اسی نے نازل کیا ہے کہ ام القریٰ اور اس کے اطراف والوں کو ڈرائیں اور اس قیامت کا خوف دلائیں جس دن ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک جہنم میں۔ وہ جبراً سب کو ایک مذہب پر کر سکتا تھا لیکن اس کے یہاں جبر نہیں ہے اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں ہے، وہ خدا آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے اور چوپایوں کا بھی جوڑا بنایا ہے۔ صرف اس کا کوئی مثل نہیں ہے، زمین و آسمان کی ساری کنجیاں اس کے اختیار میں ہیں۔ رزق میں وسعت اور تنگی اس کی مشیت کا مسئلہ ہے۔

● اس نے دین کا وہ قانون بنایا جس کی وصیت نوحؑ کو کی اور جس کی وحی آپ کی طرف کی اور جس کی وصیت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ مشرکین کو آپ کی دعوت بہت بڑی معلوم ہوتی ہے لیکن خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ ان لوگوں نے علم کے بعد اختلاف کیا ہے۔ اس نے پہلے فیصلہ نہ کر دیا ہوتا تو اب تک عذاب نازل ہو جاتا۔

● آپ اللہ کی طرف دعوت دیں اور اس کے امر کے مطابق استقامت کا مظاہرہ کریں۔ ان لوگوں کے خواہشات کا اتباع نہ کریں اور کہہ دیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ کتاب الٰہی پر ایمان رکھوں اور تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اس کے بعد ہر ایک اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔

اور جو لوگ خدا کے مان لیے جانے کے بعد بھی بحث کرتے ہیں ان کی دلیل بالکل مہمل ہے اور ان کے لیے غضب الٰہی اور عذاب شدید ہے۔

● خدا نے کتاب کو حق اور میزان کے ساتھ نازل کیا ہے اور عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو۔ بے ایمان اس کی جلدی کرتے ہیں اور ایمان والے اس کے خوف سے لرز جاتے ہیں۔ قیامت میں شک کرنے والے بہت دور تک گمراہی میں چلے گئے ہیں۔

● جو آخرت کے لیے کام کرتے ہیں ان کے کام میں برکت ہوتی ہے اور جو دنیا کے لیے کرتے ہیں انھیں دنیا میں نتیجہ مل جائے گا لیکن آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیا

ان شرکاء نے بھی کوئی دین بنایا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی ہے اور فیصلہ کا دن معین نہ ہوتا تو اب تک عذاب نازل ہو چکا ہوتا۔ قیامت کے دن ظالمین پر عذاب بہرحال نازل ہوگا۔ البتہ صاحبانِ ایمان و کردار جنت کے باغات میں رہیں گے اور ہر طرح کی حسب خواہش نعمت میسر ہوگی کہ یہی فضل کبیر ہے اور اسی کی خدا ایمان اور عمل والوں کو بشارت دیتا ہے اور آپ کہہ دیجئے کہ میں رسالت کا اجر صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقربا سے محبت کرو اور جو کوئی نیکی کرے گا اس کی نیکی میں اضافہ کر دیا جائے گا کہ پروردگار غفور بھی ہے اور شکور بھی ہے۔

● وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور تمام اعمال سے باخبر بھی ہے۔ ایمان و کردار والوں کے اعمال کو قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے کچھ اضافہ بھی کر دیتا ہے۔

● خدا اگر سب کو وسعت رزق دے دیتا تو زمین میں بغاوت پھیل جاتی۔ لہٰذا صرف ایک مخصوص مقدار میں نازل کرتا ہے کہ وہ بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے۔ وہ مایوسی کے بعد پانی برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔

● اس کی نشانیوں میں زمین و آسمان کی خلقت اور ان میں جانداروں کا چلنا پھرنا بھی شامل ہے اور وہ جب چاہے سب کو جمع بھی کر سکتا ہے۔

● اس کی نشانیوں میں سمندر میں چلنے والے پہاڑ جیسے جہاز بھی ہیں کہ اگر وہ ہوا کو روک دیتا تو سب کھڑے ہو جاتے یا پھر ان کے اعمال کی بنا پر ہلاک ہی کر دیتا لیکن وہ اکثر چیزوں سے معاف کر دیتا ہے۔ دنیا کی لذت چند روزہ ہے، آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے اور صرف صاحبانِ ایمان و توکل کے لیے ہے جو گناہانِ کبیرہ اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور غصہ میں معاف کر دیتے ہیں اور اللہ کی بات کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہر کام باہمی مشورہ سے کرتے ہیں اور ہمارے رزق میں سے ہماری راہ میں انفاق کرتے ہیں اور ظلم کے خلاف آمادۂ انتقام رہتے ہیں اور مظلومیت کے بعد انتقام لینے والوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ الزام ان لوگوں پر ہوتا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے

ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں پھیلاتے ہیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ امور کا استحکام ان لوگوں کے لیے ہے جو صبر اور درگذر سے کام لیتے ہیں۔

● ظالمین کا کوئی ولی نہیں ہے وہ عذاب دیکھنے کے بعد واپسی کی فکر کریں گے لیکن کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ یہ روزانہ جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور ذلت سے سر جھکائے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے آنے سے پہلے خدا کی بات قبول کرلو جس دن کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی۔ اس کے بعد یہ لوگ اعراض کریں تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ نے فرض تبلیغ ادا کردیا ہے۔ انسان کا حال یہ ہے کہ رحمت ملتی ہے تو اکڑ جاتا ہے اور مصیبت آتی ہے تو کفر اختیار کرلیتا ہے۔ حالانکہ مصیبت اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

● آسمان وزمین کا ملک خدا ہی کے لیے ہے جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹا یا بیٹی دیتا ہے یا بانجھ بنا دیتا ہے، وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔

● خدا کسی بھی انسان سے کلام کرتا ہے تو وحی کے ذریعہ یا پس پردہ سے، یا کسی نمائندہ کو بھیج دیتا ہے اور وہ اس کے اذن سے پیغام پہونچا دیتا ہے۔

● ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی ہے۔ آپ کو اس سے پہلے ذاتی طور پر کتاب وایمان کی اطلاع نہیں تھی۔ وہ تو ہم نے اسے نور قرار دیا ہے جس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں ہدایت دے دیتے ہیں اور آپ بھی صراط مستقیم کی ہدایت ہی کرتے ہیں، جو اس خدا کا راستہ ہے جس کے اختیار میں آسمان وزمین کی کل کائنات ہے اور جس کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے۔۔۔ اس طرح وحی سے شروع ہونے والا سورہ وحی کے تذکرہ پر تمام ہوگیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ زخرف

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور ۸۹ آیات ہیں۔
مکّی ہونے کے اعتبار سے اس کا مرکز و محور بھی عقائد و افکار ہی ہیں اور اُس کے سات حصّے ہیں:

۱۔ ابتدا میں قرآن حکیم کی عظمت اور مرسل اعظمؐ کی رسالت کی اہمیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۲۔ دوسرے حصہ میں توحید کے آفاقی دلائل اور انسان پر خدا کی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔
۳۔ تیسرے حصہ میں شرک کی کمزوری اور مشرکین کے مہمل عقائد پر تبصرہ ہے۔
۴۔ چوتھے حصہ میں انبیاء کرامؑ اور ان کی اقوام کا تذکرہ ہے جن میں سرفہرست جناب ابراہیمؑ اور جناب عیسیٰؑ ہیں۔
۵۔ پانچویں حصہ میں معاد کے مسائل و دلائل کی وضاحت کی گئی ہے۔
۶۔ چھٹے حصہ میں بے ایمان افراد کے مہمل اقدار و افکار اور ان کے نتائج کی نشان دہی کی گئی ہے۔
۷۔ ساتویں حصہ میں مفید اور قیمتی نصیحتوں کا تذکرہ ہے جو قرآن عظیم کا بنیادی مقصد اور مرکز ہے۔

اس سورہ کا نام اسی کی آیت ۳۵ سے لیا گیا ہے جس میں "زخرف" سونے چاندی اور مادی زینت و آرائش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تفصیل:

• قرآن حکیم کی قسم! ـــ ہم نے اسے عربی زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لے

سمجھ سکو اور ہم تمھاری زیادتیوں کی بنا پر تمھیں اس نعمت سے محروم نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ ہم بد دماغ افراد کو ہلاک بھی کر دیتے ہیں تاکہ انھیں استہزا اور تمسخر کا نتیجہ معلوم رہے۔

● انھیں اس بات کا اقرار ہے کہ زمین و آسمان کا خلق کرنے والا، زمین کو فرش بنا کر اس میں راستے قائم کرنے والا، آسمان سے پانی برسا کر مُردہ زمینوں کا زندہ کرنے والا اور ہر چیز کا جوڑا پیدا کر کے جانوروں اور کشتیوں کو سواری کے قابل بنانے والا پروردگار ہی ہے۔ اور اس نے یہ سب اس لیے کیا ہے کہ تم اس کی قدرت کا اقرار کرو اور سمجھو کہ اسی کی بارگاہ میں واپس جانا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے ہیں۔

(واضح رہے کہ اس کی آیت ۱۳-۱۴ سواری پر سوار ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے اور اس میں خطرات کے لیے بہترین ضمانت ہے)۔

● ان ظالموں نے خدا کا بھی جزء بنالیا ہے اور اسے لڑکی والا قرار دے دیا ہے جب کہ خود اپنے لیے لڑکی کو پسند نہیں کرتے ہیں اور پھر ملائکہ کو بھی لڑکی ہی قرار دے دیا ہے۔ جس کا روز قیامت جوابدہ ہونا پڑے گا کہ انھوں نے پروردگار کو اپنے سے بھی زیادہ بد ذوق قرار دیا ہے اور پھر اپنی گمراہی کا ذمہ دار بھی مشیت الٰہی ہی کو ٹھہراتے ہیں اور اپنے باپ دادا کے مہمل عقائد پر اڑے ہوئے ہیں جو طریقۂ کار ہر دور کے گمراہوں اور دولتمندوں کا رہا ہے اور کبھی کسی نے انبیاء کرام کے دلائل پر توجہ نہیں دی ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے انتقام کا شکار ہو گئے ہیں اور فنا کے گھاٹ اتر گئے ہیں۔

● ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے شرک سے بیزاری کا اعلان کیا۔ توحید کا تعارف کرایا لیکن قوم نے اسے بھی جادو قرار دے دیا اور اب یہ ظالم کہتے ہیں کہ قرآن مکہ اور طائف کے بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا ہے۔ جیسے یہ رحمت خدا کے ٹھیکیدار ہیں اور چھوٹا بڑا بنانا ان کے اختیار میں ہے۔ کاش! انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ رحمتِ خدا ان کے اموال سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور قرآن رحمۃٌ للعالمین پر نازل ہوا ہے۔

● مال دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر سب کے ایک ساتھ بہک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کفار کے گھر سونے چاندی سے بھر دیتے کہ یہ سب متاع دنیا ہی ہے اور آخرت تو

بہر حال صاحبانِ تقویٰ کے لئے ہے۔

(واضح رہے کہ اسلام آرائش دنیا کا مخالف نہیں ہے۔ وہ اُس کے معیار بزرگی و برتری ہونے کا مخالف ہے جو کفار مکہ کا عام نظریہ تھا)۔

● یادِ خدا سے روگردانی کرنے والوں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو مسلسل گمراہ کرتا رہتا ہے اور وہ اپنے کو ہدایت یافتہ ہی سمجھتا رہتا ہے۔ حالانکہ حقیقت کا اندازہ روز قیامت ہوگا جب کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور سب کو منزل عذاب میں جمع کر دیا جائے گا۔

عذاب بہر حال ہونے والا ہے چاہے پیغمبرؐ کے سامنے ہو یا ان کے بعد۔ لہٰذا پیغمبرؐ کو اپنے فریضہ پر عمل کرتے رہنا چاہیئے اور اپنی وحی الٰہی سے وابستہ رہنا چاہیئے۔

● ابراہیمؑ کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف واضح معجزات دے کر بھیجا لیکن انھوں نے بھی ان کا مذاق اڑایا اور جب عذاب میں مبتلا ہوئے تو بھی یہی کہا کہ اے جادوگر! اس عذاب سے نجات دلادے تو ہم ایمان لاسکتے ہیں حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ظالم کبھی اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے ہیں۔

● فرعون نے قوم کو پکار کر اپنی دولت اور موسیٰؑ کی غربت کا حوالہ دیا اور اسے حق و باطل کی پہچان قرار دیا اور قوم نے بھی از راہ حماقت اس بات کو قبول کر لیا تو ہم نے بھی انتقام لے لیا اور سب کو ایک ساتھ غرق کر کے آئندہ اقوام کے لئے نمونۂ عبرت بنا دیا۔

● ان ظالموں کے سامنے عیسیٰؑ بن مریمؑ کی مثال بیان کی جاتی ہے تو اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں اور ایک معبود ہونے کی حیثیت سے اپنے خداؤں کی طرح انھیں بھی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک بندہ صالح تھے اور رسول ملائکہ نہیں ہوتے ہیں۔ انسان ہی ہوتے ہیں۔ نزولِ عیسیٰؑ ایک قیامت کی علامت ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور خبردار! تم لوگ شیطان کی پیروی نہ کرنا۔

● اس قوم کا یہ حال ہے کہ عیسیٰؑ نے معجزات پیش کئے اور توحید خدا کی دعوت دی تو اس میں بھی جھگڑا ڈال دیا، تو اب ظالموں کے لیے صرف دردناک عذاب ہے اور بس!

● کیا یہ لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں جو اچانک آنے والی ہے اور اس دن متقین

کے علاوہ سارے دوست دشمن بن جائیں گے۔ صرف بندگانِ خدا امن و سکون میں ہوں گے کہ یہ آیات پر ایمان رکھتے تھے اور حقیقی اطاعت گذار تھے۔ انھیں جنت اور اس کی نعمتوں سے نوازا جائے گا کہ یہ تمھارے نیک اعمال کا معاوضہ ہے۔

○ مجرمین کا انجام عذاب جہنم اور اس میں ہمیشگی ہے جس کا سلسلہ قطع ہونے والا نہیں ہے اور یہ ہمارا ظلم نہیں ہے۔ خود ان کا اپنا ظلم ہے۔ وہاں تو موت بھی نہیں ہے کہ قدرے سکون مل جائے۔ ہم ان کے سارے اعمال کو درج کرتے جا رہے ہیں اور عنقریب پیش کر دیں گے۔

○ پیغمبرؐ! انھیں سمجھائیں کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلا اطاعت گذار تو میں ہی ہوتا۔ وہ خدائے بے نیاز ہے اور ان خرافات سے بلند تر ہے۔ انھیں انھیں حماقتوں میں رہنے دیں پھر قیامت میں سب معلوم ہو جائے گا۔

○ وہ خدا زمین و آسمان دونوں کا مالک ہے۔ اس کے اختیار میں کل کائنات کا ملک ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے اور اسی کی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی شفاعت کا بھی اختیار نہیں رکھتا ہے۔ یہ کفار اندر سے پروردگار کا اقرار رکھتے ہیں تو کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تو اس بات سے بھی غافل ہیں کہ پیغمبرؐ روزِ قیامت شکایت کرے گا کہ یہ بے ایمان قوم تھی۔

○ خیر۔ پیغمبرؐ! آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیں اور انھیں دور سے سلام کہہ دیں ــــ پھر عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا کہ ان کے افکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بیک وقت اعراض بھی ہے اور اخلاق بھی ہے ــــ اور پھر دونوں کے ساتھ تنبیہ بھی ہے اور تہدید بھی کہ شاید یہ ظالم کفار اس طرح ہوش میں آجائیں۔!

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ دخان

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۹ آیات ہیں۔

اس کے مطالب بھی سات طرح کے ہیں:

نزول قرآن، توحید پروردگار، انجام کفار، قصص اقوام متکبرین، قیامت، جزا و سزا، تخلیق کائنات اور عظمت قرآن حکیم۔

لفظ دخان آیت ۱۰ میں وارد ہوا ہے اور اسی کی بنا پر اس کا نام سورۂ دخان ہو گیا ہے جس میں ایک قیامت خیز دھوئیں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تفصیل آیات:

• ہم نے اس روشن کتاب کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے جس میں تمام امور حکمت الٰہیہ کے مطابق مرتب ہوتے ہیں اور یہ کتاب بھی ایک امر الٰہی ہے جو بعنوان رحمت نازل ہوئی ہے کہ خدا سمیع و علیم بھی ہے اور مالک ارض و سما بھی۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ موت و حیات کا مالک اور تمام گذشتگان کا بھی پروردگار ہے۔

(آیات و روایات کی بنا پر اس مبارک رات سے مراد ماہ رمضان کی شب قدر ہے جس میں تمام امور مقدر ہوتے ہیں اور اسی لئے قرآن مجید کا تقدیر ساز پیغام بھی اسی رات میں نازل ہوا ہے اور یہ نزول لوح محفوظ سے بیت معمور اور قلب پیغمبرؐ کی طرف ہوا ہے ورنہ اس کے بعد تدریجی نزول ۲۳ سال تک برابر ہوتا رہا ہے جس کی تبلیغ پیغمبر اسلام مسلسل کرتے رہے ہیں)۔

• یہ لوگ شک کے عالم میں حقائق سے کھیل رہے ہیں تو اب واضح دھوئیں کا انتظار

کریں جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گا اور ایک دردناک عذاب ہوگا۔ اس دن یہ عذاب کے دفع کرنے کی التماس کریں گے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ جب بھی عذاب دفع کیا گیا ہے تو دوبارہ وہی کردار دیکھنے میں آیا ہے لہٰذا اب سخت ترین گرفت کا وقت آگیا ہے کا انتقام لینے والے بھی ہم ہی ہیں۔

● ان سے پہلے قوم فرعون کا امتحان لیا جا چکا ہے کہ ایک محترم رسول نے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا اور عذاب خدا سے ڈرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا تو بددعا کر دی اور پروردگار نے انھیں راتوں رات نکل جانے کا حکم دے دیا اور پھر ساری قوم کو غرق کر دیا جو باغات چشمے، زراعتیں اور محلات سب چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے اور ہم نے سب کو کمزور لوگوں کے حوالے کر دیا کہ ان مرنے والوں پر زمین و آسمان کسی نے بھی گریہ نہیں کیا اور نہ انھیں مہلت دی گئی۔

● ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کی سرکشی اور تعدی سے بچایا اور عالمین میں منتخب بھی بنا دیا لیکن پھر نشانیوں کے ذریعہ انھیں بھی آزمایا اور نالائقی کی بنا پر انھیں بھی سزا دیدی۔

● مشرکین کا خیال ہے کہ تمام مسئلہ موت پر تمام ہو جائے گا اور دوبارہ اٹھنا نہیں ہے اور اسی لئے اپنے بزرگوں کے دوبارہ زندہ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ یہ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جنھیں پہلے ہلاک کیا جا چکا ہے اور زمین و آسمان کی تخلیق کوئی کھیل نہیں ہے یہ سب برحق ہے۔ صرف یہ لوگ جاہل ہیں۔

(کہا جاتا ہے کہ تبع یمن کا بادشاہ تھا جس نے تمام دنیا کو فتح کر لیا تھا لیکن مکہ کے قریب پہونچ کر لوگوں نے کعبہ کی عظمت سے ڈرایا تو اسے چھوڑ دیا اور اس پر ایک غلاف چڑھا دیا کہ بادشاہ خود شریف تھا اگرچہ اس کی قوم نالائق تھی اور یہ واقعہ ۳۰۰ھ کا ہے۔)

● قیامت کا دن سب کے فیصلہ اور حق و باطل کی جدائی کا دن ہے جب کوئی دوست کسی کے کام نہ آئے گا اور رحمت خدا کے علاوہ کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ گنہگاروں کے لئے تھوہڑ کا درخت ہے جو پگھلی ہوئی دھات کی طرح پیٹ میں ابال کھائے گا اور ظالم کو بیچ جہنم میں ڈال کر اس پر کھولتا ہوا پانی انڈیل دیا جائے گا کہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے اور جس امر

میں شک کر رہا تھا اس کا یقین کر لے ۔

● البتہ متقین کے لئے محفوظ جگہ ۔ باغات، چشمے، حریر و دیبا کے لباس اور طرح طرح کے میوے ہیں اور پھر حور العین کی زوجیت کی نعمت بھی ہو گی اور یہ سب فضل خدا سے ہو گا جو عظیم ترین کامیابی ہے ۔

● ہم نے قرآن آپ کی زبان سے آسان تر بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں ۔ اب آپ بھی انتظار کریں اور انھیں بھی انتظار کرنے دیں کہ ایک دن حق و باطل خود ہی واضح ہو جائے گا ۔

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ جاثیہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۳۷ آیات ہیں۔

جاثیہ گھٹنے ٹیکنے کی کیفیت کو کہا جاتا ہے جو عدل الٰہی کے مقابلہ میں ایک عمومی کیفیت کا نام ہے اور اس کا تذکرہ آیت ۲۸ میں کیا گیا ہے جس کی بنا پر سورہ کا نام جاثیہ ہو گیا ہے۔ اس کے مضامین میں بھی عظمت قرآن، دلائل توحید، دہریوں کے جوابات، انجام بنی اسرائیل، تنبیہ غافلین، دعوت عفو و درگذر ــ اور ہول قیامت جیسے امور شامل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

● حٰمٓ۔ یہ کتاب اس خدائے عزیز و حکیم کی تنزیل ہے جس کی نشانیاں صاحبانِ ایمان کے لئے آسمان و زمین میں اور صاحبانِ یقین کے لئے خود ان کی اور دیگر مخلوقات کی خلقت میں پائی جاتی ہیں اور پھر تمام صاحبانِ عقل کے لئے روز و شب کی آمد و رفت اور آسمان سے بارش کے نزول اور زمین کی زندگی اور ہواؤں کی گردش میں پائی جاتی ہیں۔

(ایمان عقیدہ ہے اور یقین عقیدہ کا استحکام، تعقل فکر کا استعمال ہے اور سب کے میدان الگ الگ ہیں)۔

● ان جھوٹے گنہگاروں کے لئے جہنم ہے جو ہر آیت کو از راہ غرور اَن سُنی بنا دیتے ہیں اور پھر مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ ان کا انجام ذلت آمیز عذاب ہے اور ان کے پیچھے جہنم ہے جہاں کوئی شے کام آنے والی نہیں ہے اور نہ کوئی دوست کام آئے گا کہ یہ عذاب عظیم کی منزل ہے۔

● یہ قرآن ایک ہدایت ہے اور آیات الٰہیہ کے منکر کا انجام دردناک عذاب ہے۔
خدا ہی نے دریاؤں کو مسخر کرکے کشتیاں چلائی ہیں تاکہ اس کے فضل و کرم تک پہونچ سکو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ اسی نے زمین و آسمان کی ہر شے کو مسخر کردیا ہے کہ اس میں صاحبانِ تفکر کے لئے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

● صاحبانِ ایمان سے کہہ دیں کہ خدائی دنوں کی توقع نہ رکھنے والوں سے درگذر کردیں۔ خدا انھیں ان کے اعمال کا بدلہ دے دیگا۔ نیک عمل اپنے ہی فائدہ کے لئے ہوتا ہے اور برے عمل کا ذمہ دار بھی عمل کرنے والا ہی ہے۔ بازگشت سب کی خدا کی بارگاہ میں ہے۔

● ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت، نبوت عطا کردی اور پاکیزہ رزق دے دیا اور عالمین سے افضل بنادیا۔ انھیں کھلی ہوئی نشانیاں عطا کردیں لیکن اس کے بعد بھی انھوں نے راہ بغاوت اختلاف شروع کردیا تو اب روز قیامت سب کا فیصلہ ہوجائے گا۔

● پیغمبر! ہم نے آپ کو اپنے حکم کے راستہ پر لگادیا ہے۔ اس کا اتباع کریں، اور خبردار! جاہلوں کے خواہشات کا اتباع نہ کریں۔ ان میں کوئی کام آنے والا نہیں ہے اور ظالمین ایک دوسرے کے مددگار ہیں تو خدا صاحبانِ تقویٰ کا سرپرست ہے۔ یہ سب لوگوں کے لئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اور صاحبانِ یقین کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔

● کیا بدکاروں کا خیال ہے کہ انھیں نیک کرداروں جیسا بنادیا جائے گا اور دونوں کی موت و حیات ایک جیسی ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ یہ بدترین فیصلہ ہے۔ پروردگار نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور سب کے اعمال کی صحیح جزا دے گا، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

● ان لوگوں نے خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے اور علم کے باوجود گمراہ ہوگئے ہیں۔ ان کے دل اور کان پر مہر لگ گئی ہے اور آنکھ پر پردے پڑ گئے ہیں۔ اب ہدایت کی کوئی امید نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ صرف حیات دنیا ہے جہاں مرنا اور جینا ہے۔ اس کے بعد زمانہ ہلاک کردے گا حالانکہ یہ بھی صرف خیال ہے۔ اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ جب آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے ہمارے باپ دادا کو واپس لاؤ؟ ان سے کہہ دیجئے کہ موت و حیات

خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ روزِ قیامت سب کو جمع کر دے گا اگرچہ اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے۔

● وہ آسمان و زمین کا مالک ہے۔ قیامت کے دن اہل باطل کو خسارہ کا احساس ہوگا جب ہر قوم گھٹنے ٹیکے ہوگی اور اسے نامۂ اعمال کے مطابق بلایا جائے گا اور سارے اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ یہ ہماری تحریر بالکل حق بجانب ہے۔ ہم نے سارے اعمال کو لکھ لیا ہے۔ اب صاحبانِ ایمان و کردار کے لئے رحمت الٰہی اور کامیابی ہے۔ اور کفار سے کہا جائے گا کہ تم مجرم اور متکبر تھے، تم قیامت کو پہچانتے بھی نہیں تھے اور مسلسل انکار کرتے رہتے تھے، لہٰذا اب تمہارے اعمال کی برائی واضح ہو گئی ہے اور تمہیں یکسر نظر انداز کر دیا جائے گا کہ تم نے آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑایا ہے اور تمہیں زندگانیٔ دنیا نے دھوکہ میں رکھا ہے اور اب جہنم سے نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

● ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو آسمان و زمین اور تمام عالمین کا مالک ہے اور ساری بزرگی اسی کا حصہ ہے اور وہی عزیز و حکیم بھی ہے۔

(اس طرح عزیز و حکیم سے شروع ہونے والا سورہ عزیز و حکیم ہی کے تذکرہ پر تمام ہو جاتا ہے۔)

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ احقاف

یہ سورہ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۳۵ آیات ہیں۔

مکّی ہونے کے اعتبار سے اس کے مضامین بھی بنیادی عقائد سے تعلق رکھتے ہیں جن میں عظمتِ قرآن، مخالفتِ کفر و شرک، تفہیم عقیدۂ معاد، تنبیہ کفار و مشرکین، عظمتِ دعوتِ پیغمبرِ اسلام، تسکین قلوب مومنین، تعلیم صبر و استقامت جیسے امور شامل ہیں۔

احقاف وہ ریگستانی علاقہ ہے جہاں قوم عاد آباد تھی اور ریگستان ہونے کے باوجود دنیا کی ہر طرح کی نعمت سے بہرہ ور تھی لیکن بدبختی کسی بھی فرد یا قوم کو تباہ کر سکتی ہے اور دولت و ثروت کا غرور کبھی بھی جماعت کو تباہی کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔

سورۂ جاثیہ کا خاتمہ حمد پروردگار اور کبریائی ارض و سما پر ہوا تھا اور اس سورہ کا آغاز حٰم اور تنزیل سے ہوا ہے جس میں حمد پروردگار کی دلیل کا اشارہ مضمر ہے اور پھر تخلیق ارض و سما کی حقانیت کا اعلان ہوا ہے جس سے پروردگار کی کبریائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس تذکرہ کے بعد بلا فصل مشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے اور ان سے شرک کے دلائل کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ غیر خدا کی خدائی کی دلیل ان کی کوئی تخلیق ہے؟ یا اس سلسلہ میں کسی سابق کتاب نے کوئی بیان دیا ہے؟ یا اہل عقل و دانش کا کوئی فیصلہ موجود ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو سوچو کہ جو اندھے بہرے تمہاری آواز بھی نہیں سن سکتے ہیں اور تمہاری دعوت پر لبیک بھی نہیں کہہ سکتے ہیں وہ خدا کس طرح ہو جائیں گے۔ ان سے تو خطرہ ہے کہ روز قیامت ترک تعلق کا اعلان کر دیں اور تمہارا کوئی ٹھکانا نہ رہ جائے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ نالائق دعوتِ دین کو جادو قرار

دے رہے ہیں اب پیغمبر کا جواب یہ ہے کہ میں افترا کروں گا تو تم میرے کام آنے والے نہیں ہو اور میں کوئی انوکھا رسول بھی نہیں ہوں۔ میرے پہلے تمام مرسلین کی دعوت یہی تھی اور تمہاری برادری کے لوگ اس کی گواہی بھی دے چکے ہیں اور کتاب موسیٰ بھی رہنمائی کر چکی ہے اور یہ کتاب تو تمہاری ہی زبان میں ہے اور واضح ترین گفتگو کر رہی ہے تو پھر نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔؟

● اس کے بعد صاحبانِ ایمان کی مدح کی گئی ہے کہ انھیں راہِ خدا میں کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔ ان کا مرکز جنت الفردوس ہے جہاں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

● عظمتِ خالق کے بیان کے بعد اہم ترین دلیلِ عظمتِ پروردگار کی طرف اشارہ کیا گیا جس کا نام وجود والدین ہے، جن کے بغیر اولاد کا وجود ممکن نہیں ہے اور جن کا وجود تخلیق پروردگار کی بہترین دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کہ ماں نے بالخصوص حمل اور وضع حمل کے دوران بڑے ناخوشگوار مراحل کا سامنا کیا ہے اور انسان کے حمل اور رضاعت کا زمانہ کم سے کم تیس مہینہ ہے۔ پھر انسان کی شرافت یہ ہے کہ توانائیوں کے پانے کے بعد شکریہ پروردگار کے لیے توفیق کی دعا کرے، نیک عمل کرے جو رضائے الٰہی کا سبب ہو، اور اپنی اولاد کو بھی صالح دیکھنا چاہے کہ اس کا رُخ اللہ کی طرف ہو اور وہ اس کے اطاعت گذار بندوں میں شامل رہے۔

پھر ایسی اولاد کی جزا کا اعلان کیا گیا ہے کہ ان کے اعمال مقبول اور ان کی خطائیں معفو ہیں۔

● اس کے بعد تصویر کے دوسرے رُخ میں اس نالائق اولاد کا تذکرہ کیا گیا ہے جو عالم عدم سے وجود میں آنے کے بعد بھی ماں باپ سے بحث کرتی ہے کہ دوبارہ زندگی کس طرح مل سکتی ہے اور آج تک قومیں دوبارہ کیوں زندہ نہیں ہوئی ہیں۔

ایسی اولاد کا انجام جہنم ہے اور ان کے مقدر میں خسارہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے جہاں انھیں جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ دنیا میں مزے اُڑا چکے۔ اب چلو

جہنم میں سزا برداشت کرو اور ذلت کا سامنا کرو کہ غرور کا انجام ذلت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

● قانونی تذکروں کے بعد مثالوں کی باری آتی ہے اور حجاز سے قریب ترین یمن میں بسنے والی قوم عاد کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس نے نبی کی دعوت کو اپنے خداؤں سے انحراف کی دعوت قرار دے دیا اور عذاب کا مطالبہ کر دیا۔ نبی خدا نے عذاب کو خدا کی مشیت کے حوالے کر دیا اور قوم کو جہالت سے ہوشیار کرنے کی مکرر کوشش کی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب بادلوں کی شکل میں سامنے آگیا۔ قوم بارانِ رحمت کی توقع میں جمع ہوگئی اور بادلوں نے ایک تیز ہوا سے سب کا خاتمہ کر دیا کہ اب صرف بستیاں ہیں اور آبادیوں کا دور دور پتہ نہیں ہے تاکہ اہلِ کفر و شرک عبرت حاصل کر سکیں کہ سامانِ دنیا کام آنے والا نہیں ہے اور ہٹ دھرمی کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عذاب کے آجانے کے بعد کوئی کام نہیں آتا ہے اور سارے خدار فوچکر ہو جاتے ہیں۔

● انسانوں کی اس ذلیل حرکت کے بعد جنات کا تذکرہ کیا گیا جن کی قوم میں شیطان تک پیدا ہو چکا ہے لیکن انھوں نے خاندانی بزرگ کا خیال کیے بغیر آیات قرآن کو سن کر ایمان بھی اختیار کیا اور اپنی قوم کو ایمان کی دعوت بھی دی اور واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ اس دعوت کو ٹھکرانے کے بعد کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔

تمھیں سوچنا چاہیئے کہ زمین و آسمان کا خالق مُردوں کو کیوں زندہ نہیں کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب جہنم کا سامنا ہوگا تو سب حقائق کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت فائدہ کیا ہوگا؟ اس وقت تو صرف جہنم کا عذاب ہوگا اور کفار و مشرکین کا آخری انجام۔!

● آخر میں پیغمبر اسلامؐ کو دیگر انبیاء و مرسلین کی طرح صبر کی تلقین کی گئی کہ تمھارا کام بس پیغام پہونچا دینا ہے اور ہلاکت بہرحال فاسق اقوام کا حصہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ محمدؐ

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۳۸ آیات ہیں۔

اس کا آغاز اسی نقطہ سے ہوا ہے جہاں سورۂ احقاف کا خاتمہ ہوا تھا اور بنیادی عقائد کے بجائے عظمت پیغمبر اسلامؐ کو مسلم قرار دے کر اس کے آثار اور نتائج کا حوالہ دیا گیا ہے کہ راہ خدا سے روکنے والوں کے اعمال برباد ہو جانے والے ہیں اور پیغمبرؐ پر نازل ہونے والے پیغام اور دیگر حقائق پر ایمان لا کر عمل کرنے والوں کے گناہ معاف ہو جانے والے ہیں اور ان کے قلوب صالح ہیں۔

اس سورہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دو حصوں پر بٹا ہوا ہے اور اس میں مسلسل تصویر کے دونوں رُخ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں راہ خدا سے روکنے والے اور ایمان و کردار والے افراد کا تفرقہ بیان کیا گیا ہے۔

● اس کے بعد حق و باطل کی شناخت بیان کی گئی ہے کہ کافر باطل کے پیرو ہیں اور صاحبان ایمان حق کے فرماں بردار ہیں۔ لہٰذا کفار سے مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں اڑا دو اور جنگ کے خاتمہ پر انھیں قیدی بنا لو۔ خدا خود بھی انھیں مٹا سکتا ہے لیکن وہ اہل ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

● راہ خدا کے شہیدوں کے اعمال ضائع نہ ہوں گے۔ انھیں ہدایت حاصل ہوگی اور جانی پہچانی جنت میں جگہ دی جائے گی۔

● ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدمی عنایت کرے گا ورنہ کفار کے لیے تو صرف تباہی اور بربادی ہے کہ انھوں نے

احکام الٰہیہ کو گوارا نہیں کیا ہے تو ان کے اعمال برباد کر دیے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے سابق افراد کا حشر نہیں دیکھا ہے جنھیں تباہ و برباد کر دیا گیا اور تمام کافرین کا یہی ایک انجام ہونے والا ہے۔

● اللہ صاحبانِ ایمان کا مولیٰ ہے اور کفار کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔

● ایمان والوں کا انجام جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور کفار صرف جانوروں کی طرح مال دنیا کھاتے رہیں گے اور آخر میں جہنم واصل ہو جائیں گے۔

● پروردگار کی طرف سے بینہ و دلیل کا حامل انسان خواہش پرست جیسا نہیں ہو سکتا ہے۔

● متقین کے لیے اس جنت کا وعدہ ہے جس میں پانی، دودھ، شراب طہور اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی اور کفار کے لیے جہنم میں وہ کھولتا ہوا پانی ہوگا جس سے آنتیں تک کٹ جائیں گی۔

● کچھ افراد ایسے ہیں جو پیغمبرؐ کی بات سُن کر باہر نکلتے ہیں تو انجان بن جاتے ہیں گویا انھیں معلوم ہی نہیں ہے کہ کیا بیان کیا گیا ہے اور کچھ وہ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں تو خدا نے انھیں مزید ہدایت دے دی ہے اور انھیں تقویٰ بھی عنایت فرما دیا ہے۔

● کفار قیامت کا انتظار کر رہے ہیں تو اس کی علامتیں ظاہر ہونے لگی ہیں۔ پھر کیا اس کے آ جانے کے بعد یہ نصیحت حاصل کر لیں گے۔؟

● پیغمبر! خدا کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ آپ اپنے لیے اور تمام مومنین و مومنات کے لیے استغفار کرتے رہیں کہ اللہ سب کے حالات اور انجام سے باخبر ہے۔

● بعض بیمار دل والے اہل ایمان ایسے ہیں کہ پہلے سورۂ جہاد کا انتظار کر رہے تھے اور جب حکم جہاد نازل ہو گیا تو بیہوشی طاری ہو گئی، حالانکہ اگر یہ اطاعت خدا کرتے تو ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا تو ان سے کیا بعید ہے کہ حکومت پا جائیں تو زمین میں فساد برپا کر دیں اور قطع رحم کا سلسلہ شروع کر دیں۔ ان پر خدا کی لعنت ہے۔ یہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ آخر یہ آیات الٰہیہ میں غور کیوں نہیں کرتے ہیں، کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔؟

یاد رکھو کہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اُلٹے پاؤں پلٹ جانے والوں کو شیطان

نے بہکا دیا ہے اور ڈھیل دے دی ہے۔ یہ حکم خدا کو بُرا سمجھنے والوں سے حمایت کا وعدہ کرتے ہیں حالانکہ خدا سب کے رازِ دل سے باخبر ہے۔

● اس وقت کیا ہوگا جب فرشتے ان کے منہ اور پیٹھ پر کوڑے برسائیں گے کہ انھوں نے خدا کی ناراضگی کی راہ اختیار کی ہے اور اس کی مرضی کو ناگوار قرار دیا ہے اور اس طرح ان کے اعمال برباد ہو گئے ہیں۔

● کیا ان بیمار دل والوں کا خیال ہے کہ خدا ان کے کینوں کو باہر نہ لائے گا جب کہ ہم چاہیں تو ابھی سامنے لا سکتے ہیں ورنہ اندازِ گفتگو سے تو پہچان ہی لیے جاتے ہیں۔

● ہم سب کا امتحان لیں گے تاکہ مجاہدین اور صابرین بھی پہچان لیے جائیں۔

● کافر اور راہِ خدا سے روکنے والے اور رسول کی مخالفت کرنے والے خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں اور ان کے اعمال بہرحال برباد ہونے والے ہیں۔

● ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ کفر اختیار کرنے والے اور راہِ خدا سے روکنے والے اور حالتِ کفر میں مر جانے والے ہرگز نہ بخشے جائیں گے۔ تم ہمت نہ ہارو، صلح کی دعوت دیتے رہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے اور بلندی تمھارا حصہ ہے۔ خدا تمھارے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔

● زندگانیِ دنیا صرف کھیل تماشہ ہے۔ ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو تمھیں اجر ملے گا اور تمھارا مال بھی طلب نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ طلب کر لیا جائے تو تم بخل ہی کرو گے اور خدا تمھارے کینوں کو ظاہر کر کے رہے گا۔

● دیکھو تمھیں راہِ خدا میں خرچ کی دعوت دی جاتی ہے تو بعض لوگ بخل شروع کر دیتے ہیں حالانکہ بخل میں اپنا ہی نقصان ہے۔ اللہ تو غنی و بے نیاز ہے، تم سب اس کی بارگاہ کے فقیر ہو۔ اگر اس سے منحرف ہو جاؤ گے تو تمھارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کر دے گا جو تمھاری جیسی نالائق نہ ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فتح

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اس سورہ میں صلح حدیبیہ کا ذکر کیا گیا ہے جب سرکار دو عالمؐ ایک خواب کی بنا پر ۱۴۰۰ افراد کا قافلہ لے کر عمرہ کے لیے روانہ ہوئے اور کفار مکہ نے طے کر لیا کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے لاکھ سمجھایا کہ ہمارا ارادہ صرف طواف خانہ کعبہ کا ہے لیکن مشرکین نے قبول نہ کیا اور بالآخر چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ صورت حال اس قدر سنگین تھی کہ بعض اصحاب کو خواب کی صداقت پر شبہ ہو گیا اور بعض کمزوری کی بنا پر خوف زدہ تھے اور عمر بن الخطاب کو تو اصل رسالت ہی میں شک پیدا ہو گیا۔ لیکن پروردگار نے مخلصین کے دل پر سکون و اطمینان نازل کر دیا اور یہ مرحلہ بہ آسانی طے ہو گیا۔

اس سورہ کی صورت حال سورۂ محمد کے اختتام سے انتہائی درجہ ہم آہنگ ہے کہ اُس سورہ کے خاتمہ پر ان مسلمانوں کا ذکر تھا جو رسول اکرمؐ کی واقعی اطاعت کرتے تھے اور اس سورہ کے آغاز میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو صلح حدیبیہ کو شکست کا درجہ دے کر رسالت میں شک کر رہے تھے۔

- پروردگار نے پہلے صلح کو فتح مبین سے تعبیر کیا، اس کے بعد اسے تمام الزامات کے جواب کے طور پر پیش کر کے اتمام نعمت اور ہدایت صراط مستقیم کا ذریعہ بنا دیا۔

یہ صلح باعزت امداد الٰہی کا بہترین مرقع تھی کہ پروردگار صاحبان ایمان کے

دلوں میں سکون پیدا کر کے ان کے ایمان میں اضافہ کرنے والا تھا کہ انھیں خدائی طاقت ولشکر پر اعتماد پیدا ہو جائے اور صلح کو کمزوری کے بجائے علم و حکمت پروردگار کا نتیجہ قرار دیں۔

● یہ صلح رسول اکرمؐ کے لیے فتح مبین ہے اور مخلص صاحبانِ ایمان کے لیے داخلہ جنت کا ذریعہ ہے کہ اس کے ذریعہ گناہ بخش دیے گئے ہیں اور عظیم کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

● دوسری طرف یہ صلح مشرکین اور منافقین کے لیے باعثِ عذاب ہے کہ یہ لوگ خدا اور رسول سے سوءِ ظن رکھتے ہیں اور یہ بدترین گناہ ہے جس کا نتیجہ لعنت، عذاب اور جہنم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

● اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی واقعی حیثیت کا اعلان کیا گیا کہ انھیں امت کے اعمال کا گواہ، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ لوگ خدا اور رسول پر ایمان لے آئیں، رسولؐ سے دفاع کریں، ان کا احترام کریں اور صبح و شام تسبیح پروردگار کرتے رہیں۔

● حدیبیہ سے پہلے صاحبانِ ایمان نے رسول اکرمؐ کی بیعت کی تھی اور اسی بیعت نے کفار کو صلح کرنے پر آمادہ کر دیا تھا لہٰذا پروردگار نے اس بیعت میں حصہ لینے والوں کی تعریف کی کہ یہ خدا کی بیعت کرنے والے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے اور پھر بیعت توڑنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ خدا بہر حال اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔

● اس کے بعد اس جماعت کا تذکرہ ہے جو کفار کے خوف سے ساتھ نہیں آئی تھی اور اب بہانہ تراشی کر کے استغفار کا مطالبہ کر رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ سب منافق ہیں، ان کے زبان و دل میں اختلاف ہے۔ انھیں یہ احساس بھی نہیں ہے کہ پروردگار نفع یا نقصان پہونچانا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ ان کا اعتماد پروردگار پر ہونا چاہیے۔ ان کا خیال تھا کہ صاحبانِ ایمان زندہ واپس نہ آسکیں گے اور اسی بنیاد پر ساتھ نہیں گئے تھے۔ حالانکہ یہ بدترین سوءِ ظن تھا جس کا انجام ہلاکت کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور

خدا و رسولؐ پر ایمان نہ رکھنے والوں کا انجام یوں بھی جہنم ہی ہے۔ آسمان و زمین کا مالک پروردگار ہے وہ جسے چاہے معاف کر سکتا ہے اور جس پر چاہے عذاب نازل کر سکتا ہے مگر وہ بہرحال غفور و رحیم ہے۔

● یہ مخلفین مال غنیمت کے موقع پر ساتھ آنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا انجام پھر پہلا جیسا ہوگا اور ساتھ نہ دیں گے۔ یہ تو تمہارے ساتھ نہ لے جانے کو بھی حسد سے تعبیر کر رہے ہیں اس لیے کہ ان کی قوت فہم بہت مختصر ہے۔

● ان پیچھے رہ جانے والوں سے کہہ دیجئے کہ ابھی نہیں۔ عنقریب ایک جہاد میں تمھیں ساتھ لیا جائے گا۔ اُس وقت تم ساتھ چلے تو تمھیں بہترین اجر ملے گا ورنہ پھر دوبارہ عذاب کے حق دار ہو جاؤ گے۔

● ان پیچھے رہ جانے والوں میں اندھے، لنگڑے اور بیمار افراد پر کوئی عتاب نہیں ہے کہ یہ مخلفین میں نہیں ہیں۔ مخلفین کا انجام دردناک عذاب ہے اور جنت صرف اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کا حصہ ہے۔

● خدا درخت کے نیچے صاحبانِ ایمان کی بیعت سے خوش ہو گیا اور اس نے ان پر سکون بھی نازل کر دیا اور انھیں فتح خیبر کی شکل میں فتح قریب اور مال غنیمت سب کچھ عنایت کر دیا۔ اس نے اور بھی فوائد کا وعدہ کر رکھا ہے اور تمھیں لوگوں سے محفوظ کر رکھا ہے تاکہ یہ مومنین کے لیے ایک نشانی رہے اور تمھیں راہ راست کی ہدایت مل جائے۔

● یہ کفار تم سے جنگ بھی کرتے تو میدان سے بھاگ جاتے اور ان کا کوئی سرپرست اور مددگار نہ ہوتا کہ یہ سنت الٰہیہ ہے اور اس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔

● اس نے مکہ میں تمھیں کامیابی دی، دشمنوں کی جنگ سے محفوظ رکھا۔ اگرچہ یہ لوگ مسجد الحرام سے روک رہے تھے اور قربانی کو بھی منزل تک نہیں جانے دے رہے تھے۔

● یہ دفاع ہم نے اس لیے کیا ہے کہ جنگ کی صورت میں بہت سے کمزور مومنین و مومنات کے پامال ہو جانے کا خطرہ تھا اور یہ امر سخت بدنامی کا باعث ہوتا ورنہ یہ درمیان

سے ہٹ جاتے تو ہم کفار کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔

• کفار جاہلیت کی ضد پر اڑے ہوئے تھے تو ہم نے رسول اور مومنین پر سکون نازل کر دیا اور کلمۂ حق پر ثابت قدم بنا دیا جس کے وہ واقعی حق دار تھے، اور خدا ہر شے سے باخبر ہے۔

• اللہ نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا ہے۔ اب تم حلق و تقصیر کے ساتھ مطمئن انداز سے مسجد الحرام میں داخل ہو گے اور اسے تمہارے دل کا حال معلوم تھا لہٰذا اس نے فتح مکہ سے پہلے بھی فتح دے دی۔

• پروردگار نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان عالم پر غالب بنائے اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے۔

• محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے واقعی ساتھی کفار کے لیے سخت ترین اور صاحبانِ ایمان کے لیے نرم دل ہیں۔ انھیں ہمیشہ رکوع و سجود میں اور فضل خدا کا طلبگار دیکھو گے۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہوں گے اور ان کی مثال توریت و انجیل میں اس زراعت کی ہے جو پہلے سوئی نکالے پھر مضبوط ہو جائے پھر موٹی ہو جائے۔ اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعہ کفار کو جلایا جا سکے۔ اور اللہ نے صاحبانِ ایمان و عمل صالح سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ حجرات

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۸ آیات ہیں۔

سورۂ فتح کے اختتام پر مخلص صاحبان ایمان کی مدح کی گئی تھی تو اس سورہ کا آغاز صاحبانِ ایمان کی ذمہ داریوں سے کیا گیا ہے تاکہ صاحبانِ ایمان کو یہ احساس رہے کہ سورۂ فتح کی مدح ہر صاحب ایمان کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مخصوص قسم کے طرزِ عمل اور اندازِ حیات کی ضرورت ہے جس کا سلسلہ سورۂ حجرات کے آغاز سے انجام تک جاری رہا ہے اور جس کے اختتام پر حقیقی صاحبانِ ایمان کی مختصر اور جامع تعریف کردی گئی ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں پانچ مرتبہ صاحبانِ ایمان سے خطاب کیا گیا ہے اور ایک مرتبہ سارے عالم انسانیت کو مخاطب بنایا گیا ہے اور آخر میں ایمان کی مکمل وضاحت کردی گئی ہے۔

● ایمان والو! اپنی بات کو اللہ و رسول سے آگے مت بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو کہ وہ تمام باتوں کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

● ایمان والو! فقط بات کے آگے بڑھانے کی بات نہیں ہے۔ اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور فقط ان کی آواز پر آواز بلند کرنے کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ ان کے سامنے کسی سے بھی بلند آواز سے بات نہ کرو کہ اس طرح لاشعوری طور پر اعمال کے برباد ہوجانے کا خطرہ ہے۔ رسولؐ کے سامنے آواز کو دھیما رکھنا ہی ایمان حقیقی کی علامت ہے اور رسول کو حجرہ کے پیچھے سے پکارنا ہی بے عقلی کی دلیل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے اور شور نہ مچایا جائے۔

(ان آداب کو دیکھنے کے بعد یہ سوچنا پڑتا ہے کہ جن لوگوں نے وقت آخر خانۂ رسالت

میں جھگڑا کیا، شور مچایا، حضورؐ کو ہذیان گو کہہ دیا، ان کے ایمان کا کیا حشر ہوگا۔؟)

● ایمان والو! اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں اقدام کر بیٹھو اور بعد میں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ تمہارے درمیان رسول موجود ہے۔ وہ اکثر باتوں میں تمہارا اتباع کر لیتا تو تم زحمت میں پڑ جاتے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب اور کفر و فسق و عصیان کو مبغوض بنا دیا ہے اور یہی تمہارے رشد کی علامت ہے۔

● دیکھو! مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو ان میں صلح کراؤ اور اگر ایک زبردستی کرے تو اس سے اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک حکم خدا کی طرف واپس نہ آجائے اور پھر انصاف کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کرتے رہو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

● مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا بھائیوں کے درمیان اصلاح ضروری ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جا سکے۔

● ایمان والو! خبردار کوئی بھی قوم دوسرے قوم کا مذاق نہ اڑائے، شاید وہ دوسری قوم ہی بہتر ہو اور ایک دوسرے کو طعنے بھی نہ دو اور بُرے القاب سے یاد بھی یاد نہ کرو کہ ایمان کے بعد فسق بدترین صفت ہے، اور اگر کوئی شخص توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہے۔

● ایمان والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کرو اور معلوم ہو جائے تو بیان نہ کرو کہ یہ انداز معاشرت اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ تقویٰ اختیار کرو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

● انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اور یہ تقسیم معیار فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے اور خدا تمام حالات سے خوب باخبر ہے۔

● بدو عربوں کا کہنا ہے کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ تم نے اسلام کا کلمہ پڑھا ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے

تم اگر اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال برباد نہ ہوں گے کہ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

● حقیقی مومنین صرف وہ ہیں جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لے آئے اور پھر شک نہیں کیا۔ راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کیا کہ یہی سچے ایمان کی نشانی ہے۔ تم اللہ کو اپنا دین بتانا چاہتے ہو جو زمین و آسمان کی ہر شے کا علم رکھتا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے۔

● پیغمبرؐ! یہ لوگ آپ پر ایمان لانے کا احسان جتاتے ہیں حالانکہ ان کا کوئی احسان نہیں ہے۔ ان پر خدا کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کا راستہ دکھا دیا ہے۔ وہ آسمان و زمین کے سارے غیب سے باخبر ہے اور تمہارے سارے اعمال کو بھی جانتا ہے۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ قٓ

یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۴۵ آیات ہیں۔

اس کا آغاز اسی نقطے سے ہوا ہے جہاں سورہ حجرات کے خاتمہ پر بے حقیقت ایمان کی نقاب کشائی کی گئی تھی اور اس سورہ میں حقیقی ایمان کی شناخت کرائی گئی ہے کہ کس طرح لوگ ایک انسان پر نزول قرآن کو تعجب خیز قرار دے چکے ہیں، حالانکہ اس میں کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔

اس سورہ کا بیشتر حصہ عقیدہ قیامت، دلائل قیامت اور احوال قیامت سے متعلق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حرف قٓ سے اسی قیامت کی طرف اشارہ ہو یا اس قرآن کی طرف اشارہ ہو جس کا ذکر بلا فصل کیا گیا ہے، یا اس تقویٰ کی طرف اشارہ ہو جس کا فعل امر عربی زبان میں "قِ" ہوتا ہے۔

● ابتدا میں قیامت پر اس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے کہ خاک میں مل جانے کے بعد دوبارہ کس طرح واپس لایا جائے گا حالانکہ ہم ان کے اجسام کی ہر تبدیلی سے باخبر ہیں۔ انھوں نے یہ کیوں نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سروں پر آسمان بنا دیے ہیں اور انھیں ستاروں سے آراستہ کر دیا ہے۔ زمین کا فرش بچھا دیا ہے۔ اس میں پہاڑ نصب کر دیے ہیں۔ طرح طرح کے سبزے اگا دیے ہیں۔ آسمان سے پانی نازل کر کے مُردہ زمینوں کو زندہ بنا دیا ہے۔ باغات اور نخلستان اُگا دیے ہیں ـــ تو جو قادر مطلق اتنے کام انجام دے سکتا ہے وہ مُردوں کو قبروں سے کیوں نہیں نکال سکتا ہے۔

● اس کے بعد تاریخ اقوام کا حوالہ دیا گیا کہ قوم نوح، اصحاب الرس، قوم ثمود،

عاد، فرعون، قوم لوط، اصحاب الایکہ، قوم تُبّع سب نے مرسلین کا انکار کیا اور ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا ہے۔ ہم نہ پہلے تخلیق سے عاجز تھے اور نہ اب اس میں کسی شُبہ کی گنجائش ہے۔ ہمیں نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے وسوسوں سے باخبر ہیں اور اس سے رگ گردن سے زیادہ قریب تر ہیں۔

● ہم نے داہنے بائیں دو فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو اس کے تمام اقوال اور افعال کو درج کر رہے ہیں۔ پھر ایک دن موت کا نشہ طاری ہوگا اور موت کے بعد صور پھونک کر سب کو زندہ کر دیا جائے گا اور انسان جن حقائق سے غافل تھا سب بے نقاب ہو جائیں گے۔ فرشتے نامۂ اعمال کو پیش کریں گے اور پروردگار کفار اور ظالمین کو جہنم میں ڈال دینے کا حکم نافذ کر دے گا۔

اس وقت شیطان کہے گا کہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا ہے۔ یہ خود ہی گمراہ تھا۔ ارشاد ہوگا کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو۔ میں اپنی وعید کا اعلان کر چکا ہوں اور میری بات میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور نہ میں ظلم کرتا ہوں۔

اس کے بعد جہنم مزید ظالموں کا تقاضا کرے گا اور کوئی ایک باقی نہ رہ جائے گا۔

● دوسری طرف جنت صاحبانِ تقویٰ سے قریب تر کر دی جائے گی اور خوفِ خدا رکھنے والوں کو حکم ہوگا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں سکونت اختیار کرلیں۔ وہاں خواہش کے مطابق ہر نعمت موجود ہوگی بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوگا۔

● ہم نے ان منکرین سے زیادہ طاقتور قوموں کو ہلاک کر دیا ہے اور اس میں صاحبانِ عقل و ہوش کے لیے مکمل نصیحت کا سامان موجود ہے۔

● ہم نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا ہے اور ہمیں کسی طرح کی تھکن لاحق نہیں ہوئی ہے۔

● صاحبانِ ایمان کا فرض ہے کہ کفار کی بکواس پر صبر کریں اور صبح و شام تسبیح پروردگار کرتے رہیں۔ رات میں بھی اور سجدوں کے بعد بھی تسبیح پروردگار

کرتے رہیں۔

● وہ دن آنے والا ہے جب سب صدائے آسمانی کو سُن لیں گے اور وہی قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ موت و حیات سب ہمارے ہی اختیار میں ہے اور سب کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے۔

● اُس دن زمین شگافتہ ہو کر تمام مُردوں کو باہر نکال دے گی اور اس طرح حشر و نشر کا مرحلہ فوری طور پر بآسانی طے ہو جائے گا۔ ہم ان کی باتوں سے باخبر ہیں اور آپ جبر کرنے والے نہیں ہیں۔ بس آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں جو عذاب الٰہی سے ڈرنے والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ذاریات

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۶۰ آیات ہیں۔

اس کی ابتداء بھی سورۂ قٓ کی انتہاء سے ہوئی ہے کہ سورۂ قٓ کی انتہاء پر مسئلہ قیامت کا ذکر کیا گیا تھا اور اس سورہ کی ابتداء بلکہ اس کا مرکزی نقطہ کل مسئلہ معاد ہے جس کو مختلف سوروں میں موضوع کلام قرار دیا گیا ہے اور جس کے بغیر عدل و ظلم، خیر و شر، دین و بے دینی اور نیک و بد کا کوئی معنی خیز تصور نہیں رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ مسئلہ قیامت کے ثابت کرنے میں قدرت پروردگار کا حوالہ دیتا ہے تاکہ عقیدہ صرف عقیدہ نہ رہ جائے بلکہ ایک طرح سے مشاہدہ کی حد میں آجائے اور ہر شخص محسوس کر لے کہ جو پروردگار اتنی بڑی کائنات کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ اس سورہ میں بھی اولاً ہواؤں اور بادلوں کی تخلیق اور ان کے آثار و نتائج کا تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد قیامت کے وعدہ کو سچا قرار دیا گیا اور پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جس طرح آسمان میں مختلف راستے ہیں اسی طرح زمین کے بسنے والوں کے بھی مختلف مسلک ہیں لیکن انسان کو غفلت سے نکل کر ہوش کے ناخن لینا چاہیئے اور اس آگ کا انکار نہیں کرنا چاہیئے جس میں منکروں کو ایک دن جلنا پڑے گا۔

● منکرین کی سزا کے بعد متقین کے انعامات کا ذکر کیا گیا کہ ان کے لیے باغات اور چشمے ہیں اور نعمتوں کا ایک انبار ہے۔ اس لیے کہ یہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کرتے تھے، سائل اور محروم کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دے دیا کرتے تھے۔

● پھر صاحبان یقین کے لیے زمین میں بھی قدرت کی نشانیاں ہیں اور خود ان کے نفس کے اندر بھی ـــ اور رزق تو آسمان میں رکھا گیا ہے اور یہ سارے مسائل یوں ہی برحق ہیں جیسے تمہارا گفتگو کرنا۔

● اس کے بعد اس کا ثبوت قصۂ ابراہیمؑ سے پیش کیا گیا کہ فرشتوں نے آکر انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور انھیں اجنبی تصور کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھُنا ہوا بچھڑا لاکر پیش کیا۔ ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا تو خوف محسوس کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم ایک فرزند دانا کی بشارت لے کر آئے ہیں۔

یہ سُن کر ان کی زوجہ نے منھ پیٹ لیا کہ میں تو بانجھ ہوں، یہ اولاد کیسے ہوگی ـ! فرشتوں نے کہا کہ مرضی پروردگار یہی ہے اور وہ حکیم و دانا ہے۔ اس میں کسی شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر فرشتوں سے وجہ آمد دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم قوم پر عذاب نازل کرنے جارہے ہیں۔ وہاں سے مومنین کی جماعت کو نکال کر سب کو تہس نہس کردیں گے ـــ اور ایسا ہی ہوا کہ عذاب الیم سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نشانی رہ گئی اور بس!

● پھر قوم موسیٰؑ کا یہی حشر ہوا کہ فرعون نے طاقت کے زور پر انھیں جادوگر اور دیوانہ کہہ دیا اور ہم نے سب کو دریا میں غرق کردیا۔

● قوم عاد کا بھی یہی حال ہوا کہ انھیں ایک تیز و تند ہوا کے ذریعہ فضا کے ذرّات کی طرح اُڑادیا گیا۔

● اور قوم ثمود نے بھی سرکشی اختیار کی تو انھیں بھی ایک بجلی سے خاکستر بنادیا گیا۔

● ان سے پہلے قوم نوحؑ کا بھی یہی حال تھا کہ اسے بھی غرق طوفان کردیا گیا۔

● ان سب کو سوچنا چاہیے تھا کہ ہمیں نے آسمان کو اپنی طاقت سے بنایا ہے اور اسے برابر وسعت دے رہے ہیں۔ ہمیں نے زمین کا فرش بچھایا ہے اور بہترین بنایا ہے، ہمیں نے ہر شے کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ اب تم سب بھاگ کر اللہ کی طرف آجاؤ کہ میں تمھیں عذابِ الٰہی سے ڈرا رہا ہوں۔ خبردار! دوسرا خدا اختیار نہ کرنا کہ میں اس کے انجام سے بھی باخبر کررہا ہوں۔

● ہر قوم کا یہی حال رہا ہے کہ مرسلین کو جادوگر یا مجنون کہتی رہی ہے۔ حالانکہ یہ سب خود ہی گمراہ اور سرکش تھے۔

● پیغمبرؐ! آپ ان سے منھ پھیر لیں۔ آپ کی کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ صاحبانِ ایمان کو یاد دہانی کراتے رہیں کہ یاد دہانی صاحبانِ ایمان کے حق میں مفید ہوا کرتی ہے۔

● ہم نے انسان اور جنّات کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے ــــ ہم نہ ان سے رزق چاہتے ہیں اور نہ کوئی کھانا۔ رزق دینے والا صاحب قوت و استحکام صرف پروردگار ہے۔

● ان ظالموں کے لیے وہی عذاب ہے جو پہلے کے ظالموں کے لیے تھا لہٰذا جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کفار کے لیے وہ دن انتہائی افسوس ناک ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے اور جس سے انھیں ڈرایا جا رہا ہے۔

(قیامت سے شروع ہونے والا یہ سورہ قیامت کے تذکرہ پر تمام ہوگیا اور یہ سبق دے گیا کہ انسان کو عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے اور بطور استہزاء و تمسخر عذاب میں عجلت کا تقاضا نہیں کرنا چاہیے کہ عذاب آجاتا ہے تو قومیں صفحۂ ہستی سے محو ہوجاتی ہیں۔ ایک دو انسانوں کے وجود کا کیا ذکر ہے۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ طور

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۴۹ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس کا موضوع کلام بھی عقیدہ ہی ہے اور عقیدہ کی دنیا میں بالخصوص قیامت پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورہ کا آغاز ذکر طور سے ہوا ہے جو حضرت موسیٰؑ کا مرکز مناجات ہونے کے باوجود بنی اسرائیل کے لیے وسیلۂ عذاب بن گیا تھا اور اس طرح عالم انسانیت کو عذاب سے ہوشیار بھی کر دیا گیا ہے اور سابق سورہ سے ارتباط بھی پیدا ہو گیا ہے کہ اس کا خاتمہ ذکر عذاب پر ہوا تھا اور اس کا آغاز ذکر عذاب قیامت سے ہوا ہے۔

● طور، کتاب مسطور، بیت معمور، آسمان بلند اور بحر شعلہ ور کی قسم کہ عذاب الٰہی اسی طرح واقع ہونے والا ہے جس طرح پروردگار نے ان مخلوقات کو عجیب و غریب انداز سے خلق کیا ہے کہ پہاڑ کو سروں پر بلند کر دیا۔ بیت معمور کو مستقل آسمان پر بنا دیا۔ آسمان کو بغیر ستون کے قائم کر دیا۔ پانی میں برقی لہریں ایجاد کر دیں تو جو خالق یہ سارے کام کر سکتا ہے وہ مُردوں کو زندہ بھی کر سکتا ہے۔

● اس کے بعد قیامت کی منظر کشی کی گئی کہ آسمان چکرانے لگیں گے، پہاڑ حرکت میں آجائیں گے اور ویل ان تکذیب کرنے والوں کے لیے ہو گا جو مہملات اور کھیل تماشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس دن انھیں جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا کہ تم اسی جہنم کا انکار کر رہے تھے۔ اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو گئے ہو۔ اب اسی میں جلنا اور تپنا ہو گا چاہے صبر کرو یا نہ کرو کہ یہ تمہارے اعمال کی واقعی سزا ہے۔

● البتہ متقین باغات اور نعمات میں ہوں گے، عطائے پروردگار پر خوش و خرم ہوں گے، عذاب جہنم سے محفوظ ہوں گے۔ ہر طرح کے کھانے پینے کا آرام ہوگا، بہترین بستروں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور حسین ترین حوروں کی زوجیت کا لطف حاصل ہوگا۔

● پھر اگر ان کی اولاد نے ان کا ساتھ دیا ہے تو ان کے لیے بھی یہی نعمتیں ہوں گی۔ اور کسی کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ وہاں میوے بھی ہوں گے اور بہترین پسندیدہ گوشت بھی ہوگا، دور شراب طہور چل رہا ہوگا، نہ لغویات نہ بدمستی۔ موتیوں جیسے نوجوان خدمت گذار مصروف خدمت ہوں گے اور آپس میں کہیں گے کہ ہمیں تو خوف خدا کا انعام مل گیا۔ ہم اسی لیے اسے پکارتے تھے کہ وہ احسان کرنے والا اور مہربان ہے۔

● پیغمبر! آپ انھیں یاد دہانی کراتے رہیں۔ آپ فضل خدا سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون۔ اور اگر یہ شاعر ہونے کا الزام دیتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ حقائق کا انتظار کرو میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے اور شاعری کسے کہتے ہیں۔

آخر یہ لوگ خواب دیکھ رہے ہیں یا سرکش ہو گئے ہیں؟ یا آپ کی باتوں کو افترا کہہ رہے ہیں یا واقعی بے ایمان ہیں۔؟

یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو قرآن جیسا کوئی کلام لے آئیں یا یہ بتائیں کہ یہ بغیر کسی شے کے از خود پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہی خالق بن گئے ہیں؟ یا آسمان و زمین کو پیدا کر لیا ہے؟ ان کے پاس پروردگار کے خزانے آ گئے ہیں؟ یا یہ سیڑھی لگا کر آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں اور وہاں سے کوئی خبر لا رہے ہیں؟ یا انھیں غیب کا علم حاصل ہو گیا ہے اور اسی کو لکھ رہے ہیں؟ یا آپ نے ان سے کوئی اجر مانگ لیا ہے کہ یہ اسی کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں؟ یا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کے پاس لڑکے ہیں اور خدا لڑکی والا ہے لہٰذا یہ اکڑ رہے ہیں؟ یا یہ کوئی مکر کر رہے ہیں اور انھیں اندازہ نہیں ہے کہ مکر کا مزہ کافروں کو چکھنا پڑتا ہے؟ یا انھیں کوئی دوسرا خدا مل گیا ہے جب کہ خدا ہر شرک سے پاک و پاکیزہ ہے۔؟

● یہ آسمان کے ٹکڑوں کو گرتا ہوا بھی دیکھ لیں گے تو اسے تہ بہ تہ بادلوں کا

نام دے دیں گے لہٰذا انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ یہ بیہوش بنانے والے دن کو دیکھ لیں جب کوئی مکر کام آنے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔ ظالموں کے لیے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے جس کا علم ان کی اکثریت کو نہیں ہے۔

● آپ حکم خدا کے لیے صبر کریں کہ آپ ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور جب بھی اٹھیں تسبیح پروردگار کرتے رہیں۔ راتوں میں بھی تسبیح کریں اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی ـــ کہ تسبیح سے بہتر کائنات کا کوئی عمل نہیں ہے اور یہی عمل انسان کو عذاب الٰہی سے بچا سکتا ہے۔ جس طرح یونس کو شکم ماہی کے اندر حیات، بقا، سکون اور اطمینان عنایت کر دیا۔!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ النجم

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۶۲ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس کا بنیادی موضوع بھی مسئلہ عقائد ہے اور خصوصیت کے ساتھ صداقتِ پیغمبر اسلامؐ اور حقانیت روز قیامت پر زور دیا گیا ہے کہ رسالت کے بغیر احکام کی زمین طے نہیں ہوتی ہے اور قیامت کے بغیر اس پر عملدرآمد کا امکان نہیں پیدا ہوتا ہے۔

اس سورہ کا آغاز اسی لفظ نجم سے ہوا ہے جس پر سورۂ طور کی انتہا ہوئی تھی کہ وہاں تمام نجوم کے غروب پر تسبیح کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں ایک نجم کے ٹوٹ کر گرنے کو عظمتِ پیغمبرؐ کی دلیل قرار دیا گیا ہے کہ جب آسمان سے ٹوٹتا ہوا ستارہ نہیں بھٹکتا ہے تو پروردگار کا بھیجا ہوا پیغمبرؐ کس طرح بھٹک سکتا ہے۔ ضمناً معراج پیغمبرؐ کا تذکرہ بھی کر دیا گیا تاکہ اس کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے شبہات کا بھی جواب دیا جاسکے کہ جس پروردگار کی قدرت سے اُدھر کا ستارہ اِدھر آسکتا ہے اسی کی طاقت و عنایت سے اِدھر کا بندہ اُدھر جا سکتا ہے، اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

● ٹوٹتے ہوئے ستارہ کی قسم کہ پیغمبرؐ نہ بہکا ہے نہ گمراہ ہوا ہے، وہ صرف وحی الٰہی کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ اسے پروردگار نے علم دیا ہے۔ وہ بلند ترین آفاق تک پہونچا ہے اور قرب کی تمام منزلیں طے کی ہیں۔ اس پر پروردگار نے مخصوص وحی کی ہے اور اس نے حقائق کو اپنی نگاہ سے دیکھا اور اپنی فکر سے سمجھا ہے۔ اس میں کسی وہم و خیال کا گذر نہیں ہے۔ اس نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماویٰ کو بھی دیکھا ہے اور اللہ کی عظیم نشانیوں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔

● تم لوگوں نے لات و منات و عزّیٰ کو ضرور دیکھا ہے مگر یہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ یہ

انتہائی ظالمانہ تقسیم ہے کہ اپنے لیے بیٹے بنائے جائیں اور پروردگار کے لیے بیٹیاں۔ یہ صرف چند نام ہیں جو تم نے رکھ لیے ہیں۔ ان کا خدائی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی دلیل ہے۔

● انسان کی تمام خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ دنیا و آخرت کا اختیار صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فرشتے بھی اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ بے ایمان افراد فرشتوں کو لڑکیوں کے نام دیدیتے ہیں جب کہ انھیں اس امر کا کوئی علم نہیں ہے اور گمان کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے۔

● آپ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔ خدا گمراہ اور ہدایت یافتہ سب کو جانتا ہے اور آسمان و زمین کا سارا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بدعمل افراد کو عمل کے مطابق سزا دیتا ہے اور نیک کرداروں کو جزا عنایت کرتا ہے مگر نیک کردار وہی ہیں جو گناہانِ کبیرہ سے پرہیز کرتے ہیں اور معمولی خطاؤں کے علاوہ ہر گناہ سے دور رہتے ہیں۔ وہ تمھارے وجود سے مکمل طور پر باخبر ہے لہٰذا اس کے سامنے اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو۔

● اس کے بعد بطور مثال ولید بن مغیرہ کے کردار کو پیش کیا گیا کہ اس نے تھوڑا مال دے کر باقی سب روک لیا کہ شاید اسے مستقبل کے غیب کا علم ہے اور وہ حالات کو دیکھ رہا ہے۔ کیا اسے صحف موسیٰؑ و ابراہیمؑ کی خبر نہیں ہے جس میں صاف اعلان ہے کہ کوئی شخص کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے اور انسان کو صرف بقدر کوشش نتیجہ حاصل ہونے والا ہے۔ اس کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

● آخری منزل پروردگار ہے جس نے ہنسایا اور رُلایا ہے اور موت و حیات دی ہے۔ نر و مادہ کو پیدا کیا ہے اور پھر دوسری ایجاد بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی نے مالدار اور سرمایہ دار بنایا ہے وہی ستارۂ شعریٰ کا مالک ہے۔ اسی نے قومِ عاد و ثمود کو ہلاک کیا ہے اور اس سے پہلے قومِ نوح پر عذاب نازل کیا ہے اور قومِ لوط کا تختہ اُلٹ دیا ہے۔ اب پروردگار کی کس نعمت میں شک اور شبہ ہے۔ یہ تو ایک ڈرانے والا انسان ہے۔ قیامت قریب آگئی ہے اور اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور گریہ کرنے کے بجائے ہنس رہے ہو اور بالکل غافل ہو تو اب عافیت اسی میں ہے کہ اللہ کا سجدہ کرو اور اسی کے لیے عبادت کرو۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ القمر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۵ آیات ہیں۔

اس کی ابتدا اسی قرب قیامت سے ہوئی ہے جس کی طرف سورۂ نجم کے اختتام پر اشارہ کیا گیا تھا اور یوں بھی نجم اور قمر میں ویسا ہی ارتباط پایا جاتا ہے جیسا کہ نجوم اور نجم کے تذکرہ میں پایا جاتا تھا۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس کا موضوع بھی عقیدہ ہے اور خصوصیت کے ساتھ عقیدۂ قیامت کا تذکرہ کیا گیا ہے جہاں مشرکین کے انکار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی تردید میں شق القمر کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے زیادہ واضح کوئی دلیل ممکن نہیں ہے۔

● قیامت قریب آگئی ہے اور چاند ٹکڑے ہو گیا ہے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی بھی نشانی دیکھتے ہیں تو منھ پھیر لیتے ہیں اور مسلسل جادو کا نام دے دیتے ہیں اور یہ صرف خواہش پرستی کا نتیجہ ہے ورنہ عبرت کے تمام مناظر سامنے آچکے ہیں اور حکمت کی ساری باتیں بیان کی جاچکی ہیں۔

● پیغمبرؐ! آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیں اور اس دن کا انتظار کریں جب داعی الٰہی آواز دے گا اور سب قبروں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑیں گے اور کفار کو احساس پیدا ہوگا کہ آج کا دن انتہائی سخت دن ہے۔

● اس کے بعد ان تمام اقوام کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے رسالت یا قیامت کا انکار کیا تھا اور آخر میں تباہ و برباد ہو گئیں۔

قوم نوحؑ نے جناب نوحؑ کو مجنون قرار دے دیا تو انھوں نے فریاد کی اور پروردگار نے آسمان سے موسلا دھار بارش کر دی اور زمین سے بھی پانی اُبلنے لگا جس کے نتیجہ میں کشتیٔ نوحؑ کے سوار تو پار لگ گئے لیکن باقی تمام افراد تباہ و برباد ہو گئے۔

• یہی حال قوم عاد کا ہوا کہ انھیں بھی تیز و تند ہوا نے تباہ کر دیا اور لوگ اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے کی طرح اُڑ گئے۔

• قوم ثمود کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہے کہ اس نے بھی رسالت کا انکار کیا کہ اپنے جیسے بشر کا اتباع نہیں کیا جا سکتا ہے تو پروردگار نے ایک اونٹنی کو بطور امتحان بھیجا اور قوم نے اسے ہلاک کر دیا تو پھر سب کو ایک چنگھاڑ کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا گیا۔

• قوم لوط بھی انھیں تکذیب کرنے والی قوموں میں شامل تھی کہ اس نے جناب لوطؑ سے مہمانوں کے بارے غلط خواہشات کا تقاضا کیا اور نبی کی بات کا اعتبار نہ کیا تو صبح ہوتے ہوتے انھیں بھی سنگسار کر دیا گیا۔

• آل فرعون کا کردار بھی ایسا ہی تھا کہ ان پر نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو ہم نے انھیں بھی غرق دریا کر دیا۔

• قرآن مجید میں یہ سارے بیانات نہایت ہی واضح انداز سے پیش کر دیے گئے ہیں کہ شاید کوئی نصیحت حاصل کر لے۔ اب آپ ان کفار سے سوال کریں کہ کیا ان کی طاقت گذشتہ اقوام سے زیادہ ہے یا انھیں کو برات نامہ لکھ کر دے دیا گیا ہے یا ان کا خیال ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے بھروسے پر کامیابی حاصل کر لیں گے جب کہ وقت آنے پر سب ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور قیامت تو بہرحال آنے والی ہے جو اس سے کہیں زیادہ سخت منزل ہے۔

• مجرمین کا انجام ان کی گمراہی اور دیوانگی کی بنا پر یہ ہے کہ انھیں آگ پر منھ کے بل کھینچا جائے گا کہ اپنے کرتوت کی بنا پر آگ کا مزہ چکھیں۔

• ہم نے ہر چیز کو ایک خاص نظام کے تحت پیدا کیا ہے اور ایک لمحہ میں فنا کر سکتے ہیں۔ اس کے پہلے قوموں کو فنا بھی کیا جا چکا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نہیں ہے؟!

• انسانوں کے تمام اعمال "نامۂ اعمال" میں محفوظ ہیں اور سارے چھوٹے بڑے کام لکھے ہوئے ہیں۔ متقین کی جگہ باغات اور نہروں کے درمیان ہے جہاں مالک کائنات کی بارگاہ میں ایک پاکیزہ مقام پر قیام ہوگا۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ رحمٰن

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۷۸ آیات ہیں۔

سورۂ قمر کا اختتام اللہ کی رحمت و مہربانی کے تذکرہ پر ہوا تھا جہاں صاحبانِ تقویٰ اس کی بارگاہ میں پاکیزہ مقام پر قیام پذیر ہوں گے تو اس سورہ کا آغاز مکمل رحمت کے اعلان سے ہوا ہے اور پروردگار کو نام کے بجائے صفت رحمان سے یاد کیا گیا ہے اور اس کی رحمتوں میں سب سے عظیم رحمت تعلیم قرآن کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ مہربانی خود تخلیق انسان اور قوت بیان سے بھی بالاتر ہے۔ انسان لاکھ انسان دکھائی دے اور اس کے پاس کیسی ہی قوت گویائی کیوں نہ ہو۔ اگر علم قرآن نہیں ہے تو انسان کہے جانے کے قابل نہیں ہے اور گویا عظیم ترین رحمتِ الٰہی سے محروم ہے۔

یہ سورہ اگرچہ مدنی ہے لیکن اس میں خطاب انھیں افراد سے ہے جن کا کام ہر رحمتِ الٰہی اور کرامتِ پروردگار کا انکار کرنا ہے اور وہ کسی حقیقت کو تسلیم کرنے والے نہیں ہیں۔

مدینہ میں اس سورہ کا نزول علامت ہے کہ مکہ والوں کی طرح مدینہ والے یا مدینہ آجانے والے افراد میں بھی انکار و تکذیب کا جذبہ موجود تھا اور وہ ہر نعمتِ الٰہی کو ماننے اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ان نعماتِ الٰہیہ کی ترتیب کچھ اس طرح ہے:

● رحمان نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ انسان کو پیدا کیا ہے اور اسے بیان کی تعلیم دی ہے۔ شمس و قمر ایک حساب کے مطابق چل رہے ہیں اور گیاہ و شجر اس کی بارگاہ میں سربسجود ہیں۔ آسمان کی بلندی اور میزان کا قیام اسی کا رحم و کرم ہے تاکہ تم لوگ میزان

کے بارے میں سرکشی نہ کرو اور ناپ تول کا کام انصاف کے ساتھ انجام دو۔ اس نے زمین کو انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے جس میں میوے اور کھجور، دانے اور پھول سب کچھ پائے جاتے ہیں تو پھر تم دونوں (انسان وجنات) اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

● اس نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی اور جنات کو بھڑکتی ہوئی آگ سے پیدا کیا ہے۔

● وہ ہر مشرق و مغرب کا پروردگار ہے۔

● اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں اور ان کے درمیان برزخ رکھا ہے تاکہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرسکیں اور پھر ان دریاؤں سے موتی مونگے برآمد کیے ہیں۔

● اس نے دریاؤں میں پہاڑوں کی طرح کشتیاں چلائی ہیں جو اپنے وزن کے باوجود غرق نہیں ہوتی ہیں۔

● روئے زمین کے تمام باشندے فنا ہوجانے والے ہیں۔ بقا صرف ذات پروردگار کے لیے ہے۔

● آسمان وزمین کے تمام باشندے اسی سے سوال کرتے ہیں اور وہ ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔

● ہم عنقریب تمہاری طرف رُخ کرنے والے ہیں۔

● انسان وجنات! تم حدودِ آسمان وزمین سے باہر نکلنا چاہو تو بغیر طاقت وغلبہ کے یہ کام انجام نہیں دے سکتے ہو۔

● تم پر آگ کا سبز شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو تم کسی طرح روک نہیں سکتے ہو۔

● جب آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سرخ ہوجائے گا۔

● تب کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرمین کو علامتوں سے پہچان لیا جائے گا اور پیشانی اور پیروں سے پکڑ لیا جائے گا۔

● یہ وہ جہنم ہے جس کا مجرمین انکار کر رہے تھے۔ اب آگ اور کھولتے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں۔

● مقام ربوبیت سے ڈرنے والے افراد کے لیے دو جنتیں ہیں جہاں شاخیں میوؤں سے لدی ہوں گی۔ دو دو چشمے جاری ہوں گے اور ہر میوہ کا جوڑا ہوگا۔ یہ ان فرشوں پہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر اطلس کے ہوں گے اور پھل قریب ترین ہوں گے۔ وہ حوریں ہوں گی جنھیں انسان و جنات کسی نے چھوا بھی نہ ہوگا اور ان کا رنگ یاقوت اور مرجان جیسا ہوگا۔

● احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

● اس کے علاوہ دو باغات اور ہوں گے جو نہایت درجہ سرسبز و شاداب ہوں گے اور ان کے اندر جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہوں گے۔

● ان میں میوے، خرمے اور انار ہوں گے۔

● ان میں خوب صورت اور نیک سیرت عورتیں ہوں گی جو اپنے خیموں کے اندر چھپی بیٹھی ہوں گی اور انھیں انس و جن کسی نے مس نہ کیا ہوگا۔

● وہ سبز قالینوں اور بہترین مسندوں پر ٹیک لگائے ہوں گے۔

● نام خدا انتہائی بابرکت ہے جو صاحب جلال بھی ہے اور صاحب اکرام بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ واقعہ

یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۹۶ آیات ہیں۔

سورۂ مبارکہ رحمٰن کا خاتمہ پروردگار کے صاحب جلال واکرام ہونے پر ہوا تھا لہٰذا اس سورہ کا آغاز اس جلال کی منظرکشی سے ہوا ہے جس کا مشاہدہ ہول قیامت کی شکل میں ہوگا جب دنیا الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ زمین کو جھٹکے لگیں گے۔ پہاڑ ذرات بن کر اڑ جائیں گے اور لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو کر صاحب جلال واکرام کے سامنے پیش ہوں گے۔ بعض اصحاب یمین ہوں گے اور بعض اصحاب شمال اور دونوں کا حال قابل غور ہوگا۔ صرف سابقین السابقین ہوں گے جو پروردگار کی بارگاہ کے مقرب اور جنت نعیم کے وارث ہوں گے۔ اور یہ وراثت کوئی نسلی یا قومی ٹھیکہ نہیں ہوگی بلکہ اس میں کچھ افراد اولین کے ہوں گے اور کچھ آخرین کے۔ موتی اور یاقوت جڑے تختوں پر تکیے لگائے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ہمیشہ رہنے والے نوجوان خدمت گذار ان کے گرد گردش کر رہے ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں جام، پیمانے اور سبو ہوں گے۔ جن میں ڈنڈی بھی ہوگی۔ اس شراب میں نہ درد سر ہوگا اور نہ مدہوشی۔ پسندیدہ پھل اور تازہ ترین گوشت حاضر ہوگا۔ رفاقت کے لیے کشادہ چشم حوریں موجود ہوں گی جیسے دُرِّ مکنون، اور یہ سب ان کے اعمال نیک کی جزا میں ہوگا۔ وہاں کسی لغو بات یا گناہ کی آواز بھی نہ سنائی دے گی۔ صرف ہر طرف سلامتی کی پکار ہوگی۔

● اس کے بعد اصحاب یمین اس سے کمتر درجہ میں ہوں گے لیکن ان کے واسطے بھی بغیر کانٹے کی بیر، لدے ہوئے کیلے کے گچھے، وسیع ترین سایۂ رحمت، بھرنے سے گرتا ہوا پانی۔ بے شمار پھل، بلند ترین فرش۔ وہ حوریں جنھیں خاص طریقہ سے پیدا کیا گیا

ہے اور ہمیشہ کنواری رہنے والی ہیں اور ہمجولیاں ہیں۔ یہ اصحاب یمین بھی کچھ اولین میں سے ہوں گے اور کچھ آخری دور والے۔

● اس کے بعد اصحاب شمال کا حال بدتر ہوگا۔ زہریلی ہوائیں اور کھولتا پانی۔ کالے دھوئیں کا سایہ۔ نہ سرد نہ خوش گوار۔ یہ لوگ دنیا میں بہت مال دار اور مغرور تھے۔ گناہوں پر اصرار کیا کرتے تھے اور آخرت کا مسلسل انکار کیا کرتے تھے۔ جب کہ باربار اعلان کر دیا گیا تھا کہ ایک معین دن میں جمع کیا جائے گا۔

اور گمراہوں کو زقوم کا پھل بھر پیٹ کھلایا جائے گا اور اس پر کھولتا پانی پلایا جائیگا جسے شدت عطش میں پیاسے اونٹ کی طرح پئیں گے اور یہی ان کی ضیافت ہوگی۔

یہ سارے واقعات اتنے یقینی ہیں کہ گویا پیش آچکے ہیں اور ان میں کسی غلط بیانی کا امکان نہیں ہے۔ ان میں اصحاب شمال کا حشر خدا کے صاحب جلال ہونے کی علامت ہے اور اصحاب یمین و مقربین کا انعام اس کے صاحب اکرام ہونے کی نشانی ہے۔

● انسانو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو ہماری بات کا اعتبار کیوں نہیں کرتے ہو۔؟ آخر یہ نطفہ سے انسان تم نے بنایا ہے یا ہم نے بنایا ہے؟ آخر موت بھی ہماری ہی مقرر کی ہوئی ہے اور تم ہم سے آگے نہیں جاسکتے ہو۔ ہم تمہیں بدل کر دوسری قوم بھی لاسکتے ہیں۔ تم نے تو پہلی خلقت کو دیکھ لیا ہے پھر اب کس بات میں شک کر رہے ہو۔؟

● ذرا اس زراعت کو دیکھو کہ اسے تم نے پیدا کیا ہے یا ہم نے؟ ہم چاہتے تو اسے چور چور کر دیتے اور تم باتیں ہی بناتے رہ جاتے اور پھر خسارہ کا اقرار کر لیتے۔

● دیکھو یہ پانی بھی تم نے نازل کیا ہے یا ہم نے؟ ہم چاہتے تو اسے کھارا بنا دیتے تو پینے کے قابل بھی نہ ہوتا تو اب شکریہ کیوں ادا نہیں کرتے ہو؟

● پھر آگ کو دیکھو کہ اس کے درخت کو کس نے پیدا کیا ہے۔ ہم نے ان سب کو نصیحت کا سامان اور مسافروں کے نفع کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

اب اپنے خدائے عظیم کی تسبیح کرو اور میں تو ستاروں کے منازل کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو بہت عظیم قسم ہے کہ یہ قرآن کریم ہے جسے پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے اور اس تک پاکیزہ

نفس افراد کے علاوہ کسی کی رسائی نہیں ہے۔ یہ رب العالمین کی تنزیل ہے۔ افسوس کہ تم لوگ اس کا انکار کر رہے ہو، اور اسی انکار کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہو۔

اگر تم ایسے ہی آزاد اور صاحب اختیار ہوتے تو جب موت گلے تک پہونچ جاتی تو زندگی کو واپس کر لیتے۔ یہ آخر دیکھتے ہی کیوں رہ جاتے ہو۔

● یاد رکھو کہ مقربین الٰہی کے لئے آسائش، خوشبودار پھول اور نعمت کے باغات ہیں اور اگر اصحاب یمین میں ہے تو اس کی طرف سے بھی تمہارے لیے سلام ہے۔ اور اگر مرنے والا مکذبین اور منکرین میں ہے تو کھولتے پانی کی مہمانی اور جہنم کی تپش ہے اور یہ مسئلہ بالکل حق الیقین کی منزل میں ہے، لہٰذا اب بھی اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ حدید

یہ سورہ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اس سورہ کا لطفِ کلام یہ ہے کہ سورۂ واقعہ کا اختتام حکم تسبیح پر ہوا تھا اور اس کا آغاز تفصیل تسبیح سے ہوا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے کہ وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ آسمان و زمین کا ملک اسی کا ہے۔ موت و حیات اسی کے اختیار میں ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔

● اسی نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا ہے اور عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے۔ زمین کے اندرونی ذخائر اور آسمان سے نازل ہونے والے قطرات یا اُدھر جانے والی آہیں اور دُعائیں سب اس کے علم میں ہیں اور وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور سینوں کے اندر چھپے ہوئے رازوں سے بھی باخبر ہے۔

● اب اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور جس مال میں اس نے تمہیں جانشین بنایا ہے اسے اس کی راہ میں خرچ کرو کہ ایمان و انفاق کا اجر بہت عظیم ہے۔

● آخر جب رسول ایمان کی دعوت دے رہا ہے تو ایمان کیوں نہیں لاتے ہو اور اس نے تو صاحبانِ ایمان سے عہد بھی لے لیا ہے۔

● پروردگار اپنے بندے پر کھلی ہوئی نشانیاں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور وہ تمہارے حال پر بیحد مہربان ہے۔

● آخر راہِ خدا میں خرچ کیوں نہیں کرتے ہو جب کہ زمین و آسمان کی میراث اسی کے لیے ہے اور فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کا مرتبہ فتح کے بعد کے عمل سے بہت بہتر ہے۔

● کون ہے جو خدا کو قرض دے تاکہ وہ اسے کئی گُنا بنا کر واپس کرے اور با عزت اجر دے کہ اس کی راہ میں انفاق ایک طرح کا قرض ہے جسے بہر حال واپس ہونا ہے۔

● اہلِ ایمان روز قیامت اس طرح چلیں گے کہ نورِ ایمان ہر طرف سے ساتھ ہو گا اور انھیں جنت کی بشارت دی جائے گی کہ یہی عظیم کامیابی ہے۔

● قیامت کے دن منافقین صاحبانِ ایمان سے نور کی بھیک مانگیں گے اور وہ کہیں گے کہ جاؤ کہیں اور نور تلاش کرو اور پھر دونوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی جس میں دروازہ تو ہو گا لیکن ایسا کہ اندر رحمت ہی رحمت ہو گی اور باہر عذاب ہی عذاب ہو گا۔ پھر اصحاب جہنم اصحاب جنت سے پکار کر کہیں گے کہ آخر ہم بھی تو تمھارے ہی ساتھ تھے اور وہ جواب دیں گے کہ تم فتنوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور تمھیں خواہشات نے بہکا دیا تھا تو اب شیطانی دھوکہ کا کیا علاج ہے؟ آج تو کوئی فدیہ بھی نہیں لیا جا سکتا ہے۔ آج کا انجام جہنم ہے اور وہی تمھارا صاحب اختیار ہے اور بد ترین انجام۔

● آخر صاحبانِ ایمان کے لیے وہ وقت کیوں نہیں آیا کہ ان کے دل یادِ خدا اور احکامِ الٰہیہ کے سامنے جھک جائیں اور اہلِ کتاب کی طرح سنگدل نہ ہو جائیں کہ ان کی اکثریت تو فاسق ہے۔

● یاد رکھو پروردگار ہی مُردہ زمینوں کو زندہ بناتا ہے اور ہم نے آیات کو واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔

● راہِ خدا میں صدقہ دینے والے اور خدا کو قرض دینے والوں کے لیے کئی گنا معاوضہ اور با عزت اجر فراہم کیا گیا ہے۔

● اللہ و رسول پر ایمان لانے والے ہی صدیق اور شہداء ہیں جن کے واسطے اجر بھی ہے اور نور بھی۔ کفار اور منکرین کا انجام البتہ جہنم ہے۔

● یاد رکھو زندگانی دنیا صرف لہو ولعب، زینت، باہمی مفاخرت اور مال و اولاد میں اضافہ کی دوڑ ہے اور بس! یہ ایک ایسی بارش ہے جس سے بہترین سبزہ پیدا ہو اور ایک دن زرد ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے اور پھر آخرت میں شدید عذاب کا سامنا کرنا پڑے۔

● مغفرت اور جنت کی طرف دوڑ پڑو کہ جنت کی وسعت کل زمین و آسمان کے برابر ہے اور وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کے لیے ہے اور یہ خدا کا عظیم ترین فضل ہے۔

● تمہاری ہر ظاہری اور باطنی مصیبت روز ازل سے مقدر ہو چکی ہے اور خدا کے لیے اس کا مسئلہ بہت آسان ہے۔ یہ مصیبت اس لیے ہے تاکہ جو ہاتھ سے نکل جائے اس سے مایوسی نہ ہو اور جو مل جائے اس سے غرور نہ پیدا ہو کہ خدا مغرور اور متکبر انسان کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ پروردگار تمام منحرفین سے بے نیاز اور پھر قابل ہر حمد و ثنا ہے۔

● ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کر سکیں اور پھر لوہا بھی نازل کر دیا ہے جس میں جنگ کا سامان بھی ہے اور دیگر منافع بھی ہیں اور اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون کون لوگ از غیب اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرنے والے ہیں۔

● ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب بھی قرار دی، لیکن بعض ایمان لائے اور اکثریت نافرمان ہو گئی۔ پھر دیگر مرسلین کا سلسلہ قائم کیا۔

اور آخر میں عیسٰی بن مریم کو بھیجا اور انھیں انجیل دے کر ان کے متبعین میں رافت و رحمت قرار دے دی ـــــ اور انھیں رہبانیت سے الگ رکھنا چاہا لیکن ان لوگوں نے قانون کی مکمل رعایت نہیں کی تو ہم نے بھی صرف صاحبانِ ایمان

ان کا اجر دے دیا اور اکثریت تو فاسق ہی تھی۔

● ایمان والو! اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ تاکہ وہ تمہیں رحمت کے دُہرے حصے دے دے اور تمہارے لیے نور قرار دے دے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے اور اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ فضل خدا ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت کر دیتا ہے کہ وہ عظیم فضل کا مالک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مجادلہ

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۲۲ آیات ہیں۔

مدنی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی سارا زور احکام پر ہے اور بار بار مخاطب صاحبانِ ایمان کو بنایا گیا ہے کہ احکام پر عمل در آمد کا مطالبہ انھیں سے کیا جا سکتا ہے اور غیر مومن سے احکام پر عمل کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔

اس سے پہلے سورۂ حدید کا اختتام فضل خدا پر ہوا تھا اور اس سورہ کا آغاز بیان فضل الٰہی سے ہوا ہے کہ جب مرد نے عورت کو ماں جیسا بنا کر اپنے اوپر حرام کر لیا اور عورت نے سرکار دو عالمؐ سے فریاد کی تو پروردگار نے اپنا فضل شامل حال کر دیا اور اوّلاً جرم ظہار کو معاف کیا اور اس کے بعد کفارہ دینے کے بعد طرفین کے لیے زوجیت کے تعلقات مباح کر دیے اور ہمیشہ ہمیشہ حرام نہیں ہونے دیا۔

کفارہ میں پہلے غلام کی آزادی کو رکھا گیا جو غلاموں کے حق میں فضلِ خدا تھی اور اس کے بعد دو مہینے کے روزے رکھے گئے جو نفس انسانی کے حق میں فضلِ خدا ہے اور آخر میں ساٹھ مسکینوں کا کھانا رکھا گیا جو مسکینوں کے حق میں عظیم فضلِ خدا ہے اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ فضلِ خدا کسی کے بھی شامل حال ہو سکتا ہے اور اس نے اپنا عذاب صرف کفار اور مجرمین کے لیے رکھا ہے۔ اسی لیے اعلان ہوا ہے کہ جو لوگ خدا و رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ پہلے والوں کی طرح ہی ذلیل ہوں گے اور نشانیوں کے واضح ہو جانے کے بعد انکار کرنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب رکھا گیا ہے۔ جس دن پروردگار سب کو زندہ کرے گا اور حیات دنیا کے اعمال سے باخبر کرے گا کہ وہ سب کے

اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔

تم نے دیکھا ہے کہ وہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء کا علم رکھتا ہے اور ہر تین آدمیوں کے اجتماع میں وہ چوتھا ہوتا ہے اور اس طرح سب کے اعمال کو دیکھتا رہتا ہے اور قیامت کے دن سب کو باخبر کر دے گا۔ (یاد رہے کہ خدا نے اپنے کو دو کا تیسرا نہیں کہا ہے کہ اس طرح عیسائیوں کے عقیدہ کو سہارا مل جائے گا)۔

● کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کو سرگوشی سے منع کیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ لوگ یہی کام کر رہے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان پر عذاب نہ کیا جائے حالانکہ ان کے لیے جہنم کافی ہے اور وہی بدترین ٹھکانا ہے۔

● ایمان والو! گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کی خفیہ کارروائی نہ کرو۔ خفیہ کارروائی کرنا ہے تو نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ شیطان یہ سرگوشی صاحبانِ ایمان کو رنجیدہ کرنے کے لیے کرتا ہے حالانکہ وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا ہے اور صاحبانِ ایمان کا اعتماد پروردگار ہی پر ہوتا ہے۔

● ایمان والو! جب مجالس میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کہا جائے تو وسعت دے دو خدا تمھیں وسعت دے گا، اور اُٹھنے کے لیے کہا جائے تو اٹھ جاؤ۔ خدا ایمان اور علم والوں کو بہر حال بلندی دینے والا ہے اور وہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔

● ایمان والو! رسول سے باتیں کرنا ہیں تو پہلے صدقہ دو کہ اسی میں تمھاری بھلائی ہے اور اگر امکان نہیں ہے تو خدا معاف کرنے والا بھی ہے۔

آخر تم صدقہ دینے سے کیوں گھبرا گئے۔ اب جب کہ تم نے صدقہ نہیں دیا اور خدا نے تمھاری توبہ قبول کر لی ہے تو نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو کہ وہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔

● کیا تم نے اس قوم کو نہیں دیکھا ہے جس نے اس قوم سے دوستی کی جس پر خدا کا غضب ہے اور اس سے تمھارا کوئی ربط نہیں ہے اور وہ جھوٹی قسمیں کھاتی ہے اس کے لیے عذاب شدید ہے اور اس کا کردار بدترین کردار ہے۔ اس نے قسم کو سپر بنا لیا ہے اور

راہِ خدا سے روک دیا ہے تو اُس کے لیے رُسوا کن عذاب ہے۔ یہ مال و اولاد اس کے
کام آنے والے نہیں ہیں، اور یہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والی قوم ہے۔

ان پر شیطان غالب آگیا ہے اور اس نے انھیں یادِ خدا سے غافل کر دیا ہے۔
یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ ہی خسارہ میں رہنے والا ہے۔

• اللہ و رسول سے عداوت کرنے والے ذلیل ہونے والے ہیں اور ہم نے طے
کر دیا ہے کہ ہم اور ہمارے رسول بہرحال غالب آنے والے ہیں۔

• تم کسی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی قوم کو نہ دیکھو گے کہ وہ خدا و رسول کے
دشمنوں سے دوستی رکھے چاہے وہ آباء و اجداد، اولاد، برادران اور عشیرہ و قبیلہ والے ہی
کیوں نہ ہوں۔ اِن کے دلوں پر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے تائید
کر دی ہے اور وہ انھیں ان جنتوں میں بھی داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔
خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے، اور یہی اللہ کے گروہ والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ حشر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۲۴ آیات ہیں۔

سورۂ مبارکہ مجادلہ کے اختتام پر صاحبان ایمان کی علامتوں میں اس حقیقت کا ذکر کیا گیا تھا کہ ان کے دل میں دشمنان خدا اور رسولؐ کی محبت نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس سورہ کا آغاز انھیں دشمنان خدا اور رسولؐ کے انجام سے کیا گیا ہے کہ پروردگار نے پہلے ہی حشر میں انھیں مدینہ سے نکلوا دیا حالانکہ ان کا خیال یہ تھا کہ ان کے قلعہ انھیں بچا لیں گے۔ اور صاحبان ایمان بھی ان کی طاقت سے مرعوب ہو گئے تھے لیکن پروردگار نے از غیب انتظام کر دیا اور ان کے دل میں ایسا خوف پیدا کر دیا کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے دیار کو تباہ کر کے نکل گئے' اور یہ بھی ایک مرضئ پروردگار تھی ورنہ اس سے سخت ترین عذاب نازل ہو سکتا تھا اور آخرت میں تو بہرحال جہنم ہے۔

● ایمان والو! ہوشیار رہو کہ ان کی اس تباہی کا راز صرف یہ تھا کہ انھوں نے خدا اور رسولؐ سے اختلاف کیا تھا اور خدا سے اختلاف کرنے والے کے لیے خدا سخت ترین عذاب ہی کرنے والا ہے۔ تم نے ان کی شاخیں کاٹ دی ہیں یا چھوڑ دی ہیں تو یہ سب اذن پروردگار ہی سے ہوا ہے اور اس منشا فاسقین کو رسوا کر دینا تھا اور بس!

● یاد رکھو کہ تمھارے جہاد کے بغیر جو مال خدا نے رسولؐ کو دیا ہے وہ اللہ، رسول، قرابتداران پیغمبرؐ ایتام، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہے' اس میں تمھارا کوئی حق نہیں ہے۔ لہٰذا جو رسولؐ دے دے اسے لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

● یہ مال ان فقراءِ مہاجرین کے لیے ہے جنھیں ان کے دیار سے نکال دیا گیا ہے اور اور اس کا منشا صرف مرضئ خدا و رسولؐ اور نصرت خدا و رسولؐ تھا اور بس!

دیکھو جو لوگ مدینہ میں پہلے سے آباد ہیں اور پہلے سے ایمان لا چکے ہیں وہ مہاجرین کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انھیں دے دیا جائے اس کی طرف سے کسی تنگی کا احساس نہیں کرتے ہیں بلکہ مہاجرین کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں چاہے کسی قدر ضرورت مند کیوں نہ ہوں اور جسے بخل سے نجات مل جائے وہی در اصل کامیاب ہوتا ہے۔

● بعد میں مدینہ آنے والوں کی شان بھی یہی ہے کہ وہ اپنے ساتھ سابقین کے حق میں بھی استغفار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کدورت نہ پیدا ہونے پائے البتہ منافقین بدبخت کفار سے یہ معاہدہ کر رہے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ میں تمھاری مدد کریں گے۔ اگرچہ یہ سب جھوٹے ہیں اور ہرگز ساتھ نہ نکلیں گے اور نہ مدد کریں گے بلکہ اگر مدد بھی کریں گے تو آخر میں میدان سے فرار کر جائیں گے۔ ان کے دلوں میں تمھارا خوف خدا سے بھی زیادہ ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس قوت فہم نہیں ہے۔

● یہ تم سے جنگ بھی اسی وقت کر سکتے ہیں جب محفوظ علاقہ میں ہوں یا دیوار کے پیچھے ہوں۔ ان کا زور آپس میں بہت ہے اور دور سے سب متحد دکھائی دیتے ہیں اگرچہ واقعاً بالکل متفرق ہیں۔ یہ اپنے پہلے والوں ہی جیسے ہیں کہ وہ اپنے کاموں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور انھیں عذاب الیم کا سامنا کرنا باقی ہے۔

● ان منافقین کی مثال شیطان جیسی ہے کہ پہلے کفر کی دعوت دیتا ہے اور جب انسان کافر ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تم سے بیزار ہوں۔ مجھے رب العالمین کا خوف ہے جس کے نتیجہ میں فریقین کا انجام جہنم اور اس میں دائمی قیام ہوتا ہے کہ یہی ظالمین کا آخری انجام ہے۔

● ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور یہ دیکھو کہ کل کے لیے کیا فراہم کیا ہے۔ تقوی کو شعار بنائے رہو کہ خدا تمھارے اعمال سے بخوبی باخبر ہے۔

یاد رکھو کہ اصحاب جنت اور اصحاب جہنم ایک جیسے نہیں ہو سکتے ہیں۔ اصحاب جنت

کامیاب ہونے والے ہیں۔

• یہ قرآن حکیم کا بیان ہے جسے پہاڑوں پر نازل کر دیا جاتا تو خوفِ خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے لیکن تمہارے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے۔

• یاد رکھو اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ حاضر و غائب سب کا جاننے والا اور رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے کہ وہ بادشاہ، پاکیزہ صفات، سلام، امان دینے والا۔ نگرانی کرنے والا اور صاحبِ عزت و جبروت و کبریائی ہے اور مشرکین کے تمام خیالات سے پاک و پاکیزہ ہے۔ وہ خدائے خالق و موجد و مصور ہے۔ اس کے لیے بہترین نام ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر شے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ صاحبِ عزت و حکمت ہے۔

تسبیح پروردگار سے شروع ہونے والا یہ سورہ تسبیح پروردگار ہی پر تمام ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ ابتدا میں تسبیح کا ذکر بطور ماضی ہوا تھا اور آخر میں بطور استمرار ہوا ہے کہ جس خدا میں اس قدر صفات و کمالات پائے جاتے ہیں اس کے کمالِ ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ذرہ کائنات مسلسل اس کی تسبیح کرتا ہے۔ کاش! انسان بھی اس حقیقت کا احساس کر لیتا اور اس راہ پر گامزن ہو جاتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ممتحنہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۳ آیات ہیں۔

سورۂ حشر کے اختتام پر صاحبان ایمان کو فکر آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ جو خدا کو بھول جاتا ہے وہ اپنے نفس کی طرف سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس سورہ کے آغاز میں پھر صاحبانِ ایمان کو مخاطب کیا گیا اور خدا کو بھول جانے کے مفہوم سے آشنا کیا گیا کہ خبردار! اپنے اور ہمارے دشمن کو دوستی کا پیغام مت دینا کہ یہ حق کے منکر ہیں اور تمھیں وطن سے نکالنا چاہتے ہیں اور تم اگر واقعاً ہماری راہ میں نکلے ہو تو ان سے خفیہ دوستی کا کیا مطلب ہے۔ میں تم سب کے تمام ظاہری اور باطنی امور سے باخبر ہوں اور ایسے کردار والے ہی درحقیقت گمراہ ہوتے ہیں۔

• یہ دشمنان خدا تمھیں پا جائیں گے تو دشمنی بھی کریں گے، اذیت بھی دیں گے اور کافر بنانے کی کوشش بھی کریں گے۔ یاد رکھو قیامت کے دن اولاد اور ارحام کوئی کام آنے والا نہیں ہے جس کے خیال سے تم ان سے دوستی کرنا چاہتے ہو۔

تمھارے لیے بہترین نمونہ ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کا کردار ہے کہ انھوں نے قوم اور اس کے معبودوں سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور کھلّم کھلّا دشمنی کا اظہار کر دیا جب تک وہ لوگ ایمان کی راہ پر نہ آجائیں۔ صرف اپنے چچا سے اتنا وعدہ کیا تھا کہ میں وعدۂ ایمان پر استغفار کرسکتا ہوں لیکن بخشش میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میرا اعتماد پروردگار پر ہے اور اسی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوں۔

خدایا! ہمیں کافروں کے لیے فتنہ وبلا نہ بنا دینا کہ تو صاحب عزت بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے۔

● تمھارے لیے انھیں کا کردار نمونۂ عمل ہے۔ اگر کوئی اللہ اور آخرت کی امید رکھتا ہے، ورنہ انحراف کرنے والے سے خدا بالکل بے نیاز ہے۔ وہ چاہے تو تمھارے اور دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر سکتا ہے کہ وہ صاحب اختیار بھی ہے اور غفور و رحیم بھی ہے۔

● خدا ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف سے نہیں روکتا ہے جنھوں نے نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تمھیں وطن سے نکالا ہے۔ وہ ان کی دوستی سے روکتا ہے جنھوں نے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں وطن سے نکال باہر کر دیا یا نکالنے والوں کی امداد کی حالانکہ یہ سب ظالم تھے۔

● ایمان والو! اگر مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں تو ان کا امتحان کرو۔ اللہ ان کے ایمان سے خوب باخبر ہے۔ اگر ان کا ایمان ثابت ہو جائے تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرنا کہ نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں۔ ان کا خرچ تم برداشت کرو اور مہر ادا کر سکو تو عقد بھی کر لو۔ البتہ کافر عورت کے عقد کو باقی نہ رکھنا۔ اب اگر تم نے ان پر خرچ کیا ہے تو اُن سے لے لو اور انھوں نے تمھارے اوپر خرچ کیا ہے تو انھیں دے دو کہ یہی حکم خدا ہے اور یہی اس کا فیصلہ ہے۔

اگر کسی کی بیوی کفار کی طرف چلی جائے اور تم اُن کو سزا دو تو جس کی بیوی چلی گئی ہے اُس کا خرچ بیت المال سے دے دو اور اللہ سے ڈرو جس پر ایمان رکھتے ہو۔

● ایمان والو! اگر مومن عورتیں اس امر پر بیعت کریں کہ شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا نہ کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور کوئی جھوٹا فرضی لڑکا لے کر نہیں آئیں گی کسی نیک کام میں نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں استغفار کرو۔

● ایمان والو! جن قوموں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے ان سے دوستی مت کرنا کہ یہ لوگ آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح مردہ کفار مایوس ہو چکے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ صف

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۴ آیات ہیں۔
مدنی ہونے کے اعتبار سے اس میں بھی سارا زور احکام پر ہے اور اہلِ ایمان کو بار بار مخاطب کرکے انھیں ان کی کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ سورہ کا آغاز اسی اندازِ خطاب سے ہوا ہے جس اندازِ خطاب پر سورہ ممتحنہ کا اختتام ہوا تھا۔

● آسمان و زمین کی تمام مخلوقات تسبیح پروردگار میں مصروف ہے، اور وہ صاحب عزت و حکمت ہے۔
ایمان والو! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ خدا اس بات سے سخت ناراض ہوتا ہے کہ انسان کوئی بات کہے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ وہ صرف ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جہاد کرتے ہیں۔

● دیکھو موسیٰؑ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ میں رسولِ خدا ہوں مجھے اذیت نہ دو لیکن قوم نے انحراف اختیار کیا تو ہم نے ان لوگوں کے دلوں کو بالکل ٹیڑھا کر دیا کہ ہم فاسق قوم کی رہنمائی نہیں کرتے ہیں۔

● یہی حال عیسیٰؑ کی قوم کا ہوا کہ انھوں نے بھی بنی اسرائیل سے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ سابق رسالتوں کی تصدیق کرنے والا اور بعد میں آنے والے رسول "احمد" کی بشارت دینے والا ہوں۔ لیکن اس کے بعد بھی قوم نے ان کے معجزات کو جادو کا نام

دے دیا۔ ظاہر ہے کہ خدا پر افتراء کرنے والے سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جب کہ اسے اسلام کی دعوت بھی دی جا رہی ہے۔

• یہ لوگ نورِ خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور خدا اسے مکمل کرنا چاہتا ہے چاہے ان کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

• ایمان والو! ہم تمہیں ایک ایسی تجارت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں جو عذاب الیم سے بچا سکے۔ دیکھو اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرو کہ اسی میں تمہارے لیے خیر ہے۔ اس طرح خدا تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں جنت میں داخل دے دیگا جہاں پاکیزہ مکانات ہیں اور دائمی راحت ہے اور یہی عظیم ترین کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ ایک چیز تم اور چاہتے ہو تو خدا کی مدد کے ساتھ فتح قریب بھی ہے۔

• ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح کہ عیسیٰؑ بن مریم نے حواریین سے کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہو گا تو حواریین نے اعلان کر دیا کہ ہم انصار اللہ ہیں جس کے بعد بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک نے کفر اختیار کر لیا تو ہم نے ایمان والوں کی تائید کر دی اور وہ دشمنوں کے مقابلہ میں غالب آ گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ جمعہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

سورۂ صف کا اختتام انصارِ خدا کے تذکرہ پر ہوا تھا اور امت اسلامیہ سے نصرتِ الٰہی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ پروردگار تمہاری نصرت کا محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا اس سورہ کا آغاز اسی حقیقت سے کیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اس کی تسبیح کر رہی ہے اور وہ بادشاہ، پاکیزہ صفات، صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ اس نے جاہلوں کے درمیان ایک پیغمبر بھیج دیا جس کا کام آیات الٰہیہ کی تلاوت کرنا، لوگوں کے نفوس کو پاکیزہ بنانا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

● اللہ اور رسول کے تذکرہ کے بعد ان کے بدترین دشمن قوم یہود کا تذکرہ کیا گیا کہ ان کی مثال گدھوں جیسی ہے۔ انھوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

یہ محبت خدا کے دعوے دار ہیں لیکن موت کی آرزو نہیں کرتے ہیں، بلکہ موت سے فرار کرتے ہیں، اگرچہ یہ فرار انھیں بچا نہیں سکتا ہے، اور موت بہرحال ملاقات کرنے والی ہے جس کے بعد مالک کی بارگاہ میں پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔

● دشمنانِ خدا و رسول کی مذمت کے بعد صاحبانِ ایمان کے فریضہ کا ذکر کیا

گیا کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو فوراً دوڑ پڑنا اور کاروبارِ حیات بند کر دینا کہ یہی شانِ ایمان ہے اور اسی میں خیر ہے۔ اس کے بعد جب نماز تمام ہو جائے تو مسجد میں بیکار نہ بیٹھنا کہ اسلام دین رہبانیت نہیں ہے بلکہ زمین خدا میں منتشر ہو جانا اور فضل خدا تلاش کرنا اور خدا کو یاد کرتے رہنا کہ اسی میں فلاح اور کامیابی ہے۔

● صاحبانِ ایمان کے تذکرہ کے بعد منافقین کے کردار پر تبصرہ کیا گیا کہ یہ تجارت اور لہو ولعب کو دیکھتے ہیں تو پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے ہیں کہ اس لہو ولعب اور تجارت میں کوئی خیر نہیں ہے۔ خیر ثواب الٰہی میں ہے اور رزق کا پروردگار خود ہی ذمہ دار ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ منافقون

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس بھی ۱۱ آیات ہیں۔

سورۂ مبارکہ جمعہ کا اختتام منافقین کے ایک طرز عمل پر ہوا تھا اور اس سورہ میں ان کا مکمل تعارف کرایا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ کے پاس آکر رسالت کی گواہی دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے اور یہ مکمل طور پر جھوٹے ہیں۔ یہ اپنی قسموں کو بطور حربہ استعمال کرتے ہیں اور راہ خدا سے مسلسل روکتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ پہلے ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے اور اس طرح ان کے دلوں پر مہر لگ گئی کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں رہے ہیں۔

ان کے اجسام اچھے لگتے ہیں اور ان کی باتیں بھی سننے کے لائق ہیں لیکن واقعاً یہ خشک لکڑی کے مانند ہیں جسے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی کر دیا جائے۔ یہ ہر آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں اور واقعی دشمن ہیں۔ خدا انھیں غارت کرے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

انھیں استغفار کی دعوت دی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور استکبار کی بنا پر بالکل اکڑ جاتے ہیں۔ ان کے حق میں استغفار کرو یا نہ کرو سب برابر ہے۔ خدا انھیں معاف کرنے والا نہیں ہے کہ وہ فاسقین کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔

● یہ اپنی برادری کو سمجھاتے ہیں کہ اصحاب رسول پر مال خرچ نہ کرو تاکہ انھیں چھوڑ کر منتشر ہو جائیں حالانکہ خدا کے پاس زمین و آسمان کے خزانے ہیں، اور یہ

منافقین سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔

● ان کا کہنا ہے کہ اگر مدینہ واپسی ہوگئی تو ہم صاحبانِ عزت کمزور مسلمانوں کو نکال باہر کردیں گے حالانکہ عزت اللہ و رسول اور صاحبانِ ایمان ہی کا حصہ ہے اور منافقین اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں۔

● ایمان والو! یہ اموال و اولاد تمہیں ذکر خدا سے غافل نہ بنادیں کہ اس طرح خسارہ کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ موت کے آنے سے پہلے راہ خدا میں انفاق کرو تاکہ پھر یہ نہ کہنا پڑے کہ اگر کچھ مہلت مل جاتی تو کار خیر کرتے اور نیک کرداروں میں شامل ہوجاتے۔ حالانکہ موت کا وقت آجائے تو پھر ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہوتی ہے اور خدا تمہارے اعمال سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ تغابن

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۸ آیات ہیں۔

تغابن کے معنی ہار جیت کے ہیں اور اس سورہ میں قیامت کا نام یوم التغابن رکھا گیا ہے کہ اس دن اس بات کا اندازہ کیا جائے گا کہ زندگانی دنیا لہو ولعب تھی تو انسان نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور اپنی آخرت کے بارے میں کیا انتظام کیا ہے۔

سورۂ منافقون کے اختتام پر توجہ دلائی گئی تھی کہ صاحبانِ ایمان کو یادِ خدا سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ یہ غفلت خسارہ کا باعث ہو جاتی ہے تو اس سورہ کا آغاز یادِ خدا کی اہمیت اور خسارہ کی بنیاد کے بیان سے کیا گیا ہے۔

● زمین و آسمان کی ہر شے تسبیح پروردگار کر رہی ہے۔ سارا ملک اسی کے لیے ہے اور ساری تعریف اسی کو سزاوار ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔ اسی نے تمھیں صاحب ارادہ بنایا ہے جس کے بعد کچھ کافر ہو گئے اور کچھ نے ایمان اختیار کر لیا اور خدا سب کے اعمال سے باخبر ہے۔ اس نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمھاری شکل بھی حسین ترین بنائی ہے اور پھر انجام کار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

کیا تم نے پہلے کافروں کی خبر نہیں سنی کہ انھوں نے اپنے کفر کا مزہ چکھ لیا اور دردناک عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ بشر کو رسول اور رہنما بننے کا حق نہیں ہے چاہے وہ کیسا ہی صاحب معجزات و کرامات کیوں نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے روگردانی اختیار کر لی اور خدا تو بہرحال سب سے بے نیاز ہے۔

ان کا خیال تھا کہ قیامت آنے والی نہیں ہے حالانکہ قیامت ایک یقینی امر ہے اور اس

دن سب کو ان کے اعمال سے باخبر کر دیا جائے گا اور یہ پروردگار کے لیے بہت آسان امر ہے۔

• بندگانِ خدا! اللہ، رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے کہ اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ وہ تمھیں ایک دن جمع کرے گا جو ہار جیت کا دن ہوگا۔ اس دن جس نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا ہے اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اُسے جنّت میں ہمیشہ کے لیے داخلہ دے دیا جائے گا کہ یہی عظیم ترین کامیابی ہے اور جنھوں نے کفر اور تکذیب سے کام لیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے۔

• تمھاری ہر مصیبت اذن خدا سے نازل ہوتی ہے۔ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے خدا اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے اور وہ ہر شے سے باخبر ہے۔

• اللہ و رسول کی اطاعت کرو کہ اس سے روگردانی کروگے تو رسول کا فرض صرف پیغام رسانی ہے اور بس۔ اُس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور اسی پر صاحبانِ ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

• ایمان والو! تمھاری بعض ازواج اور اولاد تمھاری دشمن ہے۔ اُس سے بچتے رہو اور اگر معاف کر دو تو خدا بھی غفور رحیم ہے۔

• تمھارے اموال اور تمھاری اولاد تمھارے لیے امتحان کا ذریعہ ہے اور اللہ کے پاس اجر عظیم بھی ہے لہٰذا حتی الامکان اس سے ڈرتے رہو اور بات سنو۔ اطاعت اور انفاق کرو کہ اسی میں بھلائی ہے اور جسے بخل سے نجات مل جائے درحقیقت وہی کامیاب ہے۔

• اگر اللہ کو قرض دو گے تو وہ دُگنا کر دے گا اور گناہ بھی بخش دے گا ــــ وہ بڑا قدردان بھی ہے اور برداشت کرنے والا بھی ہے۔ وہ حاضر و غائب سب کا عالم ہے اور صاحب عزت بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ طلاق

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۲ آیات ہیں۔

اس سورہ کا بنیادی نقطہ مسئلہ طلاق ہے لیکن اس سے متعلق اور بہت سے شرعی مسائل کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے اور چونکہ سورۂ تغابن کا اختتام علم خدا کے بیان پر ہوا تھا لہٰذا اس سورہ کے آغاز میں عدّت کے حساب کرنے کا حکم دے دیا گیا کہ انسان یہ خیال رکھے کہ خدا کے وسیع ترین علم کے ہوتے ہوئے کسی ہیرا پھیری کا امکان نہیں ہے۔

● پیغمبر! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو عدّت کے حساب سے اور اس حساب کو محفوظ رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ نہ انھیں گھر سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں جب تک کہ کوئی کھلا ہوا جرم نہ کریں کہ اس کے بعد حق سکونت ختم ہو جاتا ہے۔ یہ حدود الٰہیہ ہیں جن سے تجاوز ظلم ہے۔ پھر عدّت اس لیے بھی ضروری ہے کہ شاید کسی نئے امر کا انکشاف ہو جائے۔

پھر جب عدّت کا زمانہ تمام ہونے لگے تو نیکی کے ساتھ انھیں روک لو جس کا نام رجوع ہے یا سہولت کے ساتھ جُدا کر دو لیکن دو گواہ عادلوں کا ہونا ضروری ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہر صاحب ایمان کے لیے نصیحت ہے اور جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور بے وہم و گمان روزی عنایت کرتا ہے۔ وہ ہر اعتماد کرنے والے کے واسطے کافی ہے اور اپنے امور کو خدا خود تک پہونچانے والا ہے۔ اس نے ہر شے کی مقدار معین کر دی ہے

● جو عورتیں حیض کی طرف سے مایوس ہو گئی ہیں، اگر ان کے مایوس ہونے میں شک ہو تو عدّت تین مہینہ ہے اور یہی ان کی عدت بھی ہے جن کے یہاں حیض نہیں ہوتا ہے اور حاملہ عورتوں کی عدّت وضع حمل تک ہے۔ جو اللہ کا خوف رکھتا ہے اللہ اس کی ہر مشکل کو آسان

کر دیتا ہے۔ یہ حکم اسی نے نازل کیا ہے اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور اسے اجر عظیم عنایت کیا جائے گا۔

● مطلقہ عورتوں کو اپنی طاقت کے مطابق سکونت کی جگہ دو اور اذیت یا تنگی نہ کرو بلکہ اگر حاملہ ہوں تو وضع حمل تک کا خرچ دے دو، اور ولادت کے بعد بچہ کو دودھ پلائیں تو دودھ پلانے کی اُجرت بھی دو اور اسے آپس میں طے کر لو اور طے کرنے میں اختلاف ہو جائے تو کسی اور عورت کو تلاش کر لو۔ مطلقہ کو مفت کام کرنے پر مجبور نہ کرو۔ ہر صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور تنگ دست ہو تو جس قدر ممکن ہو خرچ کرے کہ خدا امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔ وہ ہر سختی کے بعد آسانی بھی قرار دیتا ہے۔

● دیکھو اس سے پہلے بہت سی بستیوں نے حکم خدا سے انحراف کیا تو ہم نے ان کا سخت ترین حساب کیا اور انھیں بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔

● عقل والو! خدا نے تمھاری طرف یاد دہانی کرنے والا ایک رسول بھیجا ہے جو تمھارے سامنے آیات الٰہیہ کی واضح تلاوت کرتا ہے تاکہ ایمان اور کردار والوں کو تاریکیوں سے نکال کر منزل نور تک لے آئے اور جو ایمان و عمل صالح اختیار کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے کہ یہ بہترین رزق خدا ہے۔

● اللہ نے ساتوں آسمان اور ویسی ہی زمینیں سب پیدا کی ہیں۔ اس کے احکام انھیں کے درمیان نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تمھیں اندازہ ہو جائے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور پھر ہر شے کا مکمل علم رکھتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ تحریم

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۱۲ آیات ہیں۔

سورۂ طلاق کے اختتام پر حکم الٰہی اور علم و قدرت پروردگار کا حوالہ دیا گیا تھا لہٰذا اس سورہ کا آغاز ایک ایسے ہی مسئلہ سے ہو رہا ہے جس میں تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ رسول اکرمؐ نے زینب بنت جحش کے گھر شہد کھایا تو عائشہ اور حفصہ نے سازش کی کہ حضور سے کہا جائے کہ آپ کے منھ سے بو آ رہی ہے تاکہ آئندہ دیگر ازواج کے گھر نہ جائیں۔ آپ وہاں سے نکل کر حفصہ کے پاس آئے تو انھوں نے قرارداد پر عمل کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب نہیں کھاؤں گا تاکہ ان لوگوں کے دل سے زینب کا حسد نکل جائے۔ لیکن یہ شرط کر دی کہ اس وعدہ کا کسی کو علم نہ ہونے پائے تاکہ زینب کی دل شکنی بھی نہ ہو لیکن حفصہ نے فوراً عائشہ کو اطلاع کر دی جس پر قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

● پیغمبر! حلال خدا کو اپنے لیے کیوں حرام کر رہے ہو؟ کیا تم ازواج کی مرضی چاہتے ہو؟ اللہ غفور و رحیم ہے لہٰذا اس نے اس قسم کو ختم کرنے کی اجازت دے دی ہے اور وہی تمھارا مولا ہے اور علیم و حکیم ہے۔

● مسلمانو! اس موقع کو یاد کرو جب پیغمبر نے بعض ازواج سے راز بیان کیا اور انھوں نے دوسری زوجہ کو باخبر کر دیا اور خدا نے پیغمبر کو اس سازش سے مطلع کر دیا اور پیغمبرؐ نے مواخذہ کیا تو زوجہ نے گھبرا کر پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟ فرمایا کہ مجھے خدائے علیم و خبیر نے اطلاع دی ہے۔

اب تم دونوں فوراً توبہ کرو کہ تمھارے دل کج ہو گئے ہیں، اور اگر تم نے رسولؐ کے

خلاف سازش کی تو رسول کے ساتھ خدا، جبریل، نیک کردار مومنین سب ہیں بلکہ ملائکہ بھی اس کے مددگار ہیں۔ وہ اگر تم کو طلاق بھی دیدے تو پروردگار اسے تم سے بہتر مسلمہ، مومنہ، عابدہ، تائبہ، فرماں بردار، روزہ دار عورتیں عنایت کر دے گا چاہے وہ کنواری ہو یا بیوہ، اس لیے کہ نگاہِ پروردگار میں کردار کے سلسلہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

● ایمان والو! اپنے نفس اور اہل کو اس جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن پتھر بھی ہیں اور انسان بھی۔ اس کے نگراں وہ سخت ترین ملائکہ ہیں جو کسی امرِ الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں اور ہمیشہ اس کے امر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

● کافرو! آج کے دن عذر نہ بیان کرو، آج تو ہر عمل کی سزا ملنے والی ہے۔

● ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو، شائد وہ تمھارے گناہ بخش دے اور تمھیں جنت میں داخلہ عنایت کر دے کہ وہ رسول اور صاحبانِ ایمان کو رُسوا نہیں کر سکتا ہے۔ صاحبانِ ایمان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنے بائیں چلے گا اور وہ دعا بر لب رہیں گے کہ خدایا! اس نور کو مکمل کر دے اور ہماری مغفرت فرما کہ تو ہر شے پر قادر ہے۔

● پیغمبر! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بدترین انجام ہے۔

● اللہ نے کفار کے لیے زوجۂ نوح اور زوجۂ لوط کی مثال بیان کی ہے کہ یہ نیک بندوں کے ماتحت تھیں لیکن ان سے خیانت کی تو زوجیت کچھ کام نہ آئی اور تمام جہنمیوں کے ساتھ انھیں بھی داخلۂ جہنم کا حکم دے دیا گیا ـــــ اور پھر صاحبانِ ایمان کے لیے زوجۂ فرعون کی مثال بیان کی ہے کہ اُس نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی کہ میرے لیے جنت میں گھر بنا دے اور فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دیدے کہ یہ سب لوگ ظالم لوگ ہیں۔

اور اسی طرح مریم بنت عمران کی مثال بیان کی ہے کہ انھوں نے اپنی عصمت کا تحفظ کیا تو ہم نے ان میں اپنی روح کمال پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے کلمات کی تصدیق کی اور وہ فرماں بردار بندوں میں سے تھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ملک

یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۳۰ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس کا موضوع کلام بھی سلسلۂ عقائد ہے جس میں زیادہ حصہ قدرت پروردگار اور مسئلۂ قیامت پر زور دیا گیا ہے کہ انسانی اصلاح کے یہی دو بنیادی عناصر ہیں۔ جب تک انسان کے ذہن میں خالق اور جزا و سزا کا عقیدہ راسخ نہ ہوگا اس کے منزل عمل میں قدم رکھنے یا ثابت قدم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

سورۂ تحریم کے اختتام پر جناب مریم کے یہاں بغیر شوہر کے ولادت کا تذکرہ ہوا تھا اور یہ قدرت پروردگار کا ایک خاص نمونہ تھا۔ لہٰذا اس سورہ کا سلسلہ قدرت پروردگار کے تذکرہ ہی سے شروع ہوا ہے اور انسان کو اس کی غرض تخلیق یعنی حسن عمل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور ثابت کر دیا گیا ہے کہ جو پروردگار اتنی عظیم کائنات کو خلق کر سکتا ہے وہ مُردوں کو زندہ بھی کر سکتا ہے اور ان سے حساب بھی لے سکتا ہے۔

● بابرکت ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھوں میں سارا ملک ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس نے موت و حیات کو اس آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے کہ تم میں حُسن عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے؟

اس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنائے ہیں جن میں کوئی تفاوت نہیں ہے اور غور سے دیکھو کوئی شگاف بھی نہیں ہے پھر جتنا غور کروگے کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کر دیا ہے اور انھیں کو شیاطین کے سنگسار کا ذریعہ بنا دیا ہے اور پھر شیاطین کے لیے عذاب جہنم بھی ہے بلکہ کفار کے لیے بھی یہی عذاب ہے جہاں وہ صرف چیخ پکار سنیں گے اور جہنم جوش مار رہا ہوگا بلکہ قریب تر ہوگا کہ پھٹ پڑے اور اس میں جب بھی کسی گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس کے

نگراں سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا ؟ وہ لوگ جواب دیںگے کہ آیا تو ضرور تھا لیکن ہم نے تکذیب کردی اور اگر اس وقت ہمیں عقل آگئی ہوتی تو آج یہ انجام کیوں ہوتا اور اس طرح اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے اور جہنمیوں کے لئے رحمت خدا سے دوری کے علاوہ کچھ نہ ہوگا

• البتہ جو لوگ پروردگار سے ڈرنے والے ہیں ان کے لیے عظیم اجر ہے۔ وہ سب کے تمام حالات سے باخبر ہے اور کس طرح باخبر نہ ہوگا جب کہ وہی تو خلق کرنے والا ہے، اسی نے تمہارے لیے زمین کو نرم بنایا ہے کہ اس کے اطراف میں چلو اور رزق خدا استعمال کرو کہ پھر اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ خبردار! آسمانوں کے حاکم کی طرف سے مطمئن نہ ہوجانا وہ تمہیں زمین میں دھنسا بھی سکتا ہے اور آسمان سے پتھروں کی بارش بھی کرسکتا ہے۔ دیکھو اس نے کس طرح پرندوں کو فضا میں روک رکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی لشکر کام آنے والا نہیں ہے۔ وہ اگر رزق کو بند کردے گا تو کوئی عطا کرنے والا نہ ہوگا، منھ کے بھل چلنے کے بجائے سیدھے سیدھے چلو۔ اس نے کان، آنکھ اور دل سمجھنے کے لیے دیا ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرو مگر تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو جب کہ اسی نے زمین سے نکالا ہے اور وہی پھر نکالے گا۔

• یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آنے والی ہے ؟ تو کہہ دیجئے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔ یہ لوگ جب قیامت کو قریب سے دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور اس وقت کہا جائے گا کہ تم اسی عذاب کا تقاضا کر رہے تھے۔

• آپ کہہ دیجئے کہ خدا ہلاک بھی کرسکتا ہے اور رحم بھی کرسکتا ہے تو اس کے مقابلہ میں کافروں کو پناہ دینے والا کون ہوگا ؟ بے شک وہ رحمٰن ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ عنقریب تمہیں بھی معلوم ہوجائے گا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے؟ سوچو اگر یہ پانی زمین کے اندر جذب ہوجائے تو دوبارہ چشمے کون جاری کرسکتا ہے اور جب یہ تمہارے امکان میں نہیں ہے تو مانو کہ جو پانی کو مٹی کے اندر جذب ہوجانے کے بعد نکال سکتا ہے وہ مُردوں کو بھی خاک میں مل جانے کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قلم

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۲ آیات ہیں۔

اس سورہ کا بنیادی موضوع عظمت رسالت ہے جہاں ایک بیہودہ انسان نے سرکار دو عالم کے دماغ پر حملہ کر دیا تھا اور اس طرح آپ کے پیغام کو بالکل بے بنیاد اور مہمل بنا دینا چاہا تھا۔ پروردگار عالم نے اس اتہام کی شدید ترین مذمت کی اور الزام لگانے والے کو سخت ترین الفاظ و خطابات سے یاد کیا۔

سورۂ ملک کا اختتام قدرت و رحمت پروردگار پر ہوا تھا کہ وہ زمین کے اندر سے چشمہ نکال دیتا ہے تو اس سورہ کا آغاز نٓ اور قلم سے ہوا ہے کہ وہ روشنائی کو قلم میں جذب ہو جانے سے روک کر اس سے عبارتوں اور تحریروں کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور پھر اس سے نسلوں کو سیراب کرتا ہے۔ جس طرح کہ پیغمبر اکرمؐ کی عقل کامل بھی اسی کے فیوض و برکات کا عظیم ترین مرقع ہے کہ اس نے ایک دماغ سے اتنے حقائق ظاہر کر دیئے جو قیامت تک عالم انسانیت کو سیر و سیراب کرتے رہیں گے۔

● نٓ۔ قلم اور تحریر کی قسم کہ آپ اپنے پروردگار کی مہربانی سے مجنون نہیں ہیں۔ آپ کے لیے ایک دائمی اجر ہے اور آپ خلق عظیم کی منزل پر ہیں۔ عنقریب یہ سب دیکھ لیں گے کہ مجنون کون ہے؟ پروردگار ہدایت یافتہ اور گمراہ سب کو پہچانتا ہے اور یہ کفار چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ نرم ہو جائیں تو خبردار! آپ کسی مسلسل قسم کھانے والے، ذلیل، چغل خور، بخیل، ظالم، تجاوز گر، بدمزاج اور بدنسل کا اتباع نہ کریں۔

اسے مال و اولاد کیا مل گیا ہے کہ یہ ہماری آیات کو پرانی کہانی قرار دے رہا ہے۔

ہم عنقریب اس کی ناک پہ نشان لگا دیں گے۔

● ہم نے ان لوگوں کو ویسے ہی آزمایا ہے جیسے ماضی میں ایک باغ والوں کو آزمایا تھا کہ انھوں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ صبح سویرے سارے پھل توڑ لیں گے اور کسی مسکین کو کچھ نہ دیں گے لیکن جب صبح کو پوری تیاری کے ساتھ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ باغ راتوں رات خاکستر ہو چکا ہے۔ اب یہ آپس میں کہنے لگے کہ کیا ہم راستہ بھول گئے ہیں یا فضلِ خدا سے محروم ہو گئے ہیں۔ تو ایک عقل مند نے کہا کہ یہ سب تسبیح پروردگار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اب بے موقع ہے کہ استغفار کرو شاید پروردگار کو دوبارہ رحم آجائے۔

● ہمارا عذاب اسی طرح نازل ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت تر ہے۔ البتہ متقین کے لیے جنت نعیم ہے اور مسلمین مجرمین جیسے نہیں قرار دیے جا سکتے ہیں۔ تم نے جو سب کو برابر بنا دیا ہے تو تم پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہے کہ تمھیں قیامت میں دل پسند نعمتیں ملیں گی؟ یا ہم نے تم سے کوئی وعدہ کیا ہے؟ آخر ان باتوں کا ذمہ دار کون ہوگا؟ کیا ان کے شرکا ان کے کام آسکیں گے۔ جس دن قیامت نمایاں ہو جائے گی تو یہ سجدہ بھی نہ کر سکیں گے۔ نظریں جھکی ہوں گی اور ذلت ان پر محیط ہوگی کہ پہلے سلامتی کے عالم میں سجدہ کیوں نہیں کیا تھا۔

● خیر چھوڑو ہم تکذیب کرنے والوں کو عذاب کی لپیٹ میں لینا جانتے ہیں اور فی الحال تو صرف مہلت دے رہے ہیں کہ ہماری تدبیر انتہائی مستحکم ہے۔ آپ تو ان سے کوئی اُجرت بھی نہیں مانگ رہے ہیں کہ یہ اس کے بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔

● آپ صبر سے کام لیجیے اور خبردار یونس کی طرح ناراض ہو کر نہ چل دیجیے گا کہ ان پر بھی ہم نے رحم نہ کیا ہوتا تو صحرا ہی میں پڑے رہ جاتے۔ یہ تو پروردگار نے انھیں منتخب کر کے صالحین میں قرار دے دیا تھا۔

● یہ کفار قرآن کو سننے کے بعد آپ کو نظروں سے گرا دینا چاہتے ہیں اور دیوانہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن عالمین کے لیے نصیحت اور یاد دہانی کا ذریعہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ الحاقہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵۲ آیات ہیں۔

سورۂ قلم کے خاتمہ پر کفار کی بدترین سازش کا ذکر کیا گیا تھا کہ یہ پیغمبر اکرمؐ کو مجنون بنا کر ان کے پیغام کو بے اثر کر دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ عالمین کے لیے نصیحت ہے، لہٰذا اس سورہ کا آغاز اسی انکار اور اتہام کے انجام سے کیا گیا ہے تاکہ کفار کو یہ اندازہ ہو جائے کہ اس الزام جنون کے بعد کس قیامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

● قیامت کیا برحق اور یقینی قیامت ہے جس کا انکار قوم ثمود نے کیا تھا تو ایک چنگھاڑ سے فنا کر دیے گئے اور قوم عاد کو ایک تیز و تند آندھی سے ہلاک کر دیا گیا جس کا سلسلہ سات رات اور آٹھ دن تک جاری رہا، اور نتیجہ میں ساری قوم اس طرح تباہ ہو گئی جیسے کھوکھلے کھجور کے درخت کے تنے۔

● اس سے پہلے فرعون اور اس کے ماقبل کی قوموں نے بھی ایسی ہی غلطی کی تھی اور نمانندۂ پروردگار کی نافرمانی کی تھی تو پروردگار نے انھیں بھی نہایت سختی سے پکڑ لیا کہ پانی حد سے آگے بڑھا تو تمھیں کشتی میں اٹھا لیا اور سب کو تباہ کر دیا تاکہ یہ ایک نصیحت رہے اور سُننے والے کان اسے محفوظ کر سکیں۔

اس کے بعد جب صور پھونکا جائے گا اور زمین و آسمان ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو قیامت واقع ہو جائے گی اور یہ آسمان شق ہو کر بھس بھس ہو جائیں گے فرشتے اس کے اطراف پر ہوں گے اور عرش پروردگار کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔ اس دن کوئی بات مخفی نہ رہ جائے گی۔

● پھر جس کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ لوگو! ذرا میرا نامۂ اعمال کو پڑھو۔ مجھے پہلے ہی خیال تھا کہ ایک دن حساب ہونے والا ہے اور اس طرح وہ خوشگوار زندگی گذارے گا اور بلند ترین جنت میں مقیم ہوگا جس کے پھل قریب ہوں گے۔

اور جسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش یہ کتاب نہ ملی ہوتی اور مجھے حساب کا علم ہی نہ ہوا ہوتا۔ کاش موت ہی نے میرا فیصلہ کر دیا ہوتا۔ یہ تو مال و دولت کچھ کام نہ آیا اور اقتدار بھی برباد ہو گیا۔

● اس وقت فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے گرفتار کر کے ستر ہاتھ کی زنجیروں میں جکڑ لو اور کھینچ کر جہنم میں ڈال دو کہ اسے خدائے عظیم کا اعتبار نہیں تھا اور یہ لوگوں کو مساکین کے کھلانے پر آمادہ بھی نہیں کرتا تھا۔ آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی کھانا ہے۔ صرف پیپ ہے جو گنہگاروں کی غذا ہے۔

● میں تمام حاضر و غائب اشیاء کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن ایک محترم فرشتے کا بیان ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے اور نہ کسی کاہن کا بیان ہے۔ یہ رب العالمین کی تنزیل ہے اور اگر پیغمبر نے اپنے پاس سے اسے گڑھ لیا ہوتا تو ہم انھیں بھی پکڑ کر ان کی گردن کاٹ دیتے اور کوئی روکنے والا نہ ہوتا، یہ متقین کے لیے سامانِ نصیحت ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ تم میں مکذبین بھی ہیں اور یہ کافروں کے لیے باعثِ حسرت ہے۔ یہ بات بالکل یقینی ہے لہٰذا آپ اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کرتے رہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ معارج

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۴۴ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے باوجود اس کے مضامین میں مدنی انداز پایا جاتا ہے اور اس کا سبب دونوں جگہ کے بعض افراد کے کردار کا اتحاد بھی ہو سکتا ہے اور اس تاریخی مقام بطحا کا اشتراک بھی ہو سکتا ہے جہاں یہ سورہ نازل ہوا ہے۔

سورۂ حاقہ ابتداء سے انتہا تک ذکر قیامت سے متعلق تھا اور اس کا اختتام بھی حسرتِ کفار اور عذابِ آخرت پر ہوا تھا تو اس سورہ کا آغاز علامت قیامت سے ہوا ہے کہ جو خدا اس دنیا میں عذاب نازل کر سکتا ہے۔ اسے آخرت میں کون روک سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ امت پیغمبرؐ پر عذاب کا نزول تقاضے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ اصل عذاب کا مرکز روز قیامت ہے۔

مکہ میں نضر بن الحارث نے اور حجۃ الوداع کے موقع پر مقام غدیر پر حارث بن نعمان فہری نے اس عذاب کا سوال کر لیا تھا اور وہ نازل ہو گیا اور پھر کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ قیامت بہر حال آنے والی ہے جسے منکرین دور سمجھ رہے ہیں اور واقعاً بہت قریب ہے۔ اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑنے لگیں گے اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ احباب سامنے ہوں گے لیکن ہر مجرم کو فقط یہ آرزو ہو گی کہ کاش اولاد، زوجہ، برادر۔ قبیلہ بلکہ ساری دنیا مل کر اسے بچا لیتی لیکن ایسا نہ ہو سکے گا اور جہنم کے شعلے کھال تک اتار لیں گے اور تمام منکروں کو آواز دیتے رہیں گے جنھوں نے مال جمع کر کے رکھا تھا اور اسی پر اکڑ رہے تھے۔

● انسان بڑا لالچی واقع ہوا ہے۔ اسے تکلیف پہونچ جاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے اور دولت مل جاتی ہے تو بخل شروع کر دیتا ہے۔ یہ صرف نمازی افراد ہیں جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور سائل اور محروم افراد کو اپنے مال کا ایک حصہ دیتے ہیں اور روز قیامت پر اعتبار رکھتے ہیں اور عذاب خدا سے ڈرتے رہتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی آدمی مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اپنی عفت و آبرو کا تحفظ کرتے ہیں اور صرف ازواج اور کنیزوں سے ارتباط رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی ملامت نہیں ہے اور اس کے علاوہ سب حدود سے تجاوز کے مرادف ہے۔ یہ امانت اور عہد کا لحاظ رکھتے ہیں، گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور نمازوں کی مکمل پابندی کرتے ہیں۔ ان کے لیے جنت النعیم میں ایک محترم مقام ہے۔

● دیکھو یہ کفار بھی تمہاری طرف بھاگے چلے آرہے ہیں اور سب کو اس بات کی لالچ ہے کہ جنت میں داخلہ مل جائے حالانکہ پروردگار خوب جانتا ہے کہ انھیں کس چیز سے بنایا ہے۔

● مشرق و مغرب کے پروردگار کی قسم، ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان سے بہتر قوم لے آئیں اور ہمیں کوئی عاجز بھی نہیں کر سکتا ہے۔ آپ انھیں ان کے لہو و لعب میں چھوڑ دیں یہاں تک کہ قیامت کا سامنا کریں۔ جس دن قبروں سے اس طرح نکالے جائیں گے کہ جیسے کسی پرچم کی طرف بھاگ رہے ہوں ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور ذلت ان پر محیط ہوگی اور یہی وہ دن ہوگا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نوح

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۸ آیات ہیں۔

مکی ہونے کے اعتبار سے اس کا سارا زور راہ حق پر آجانے اور نبی مرسل کی رسالت پر ایمان لانے پر ہے اور پھر انکار و تکذیب کے بدترین نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

سورۂ معارج کا اختتام منظر قیامت پر ہوا تھا جہاں کفار کو ذلت کے ساتھ پیش کیا جائے گا تو اس سورہ کا آغاز قصۂ نوح سے کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ انکار و تکذیب کا انجام صرف آخرت میں بدترین نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی ہلاکت اور بربادی ہی ہے۔

● ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ انھیں عذاب کے آنے سے پہلے ہوشیار کر دیں۔ انھوں نے قوم سے کہا کہ میں ڈرانے والا نمائندۂ پروردگار ہوں لہٰذا تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو تاکہ خدا تمھارے گناہوں کو معاف کر دے اور تمھیں ایک مدّت کی مہلت دیدے ورنہ خدائی اجل ٹلنے والی نہیں ہے۔

● نوحؑ نے پیغام الٰہی کو پہونچایا اور جب قوم نے مسلسل انکار کیا تو بارگاہ الٰہی میں فریاد کی کہ خدایا! میں نے اپنی قوم کو دن اور رات برابر دعوت دی لیکن یہ مسلسل فرار ہی کرتے رہے۔ میں نے جب بھی اُنھیں پکارا کہ آؤ خدا تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا تو کانوں میں انگلی رکھ لی اور اپنے گرد لباس لپیٹ لیا اور استکبار ہی کرتے چلے گئے۔ پھر میں نے دوبارہ خفیہ اور علانیہ ہر انداز سے دعوت دی اور سمجھایا کہ استغفار کرو۔ استغفار کے بے شمار فوائد ہیں۔ خدا تمھارے گناہوں کو بخش دے گا۔

تم پر موسلادھار بارش کرے گا۔ تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔ تمھارے لیے باغات اور نہریں قرار دے گا۔ آخر خدا کی عظمت کا خیال کیوں نہیں کرتے ہو جب کہ اس نے تمھیں مختلف انداز میں پیدا کیا ہے۔

● دیکھو اس نے تہہ بہ تہہ سات آسمان بنا دیے ہیں۔ ان میں چاند اور سورج کے چراغ جلائے ہیں۔ تمھیں زمین سے نکالا ہے اور پھر اسی میں دوبارہ پلٹا کر لے جائے گا اور پھر ایک نئے انداز سے نکالے گا۔ اس نے زمین کو فرش بنا دیا ہے تاکہ مختلف راستوں پر چل سکو۔

● پھر نوحؑ نے فریاد کی کہ خدایا! اس قوم نے میری نافرمانی کی ہے اور اس کا اتباع کیا ہے جس سے اولاد و اموال میں خسارہ کے علاوہ کوئی امید نہیں ہے۔ یہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ وَدّ، سُواع، یغوث، یعوق، نسر وغیرہ کو مت چھوڑ دینا۔ انھوں نے لوگوں کی اکثریت کو گمراہ کر دیا ہے لہٰذا اب تو بھی ان کو گمراہی ہی میں چھوڑ دے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی غلطیوں کی بنا پر غرق کر دیے گئے اور کوئی مددگار پیدا نہ ہوا۔

● پھر نوحؑ نے کہا کہ خدایا! اب زمین پر کافرین کی کسی آبادی کو نہ چھوڑنا کہ یہ باقی رہ گئے تو پھر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اور کافر و فاجر ہی پیدا کریں گے۔ خدایا! مجھے اور میرے والدین کو اور میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہونے والوں کو اور تمام مومنین و مومنات کو بخش دے اور ظالموں کی تباہی میں مزید اضافہ فرما دے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہ جن

یہ سورہ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۸ آیات ہیں۔

سورہ نوح کے اختتام پر جملہ ظالمین کی تباہی اور جملہ صاحبان ایمان کی مغفرت کی دعا کی گئی تھی جس سے یہ واضح ہوگیا تھا کہ عالم انسانیت دو حصوں پر بٹا ہوا ہے۔ اور چونکہ عبادت کے لیے پیدا کی جانے والی مخلوق صرف انسان نہیں ہیں بلکہ جن بھی ہیں لہٰذا ضروری تھا کہ ان کی صورت حال کا تذکرہ کر دیا جائے اور یہ بتا دیا جائے کہ وہ بھی انسانوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں اور ان کے یہاں بھی دونوں قسم کے افراد پائے جاتے ہیں۔ نہ ان میں ہر ایک کو شیطان سمجھ لینا صحیح ہے اور نہ ہر ایک کو انسانوں سے بلند تر تسلیم کر لینا مطابق عقل و منطق ہے۔

● پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو یہ کہا کہ یہ کلام تو نیک راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم شرک نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارا پروردگار بلند شان والا ہے، ان کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ یہ ہمارے احمق اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ انسان و جنات اس طرح کی جھوٹی باتیں نہ کریں گے لیکن افسوس کہ بعض انسان جنات کی پناہ مانگ رہے تھے اور مزید گرفتاری میں مبتلا ہو گئے۔ ان کا بھی یہ خیال تھا کہ قیامت آنے والی نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے آسمانوں کو چھو لیا ہے وہ شعلوں اور نگہبانوں سے بھرا ہوا ہے۔ پہلے تو کچھ خبریں مل بھی جاتی تھیں لیکن اب کوئی آواز سننا چاہے گا تو شعلے اس کا پیچھا کریں گے لہٰذا اب ہمارے پاس آسمان کی کوئی اطلاع نہیں ہے کہ پروردگار

اہل زمین کے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے۔ ہمارے درمیان صالح افراد بھی ہیں اور غیر صالح بھی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم خدا سے بھاگ کر نہیں جا سکتے ہیں۔ ہم نے ہدایت کو سنا ہے تو ایمان لے آئے ہیں اور جو بھی ایمان لائے گا وہ خسارہ اور ظلم سے محفوظ رہے گا۔

ہم میں اطاعت گذار بھی ہیں اور نافرمان بھی۔ اطاعت گذاروں نے راہ ہدایت پالی ہے اور نافرمانوں کا انجام جہنم ہے۔ یہ صحیح راستہ پر رہتے تو ہم انھیں بھی وافر پانی سے سیراب کرتے لیکن یہ تو ایک امتحان ہے اور یاد خدا سے کنارہ کشی کرنے والوں کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔

● یہ لوگ بندۂ خدا کو عبادت کرتے دیکھ کر ٹوٹ پڑتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں پروردگار کا عبادت گذار ہوں اور شرک نہیں کر سکتا ہوں۔ میرے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور نہ کوئی بچانے والا ہے۔ نافرمانوں کا انجام ہمیشہ کے لیے جہنم ہے جسے دیکھ کر انھیں اندازہ ہوگا کہ کون بے یار و مددگار اور نادار ہے۔

● مجھے کیا خبر کہ قیامت کب آنے والی ہے، یہ تو غیب کا مسئلہ ہے جس کا علم پروردگار کو ہے اور وہ جس کو پسند کرتا ہے اسے یہ علم دے دیتا ہے اور پھر اس کے نگہبان معین کر دیتا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ انھوں نے پیغام الٰہی کو پہونچا دیا ہے وہ ہر شے پر محیط اور ہر شے کا حساب رکھنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مُزمّل

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۲۰ آیات ہیں۔

سورۂ جن کا اختتام اس نکتہ پر ہوا تھا کہ پروردگار رسول کو علم غیب اس لیے عنایت کرتا ہے تاکہ وہ پیغام الٰہی کو مکمل طور سے پہونچا سکے اس لیے اس سورہ کا آغاز بھی پیغمبر اسلامؐ کے فرائض سے ہوا ہے کہ اب تک آپ جس چادر کو لپیٹے ہوئے تھے اور جس سے قوم میں زہد و تقویٰ کا اعتبار پیدا ہو رہا تھا اب اسے پھینک کر اُٹھ کھڑے ہوں اور تبلیغ رسالت کا سلسلہ شروع کر دیں۔ اس سلسلہ کا پہلا کام یہ ہے کہ پروردگار سے عملی ارتباط قائم کریں کہ اس سے روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد میدان عمل میں قدم رکھیں کہ یہ رسالت کا بنیادی فریضہ ہے۔

● میرے چادر لپیٹنے والے پیغمبر! رات کو قیام کرو مگر کچھ کم۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا زیادہ یعنی موسم کے اعتبار سے رات کو یوں تقسیم کرو کہ جسم کو راحت بھی ملتی رہے اور کارِ رسالت بھی انجام پاتا رہے۔ رات کا قیام نفس کو پامال کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور دن کا وقت نشاطِ کار کے لیے بہترین موقع ہے۔ ذکر خدا کرتے رہو اور ہمہ تن اسی کے ہو جاؤ۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اسی پر اعتبار کرو اور لوگوں کی باتوں پر صبر کرتے رہو اور انھیں خوب صورتی سے الگ کر دو، اور ان تکذیب کرنے والوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہمارے پاس سزائیں بھی ہیں اور جہنم بھی ہے۔ اُچھو لگا دینے والا کھانا بھی ہے اور دردناک عذاب بھی ہے۔ اُس دن جب زمین و آسمان لرز جائیں گے اور پہاڑ ریت کا ٹیلہ بن جائیں گے۔

• لوگو! ہم نے تمھاری طرف ویسا ہی نگراں رسول بھیجا ہے جیسا کہ فرعون کی طرف موسیٰؑ کی شکل میں بھیجا تھا۔ فرعون نے نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت گرفت میں لے لیا۔ تم بھی کفر اختیار کروگے تو اس دن کیا کروگے جو بچوں کو بوڑھا بنا دینے والا ہے۔ جس دن آسمان شگافتہ ہو جائیں گے اور وعدۂ الٰہی بہرحال پورا ہونے والا ہے۔

• یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے وہ پروردگار کا راستہ اختیار کرلے۔ پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات یا نصف یا ثلث رات قیام کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی ہوتی ہے۔ وہی دن رات کا صحیح اندازہ رکھتا ہے۔ تم لوگ اس کا احصار نہیں کرسکتے ہو لہذا تم کو معاف کر دیا گیا ہے۔ اب تم حسب امکان قرآن پڑھو اور اسے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض مریض یا مسافر یا مجاہد بھی ہوسکتے ہیں لہٰذا بقدر امکان قرآن پڑھو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو کہ جو کچھ اپنے نفس کے لیے بھیج دوگے وہ خدا کی بارگاہ میں مل جائے گا اور وہی بہتر ہوگا اور بہترین اجر کا باعث۔ اللہ سے استغفار کرو کہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ مدثّر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۵۶ آیات ہیں۔

اس سورہ کا تعلق پیغمبر اسلامؐ کی علانیہ تبلیغ سے ہے جہاں پورا نظامِ ہدایت چند لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے اور دشمن کے اندازِ دشمنی کی وضاحت کے ساتھ اس کے انجام کا بھی تذکرہ کر دیا گیا ہے تاکہ رسول اکرمؐ کا دل بھی مطمئن رہے اور دشمن بھی ہوشیار رہیں کہ ایسی عداوت کا انجام کیا ہوتا ہے۔

سورۂ مزمل کا بڑا حصہ عبادت سے متعلق تھا جس سے انسان میدانِ عمل میں قوت حاصل کرتا ہے تو اس سورہ میں میدانِ عمل میں قدم رکھنے کا حکم ہے جو قوتِ نفس کا پہلا نتیجہ ہے لہٰذا یہ دونوں سورے باہم گہرا ارتباط رکھتے ہیں۔

ولید بن مغیرہ کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ رسول اکرمؐ پر کوئی ایسا الزام لگائے جس سے ان کی تبلیغ بے اثر ہو جائے۔ اس نے ڈرامہ کرنے کے لیے غور و فکر کا ایک وقت معین کیا اور آخر میں قرآن کو جادو کہہ دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ الزام اسی غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ صرف عاجزی کا اقرار ہے ورنہ قرآن کلامِ بشر ہے تو اس کا جواب لانا چاہیے نہ کہ اس پر جادو کا الزام لگانا چاہیے۔

● میرے چادر اوڑھنے والے پیغمبر! اب اُٹھ کھڑے ہو اور قوم کو ڈراؤ، اپنے پروردگار کی کبریائی کا اعلان کرو، اپنے لباس کو پاکیزہ رکھو، بُرائیوں سے دور رہو، زیادتی کی خواہش میں احسان نہ جتاؤ، اللہ کے لیے صبر کرو۔ اس کے بعد جب صور پھونکا جائے گا تو کافروں کے لیے وہ دن بڑا سخت ہوگا اور میں کہوں گا کہ اب

اس سرکش انسان کو میرے اوپر چھوڑ دو جسے میں نے مال و اولاد سے نوازا ہے۔ اس کے لیے زمین ہموار کر دی ہے اور پھر بھی مزید کا طلبگار ہے۔ یہ ہماری آیات کا دشمن ہے۔ عنقریب اسے سخت سزا دوں گا۔ اس نے دکھلانے کے لیے بہت غور و خوض کیا اور اسی غور و خوض میں مارا گیا جب منھ بسور کر یہ کہہ دیا کہ یہ پُرانا جادو ہے اور صرف کلام بشر ہے۔ اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے جو کسی کو چھوڑنے والا نہیں ہے اور بدن کو جلا کر سیاہ کر دینے والا ہے۔ اس پر ۱۹ فرشتے مقرر کیے گئے ہیں تاکہ اس عدد سے لوگوں کا امتحان لیا جائے۔ صاحبانِ ایمان اس میں کوئی شک نہ کریں گے اور کفار اس کا بھی مذاق اُڑائیں گے۔ حالانکہ وہ اپنے لشکر کو خوب جانتا ہے۔

چاند، جاتی ہوئی رات اور آتی ہوئی صبح کی قسم! یہ جہنم ایک بڑی شے ہے اور ہر نفس اپنے اعمال میں رہن ہوتا ہے، سوائے اصحاب یمین کے کہ وہ اہل جہنم سے دریافت کریں گے کہ تمھیں کس چیز نے جہنم تک پہونچا دیا ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، لغویات میں شامل ہو جاتے تھے اور قیامت کا انکار کر دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی ــ تو اب انھیں کسی کی شفاعت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آخر یہ لوگ شفاعت سے روگردانی کیوں کر رہے ہیں جیسے بھڑکے ہوئے گدھے شیر سے بھاگ رہے ہوں۔ ہر انسان کی خواہش ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں عطا کر دی جائیں۔ بات صرف یہ ہے کہ انھیں آخرت کا خوف نہیں ہے۔ یہ ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے قبول کر لے۔ حالانکہ یہ لوگ قبول نہ کریں گے جب تک خدا ہی ارادہ نہ کر لے کہ وہی ڈرانے کا اہل اور مغفرت کا مالک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قیامہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۴۰ آیات ہیں۔

سورۂ مدثر کے خاتمہ پر جس عذاب قیامت کا حوالہ دیا گیا تھا اس سورہ میں اسی کے تفصیلات کا ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے مکّی سوروں میں مسئلہ معاد ہی کو موضوع بنایا گیا ہے۔

● روز قیامت اور بُرائیوں پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم! کیا انسان کا خیال ہے کہ ہم ان ہڈیوں کو جمع نہ کرسکیں گے۔ آخر ہم نے تو انگلیوں کے پور تک بنا دیے ہیں۔ یہ انسان بُرائیوں میں آگے بڑھنا چاہتا ہے اور پھر پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

یاد رکھو کہ جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی، چاند کو گہن لگ جائے گا، چاند سورج اکٹھا کر دیے جائیں گے اور انسان پوچھنے لگے گا کہ اب کدھر جائیں اور اس وقت کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ سب کا مستقر خدا کی بارگاہ میں ہوگا اور سب کو تمام اعمال سے باخبر کر دیا جائے گا۔

انسان اپنے حالات کو خوب جانتا ہے چاہے کتنے ہی عذر کیوں نہ بیان کرے۔

آپ تلاوت قرآن میں عجلت سے کام نہ لیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے جمع کریں اور پڑھوائیں۔ اس کے بعد دُہراتے رہیں۔ پھر ہمیں اس کی وضاحت کرنے والے بھی ہیں۔

● تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ جس دن کچھ چہرے شاداب اور نعمت پروردگار کے منتظر ہوں گے اور کچھ چہرے افسردہ اور کمر توڑ

مصیبت سے خوف زدہ ہوں گے۔

● دیکھو جب جان حلق تک پہونچ جائے گی اور پوچھا جائے گا کہ اب جھاڑ پھونک کرنے والے کہاں ہیں اور پنڈلیاں پنڈلیوں سے لپٹ جائیں گی اور سب کو ہنکا کر پروردگار کی بارگاہ میں لے جایا جائے گا۔ اُس وقت کیا ہوگا۔؟

● یہ بدبخت ابوجہل، جس نے نہ نماز پڑھی نہ تصدیق کی۔ صرف تکذیب اور روگردانی کرتا رہا اور اپنے اہل کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔ اس کی حالت انتہائی افسوسناک ہے۔ انسان کا خیال ہے کہ ہم اسے یوں ہی مہمل چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ ہم نے اسے نطفہ سے بنایا ہے اور پھر علقہ کی منزل سے گذار کر مکمل انسان بنادیا ہے اور اسے مرد و عورت دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے تو جو پروردگار یہ سب کچھ کر سکتا ہے کیا وہ مُردوں کو زندہ نہیں کر سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ دہر

یہ سورہ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۳۱ آیات ہیں۔

سورۂ قیامہ کے اختتام پر انسان کی نالائقی کا تذکرہ کیا گیا تھا تو اس سورہ کا آغاز انسان کی واقعی کیفیت اور نتیجہ میں اس کے عظیم کردار سے کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سارے انسان ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔ ان میں اگر تکذیب کرنے والے بخیل ہوتے ہیں تو ایثار کرنے والے کریم وجواد بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اہلبیت پیغمبرؐ نے روزہ رکھنے کے باوجود یتیم و مسکین و اسیر کو کھانا کھلا کر ثابت کر دیا ہے۔

● کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا ہے جب وہ قابل ذکر بھی نہ تھا۔ ہم نے اسے ملے جلے نطفہ سے بنایا ہے تاکہ اس کا امتحان لیں اور اسے صاحب سماعت و بصارت بھی بنا دیا ہے۔ ہم نے اسے سیدھے راستہ کی ہدایت بھی دے دی ہے چاہے وہ شکریہ ادا کرے یا کفرانِ نعمت کرے۔

ہم نے کافروں کے واسطے زنجیروں اور طوق و جہنم کا انتظام کر دیا ہے، جب کہ ہمارے نیک بندے (اہلبیت پیغمبرؐ) ان پیالوں سے سیراب ہوں گے جن میں کافور کی آمیزش ہو گی۔ ان چشموں سے جنھیں اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے۔

یہ وہ بندے ہیں جو نذر کو پورا کرتے ہیں اور آخرت کا خوف رکھتے ہیں اور ضرورت کے باوجود راہ خدا میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور دل میں یہی جذبہ ہوتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے لیے یہ کام کر رہے ہیں اس کا نہ کوئی بدلہ درکار ہے اور نہ شکریہ۔ ہمیں تو صرف سخت ترین دن کا خوف ہے۔ تو پروردگار نے انھیں اس دن کے شر سے بچا لیا اور

انھیں مسرت اور شادمانی بھی عطا کردی۔ بلکہ ان کے صبر کے عوض انھیں جنت اور لباسِ جنت بھی عطا کر دیا جہاں تختوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ سورج کی گرمی اور نہ زمہریر کی سردی، سائے قریب ترین ہوں گے اور میوے بالکل دسترس کے اندر ہوں گے۔ ان کے گرد چاندی اور شیشے کے پیالوں کی گردش ہوگی جنھیں خاص انداز سے بنایا گیا ہوگا انھیں ایسے پیالوں سے سیراب کیا جائے گا جن میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ اس چشمے سے جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ ان کے گرد ہمیشہ رہنے والے نوجوان گردش کرتے ہوں گے جو دیکھنے میں بالکل بکھرے ہوئے موتی نظر آئیں گے اور جب دیکھو گے تو نعمت اور ملک کبیر کے مناظر دکھائی دیں گے۔ اُن کے اوپر سُندس کے سبز لباس اور ریشم کے حلّے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پھر شراب طہور سے سیراب کیے جائے گا کہ یہ سب تمھاری جزا ہے اور تمھاری کوشش بہرحال قابلِ قبول ہے۔

● پیغمبر! ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے لہٰذا آپ ہمارے حکم کے لیے صبر کریں اور کسی کافر یا گنہگار کی ہرگز اطاعت نہ کریں، صبح و شام ذکرِ خدا کرتے رہیں، راتوں کو سجدۂ پروردگار کریں اور پھر تسبیح بھی کرتے رہیں۔ یہ لوگ دنیا داری چاہتے ہیں اور سخت ترین دن کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

● ہم نے انھیں خلق کیا ہے اور ان کے وجود کو مضبوط بنایا ہے اور جب چاہیں گے انھیں بدل دیں گے۔ یہ تو ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے خدا کا راستہ اختیار کر لے۔

● تم لوگ تو صرف وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے۔ خدا یقیناً صاحبِ علم بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب مہیا کر لیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ مرسلات

یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۵۰ آیات ہیں۔

اس کے قبل کا سورہ دہر اگرچہ مدنی ہے اور یہ سورہ مکی ہے لیکن اس کے باوجود جس منزل پر اس سورہ کا اختتام ہوا تھا اسی منزل سے اس سورہ کا آغاز ہوا ہے اور پورے سورہ میں انسانوں کی دونوں قسموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس کا محور قیامت کو قرار دیا گیا ہے جو عام طور سے مکی سوروں کا مزاج ہے۔

اس سورے میں پہلے تکذیب کرنے والوں کے انجام کا بیان ہوا ہے اس کے بعد ایمان اور تصدیق کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

● تیز اور تند ہواؤں کی قسم اور فضائے بسیط میں پرواز کرنے والے اور مختلف امور میں امتیاز پیدا کرنے والے اور ذکر کو اتمام حجت یا تخویف کے لیے نازل کرنے والے ملائکہ کی قسم کہ قیامت بہر حال واقع ہونے والی ہے۔

جب ستارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان شگافتہ ہو جائیں گے اور پہاڑ اُڑ جائیں گے اور انبیاء ایک منزل پر جمع کر دیے جائیں گے اور دن فیصلہ کا ہوگا۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کا مقدر جہنم ہوگا۔

کیا ہم نے اس سے پہلے قوموں کو ہلاک نہیں کیا ہے؟ اور ہم تو مجرمین کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں اور مکذبین کا انجام بہر حال جہنم ہی ہوتا ہے۔

● کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے خلق کر کے ایک محفوظ مقام پر ایک معین مدت تک نہیں رکھا ہے؟ تو یاد رکھو کہ مکذبین کا انجام صرف جہنم ہے۔

• کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والا ظرف نہیں بنایا ہے اور اس میں پہاڑ نصب نہیں کیے ہیں اور تمھیں خوشگوار پانی سے سیراب نہیں کیا ہے تو اب تکذیب کرنے والوں کا انجام جہنم ہے۔

• جاؤ اور اُدھر جاؤ جس کی تکذیب کر رہے تھے۔ دیکھو یہ تین شعبوں والا سایہ ہے جو نہ سایہ ہے اور نہ شعلوں سے بچانے کا ذریعہ۔ یہ تو جہنم ہے جو تکذیب کرنے والوں کا مقدر ہے۔

• آج کسی کو بولنے کی بھی اجازت نہ ہوگی اور نہ کوئی عذر بیان کر سکے گا۔ آج مکذّبین کے لیے صرف جہنم ہے۔

• ہاں متقین واقعاً سایہ میں چشمے کے قریب ہوں گے۔ جہاں خواہش کے مطابق میوے ہوں گے اور حکم ہوگا کہ کھاؤ، پیو اور مبارک ہو کہ یہ تمھارے اعمال کا انعام ہے۔ ہم یوں ہی نیک عمل والوں کو جزا دیتے ہیں۔ البتہ مکذّبین کا انجام آج بھی صرف جہنم ہے۔

• مجرمو! چند دن کھا پی لو۔ تم مجرم ہو۔ تمھارا آخری انجام جہنم ہے۔

• ان مجرموں سے رکوع کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو جھکتے بھی نہیں ہیں تو آج ان مکذّبین کا انجام صرف جہنم ہے۔

• اب اس تفصیل کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نبأ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۴۰ آیات ہیں۔

واضح رہے کہ اس سورۂ مبارکہ سے تیسویں اور آخری پارہ کا آغاز ہوتا ہے اور اس پارہ میں بینہ، زلزال اور نصر کے علاوہ تمام سورے مکی ہیں اور اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مکی سورے عام طور سے مختصر ہیں اور ابتدائے تبلیغ میں جب لوگ تفصیلی بات سُننے کے لیے تیار نہ تھے۔ مختصر الفاظ میں عقائد کی توضیح کر دی جاتی تھی اور اس کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے انجام کا ذکر کر دیا جاتا تھا تاکہ ذہن عقائد کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد جب اسلامی ماحول تیار ہو گیا اور ذہن کلام الٰہی کے سُننے کے لیے تیار ہو گئے اور احکام کے اجراء کا وقت آگیا تو تفصیلی سوروں میں مفصل احکام کا تذکرہ کیا گیا۔

اس سورہ کا آغاز بھی اسی نقطہ سے ہوا ہے جہاں مرسلات کا اختتام ہوا تھا۔ وہاں انسانوں کو تکذیب پر تنبیہ کی گئی تھی اور یہاں اختلاف اور فضول بحث کے انجام کی نشاندہی کی گئی ہے۔

● یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہیں؟ عظیم خبر کے بارے میں جس میں انھیں اختلاف ہے تو عنقریب انھیں بخوبی معلوم ہو جائے گا اور خوب معلوم ہو جائے گا۔

● ان سے پوچھو کہ کیا ہم نے زمین کا فرش نہیں بچھایا ہے، کیا پہاڑوں کی میخیں نصب نہیں کی ہیں؟۔ بے شک ہم ہی نے تمھیں جوڑا بنایا ہے اور تمھاری نیند کو وجہ سکون بنایا ہے اور تمھارے لیے رات کو پردہ پوش اور دن کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں اور اس میں بھڑکتا ہوا چراغ جلایا ہے۔ ہم نے ہی بادلوں سے پانی برسایا ہے تاکہ دانے اور سبزے اُگائیں اور باغات تیار کریں۔

● فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا اور تم سب گروہ در گروہ آؤ گے اور آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے پہاڑ حرکت میں آکر ریت جیسے ہو جائیں گے یقیناً جہنم تمہاری گھات میں ہے جو سرکشوں کا آخری انجام ہے اور جس میں وہ مدتوں رہیں گے۔ نہ ٹھنڈک ملے گی اور نہ کوئی مشروب نصیب ہوگا علاوہ کھولتے پانی اور پیپ کے جو ان کے اعمال کی مکمل جزا ہے۔ اس لیے کہ یہ حساب کی امید ہی نہیں رکھتے تھے اور ہماری آیات کی مسلسل تکذیب کر رہے تھے جب کہ ہم نے ہر شے کو کتاب میں جمع کر لیا ہے تو اب عذاب کا مزہ چکھو جس میں اضافہ ہی ہو سکتا ہے کمی نہیں ہو سکتی ہے۔

● ہاں، متقین کے لیے کامیابی کی منزل ہے۔ باغات اور انگور کے درخت ہیں اور ہمسن نوجوان دوشیزائیں ہیں۔ چھلکتے ہوئے ساغر ہیں۔ وہاں نہ کوئی آواز سنائی دے گی اور نہ جھوٹ۔ یہ پروردگار کی نپی تلی جزا ہے۔ وہ آسمان و زمین اور ان کے مابین ہر شے کا مالک ہے اور رحمان ہے۔ اس کے سامنے کوئی زبان نہیں کھول سکتا ہے۔ اس دن روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے اور صرف وہ بول سکے گا جسے رحمان کی اجازت حاصل ہو، اور حرف حق کہے۔ اس لیے کہ یہ روز حق ہے۔ اب جس کا جی چاہے پروردگار کی بارگاہ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

● ہم نے عنقریب پیش آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اعمال کو دیکھ لے گا اور کافر یہ کہے گا کہ اے کاش! میں خاک ہو گیا ہوتا اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔

آخری آیت میں اس بات کی نشاندہی ہے کہ جس نبأ عظیم میں اختلاف کیا جا رہا تھا وہ قیامت کا مسئلہ تھا لیکن کافر کی حسرت "کاش میں تراب ہوتا" اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس قیامت میں سارا جلوہ ابو تراب کا ہوگا اور اسے دیکھ کر کافر کو تراب بننے کی حسرت پیدا ہوگی اور اس طرح نبأ عظیم اس قیامت خیز مسئلہ امامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نازعات

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۴۶ آیات ہیں۔

اس کا آغاز اس قیامت کی تمہید سے کیا گیا ہے جس کا مفصل تذکرہ سورۂ نبأ میں کیا گیا تھا۔

● روح انسانی کو ڈوب کر کھینچنے والے اور صاحبانِ ایمان کی زندگی کی گرہ کو آسانی سے کھولنے والے، فضائے بسیط میں تیز رفتاری سے پرواز کرنے والے والے۔ اور متعلقہ امور کا بخوبی انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم ـ کہ قیامت کے دن ایک جھٹکا آئے گا اور پھر جھٹکوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ دل لرز جائیں گے اور آنکھیں جھک جائیں گی۔

● یہ کفار کہتے ہیں کہ کیا ہم دوبارہ دنیا میں واپس لائے جائیں گے، کھوکھلی ہڈی بن جانے کے بعد؟ یہ تو بڑی گھاٹے والی واپسی ہو گی۔ تو یاد رکھو یہ قیامت ایک چیخ ہے جس کے بعد سب میدان حشر میں موجود دکھائی دیں گے۔

● کیا تم نے موسیٰؑ کی داستان نہیں سُنی ہے، جب پروردگار نے انھیں وادیٔ مقدس میں آواز دی کہ فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے پوچھو کہ کیا پاکیزہ نفس بننا چاہتا ہے یا ہدایت لے کر خوفِ خدا پیدا کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔؟

موسیٰؑ آئے اور انھوں نے عظیم نشانی دکھلائی لیکن اس نے انکار کر دیا اور منھ پھیر کر تیزی سے چل دیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ میں تمھارا بلند ترین پروردگار ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر دنیا اور آخرت کا دُہرا عذاب ہو گیا! اور یہ ہر خوفِ خدا رکھنے والے کے لیے سامانِ عبرت ہے۔

• تم بتاؤ کہ تمھاری خلقت زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی خلقت کہ جسے پروردگار نے بنایا ہے، بلند کیا ہے، درست کیا ہے اور اس سے رات کو تاریک بنایا ہے اور دن کو روشن کیا ہے، زمین کا فرش بچھایا ہے۔ اس میں سے پانی اور سبزہ اُگایا ہے۔ پہاڑوں کو نصب کیا ہے اور یہ سب تمھارے اور تمھارے جانوروں کے سرمایۂ حیات کے لیے کیا ہے۔

• پھر جب بڑی مصیبت آجائے گی تو انسان یاد کرے گا کہ اس نے کیا کیا ہے اور جب جہنم سامنے آجائے گا۔ پھر جس نے سرکشی کی ہے اور دنیا کو اختیار کیا ہے۔ اس کا انجام جہنم ہوگا اور جس کے دل میں خوف پروردگار ہے اور اس نے نفس کو خواہشات سے روک لیا ہے اس کا مرکز جنت ہوگا۔

• یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ آخر قیامت کب آئے گی اور آپ اس کی یاد کی کس منزل پر ہیں۔ حالانکہ اس کے علم کی انتہا پروردگار کی طرف ہے۔ آپ تو صرف خوف خدا رکھنے والوں کو ڈرانے والے ہیں۔ یہ لوگ جب اسے دیکھیں گے تو یہی خیال کریں گے کہ جیسے دنیا میں صرف ایک شام یا ایک صبح گزاری ہے اور بس۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ عبس

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس ۴۲ آیات ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کا بنیادی موضوع بھی مسئلہ قیامت ہے لیکن تمہید میں ان لوگوں کے کردار پر تبصرہ ہے جو آخرت سے غفلت کی بنا پر دنیاوی دولت اور شخصیت کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور پیغمبرؐ کے پاس کوئی غریب آدمی آجاتا ہے تو منھ بسور لیتے ہیں کہ یہ کیوں آگیا ہے۔ گویا یہ بڑے لوگوں کا دربار ہے یہاں غریبوں کا گذر نہیں ہے حالانکہ کون جانتا ہے کہ کس پر کتنا اثر ہو سکتا ہے۔

● اس نے منھ بسور لیا اور منھ پھیر لیا کہ پیغمبرؐ کے پاس ایک نابینا آگیا حالانکہ کسے معلوم ہے شائد وہ پاکیزہ نفس ہو جاتا اور اس پر نصیحت کا اثر ہو جاتا۔ اب اگر کوئی بے نیاز بن گیا ہے تو اس کی زیادہ فکر نہ کریں۔ وہ راستہ پر نہ بھی آئے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی دوڑتا ہوا آئے اور اس کے دل میں خوفِ خدا ہو تو اس سے روگردانی نہ کریں۔

● یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے قبول کر لے۔ یہ محترم صحیفوں میں بلند ترین اور پاکیزہ ترین کتاب ہے۔ ان سفیروں کے ہاتھ میں ہے جو محترم اور نیک کردار ہیں۔

● انسان اسی بات میں مارا گیا کہ وہ کس قدر ناشکرا ہو گیا ہے۔ گویا اسے خبر نہیں ہے کہ اسے کس چیز سے بنایا گیا ہے۔ پروردگار نے اسے نطفہ سے بنایا اور اس کا اندازہ

مقرر کر کے بنایا۔ اس کے لیے راستے کو آسان کر دیا۔ پھر موت دے کر قبر تک پہونچا دیا۔ پھر جب چاہا نکال لیا مگر انسان نے اس کے حکم کو پورا نہیں کیا۔

- انسان کو اپنے کھانے پر نظر کرنی چاہیئے کہ ہم نے ہی پہلے پانی برسایا، پھر زمین کا سینہ چاک کیا، پھر دانے، انگور، ترکاریاں، زیتون، خرمے، گھنے گھنے باغات، میوے اور چارہ سب کچھ پیدا کیا تاکہ تمھارا بھی سرمایۂ حیات ہو اور تمھارے جانوروں کا بھی۔
- اس کے بعد جب کان کے پردے پھاڑنے والی صدائے قیامت بلند ہو جائے گی تو ہر شخص اپنے بھائی، ماں، باپ، زوجہ اور اولاد سے فرار کرے گا اور سب اپنے اپنے حال میں مبتلا ہوں گے۔ کچھ چہرے روشن، مسکراتے ہوئے اور کھلے ہوئے ہوں گے اور کچھ چہروں پر غبار ہوگا جہاں ذلت چھائی ہوگی اور یہی سب لوگ کافر اور فاجر ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ تکویر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اس سورہ میں قیامت کا دوسرا منظر پیش کیا گیا ہے جب چادرِ آفتاب لپیٹ دی جائیگی اور ستارے گر پڑیں گے۔ پہاڑ حرکت میں آجائیں گے اور اونٹنیاں معطل کر دی جائیں گی۔ جانوروں کو اکٹھا کر لیا جائے گا اور دریا بھڑک اٹھیں گے۔ روحوں کو جسموں سے جوڑ دیا جائے گا۔ اور زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ انھیں کس جرم میں مارا گیا ہے۔ اس وقت نامۂ اعمال منتشر کر دیے جائیں گے اور آسمان کا چھلکا اُتار دیا جائے گا، جہنم بھڑک اٹھے گا اور جنت قریب کر دی جائے گی اور پھر ہر نفس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کیا پیش کیا ہے۔

● مختلف قسم کے ستاروں کی قسم، تاریک رات اور سانس لیتی صبح کی قسم، یہ ایک محترم فرشتے کا پیغام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور مکین بزم الوہیت بھی۔ وہ قابلِ اطاعت بھی ہے اور امانت دار بھی۔ دیکھو تمھارا ساتھی (پیغمبرؐ) مجنون نہیں ہے۔ اس نے فرشتہ کو بلند ترین افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کے بارے میں بخیل نہیں ہے اور قرآن کسی شیطان رجیم کا قول نہیں ہے۔

● آخر تم لوگ کدھر چلے جا رہے ہو؟ یہ قرآن عالمین کے لیے نصیحت ہے۔ جو بھی راہ راست پر آنا چاہے اور تم تو وہی چاہ سکتے ہو جس کے چاہنے کے بارے میں پروردگار چاہتا ہو ورنہ تم میں چاہنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ انفطار

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

یہ قیامت کا تیسرا نقشہ ہے جہاں انسان کو حالات کی سنگینی اور اس کے اعمال کے انجام سے باخبر کیا گیا ہے۔

● جب آسمان شگافتہ ہو جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے اور دریا بھڑک اٹھیں گے اور مُردے قبروں سے نکال لیے جائیں گے اور ہر نفس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے پیچھے کیا کیا ہے۔

● اے انسان! تجھے رب کریم کے بارے میں کس شے نے دھوکہ میں رکھا ہے جب کہ اُسی نے تجھے صحیح طریقہ سے اور متوازن انداز میں پیدا کیا ہے اور جو صورت مناسب دیکھی ہے وہی عطا کی ہے۔

● تم لوگ روز جزا کا انکار کرتے ہو حالانکہ تمہارے اوپر نگہبان مقرر ہیں جو محترم فرشتے ہیں اور اعمال کو لکھ رہے ہیں اور تمہارے ہر عمل سے باخبر ہیں۔

● بیشک نیک افراد نعمتوں میں رہیں گے اور فاجر افراد جہنم میں ہوں گے اور روز جزا اسی میں جھونک دیے جائیں اور اس سے بچ کر نہ جا سکیں گے۔

● آپ کو کیا خبر کہ یہ بدلہ کا دن کیا ہے۔ اور کیا جانیں کہ یہ دن کیسا ہے۔ یہ وہ دن ہے جب کوئی کسی کے بارے میں کسی اختیار کا مالک نہ ہوگا اور سارا اختیار صرف پروردگار کے ہاتھ میں ہوگا۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ مطففین

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۳۶ آیات ہیں۔

سورۂ مبارکہ انفطار کا خاتمہ روزِ جزا کی سختی کے بیان پر ہوا تھا تو اس سورہ کا آغاز ایک سماجی عیب سے ہوا ہے جس کا انجام روزِ قیامت سخت ترین عذاب ہوگا کہ اگر انسان ناپ تول میں ناانصافی کرتا ہے تو اسے یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر یہی برتاؤ روزِ قیامت اس کے ساتھ کیا گیا تو اس کا انجام کیا ہوگا۔؟

● ویل ہے ناپ تول میں ان بے ایمانی کرنے والوں کے لیے کہ جو لوگوں سے مال لیتے ہیں تو پورا پورا ناپ تول کر لیتے ہیں اور لوگوں کو دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا انھیں یہ خیال نہیں ہے کہ یہ روزِ قیامت قبروں سے اٹھائے جائیں گے جو انتہائی عظیم دن ہے اور سب رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

● اس دن بدکاروں کا نامۂ اعمال سجّین میں ہوگا جو ایک لکھا ہوا دفتر ہے اور پھر ویل ان مکذّبین کے لیے ہے جو روزِ قیامت کو جھٹلا رہے ہیں اور یہ کام ظالم اور گنہگار کے علاوہ کوئی نہیں کرتا ہے کہ جب اس پر آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو اسے پرانے قصّے کہہ دیتا ہے۔

● ان لوگوں کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ یہ روزِ قیامت رحمت الٰہی سے محروم ہوں گے اور پھر جہنم واصل کر دیئے جائیں گے اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ تم اسی کی تکذیب کر رہے تھے۔؟

دوسری طرف نیک کرداروں کے اعمال علّیین میں ہوں گے جو خود بھی ایک لکھا ہوا دفتر ہے جس کے گواہ ملائکہ مقربین ہیں۔ یہ نیک کردار افراد نعمتوں کے ماحول میں تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی ہوگی۔ انھیں سر بمہر شراب سے سیراب کیا جائے گا جس کی مہر مشک کی ہوگی اور ایسی ہی منزل کے لیے لوگوں کو باہمی مقابلہ کرنا چاہیے۔

اس شراب میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی جو ایک چشمہ ہے جس سے مقربین سیراب ہوتے ہیں۔

● مجرمین کا حال یہ ہے کہ یہ صاحبانِ ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو اشارے کنائے کرتے ہیں اور اپنے اہل کے پاس خوش و خرم واپس آتے ہیں اور اہلِ ایمان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہی گمراہ لوگ ہیں۔ حالانکہ انھیں ان کا گواہ نہیں بنایا گیا ہے۔

● آج صاحبانِ ایمان ان کفار کو دیکھ کر ہنسیں گے اور اطمینان سے تختوں پر بیٹھے ہوئے ان کا حال دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ انشقاق

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۲۵ آیات ہیں۔

اس سورہ میں بھی قیامت کی منظر کشی اور دونوں گروہوں کی صورت حال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

● جب آسمان حکم پروردگار کی تعمیل میں شق ہو جائے گا۔ زمین برابر کرکے پھیلا دی جائیگی اور اپنے خزانے نکال کر پھینک دے گی اور یہ سب برحق ہونے والا ہے۔

● یہ انسان درحقیقت اپنے پروردگار کی طرف رواں دواں ہے اور ایک دن اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ پھر اگر نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا گیا تو معمولی حساب کے بعد اپنے اہل کی طرف خوش و خرم واپس آجائے گا اور اگر نامۂ اعمال پس پشت سے دیا گیا تو ہلاکت کی فریاد کرے گا اور جہنم واصل ہوگا۔ یہ پہلے اپنے گھر میں بہت خوش تھا اور اس کا خیال تھا کہ پلٹ کر نہیں جانا ہے جب کہ پروردگار اس کے حالات کو برابر دیکھ رہا تھا۔

● قسم ہے شفق کی اور رات کی گیرائی کی اور چاند کے کمال کی کہ تمھیں مسلسل مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر آخر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں؟ اور قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ کیوں نہیں کرتے ہیں؟۔ بات یہ ہے کہ یہ کفار تکذیب کرنے والے ہیں اور اللہ ان کے راز دل سے خوب باخبر ہے۔

● پیغمبرؐ! آپ انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں علاوہ ان لوگوں کے کہ جو صاحبان ایمان و عمل صالح ہیں کہ ان کے لیے ناقابل انقطاع اجر و ثواب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ بروج

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۲ آیات ہیں۔
مکہ کے دوسرے سوروں کی طرح اس سورہ میں بھی عقائد کے تذکرہ کے ساتھ منکرین کے بدترین انجام اور صاحبان ایمان کے بہترین انعام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

● برجوں والے آسمان، وعدہ والے دن اور شاہد و مشہود کی قسم کہ اصحاب اخدود ہلاک ہو گئے جو خندق کھود کر اس میں اہل ایمان کو ڈال کر تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ خدائے عزیز و حمید پر ایمان لائے تھے حالانکہ خدا تمام اعمال کو خود بھی دیکھ رہا ہے۔

● یاد رکھو کہ جن لوگوں نے صاحبانِ ایمان کو ستایا اور پھر توبہ نہیں کی ان کے لیے جہنم ہے اور جہنم میں بھی تپش اور سوزش ہے اور جن لوگوں نے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا ہے ان کے لیے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہی عظیم ترین کامیابی ہے۔

● یاد رکھو اللہ کا انتقام بہت سخت ہے وہی ایجاد کرنے والا اور دوبارہ لانے والا ہے اور وہی غفور و ودود ہے۔ وہ بزرگ ترین عرش کا مالک ہے اور اپنے ارادہ کی بہر حال تکمیل کرنے والا ہے۔

● کیا تمہارے پاس فرعون اور ثمود کے لشکروں کی خبر نہیں آئی ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ یہ کفار ہمیشہ تکذیب ہی کرتے ہیں اگرچہ پروردگار انھیں گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور اور یہ بچ کر نہیں جا سکتے ہیں۔

● درحقیقت یہ وہ قرآن مجید ہے جو محفوظ لوح میں رکھ دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ طارق

یہ سورہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۷ آیات ہیں۔

سورۂ بروج میں برجوں والے آسمان کی قسم کھائی گئی تھی اور یہاں آسمان کے ساتھ ایک مخصوص ستارہ کی قسم کھائی گئی ہے اور اعلان ہوا ہے کہ ہر نفس کے لیے ایک نگراں معین ہے۔ لہذا انسان کو اس بات پر نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے اسے ایک اُچھلتے پانی سے خلق کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے اور پیدا کرنے والا اسے پلٹانے پر بھی قادر ہے۔ جس دن تمام راز کھل جائیں گے اور پھر کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا۔

● چکر لگانے والے آسمان اور شگافتہ ہونے والی زمین کی قسم کہ یہ ایک قولِ فیصل ہے اور کوئی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف مکر کر رہے ہیں اور ہم بھی مصروفِ تدبیر ہیں اور عنقریب کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ بس انھیں تھوڑی دیر اسی حال میں مہلت دے دی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اعلیٰ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

اس سورہ میں عظمت پیغمبرؐ کے ساتھ ایمان لانے والوں اور انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

● پیغمبرؐ! اس بلند ترین پروردگار کے نام کی تسبیح کریں جس نے متوازن بنا کر خلق کیا ہے اور تقدیر معین کر کے ہدایت دے دی ہے۔ اس نے زمین سے چارہ نکالا ہے اور پھر اسے کوڑا کرکٹ بنا دیا ہے۔ ہم عنقریب آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ کبھی بھول نہ سکیں گے مگر یہ کہ پروردگار ہی کی مشیت ہو کہ وہ ظاہر اور باطن سب کو جانتا ہے اور ہم عنقریب آپ کا راستہ آسان کر دیں گے۔ لہٰذا آپ نصیحت کریں اگر فائدہ کا امکان ہو اور یقیناً خوف خدا رکھنے والے نصیحت قبول کریں گے اور بدبخت گریز کریں گے جنھیں عظیم ترین آگ میں جلنا ہوگا جہاں نہ لطف حیات مل سکے گا نہ راحت موت نصیب ہوگی۔

● بیشک کامیابی پاکیزہ نفس انسانوں کا حصہ ہے جنھوں نے نام خدا کو یاد کیا اور نماز قائم کی ــ لیکن افسوس کہ تم لوگ زندگانی دنیا کو مقدم کر رہے ہو جب کہ آخرت ہی بہترین اور باقی رہنے والی ہے، اور یہ بات ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں سمیت تمام آسمانی صحیفوں میں موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ غاشیہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۶ آیات ہیں۔

اس سورہ میں قیامت کا نقشہ پیش کر کے دنیا میں دعوتِ فکر و نظر دی گئی ہے تاکہ انسان منزلِ ایمان تک پہونچ جائے۔

● کیا تم تک ڈھانپ لینے والی قیامت کی خبر پہونچی ہے؟ جس دن کچھ چہرے ذلیل ہوں گے، محنت کرنے والے تھکے ہوئے اور انھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کھانا صرف خار دار جھاڑی ہوگی جس سے نہ موٹائی پیدا ہوگی اور نہ بھوک مرے گی۔ ہاں کچھ چہرے ایسے بھی ہوں گے جو شاداب ہوں گے اور اپنی کوششوں پر خوش، بلند ترین جنت میں جہاں کوئی لغو آواز نہ سنائی دے۔ چشمے جاری ہوں۔ بلند ترین تخت ہوں، پیالے برابر سے سجائے ہوئے، گاؤ تکیے لگے ہوئے اور مسندیں بچھی ہوئی ہوں گی۔

● آخر یہ لوگ اس اونٹ کی خلقت پر غور کیوں نہیں کرتے اور آسمان کی بلندی، پہاڑوں کے استحکام، زمین کی سطح پر فکر کیوں نہیں کرتے ہیں۔ آپ یاددہانی کرائیں کہ یہ آپ کا کام ہے اور آپ راستہ پر آجانے کے ٹھیکہ دار نہیں ہیں۔

● اب اگر کوئی منہ پھیر لے گا اور کفر اختیار کرے گا تو اللہ اسے عظیم عذاب دے گا کہ سب کی واپسی اسی کی بارگاہ میں ہے اور سب کا حساب اسی کو کرنا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فجر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۳۰ آیات ہیں۔

اس سورہ میں صبح اور رات کی قسم کھا کر رات دن فساد کرنے والوں کے انجام کی خبر دی گئی ہے اور پھر صاحبانِ ایمان کے بہترین انعام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

● قسم ہے فجر اور دس راتوں کی، اور طاق اور جفت کی اور گذرتی ہوئی رات کی۔ کہ اس قسم میں صاحبانِ عقل کا بڑا فائدہ ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے خدا نے قوم عاد کے ساتھ کیا سلوک کیا جن کے پاس باغ ارم تھا جس کا مثل کہیں نہیں تھا اور پھر ثمود کا کیا حشر کیا جنھوں نے پتھر تراش کر مضبوط مکان بنائے تھے اور فرعون کا کیا انجام ہوا جس کے پاس مستحکم لشکر تھا جس کی وجہ سے ان لوگوں نے شہروں میں سرکشی کی اور زمین میں فساد برپا کیا تھا جس کے نتیجہ میں پروردگار نے عذاب کے کوڑے برسا دیے کہ وہ ہمیشہ ظالموں کی تاک میں رہتا ہے۔

● انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کو آزما کر عزت اور نعمت دے دی جاتی ہے تو خوش ہو کر کہتا ہے کہ خدا نے خوب عزت دی ہے اور جب رزق میں تنگی کر دی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ خدا نے ہماری توہین کی ہے۔ حالانکہ اس کا پروردگار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ یہ تمھارے اعمال کا نتیجہ ہے کہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے ہو اور مساکین کے کھانے پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرتے ہو اور میراث کے مال کو اکٹھا کر کے کھا جاتے ہو اور مال سے بے پناہ محبت کرتے ہو۔

● یاد رکھو کہ جب زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور پروردگار کا حکم اور فرشتے صف در صف آجائیں گے اور جہنم کو سامنے لے آیا جائے گا تو انسان کو ہوش آجائے گا لیکن اس وقت ہوش کا فائدہ کیا ہوگا۔ اس وقت تو انسان کہے گا کہ کاش اس زندگی کے لیے بھی کوئی انتظام کر لیتا۔ حالانکہ اس دن ویسا عذاب کیا جائے گا جو کسی نے نہ کیا ہوگا اور اس طرح گرفتار کیا جائے گا جس طرح کسی نے نہ کیا ہوگا۔

● اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ کہ تو ہم سے راضی ہے اور ہم تجھ سے راضی ہیں۔ آ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ بلد

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۰ آیات ہیں۔

اس میں انسان کی تخلیق اور اس کے خصوصیات کے ساتھ اُس بنیادی طریقۂ حیات کا اعلان کیا گیا ہے جو انسان کی عاقبت اور آخرت کو سنوار سکتا ہے۔

• قسم ہے اس شہر کی جس میں آپ مقیم ہیں اور قسم ہے باپ اور بیٹے کی کہ ہم نے انسان کو ہم آزما کر پیدا کیا ہے لیکن اس کا خیال یہ ہے کہ اس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا ہے۔ وہ اکڑ کر کہتا ہے کہ ہم نے بے تحاشہ مال خرچ کیا ہے اور شاید اس کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے جب کہ ہم نے ہی اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ عنایت کیے ہیں اور نیک و بد کے راستے کی ہدایت کر دی ہے۔

• پھر وہ عقبہ سے کیوں نہیں گذرا۔ عقبہ اصل میں غلام آزاد کرنا اور بھوک کے دنوں میں کھانا کھلانا ہے، قرابت دار یتیموں کو یا زمین افتادہ مسکینوں کو۔ وہ ان لوگوں میں شامل کیوں نہ ہو گیا جو ایمان لائے اور انھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور رحمت کی نصیحت کی کہ یہی لوگ خوش قسمت افراد ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بدبخت ہیں اور ان پر جہنم سے نکلنے کے سارے راستے بند کر دیے جائیں گے۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ الشمس

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۵ آیات ہیں۔

اس سورہ میں مختلف قسموں کے بعد اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ پاکیزگی نفس ہی انسان کی زندگی کی عظیم ترین کامیابی ہے ورنہ اس کے علاوہ صرف خسارہ اور ناکامی ہی ہے جس کی مثال قوم ثمود میں نمایاں طور سے پیدا ہو چکی ہے اور اس کا انجام بھی سامنے آچکا ہے۔

● آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم، چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے چلے، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کی قسم، آسمان اور اس کے بنانے والے، زمین اور اس کے فرش کرنے والے کی قسم۔ نفس اور اس کے متوازن بنانے والے اور اسے نیک و بد کی فطری تعلیم دینے والے کی قسم کہ فلاح صرف اس کے لیے ہے جس نے نفس کو پاکیزہ بنا لیا اور ناکامی صرف کثیف النفس افراد کا حصہ ہے۔

● دیکھو قوم ثمود نے سرکشی کی بنا پر نبی کی تکذیب کی اور پھر ایک بدبخت ترین انسان اٹھ کھڑا ہوا جس کو رسول خدا نے لاکھ سمجھایا کہ یہ اونٹنی قدرتی ہے اور اس کی سیرابی کا نظام خدائی ہے لیکن ان لوگوں نے تکذیب کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو پروردگار نے عذاب کو ہر طرف سے گھیر دیا اور اسے بالکل برابر کر دیا اور اسے اس عمل کے انجام کا کوئی خوف بھی نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اللیل

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۲۱ آیات ہیں۔

اس سورہ میں دن اور رات کی قسم کھا کر کردار کے اُجالے اندھیرے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دونوں قسم کے افراد کو ان کے انجام سے باخبر کیا گیا ہے۔

● رات کی قسم جب وہ ڈھانپ لے اور دن کی قسم جب وہ چمک اُٹھے اور مرد و عورت کے پیدا کرنے والے کی قسم کہ تمھاری کوششیں مختلف ہوتی ہیں اور پھر جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی تصدیق کی اس کا راستہ بہرحال آسان کر دیا جائے گا اور جس نے بخل کیا اور بے نیاز بن گیا اور نیکی کی تکذیب کی اس کے لیے ہم سختی کا راستہ ہموار کر دیں گے اور ہلاکت کے وقت مالِ دنیا کام نہ آئے گا۔ ہمارا کام ہدایت دے دینا ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔

● میں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا رہا ہوں جس میں جلنا بدبختوں کا مقدر ہے جو تکذیب کر کے منھ پھیر لیتے ہیں ورنہ متقی اس سے بالکل محفوظ رہیں گے کہ وہ اپنے مال کو دے کر پاکیزگی کا انتظام کرتے ہیں اور خدا کے اوپر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف ایک بات ہے کہ انسان اس کی مرضی کا طلبگار ہو اور وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہُ الضحیٰ

یہ سورہ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

اس سورہ میں روشنی اور رات کی قسم کھا کر پیغمبر اسلام کے زندگی کے دونوں رخوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اپنے احسانات کے شکریہ کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

● قسم ہے ایک پہر چڑھے دن کی اور قسم ہے پردہ پوش رات کی کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔ آخرت تمہارے لیے دنیا سے بہتر ہے اور عنقریب تمہیں اس قدر عنایت کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

● دیکھو آخر تم یتیم تھے اس نے تم کو پناہ دی۔ تم گم شدہ تھے اس نے متعارف کرایا۔ تم نادار تھے اس نے غنی بنا دیا تو اب تمہارا فرض ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا۔ سائل کو جھڑک نہ دینا اور پروردگار کی نعمتوں کا برابر ذکر کرتے رہنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہُ الم نشرح

یہ سورہُ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸ آیات ہیں۔

یہ سورہ ایک اعتبار سے گذشتہ سورہ کا تتمہ ہے اور اس میں وہی لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

● کیا ہم نے تمہارے سینے کو کشادہ نہیں کیا اور کیا تمہارے بوجھ کو اٹھا نہیں لیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور پھر تمہارے ذکر کو بلند کر دیا کہ ہر تنگی کے ساتھ راحت ہوتی ہے اور ہر مشکل کے ساتھ آرام بھی ہوتا ہے۔ اب آپ جب تبلیغ اسلام سے فارغ ہو جائیں تو مزید زحمت برداشت کریں اور ولایت علیؑ کا اعلان کر دیں کہ آپ کے تحفظ کا انتظام ہم کریں گے اور پھر اس کے بعد ہماری بارگاہ کا رُخ کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ التین

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸ آیات ہیں۔

بہترین پھل بھی ابتدا میں تازہ اور شاداب ہوتا ہے اور آخر میں خشک ہو کر رہ جاتا ہے۔ البتہ انسان اس کے تحفظ کا انتظام کرے تو شادابی باقی بھی رہ سکتی ہے۔

● قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا کے پہاڑ کی اور اس محفوظ شہر کی کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور پھر پست ترین حالت تک پہنچا دیا ہے۔ علاوہ ان لوگوں کے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان کا اجر ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اب آپ کو روز جزا کے بارے میں کون جھٹلا سکتا ہے؛ کیا خدا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ علق

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

اس سورہ کو وحی اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سورہ میں روز اول جس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام قرارت اور کتابت کا دین ہے۔ اس میں علم اور قلم کا کام ہے اور جہالت کا گذر نہیں ہے۔

اس حکم کی اہمیت کا اندازہ وہ افراد کر سکتے ہیں جنھیں تاریخ کی اس حقیقت کا علم ہے کہ ظہور اسلام کے وقت عرب میں صرف ۱۷۔۱۸ افراد پڑھے لکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس ماحول میں علم و فن کا یہ حال ہو وہاں اپنے پیغام کا "اِقْرَأْ" سے شروع کرنا اور اپنے احسانات کا "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" سے آغاز کرنا ایک عظیم معنویت اور مستقبل کی نشاندہی کر رہا ہے۔

● پیغمبر! اس پروردگار کا نام لے کر پڑھیں جس نے پیدا کیا ہے اور انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا ہے۔ پڑھیں کہ آپ کا پروردگار وہ مہربان ہے جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور ہر شے کا علم دے دیا ہے۔ بے شک انسان اس وقت سرکشی کرنے لگتا ہے جب اسے اپنی بے نیازی کا احساس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بازگشت پروردگار ہی کی طرف ہے۔ کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو بندۂ خدا کو نماز سے روک دیتا ہے حالانکہ اگر وہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے تو اس کو روکنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ کیا آپ نے دیکھا کہ اگر اس کافر نے تکذیب کی اور منہ پھیر لیا تو کیا اسے نہیں معلوم ہے

کہ خدا دیکھ رہا ہے۔؟

● یاد رکھو کہ اگر وہ روکنے سے باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے اور یہ ایک جھوٹے اور خطار کی پیشانی کے بال ہوں گے۔ پھر ہم کہیں گے کہ وہ اپنے ہمنشینوں کو بلائے۔ ہم بھی اپنے سخت ترین فرشتوں کو بلا رہے ہیں۔

● یاد رکھیے کہ آپ ہرگز ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کرکے قربِ الٰہی حاصل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قدر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵ آیات ہیں۔

اس سورہ میں شبِ قدر کی عظمت اور اس میں قرآن کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان تاریخِ قرآن سے بھی باخبر ہو جائے اور شبِ قدر کی برکتوں سے بھی استفادہ کر سکے۔

● ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے اور آپ کیا جانیں یہ شبِ قدر کیا ہے۔ یہ ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس میں ملائکہ اور روح القدس کا نزول ہوتا ہے اور اس میں طلوعِ فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔!

اس سورہ سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قانونی رات طلوعِ فجر پر تمام ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مادی اعتبار سے دن کا سلسلہ طلوعِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ بیّنہ

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۸ آیات ہیں۔

متعدد مکی سوروں کے بعد یہ پہلا مدنی سورہ ہے جو تیسویں پارہ میں شامل ہے۔ مکہ اور مدینہ کے طویل فاصلے کے باوجود دونوں کے مضامین میں اس قدر ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ سورۂ قدر کا خاتمہ نزول ملائکہ و روح القدس پر ہوا تھا اور اس سورہ کا آغاز منزلِ وحی رسول اکرمؐ کے تذکرہ سے ہوا ہے۔

● یہ اہلِ کتاب اور مشرکین پہلے سے اس کیفیت پر تھے کہ خدائی دلیل کے بغیر اور اس رسول کے بغیر جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے جن میں قیمتی اور مستحکم مسائل درج کیے گئے ہیں کفر سے الگ ہونے والے نہیں ہیں۔ لیکن دلیل کے آجانے کے بعد بھی اہلِ کتاب متفرق ہوگئے۔ جب کہ ان سب کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اخلاصِ دین کے ساتھ باطل سے الگ ہوکر اللہ کی عبادت کریں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں کہ یہی مستحکم دین ہے۔

● یہ اہلِ کتاب کے کفار اور دیگر مشرکین سب کا انجام جہنم ہی ہے کہ یہ بدترین مخلوقات ہیں۔ البتہ جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا وہ یقیناً بہترین مخلوقات ہیں کہ ان کی جزا پروردگار کے نزدیک وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ انھیں میں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے کہ یہی خوفِ خدا رکھنے والوں کا انعام ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ زلزلہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مدنی ہے اور اس میں ۸ آیات ہیں۔

مدنی ہونے کے اعتبار سے اس میں مناظر قیامت کے ساتھ عمل کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور اس کی مجازات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

● جب زمین زوردار زلزلہ کی زد میں آجائے گی اور تمام خزانے نکال کر پھینک دے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اور وہ اپنے حالات بیان کرے گی کہ یہ سب وحی پروردگار کا نتیجہ ہے۔ آج تمام لوگوں کو الگ الگ قبروں سے نکالا جائے گا تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھلائے جاسکیں۔ پھر اگر کسی نے ذرہ برابر نیکی کی ہے تو وہ بھی دیکھ لے گا اور کسی نے ذرہ برابر برائی کی ہے تو وہ بھی دیکھ لے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ عادیات

یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

اس سورہ میں مجاہدین کی شان جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ جہاد کا مکہ میں کوئی وجود نہیں تھا اس لیے بعض حضرات نے اس سورہ کو مدنی قرار دیا ہے۔ اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ بہرحال اس میں قیامت کا ذکر بھی ہے جو عام طور سے مکی سوروں میں

پایا جاتا ہے۔

● فرّاٹے بھرتے ہوئے تیز رفتار گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں اور جو صبح دم حملہ آور ہو جاتے ہیں اور میدان کو غبارِ جنگ سے بھر دیتے ہیں اور دشمنوں کے لشکر کے درمیان در آتے ہیں کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور خود ہی اس بات کا گواہ بھی ہے اور وہ مال کی محبت میں سخت بھی ہے۔ کیا اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ جس دن تمام چیزوں کو قبروں سے نکال لیا جائے گا اور سینہ کے تمام راز آشکار ہو جائیں گے ان کا پروردگار اس دن ان کے حالات سے خوب باخبر ہو گا۔!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قارعہ

یہ سورۂ مبارکہ مکّی ہے اور اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

مکّی ہونے کے اعتبار سے اس میں تمام تر زور قیامت پر دیا گیا ہے اور اسے قارعہ (کھڑکھڑانے والی) کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

● قارعہ اور کیسی قارعہ اور آپ کیا جانیں کہ قارعہ کیا ہے؟ جس دن لوگ پتنگوں کی طرح اُڑتے دکھائی دیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے مانند اڑنے لگیں گے تو اُس دن جس کے اعمال کا وزن سنگین ہو گا وہ پسندیدہ عیش میں رہے گا ۔۔ اور جس کا وزنِ اعمال ہلکا ہو گا اس کا مرکز ہاویہ ہو گا اور آپ کیا جانیں کہ ہاویہ کیا ہے۔ یہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں مجرمین کو تپایا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ تکاثر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۸ آیات ہیں۔

• تم لوگوں کو مال و اولاد کی کثرت نے غافل بنا دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کرلی۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا اور خوب معلوم ہو جائے گا۔ یقیناً اگر تمھیں علم الیقین ہوتا کہ تم جہنم کو ضرور دیکھو گے اور پھر عین الیقین حاصل کرلو گے اور تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال بھی کیا جائے گا تو یہ تکاثر کی صورت حال نہ ہوتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ عصر

یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور اس میں ۳ آیات ہیں۔

عصر اور زمانے کی قسم کہ تمام انسان خسارہ میں ہیں اور ان کا سرمایۂ وجود و حیات برابر کم ہوتا جا رہا ہے۔ علاوہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور پھر ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کی کہ انھوں نے سرمایۂ حیات کو ابدی بنا لیا ہے اور انھیں کسی طرح کا خسارہ نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ہُمزہ

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۹ آیات ہیں۔

اس سورہ میں ایک بدترین سماجی عیب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کے رہتے ہوئے اسلامی سماج کا قیام ممکن نہیں ہے اور جسے پہلے ہی مرحلہ میں سماج سے دور ہو جانا چاہیئے۔

● ہر اس طعنہ زن اور چغل خور کے لیے ویل ہے جس نے مال گن گن کے جمع کیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ یہ مال اسے دوام عطا کر دے گا۔ حالانکہ اس شخص کو حُطمہ میں ڈالا جائے گا اور تم کیا جانو کہ حُطمہ کیا قیامت ہے یہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو لوگوں کے دلوں تک چڑھ جائے گی اور انھیں اسی میں لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ گھیر دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ فیل

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۵ آیات ہیں۔

یمن کے بادشاہ ابرہہ نے خانۂ خدا کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ تک آ گیا تو ایک طرف جناب عبدالمطلب نے اسے ہوشیار کرتے ہوئے وجودِ خدا کا حوالہ دیا اور دوسری طرف ابابیل کے لشکر نے فوری سزا کے طور پر اس کا خاتمہ کر دیا۔

● کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا اور پھر ان پر ابابیل کا لشکر بھیج دیا جو کنکریوں سے حملہ کر رہا تھا اور پھر انھیں چبائے ہوئے بھوسہ کے مانند بنا دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ قریش

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۴ آیات ہیں۔

پروردگار نے اصحاب فیل کا خاتمہ اس لیے کر دیا کہ قریش کو گرمی اور جاڑے کے سفر سے بہت دلچسپی تھی۔ اب ان کا فرض ہے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں کہ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف میں امن و امان کی دولت عطا کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ماعون

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۷ آیات ہیں۔

اس سورہ میں اخلاقیات کا ایک عظیم ترین درس دیا گیا ہے جس سے ایک مدینہ فاضلہ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

● کیا تم نے اسے دیکھا ہے جو روز قیامت کی تکذیب کرتا ہے اور یتیموں کو دھکے دے دیتا ہے اور مساکین کے کھانے پر کسی کو آمادہ نہیں کرتا ہے ایسے نمازیوں کے لیے بھی ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور صرف ریاکاری سے کام لیتے

ہیں اور وقت ضرورت لوگوں کو برتن عاریت بھی نہیں دیتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ کوثر

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں صرف ۳ آیات ہیں۔

یہ قرآن مجید کا سب سے مختصر سورہ ہے جس کی ہیبت نے دیوارِ کعبہ سے عرب کے ان ساتوں مشہور قصائد کو اُتار دیا تھا جن کو جانِ ادب اور جانِ عرب تصور کیا جاتا تھا۔

● پیغمبرؐ! ہم نے آپ کو خیر کثیر عنایت کیا ہے لہٰذا آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔ آپ کا دشمن بہر حال ابتر ہے اور اس کی نسل فنا ہو جانے والی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ کافرون

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۶ آیات ہیں۔

اس سورہ میں تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا گیا ہے اور حق و باطل کو ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا گیا ہے۔

● پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ کافرو! میں تمہارے معبودوں کی پوجا نہیں کر سکتا اور تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کر سکتے۔ میں تمہارے خداؤں کا پجاری نہیں ہوں

اور تم بھی میرے خدا کے عبادت گذار نہیں ہو سکتے ہو۔ تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نصر

یہ سورۂ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں ۳ آیات ہیں۔

ان آیات میں نصرت الٰہی اور فتح مکہ کی خوشخبری سُنا کر تسبیح پروردگار کا مطالبہ کیا گیا ہے تاکہ انسان شکر منعم کی طرف متوجہ رہے اور اپنے کسی فریضہ سے غافل نہ ہونے پائے۔

● جب نصرتِ الٰہی اور فتح آجائے اور دیکھو کہ لوگ دین خدا میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کے حمد کی تسبیح اور استغفار کرنا کہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ اللھب

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے جس میں ۵ آیات ہیں۔

اس سورہ میں ابولہب اور اس کی زوجہ ام جمیل جو ابوسفیان کی بہن اور معاویہ کی پھوپھی تھی ــ اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ ابولہب (عبدالعزیٰ) کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے کہ نہ اُس کا مال کام آیا اور نہ کمایا ہوا سامان۔ عنقریب اُسے

بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑی ڈھونے والی ہے اور اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی بندھی ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ اخلاص

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۴ آیات ہیں۔

پیغمبرؐ! آپ سب کو بتا دیں کہ خدا ایک اور بے نیاز ہے۔ نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ کوئی کفو اور ہمسر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ فلق

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکّی ہے اور اس میں ۵ آیات ہیں۔

کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ چاہتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے اور اندھیری رات کے شر سے اور گنڈہ پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور تمام حاسدوں کے شر سے جب وہ حسد کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ناس

یہ سورۂ مبارکہ بھی مکی ہے اور اس میں ۶ آیات ہیں۔

● کہہ دیجئے کہ میں انسانوں کے پروردگار، مالک اور معبود کی پناہ چاہتا ہوں شیطانی وسواس کے شر سے جو نام خدا سُن کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پھر لوگوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے چاہے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو۔

والحمد للہ رب العٰلمین

مطالعۂ قرآن

(باعتبار ذکر اہلبیتؑ)

بسمہ سبحانہ

قرآن اور اہلبیتؑ

سرکارِ دو عالمؐ نے ہدایتِ امت کے لیے دو گرانقدر چیزیں چھوڑی ہیں،

"قرآن اور اہلبیتؑ"

اور ان دونوں کا کمال اتحاد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کی پوری زندگی میں قرآن مجید کے تعلیمات کی تجسیم ہے اور قرآن کی جملہ آیات میں اہلبیتؑ کی زندگی کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ کہیں ان کے کردار کی توقیر ہے تو کہیں ان کے دشمنوں کی تحقیر۔

کہیں ان کے مستقبل کی تمہید ہے تو کہیں ان کے ماضی کی تمجید۔

لیکن اس کے باوجود اقوال مفسرین و محدثین کی روشنی میں تقریباً ۳۰۰ آیات صرف انھیں کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

اور ذیل میں اردو داں حضرات کے لیے اس ذخیرہ کو یکجا طور پر پیش کرنے کے لیے مذکورہ آیات کا ایک خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تفصیلات کے لیے مجلدات کی ضرورت ہے۔

وما توفیقی الا باللّٰہ

جوادی ——————

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات بیّنات

اسلامی روایات کی بنا پر قرآن مجید کی بے شمار آیات ہیں جو اہلبیت اطہارؑ کے فضائل و مناقب کے گرد گھوم رہی ہیں اور انھیں حضرات معصومینؑ کے کردار کے مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں بلکہ بعض روایات کی بنا پر تو کل قرآن کا تعلق ان کے مناقب، ان کے مخالفین کے نقائص و مثالب، ان کے اعمال و کردار اور ان کی سیرت وحیات کے آئین و دستور سے ہے لیکن ذیل میں صرف ان آیات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جن کی شانِ نزول کے بارے میں عام مسلمان مفسرین نے بھی اقرار کیا ہے کہ ان کا نزول اہلبیت اطہارؑ کے مناقب یا ان کے مخالفین کے نقائص کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

علماء حق نے اس سلسلہ میں پوری پوری کتابیں تالیف کی ہیں اور مکمل تفصیل کے ساتھ آیات اور ان کی تفسیر کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس مقام پر صرف ایک اقتباس درج کیا جا رہا ہے تاکہ اردو داں طبقہ کے ذہن میں بھی یہ آیات اور ان کے حوالے رہیں اور زیر نظر کتاب کی عظمت و برکت میں اضافہ ہو جائے۔

۱۔ "اھدنا الصراط المستقیم" (خدایا ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما) ــــ یہ محمدؐ و آل محمدؐ کا راستہ ہے۔ (شواہد التنزیل ج ۱ ص ۵۱)

۲۔ "ھُدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب" (قرآن ان متقین کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (بقرہ ۲-۳)

یہ ان مومنین کا ذکر ہے جو محبت قائم آل محمدؐ پر قائم رہیں ــــ رسول اکرمؐ (ینابیع المودۃ ص ۴۴۲)

۳۔ "وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات ان لھم جنات تجری من تحتھا الانھار"۔ (بقرہ ۔ ۲۵)

پیغمبرؐ! آپ صاحبان ایمان وعمل صالح کو بشارت دے دیں کہ ان کے لیے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ـــــ (شواہد التنزیل ج ۱ ص ۷۴)

۴۔ "فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ"۔ (بقرہ ۔ ۳۷)

آدمؑ نے پروردگار سے کلمات حاصل کرکے ان کے ذریعہ توبہ کی ۔ (غایۃ المرام ص ۳۹۳)

۵۔ "واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ فکلوا منھا حیث شئتم رغدا وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطۃ نغفر لکم خطایاکم"۔ (بقرہ ۔ ۵۸)

اہلبیتؑ کی مثال سفینۂ نوح اور باب حطہ کی ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ ـــــ (درمنثور ج ۱)

۶۔ "واذ استسقیٰ موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا"۔ (بقرہ ۔ ۶۰)

میرے بعد ائمہ کی تعداد بھی بارہ ہوگی جو قوم کا سرچشمہ ہوگی ۔ رسول اکرمؐ ۔ (غایۃ المرام ص ۴۲)

۷۔ "واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن"۔ (بقرہ ۔ ۱۲۴)

یہ ائمہ اثنا عشر کا اقرار ہے ۔ امام جعفر صادقؑ ـــــ (ینابیع المودۃ ص ۲۵)

۸۔ "وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط"۔ (بقرہ ۱۳۶)

حسنینؑ اس امت کے اسباط میں ہیں ۔ رسول اکرمؐ ـــــ (اسد الغابہ ۲ ص ۱۹)

۹۔ "کذٰلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس"۔ (بقرہ ۱۴۳)

امت وسط ہم اہلبیتؑ ہیں ۔ امیر المومنینؑ ـــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۹۲)

۱۰۔ "فاستبقوا الخیرات این ما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا"۔ (بقرہ ۔ ۱۴۸)

یہ امام مہدیؑ کے ۳۱۳ اصحاب کی طرف اشارہ ہے ۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ)

۱۱۔ "یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ"۔ (بقرہ ۔ ۲۰۸)

یہ ہم اہلبیتؑ کی ولایت ہے ۔ حضرت علیؑ ـــــ (غایۃ المرام ص ۳۳۸)

۱۲۔ "فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ"۔ (بقرہ ۲۵۶)

عروۃ الوثقیٰ علیؑ اور ان کی اولاد ہے۔ رسول اکرمؐ ـــ (غایۃ المرام ص ۲۴۴)

۱۳۔ "یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد أوتی خیراً کثیراً۔" (بقرہ۔ ۲۶۹)

پروردگار نے حکمت ہم اہلبیتؑ کے اندر قرار دی ہے۔ رسول اکرمؐ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۴۵)

۱۴۔ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔" (آل عمران ۷)

راسخون فی العلم ہم اہلبیتؑ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۱۳۹)

۱۵۔ "ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العٰلمین۔" (آل عمران ۳۳)

مصحف عبداللہ میں اس کی تفسیر آل محمدؐ سے کی گئی تھی۔ ابو وائل ـــ (غایۃ المرام ص ۳۱۸)

۱۶۔ "فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم۔" آل عمران ۶۱)

یہ آیت مباہلہ کے موقع پر اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے ـــ تفسیر جلالین، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ، غایۃ المرام ص ۳۰۰ وغیرہ۔

۱۷۔ "ولہ اسلم من فی السمٰوات والارض طوعاً و کرھاً۔" (آل عمران ۸۳)

یہ قیام مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۴۲۱)

۱۸۔ "ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم۔" (آل عمران ۱۰۱)

علیؑ، ان کی زوجہ اور ان کی اولاد حجت خدا ہے۔ ان سے ہدایت حاصل کرنے والا صراط مستقیم کی طرف ہدایت پانے والا ہے ـــ رسول اکرمؐ ـــ شواہد التنزیل ۱ ص ۵۸)

۱۹۔ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔" (آل عمران ۱۰۳)

حبل اللہ سے مراد ہم اہلبیتؑ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ ـــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۱۳۱)

۲۰۔ "یا ایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔" (آل عمران ۲۰۰)

رابطوا امام مہدیؑ کے ساتھ جہاد کی تیاری کا حکم ہے۔ امام محمد باقرؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۶)

۲۱۔ أم یحسدون الناس علیٰ ما آتاھم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراھیم

الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکاً عظیماً" (نساء ۵۴)
یہ محسود افراد ہم اہلبیتؑ ہیں — امام محمد باقرؑ — (اسعاف الراغبین ص ۱۰۹، نورالابصار ص ۱۱۲)
۲۲۔ "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" (نساء ۵۹)
اولی الامر سے مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں — امام جعفر صادقؑ — (ینابیع المودۃ ص ۱۹۴)
۲۳۔ "ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقاً" (نساء ۶۹۔ ۷۰)
صدیقین، شہداء اور صالحین علیؑ اور ان کے مخلصین ہیں — ابن عباس — (شواہد التنزیل ج ۱ ص ۱۵۴)
۲۴۔ "ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" (نساء ۸۳)
اولی الامر سے مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں — امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ — (ینابیع المودۃ ۲۲۱)
۲۵۔ "وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ" (نساء ۱۵۹)
ظہورِ مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے — امام محمد باقرؑ — (ینابیع المودۃ ص ۵۰۶)
۲۶۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ" (مائدہ ۲)
ہم شعائر اللہ اور اصحاب ہیں — حضرت علیؑ — (ینابیع المودۃ ص ۲۱۳)
۲۷۔ "ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیباً" (مائدہ ۱۲)
ائمہ اہلبیتؑ کی تعداد نقباء بنی اسرائیل کے برابر بارہ ہے — رسول اکرمؐ — (غایۃ المرام ۲۴۴)
۲۸۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ" (مائدہ ۳۵)
میری اولاد کے ائمہ ہی عروۃ الوثقیٰ اور وسیلہ الی اللہ ہیں — رسول اکرمؐ — (ینابیع المودۃ ص ۲۲)
۲۹۔ "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین" (مائدہ ۵۴)
یہ اصحاب مہدیؑ کی طرف بھی ایک اشارہ ہے — امام جعفر صادقؑ — (ینابیع المودۃ)
۳۰۔ "وھدینٰھم الی صراط مستقیم" (انعام ۸۷)

آلِ محمدؐ ہی دراصل صراطِ مستقیم ہیں۔ ــــ امام محمد باقرؑ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۶۱)

۳۱۔ "فان یکفر بہا ھٰؤلاء فقد وکلنا بہا قوماً لیسوا بہا بکافرین" (انعام ۸۹)

اصحاب حضرت قائمؑ کی طرف اشارہ ہے۔ ــ امام جعفر صادقؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۰)

۳۲۔ "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلاً لا مبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم" (انعام ۱۱۵)

یہ کلمہ ہر امام کے بازو پر لکھا ہوتا ہے ــ امام حسن عسکریؑ ــــ (ینابیع المودۃ ۴۹۲)

۳۳۔ "وان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ" (انعام ۱۵۳)

علیؑ ابن ابی طالب اور ان کی ذریت کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے ــ حسن بصری ــــ (غایۃ المرام ص ۲۴۴)

۳۴۔ "فلنسئلن الذین اُرسل الیہم ولنسئلن المرسلین" (اعراف ۶)

قیامت کے دن عمر، جسم، مال اور محبت اہلبیتؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا ــــ رسول اکرمؐ ــــ (غایۃ المرام ص ۲۶۱)

۳۵۔ "وعلی الاعراف رجال یعرفون کلاً بسیماھم" (اعراف ۴۶)

یہ ہم اہلبیتؑ ہوں گے ــ الامام علیؑ ابن ابی طالب ــــ (غایۃ المرام ص ۳۵۴)

۳۶۔ "وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون" (اعراف ۱۸۱)

یہ آیت آلِ محمدؐ کے بارے میں ہے ــ امام جعفر صادقؑ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۲۰۴)

۳۷۔ "یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا" (اعراف ۱۸۷)

ساعت سے قیام قائم آلِ محمدؐ مراد ہے۔ ــ امام جعفر صادقؑ ــــ (ینابیع المودۃ)

۳۸۔ "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" (انفال ۳۳)

اہلبیتؑ نہ رہ جائیں گے تو زمین فنا ہو جائے گی ــ رسول اکرمؐ ــ اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار ص ۱۲۰)

۳۹۔ "ان اولیاءہ الا المتقون" (انفال ۳۴)

آلِ محمدؐ ہی متقین ہیں ــ رسول اکرمؐ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۲۱۶)

۴۰۔ "وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ" (انفال ۳۹)

دین صرف اللہ کا دین زمانہ قیام قائمؑ میں ہوگا۔ امام محمد باقرؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۷)

۴۱۔ "فان للہ خمسہٗ وللرسول ولذی القربیٰ" (انفال ۴۱)

ذوی القربیٰ سے مراد اہلبیت رسولؐ ہیں۔ امیرالمومنینؑ ۔ (شواہد التنزیل ا ص ۲۱۸)

۴۲۔ "یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون" (توبہ ۳۲)

نورِ خدا سے مراد نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے۔ امیرالمومنینؑ ۔ ینابیع المودۃ ص ۱۱۴)

۴۳۔ "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" (توبہ ۳۳)

اس آیت کا مصداق قیام قائمؑ کے بعد ظاہر ہوگا۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۸)

۴۴۔ "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھراً" (توبہ ۳۶)

جابر! میرے ائمہ اہلبیتؑ کی تعداد مہینوں کی تعداد کے برابر ہوگی۔ رسول اکرمؐ ۔ غایۃ المرام ص ۲۴۴)

۴۵۔ "والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" (توبہ ۱۰۰)

ہم اہلبیتؑ پر سبقت لے جانے والا کوئی نہیں ہے۔ امیرالمومنینؑ ۔ (غایۃ المرام ص ۳۸۵)

۴۶۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" (توبہ ۱۱۹)

صادقین محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں۔ ابن عمر ۔ (غایۃ المرام ص ۲۴۸)

۴۷۔ "فقل انما الغیب للہ فانتظروا انی معکم من المنتظرین" (یونس ۲۰)

اس آیت میں غیب سے مراد قائم آلِ محمدؐ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ۵۰۸)

۴۸۔ "لئن اخرنا عنھم العذاب الیٰ امۃ معدودۃ لیقولن ما یحبسہ" (ہود ۸)

امت معدودہ سے مراد ۳۱۳ اصحاب قائم آلِ محمدؐ ہیں۔ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۸)

۴۹۔ "بقیۃ اللہ خیر لکم" (ہود ۸۶)

بقیۃ اللہ قائم آل محمدؐ کی ہستی ہے ــــ امام محمد باقرؑ (نور الابصار ص ۱۷۲)

۵۰ـ "وانا لموفوهم نصيبهم غير منقوص" (ہود ۱۰۹)

ان افراد سے مراد بنی ہاشم یعنی آل محمدؐ ہیں ــ ابن عباس ــ (شواہد التنزیل اص ۲۸۳)

۵۱ـ "فلولا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد في الارض" (ہود ۱۱۶)

یہ آیت ہم اہلبیتؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ــ زید بن علیؑ (شواہد التنزیل اص ۲۸۴)

۵۲ـ "قل هٰذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني" (یوسف ۱۰۸)

یہ اتباع کرنے والے ائمہ آل محمدؐ ہیں ــ رسول اکرمؐ ــ (شواہد التنزیل اص ۲۸۶)

۵۳ـ "حتیٰ اذا استيئس الرسل وظنوا انهم قد كذبوا جاءهم نصرنا" (یوسف ۱۱۰)

نصرت الٰہی قیام قائمؑ کے وقت آئے گی ــ امیر المومنینؑ ــ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۹)

۵۴ـ "انما انت منذر ولكل قوم هاد" (رعد ۷)

ہادی سے امام ہر زمانہ کا امام ہے ــ امام جعفر صادقؑ ــ (ینابیع المودۃ ص ۱۰۰)

۵۵ـ "الذين اٰمنوا وتطمئن قلوبهم بذكر الله" (رعد ۲۸)

ان سے مراد محبان آل محمدؐ ہیں ــ رسول اکرمؐ ــ (در منثور ۴ ص ۵۸)

۵۶ـ "الذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت طوبىٰ لهم وحسن مآب" (رعد ۲۹)

طوبیٰ ایک درخت ہے جس کی اصل خانۂ علیؑ میں ہے ــ ابن عباس ــ (غایۃ المرام ص ۳۹۲)

۵۷ـ "وذكرهم بايام الله" (ابراہیم ۵)

ایام اللہ روز قیام قائمؑ، روز رجعت اور روز قیامت ہے ــ صادقینؑ ــ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۹)

۵۸ـ "الم تر كيف ضرب الله مثلاً كلمة طيبة كشجرة طيبة" (ابراہیم ۲۴)

شجرہ ذات پیغمبرؐ ہے، فرع علیؑ ہیں، شاخ فاطمہ زہراؑ ہیں اور ثمرات حضرات حسنینؑ ہیں ــــ امام محمد باقرؑ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۳۱۱)

۵۹ـ "الم تر الى الذين بدلوا نعمة الله كفراً واحلوا قومهم دار البوار" (ابراہیم ۲۸)

نعمت محمدؐ و آل محمدؐ ہیں اور تبدیل کرنے والے بنی امیہ ہیں۔ مجاہد ۔ غایۃ المرام ص ۳۵۶)

۶۰۔ "قال فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم۔" (حجر ۳۸)

زمانہ قیام قائم آل محمدؐ ہی مراد ہے۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۰۹)

۶۱۔ "ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔" (حجر ۴۷)

یہ آیت علیؑ، حمزہ، جعفر وغیرہ کے بارے میں ہے۔ ابن عباس ۔ (شواہد التنزیل ا ص ۳۱۷)

۶۲۔ "ان فی ذلک لآیات للمتوسمین۔" (حجر ۷۵)

متوسمین میں رسول اکرمؐ، حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ اطہار شامل ہیں۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (شواہد التنزیل ا ص ۳۲۲)

۶۳۔ "وعلی اللہ قصد السبیل۔" (نحل ۹)

ہم اہلبیتؑ ہر اقتدار کرنے والے کے لیے سبیل حق ہیں۔ امام محمد باقرؑ ۔ (غایۃ المرام ص ۲۴۶)

۶۴۔ "وعلامٰت و بالنجم ھم یھتدون۔" (نحل ۱۶)

نجم رسول اکرمؐ ہیں اور علامات اولیاء رسولؐ ۔ امام محمد باقرؑ ۔ (شواہد التنزیل ا ص ۳۲۷)

۶۵۔ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔" (نحل ۴۳)

اہل ذکر ہم اہلبیتؑ ہیں ۔ امام محمد باقرؑ ۔ (جامع البیان فی تفسیر القرآن ۱۴ ص ۱۰۸)

۶۶۔ "یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونھا و اکثرھم الکافرون۔" (نحل ۸۳)

ہم اہلبیتؑ ایک نعمت پروردگار ہیں ۔ امام محمد باقرؑ ۔ (غایۃ المرام ص ۲۴۶)

۶۷۔ "کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔" (اسراء ۱۳)

طائر ولایت امام وقت کی طرف اشارہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۴۵۴)

۶۸۔ "وآت ذا القربیٰ حقہ۔" (اسراء ۲۶)

ذوی القربیٰ سے مراد ہم اہلبیتؑ ہیں۔ امام زین العابدینؑ ۔ (غایۃ المرام ص ۳۲۳)

۶۹۔ ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً۔" (اسراء ۳۳)

یہ آیت امام حسینؑ اور امام مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے۔ امام رضاؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۰)

۷۰۔ "یوم ندعو کل اناس بامامھم"۔ (اسراء ۷۱)
ائمہ حق علیؑ اور اولادِ علیؑ ہیں ــ ابن عباس ــ (غایۃ المرام ص ۲۷۲)
۷۱۔ "واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم"۔ (کہف ۵۰)
آدمؑ نے اپنی ذریت میں مجھے اور میری اولاد کو دیکھ کر سجدۂ شکر کیا تو خدا نے انھیں مسجود ملائکہ بنا دیا ــ رسول اکرمؐ ــ (غایۃ المرام ص ۳۹۴)
۷۲۔ "واما من اٰمن وعمل صالحاً فلہ جزاء الحسنٰی"۔ (کہف ۸۸)
مومنین رسولؐ اور آل رسولؐ پر ایمان لانے والے ہیں ــ رسول اکرمؐ ــ (غایۃ المرام ص ۵۸۴)
۷۳۔ "کھٰیٰعص"۔ (مریم ۱)
کاف کربلا، ھا ہلاکت عترت، یا یزید، ع عطش حسینؑ، ص صبر حسینؑ ہے۔ (ینابیع المودۃ ص ۴۶۷)
۷۴۔ "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودًّا"۔ (مریم ۹۶)
اس سے مراد محبان آل محمدؐ ہیں ــ محمد حنفیہ ــ (اسعاف الراغبین ص ۱۰۹)
۷۵۔ "وانی لغفار لمن تاب واٰمن وعمل صالحاً ثم اھتدٰی"۔ (طٰہٰ ۸۲)
ہدایت ولایت اہلبیتؑ کے راستہ پر آجانا ہے ــ امیر المومنینؑ ــ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۰)
۷۶۔ "یومئذ لاتنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولاً"۔ (طٰہٰ ۱۰۹)
جو میری آل پر صلوات پڑھے میں روز قیامت اس کی شفاعت کروں گا ــ رسول اکرمؐ۔ (فضائل الخمسہ)
۷۷۔ "وأمر اھلک بالصلٰوۃ واصطبر علیھا"۔ (طٰہٰ ۱۳۲)
رسول اکرمؐ آٹھ مہینہ تک در اہلبیتؑ پر نماز صبح کے بعد آتے رہے ــ ابو سعید الخدری۔ (در منثور ج ۱ ص ۳۱۳)
۷۸۔ "فستعلمون من اصحاب الصراط السوی ومن اھتدٰی"۔ (طٰہٰ ۱۳۵)
یہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ ہیں ــ ابن عباس ــ (غایۃ المرام ص ۳۰۵)

۷۹۔ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"۔ (انبیاء ۷)
اہل ذکر اولاد رسول کے ائمہ اطہار ہیں ــــ امام محمد باقرؑ ــــ (شواہد التنزیل ا ص ۳۳۷)
۸۰۔ "ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولٰئک عنھا مبعدون"۔ (انبیاء ۱۰۰)
یا علیؑ! یہ آیت تم لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ــــ رسول اکرمؐ ــــ (شواہد التنزیل ا ص ۳۸۴)
۸۱۔ "لقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"۔ (انبیاء ۱۰۵)
یہ قائم آل محمدؐ اور ان کے اصحاب ہیں ــــ صادقینؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۰)
۸۲۔ "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب"۔ (حج ۳۲)
شعائر اللہ ہم اہلبیتؑ ہیں ــــ امیر المومنینؑ ــــ (ینابیع المودۃ)
۸۳۔ "اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر"۔ (حج ۳۹)
یہ ہم اہلبیتؑ کے بارے میں ہے ــــ زید بن علی بن الحسینؑ ــــ (شواہد التنزیل ا ص ۳۹۹)
۸۴۔ "الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ . . . ."۔ (حج ۴۱)
یہ ہم اہلبیتؑ کے بارے میں ہے ــــ امام محمد باقرؑ ــــ (شواہد التنزیل ا ص ۴۰۰)
۸۵۔ "وان اللہ لھاد الذین اٰمنوا الیٰ صراط مستقیم"۔ (حج ۵۴)
صراط مستقیم آل محمدؐ ہیں ــــ امام محمد باقرؑ ــــ (شواہد التنزیل ا ص ۶۱)
۸۶۔ "ومن عاقب بمثل ما عوقب بہ ثم بغی علیہ لینصرنہ اللہ ان اللہ لعفو غفور"۔ (حج ۶۰)
منصور آل محمدؐ حضرت مہدیؑ ہیں ــــ امام جعفر صادقؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۰)
۸۷۔ "لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس"۔ (حج ۷۸)
یہ آیت رسول اکرمؐ اور ائمہ اولاد رسولؐ کے بارے میں ہے ــــ امیر المومنینؑ ــــ (غایۃ المرام ۲۶۵)

۸۸۔ "وانك لتدعوهم الى صراط مستقيم" (مومنون ۷۳)

صراط مستقیم ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے ــــ امیرالمومنینؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۴)

۸۹۔ "وان الذين لايومنون بالآخرة عن الصراط لناكبون" (مومنون ۷۴)

صراط سے مراد ہم اہلبیتؑ کی ولایت ہے ــــ امیرالمومنینؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۴)

۹۰۔ "فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون" (مومنون ۱۰۱)

روزِ قیامت میرے حسب و نسب کے علاوہ سارے حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے۔

رسول اکرمؐ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۰۷)

۹۱۔ "انی جزيتهم اليوم بما صبروا انهم هم الفائزون" (مومنون ۱۱۱)

اس سے اہلبیتؑ پیغمبرؐ کا صبر مراد ہے ــــ عبداللہ بن مسعود ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۰۸)

۹۲۔ "مثل نوره كمشكوٰة فيها مصباح...." (نور ۳۵)

مشکوٰۃ جناب فاطمہؑ، مصباح حسنینؑ، شجرۂ مبارکہ حضرت ابراہیمؑ، نور علی نور امام بعد امام ہیں، امام ابوالحسن ــــ (غایۃ المرام ص ۳۱۵)

۹۳۔ "فی بيوت اذن الله ان ترفع" (نور ۳۶)

ان بیوت میں افضل بیوت بیت علیؑ و فاطمہؑ ہے ــــ رسول اکرمؐ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۱۰)

۹۴۔ "وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصّٰلحٰت ليستخلفنهم فی الارض...." (نور ۵۵)

ان حضرات سے مراد اہلبیت طاہرین ہیں ــــ عبداللہ بن محمد الحنفیہ ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۱۳)

۹۵۔ "والذين يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذريٰتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما"۔

ازواج خدیجہ، ذریت فاطمہؑ، قرۃ العین حسنینؑ اور امام حضرت علیؑ ہیں ــــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۱۶)

۹۶۔ "ان نشأ ننزل عليهم من السماء آية فظلت اعناقهم لها خاضعين"۔ (شعراء ۴)

ظہور مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے ــــ امام علی رضاؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۴۴۸)

۹۷۔ "ويوم نحشر من كل امة فوجاً" (نمل ۸۳)

ظہور مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے جب بعض مجرمین کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا ـــ فوج یعنی جماعت، مجاہد ـــ (درمنثور ۵ ص ۱۱۷)

۹۸ـ "ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین" (قصص ۵)

یہ سلسلۂ امامت ہے جو تا قیامت باقی رہنے والا ہے ـــ امام جعفر صادقؑ ـــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۳۰)

۹۹ـ "وربک یخلق ما یشاء ویختار" (قصص ۶۸)

اللہ نے مجھے اور میرے اہلبیتؑ کو منتخب قرار دیا ہے ـ رسول اکرمؐ ـــ (غایۃ المرام ص ۲۳۱)

۱۰۰ـ "من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا" (قصص ۸۴)

حسنہ ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے ـ امیر المومنینؑ ـــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۲۵)

۱۰۱ـ "والذین کفروا بآیات اللہ ولقائہ اولئک یئسوا من رحمتی واولئک لھم عذاب الیم" (عنکبوت ۲۳)

دشمنِ اہلبیتؑ کی پیشانی پر روز قیامت لکھ دیا جائے گا کہ یہ رحمتِ خدا سے مایوس ہے ـــ رسول اکرمؐ ـ بروایت ابن عمرو نافع ومالک بن انس ـــ (غایۃ المرام ص ۵۸۰)

۱۰۲ـ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" (عنکبوت ۶۹)

یہ آیت ہم اہلبیتؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ـ امام محمد باقرؑ ـــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۴۷)

۱۰۳ـ "یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ" (روم ۴ ـ ۵)

ظہور مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے ـــ امام جعفر صادقؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۱)

۱۰۴ـ "ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر" (سجدہ ۲۱)

ظہور مہدیؑ ظالموں کے لیے عذاب اکبر ہوگا ـ امام جعفر صادقؑ ـــ (تفسیر برہان ۳ ص ۲۸۸)

۱۰۵ـ "وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون" (سجدہ ۲۴)

اللہ نے اولاد ہارون میں ۱۲ قائد قرار دیے تھے اور اولاد علیؑ میں گیارہ امام

بنائے ہیں جس سے کل بارہ ہو گئے ـــ ابن عباس ـــ (شواہد التنزیل ۱ ص ۴۵۵)

۱۰۶ ـ "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" (احزاب ۳۳)

یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ اور رسول اکرمؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ ام سلمہ ـ (فضائل الخمسہ ۲ ص ۲۱۹)

۱۰۷ ـ "ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" (احزاب ۵۶)

میرے ساتھ اہلبیتؑ پر صلوات ضروری ہے ۔ رسول اکرمؐ ـــ (تفسیر مراغی ۲۲ ص ۳۴)

۱۰۸ ـ "وجعلنا بینھم وبین القریٰ التی بارکنا فیھا قریً ظاھرۃ" (سبا ۱۸)

بابرکت قریہ سے مراد ہم اہلبیتؑ کی بستی ہے ـــ امام عصرؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۱)

۱۰۹ ـ "قل ما سألتکم من اجر فھو لکم" (سبا ۴۷)

اجر رسالت سے مراد محبت اہلبیت ہے جس سے تمام اولیاء خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے ـــ امام محمد باقرؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۹۸)

۱۱۰ ـ "ولو تریٰ اذ فزعوا فلا فوت واخذوا من مکان قریب" (سبا ۵۱)

ظہور مہدیؑ سے قبل سفیانی خروج کرے گا اور مدینہ پہونچنے سے پہلے صحرا میں دھنس جائے گا ـــ امیر المومنینؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۲)

۱۱۱ ـ "وقفوھم انھم مسئولون" (صافات ۲۴)

روز قیامت سب سے پہلے مرحلہ پر محبت اہلبیتؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا ـــ رسول اکرمؐ ـــ (غایۃ المرام ص ۲۵۹)

۱۱۲ ـ "سلام علیٰ اِلْیَاسِین" (صافات ۱۳۰)

الیاسین آل محمدؐ ہیں ـــ ابن عباس ـــ (غایۃ المرام ص ۳۸۲)

۱۱۳ ـ "قال فانک من المنظرین الیٰ یوم الوقت المعلوم" (ص ۷۹ ـ ۸۰)

یوم وقت معلوم روز ظہور قائم آل محمدؐ ہے ـــ امام جعفر صادقؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۰۹)

۱۱۴۔ "قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔" (زمر ۹)
یعلمون ہم اہلبیتؑ ہیں اور لایعلمون ہمارے دشمن ہیں ۔ امام محمد باقرؑ (شواہد التنزیل ج۲ ص ۱۱)

۱۱۵۔ "فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ۔" (زمر ۳۲)
صدق ہم اہلبیتؑ کی ولایت ہے ۔ امام علیؑ ۔ مناقب السید ہاشم بحرانی ص ۱۰۹

۱۱۶۔ "ان تقول نفس یاحسرتیٰ علیٰ ما فرطت فی جنب اللہ۔" (زمر ۵۶)
جنب اللہ امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد طاہرین ہیں ۔ امام موسیٰ کاظمؑ (ینابیع المودۃ ص ۴۹۵)

۱۱۷۔ "واشرقت الارض بنور ربھا۔" (زمر ۶۹)
نورِ رب مہدی آل محمدؐ ہے جس کے ظہور سے زمین روشن ہو جائے گی ۔ رسول اکرمؐ ۔
(غایۃ المرام ص ۶۹۲)

۱۱۸۔ "الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون
بہ ویستغفرون للذین اٰمنوا۔" (غافر ۷)
الذین اٰمنوا ہماری ولایت پر ایمان رکھنے والے ہیں ۔ امیر المومنینؑ ۔
(ینابیع المودۃ ص ۴۸۵)

۱۱۹۔ "وما یدریک لعل الساعۃ قریب۔" (شوریٰ ۱۷)
ساعت کا ایک مصداق قیام قائمؑ ہے ۔ امام جعفر صادقؑ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۴)

۱۲۰۔ "الا ان الذین یمارون فی الساعۃ لفی ضلال بعید۔" (شوریٰ ۱۸)
یہ شک قیام قائمؑ کے بارے میں ہے کہ کب پیدا ہوئے؟ کس نے دیکھا ہے؟ کہاں
ہیں؟ اور کب ظاہر ہوں گے ۔ امام جعفر صادقؑ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۴)

۱۲۱۔ "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔" (شوریٰ ۲۳)
قربیٰ مرسل اعظمؐ کے قرابت دار ہیں ۔ سعید بن جبیر (فی ظلال القرآن
جلد ہفتم وغیرہا من الکتب الکثیرہ)

۱۲۲۔ "ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیہا حسنا۔" (شوریٰ ۲۳)
حسنہ مودت اہلبیتؑ کا نام ہے ۔ ابن عباسؓ (صواعق محرقہ ص ۱۰۱)

۱۲۳۔ "وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلھم یرجعون"۔ (زخرف ۲۸)
یعنی امامت اولادِ حسینؑ میں تا قیامت باقی رہے گی ۔۔ امیرالمومنینؑ ۔۔ (ینابیع المودۃ)

۱۲۴۔ "فلما آسفونا انتقمنا منھم"۔ (زخرف ۵۵)
خدا پر ظلم درحقیقت آلِ محمدؐ پر ظلم ہے ۔۔ امام محمد باقرؑ ۔۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۵۸)

۱۲۵۔ "وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا واتبعونِ ھٰذا صراط مستقیم"۔ (زخرف ۶۱)
ساعت "نزولِ عیسیٰ" ہے (جو ظہورِ مہدیؑ کے بعد ہونے والا ہے۔ ابن عباس۔
(درمنثور ۶ ص ۲۱)

۱۲۶۔ "ھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ وھم لایشعرون"۔ (زخرف ۶۶)
ساعت سے مراد وقتِ ظہورِ قائمؑ ہے ۔۔ امام محمد باقرؑ ۔۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۳)

۱۲۷۔ "فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین"۔ (دخان ۱۰)
دخان علاماتِ ظہورِ مہدیؑ میں شامل ہے ۔۔ رسولِ اکرمؐ ۔۔ (درمنثور ۵ ص ۱۱۶)

۱۲۸۔ "ان المتقین فی مقام امین"۔ (دخان ۵۱)
آلِ محمدؐ سب کے سب متقی ہیں ۔۔ رسولِ اکرمؐ ۔۔ (شواہد التنزیل ۱ ص ۲۱۷)

۱۲۹۔ "قل للذین اٰمنوا یغفروا للذین لایرجون ایام اللہ"۔ (جاثیہ ۱۴)
ایام اللہ روزِ قیامت، روزِ رجعت اور روزِ قیامِ قائمؑ ہے ۔۔ امام جعفر صادقؑ ۔
(ینابیع المودۃ ص ۵۲۱)

۱۳۰۔ "امحسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت"۔ (جاثیہ ۲۱)
بدکار بنی امیہ ہیں اور صاحبانِ ایمان وکردار رسولؐ، علیؑ، حمزہؑ، جعفرؑ، حسنؑ، حسینؑ اور فاطمہؑ ہیں ۔۔ ابن عباس ۔۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۷۰)

۱۳۱۔ "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم

والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات ....." (محمد ۱-۲)

الذین کفروا بنی امیہ ہیں اور الذین اٰمنوا ہم اہلبیت ہیں ـ امام حسینؑ ـ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۷۱)

۱۳۲ـ "ذلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل وان الذین اٰمنوا اتبعوا الحق من ربھم" (محمد ۳)

سورۂ محمدؐ میں ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ـــ امیرالمومنینؑ ـــ (درمنثور ۶ ص ۴۶)

۱۳۳ـ "والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم" (محمد ۴-۶)

سورۂ محمدؐ میں ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ـــ امیرالمومنینؑ ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۷۱)

۱۳۴ـ "ذلک بان اللہ مولی الذین آمنوا وان الکافرین لا مولیٰ لھم" ـــ (محمد ۱۱)

الذین اٰمنوا علیؑ، حمزہ، جعفر، فاطمہؑ اور حسنینؑ ہیں اور کافرین ابوسفیان اور اس کے اصحاب ہیں ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۷۲)

۱۳۵ـ "ان اللہ یُدخل الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت جنات تجری من تحتھا الانھار والذین کفروا ....." (محمد ۱۲)

سورۂ محمدؐ کی ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ـــ امیرالمومنینؑ ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۷۲)

۱۳۶ـ "اَفمن کان علیٰ بیّنۃ من ربّہ کمن زین لہ سوء عملہ" (محمد ۱۴)

سورۂ محمدؐ کی ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ـــ امیرالمومنینؑ ـــ (درمنثور ۶ ص ۴۶)

۱۳۷ـ "مثل الجنۃ التی وعد المتقون فیھا انھار ....." (محمد ۱۵)

سورۂ محمدؐ کی ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے

میں ــــ امیرالمومنینؑ ــــ (شواہدالتنزیل ۲ ص ۱۷۲)

۱۳۸۔ "منہم من یستمع الیک حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال آنفا۔" (محمد ۱۶)

سورۂ محمدؐ کی ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ــــ امیرالمومنینؑ ــــ (روح المعانی تفسیر سورۂ محمدؐ)

۱۳۹۔ "فہل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیہم بغتۃ فقد جاء اشراطہا۔" (محمد ۱۸)

یہ ساعت قیام قائمؑ ہے ــــ امام جعفر صادقؑ ــــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۴)

۱۴۰۔ "فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض...." (محمد ۲۲)

یہ بنی امیہ کی طرف اشارہ ہے ــــ ابن عباس ــــ (شواہدالتنزیل ۲ ص ۱۷۶)

۱۴۱۔ "ولنبلونکم حتیٰ نعلم المجاہدین منکم والصابرین۔" (محمد ۳۱)

سورۂ محمدؐ کی ایک آیت ہمارے بارے میں ہے اور ایک بنی امیہ کے بارے میں ــــ امیرالمومنینؑ ــــ (شواہدالتنزیل ۲ ص ۱۷۱)

۱۴۲۔ "فلا تہنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون واللہ معکم۔" (محمد ۳۵)

ہماری اور بنی امیہ کی شناخت سورۂ محمدؐ ہے ــــ حسن بن حسن ــــ (شواہدالتنزیل ۲ ص ۱۷۱)

۱۴۳۔ "لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منہم عذابا الیما۔" (فتح ۲۵)

کفار ومنافقین کے اصلاب میں کچھ ایمانی امانتیں ہیں جن کے باہر آجانے کے بعد قائم آل محمدؐ سب کو قتل کردیں گے ــــ امام جعفر صادقؑ ــــ (ینابیع المودۃ ۵۱۴)

۱۴۴۔ "وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت منہم مغفرۃ واجرا عظیما۔" (فتح ۲۹)

یہ آیت آل محمدؐ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ــــ ابن عباس ــــ (شواہدالتنزیل ۱ ص ۲۱۲)

۱۴۵۔ "القیا فی جہنم کل کفار عنید۔" (ق ۲۴)

یہ خطاب روز قیامت مجھ سے اور علیؑ سے ہوگا ــــ رسول اکرمؐ ــــ (مسند ابوالحسین

کلابی در خاتمہ مناقب ابن مغازلی ص ۴۲۷)

۱۴۶۔ "واستمع یوم ینادِ المنادِ من مکان قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق یوم الخروج" (قٓ ۴۱-۴۲)

یہ روزِ ظہورِ قائم آلِ محمدؐ ہوگا۔ امام علی رضاؑ (ینابیع المودۃ ص ۴۲۱)

۱۴۷۔ "کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون و بالاسحار ھم یستغفرون" (الذاریات ۱۷-۱۸)

یہ آیت علیؑ، فاطمہؑ، اور حسنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۹۵)

۱۴۸۔ "فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون" (الذاریات ۲۳)

اس سے مراد قیام قائم آلِ محمدؐ ہے۔ امام زین العابدینؑ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۱)

۱۴۹۔ "ان المتقین فی جنات و نعیم" (طور ۱۷-۲۰)

یہ علیؑ، حمزہ، جعفر اور فاطمہؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۹۶)

۱۵۰۔ "والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم۔۔۔" (طور ۲۱-۲۴)

یہ آیت رسول اکرمؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔
ابن عباس (شواہد التنزیل ۲ ص ۱۹۷)

۱۵۱۔ "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" (قمر ۱)

یہ ساعت قیام قائمؑ کی طرف ایک اشارہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ (ینابیع المودۃ ص ۴۲۲)

۱۵۲۔ "مرج البحرین یلتقیان۔۔۔" الرحمٰن ۱۹-۲۲)

بحرین علیؑ و فاطمہؑ اور لؤلؤ و مرجان حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ ابن عباس۔ درمنثور ۶ ص ۱۴۲)

۱۵۳۔ "یعرف المجرمون بسیماھم فیؤخذ بالنواصی والاقدام" (الرحمٰن ۴۱)

اس آیت کا مظاہرہ قیام قائم آلِ محمدؐ کے موقع پر ہوگا۔ امام جعفر صادقؑ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۳)

۱۵۴۔ "والسابقون السابقون اولئك المقربون" (الواقعہ ۱۰-۱۱)
یہ علی اور ان کے شیعہ ہیں ــ رسول اکرمؐ ــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۲۱۶)
۱۵۵۔ "واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین. . ." (الواقعہ ۲۷-۳۸)
ہم اور ہمارے شیعہ اصحاب یمین ہیں۔ امام محمد باقرؑ ــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۲۹۲)
۱۵۶۔ "فاما ان کان من المقربین"۔ (الواقعہ ۸۸-۸۹)
آل محمدؐ ہی مقربین اور سابقین ہیں۔ رسول اکرمؐ ــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۲۶)
۱۵۷۔ "واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین"۔ (الواقعہ ۹۰-۹۱)
یہ ہم اہلبیتؑ کے شیعہ ہیں ــ امام محمد باقرؑ ــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۲۹۴)
۱۵۸۔ "اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا"۔ (الحدید ۱۷)
ظہور قائم آل محمدؐ کی طرف اشارہ ہے ۔ امام محمد باقرؑ ــ (ینابیع المودۃ ۵۱۴)
۱۵۹۔ "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و آمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ" (الحدید ۲۸)
کفلین رحمت حسنؑ و حسینؑ ہیں اور نور علیؑ بن ابی طالبؑ ــ ابن عباس ــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۲۲۷)
۱۶۰۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ. . ." (مجادلہ ۲۲)
آیت میں حزب اللہ ائمہ اثنا عشر کے شیعہ ہیں ــ رسول اکرمؐ ــ (ینابیع المودۃ ص ۴۴۳)
۱۶۱۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القریٰ فللہ و للرسول ولذی القربیٰ"۔ (حشر ۷)
ذی القربیٰ سے مراد رسول اکرمؐ کے قرابتدار ہیں ۔ ابن عباس ــ (غایۃ المرام ۳۲۴)
۱۶۲۔ "ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ"۔ (حشر ۹)
یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ ابن عباس ۔

(شواہد التنزیل ۲ ص ۲۴۷)

۱۲۳۔ "یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولوکرہ الکافرون" (الصف ۸)

نور امام ہے اور اتمام تکمیل عدد امامت ہے۔ امام زین العابدینؑ ۔ (ینابیع المودۃ)

۱۲۴۔ "ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون"۔ (الصف ۹)

اس کا مصداق ظہور قائمؑ کے وقت سامنے آئے گا۔ امام جعفر صادقؑ ۔ (ینابیع المودۃ ۵۰۸)

۱۲۵۔ "واذارأوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما"۔ (جمعہ ۱۱)

نماز میں رہ جانے والوں میں علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، سلمان، ابوذر اور مقداد تھے۔

ابن عباس ۔ غایۃ المرام ص ۳۰۲)

۱۲۶۔ "فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا"۔ (التغابن ۸)

نور سے مراد امام وقت ہے۔ امام زین العابدینؑ ۔ (ینابیع المودۃ)

۱۲۷۔ وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین"۔ (تحریم ۴)

یا علیؑ! صالح المومنین تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ رسول اکرمؐ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۹۳)

۱۲۸۔ "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبأیمانھم"۔ (تحریم ۸)

الذین آمنوا علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، حمزہ اور جعفر ہیں۔ ابن عباس۔ (غایۃ المرام ص ۳۲۶)

۱۲۹۔ "حتیٰ اذارأوا مایوعدون فسیعلمون من اضعف ناصراً واقل عدداً"۔ (الجن ۲۴)

ظہور قائم آل محمدؐ کی طرف اشارہ ہے۔ امام زین العابدینؑ ۔ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۵)

۱۳۰۔ "ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً"۔ (مزمل ۱۹)

جس نے مجھ سے اور میرے اہلبیتؑ سے تمسک کیا اس نے خدا کا راستہ اختیار کرلیا۔
رسول اکرمؐ ـــ (صواعق محرقہ ص ۹۰)

۱۷۱۔ "فاذا نقر فی الناقور ہ فذٰلک یومئذ یوم عسیر ۔ ۔ ۔" مدثر ۸ ـ ۱۰)
روز ظہور قائمؑ کی طرف اشارہ ہے ـــ امام جعفر صادقؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۱۵۱)

۱۷۲۔ "کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین ۔" مدثر ۳۸ ـ ۴۰)
ہم اور ہمارے شیعہ اصحاب یمین ہیں ـ امام محمد باقرؑ ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۲۹۳)

۱۷۳۔ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً ۔ ۔ ۔" (دہر ۱ ـ ۳۱)
یہ سورہ اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوا ہے (اور سائل جبریل تھے جن کے ذریعہ قدرت نے اہلبیتؑ کا امتحان لیا تھا) ـــ ابن عباس ـــ (تفسیر قرطبی، غایۃ المرام ص ۳۶۸)

۱۷۴۔ "ان المتقین فی ظلال وعیون ۔ ۔ ۔" (مرسلات ۴۱ ـ ۴۴)
متقین علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں ـــ ابن عباس ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۱۶)

۱۷۵۔ "فلا اقسم بالخنس ۔" (تکویر ۱۵)
غیبت امام مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے ـــ امام محمد باقرؑ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۵)

۱۷۶۔ "ومزاجہ من تسنیم ہ عیناً یشرب بھا المقربون ۔" (المطففین ۲۷ ـ ۲۸)
مقربین آل محمدؐ ہیں ـــ رسول اکرمؐ ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۲۶)

۱۷۷۔ "والسماء ذات البروج ۔" (البروج ۱)
میں آسمان ہوں اور ائمہ اہلبیتؑ بروج جن کے اول علیؑ ہیں اور آخر مہدیؑ ـ
رسول اکرمؐ ـــ (ینابیع المودۃ ص ۵۱۵)

۱۷۸۔ "ووالد وما ولد ۔" (البلد ۲)
علیؑ اور اولاد علیؑ مراد ہیں ـــ امام محمد باقرؑ ـــ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۲۱)

۱۷۹۔ "فلا اقتحم العقبۃ" (البلد ۱۱ ـ ۱۲)
عقبات قیامت سے میرے اور میرے اہلبیتؑ کے علاوہ کوئی آسانی سے نہیں گذر سکتا ہے ـــ رسول اکرمؐ (غایۃ المرام ص ۳۲۶)

۱۸۰۔ "والشمس وضحٰها والقمر اذا تلٰها ..." (الشمس ۱۔۲)
شمس رسول اکرمؐ، قمر علیؑ، نہار حسنینؑ اور لیل بنی امیہ ہیں ۔۔ ابن عباس ۔۔
(شواہد التنزیل ۲ ص ۳۳۳)

۱۸۱۔ "ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔" (الضحیٰ ۵)
رضائے پیغمبرؐ اسی میں ہے کہ اہلبیتؑ میں کوئی جہنم نہ جانے پائے۔ ابن عباس۔
(جامع البیان فی تفسیر القرآن)

۱۸۲۔ "ورفعنا لک ذکرک۔" (انشراح ۴)
بقائے نسل پیغمبرؐ کی طرف اشارہ ہے ۔۔ شیخ اسماعیل حقی ۔۔ (تفسیر روح البیان)

۱۸۳۔ "والتین والزیتون وطور سینین وھٰذا البلد الامین۔" (التین ۱۔۳)
تین و زیتون حسنؑ وحسینؑ، طور سینین امیر المومنینؑ اور بلد امین رسول اکرمؐ ہیں۔
امام موسیٰ کاظمؑ ۔۔ (شواہد التنزیل)

۱۸۴۔ "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریۃ۔" (البینۃ ۷)
آل محمدؐ خیر البریہ ہیں ۔۔ رسول اکرمؐ ۔۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۶۴)

۱۸۵۔ "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم"۔ (التکاثر ۸)
اس نعمت سے مراد ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے ۔۔ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ ۔۔
(ینابیع المودۃ ص ۱۱۱۔۱۱۲)

۱۸۶۔ "الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔" (العصر ۲)
آیت کا مصداق اول علی بن ابی طالب ہیں۔ ابن عباس ۔۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۷۴)

۱۸۷۔ "انا اعطینک الکوثر۔" (کوثر ۱)
کوثر ہم اہلبیتؑ کی منزل جنت کا نام ہے۔ رسول اکرمؐ ۔۔ (شواہد التنزیل ۲ ص ۳۷۶)

مذکورہ بالا آیات اگرچہ ارقام کے اعتبار سے ۱۸۷ ہیں لیکن حقیقتاً ۲۰۰ کے قریب

ہیں جن میں اکثر مقامات پر ایک پورے سلسلۂ آیات کو ایک شمار کیا گیا ہے جس طرح کہ سورۂ دہر کو ایک نمبر دیا گیا ہے، حالانکہ اس میں ۳۱ آیات ہیں اور یہ پورا سورہ اہلبیتؑ کے ایثار وکرم کے مظاہرہ کے موقع پر نازل ہوا ہے۔

ان آیات کے علاوہ سورۂ محمدؐ کے معیار کے مطابق دیکھا جائے تو تمام آیات قرآنی میں یا سیرت وفضیلت اہلبیتؑ کا جلوہ نظر آتا ہے یا ان کے دشمنوں کی خباثت وشرارت اور ان کے انجام آخرت کا ذکر ہے اور اس طرح اہلبیت طاہرینؑ کو بلا تردد مرکز ومحور قرآن قرار دیا جاسکتا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اشارہ کیا گیا ہے۔!

مُطالعۂ قرآن

(باعتبار آیات احکام)

طہارت

۱۔ "واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن۔" (بقرہ۔۱۲۴)

پروردگار نے ابراہیمؑ کا چند کلمات (اصول طہارت) کے ذریعہ امتحان لیا اور انھوں نے اسے مکمل کر دیا۔

۲۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم۔" (بقرہ۔۱۷۲)

ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے پاکیزہ رزق کو استعمال کرو۔

۳۔ "انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر۔" (بقرہ۔۱۷۳)

تمھارے لیے مُردار، خون اور سور کے گوشت کو حرام (نجس) کر دیا گیا ہے۔

۴۔ "یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر۔" (بقرہ۔۲۱۹)

یہ لوگ شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ ان میں بہت بڑا گناہ (رجس) پایا جاتا ہے۔

۵۔ "ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن۔" (بقرہ۔۲۲۲)

عورتوں سے اس وقت تک مقاربت نہ کرو جب تک حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔

۶۔ "ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا۔" (نساء ۴۳)

حالتِ جنابت میں مسجد سے صرف گذر سکتے ہو جب تک غسل نہ کرلو۔

۷۔ "اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم۔" (مائدہ۔۶)

نماز کے لیے اٹھو تو چہرہ اور ہاتھوں کو دھوؤ (وضو کرو)۔

۸۔ "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس۔" (مائدہ ۹۰۔۹۱)

شراب، جُوا، پانسہ وغیرہ سب رجس ہیں۔

۹۔ "انزل علیکم من السماء ماءً لیطھرکم بہ۔" (انفال ۱۱)

پروردگار نے آسمان سے پانی کو وسیلۂ طہارت بنا کر نازل کیا ہے۔

۱۰۔ "انما المشرکون نجس۔" (توبہ ۲۸)

مشرکین نجس ہیں۔

۱۱۔ "فیہ رجال یحبّون ان یتطھروا۔" (توبہ ۱۰۸)

اس مسجد میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں۔

۱۲۔ "نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا۔" (نحل ۶۶)

ہم جانور کے شکم سے خالص اور پاکیزہ دودھ عطا کرتے ہیں۔

۱۳۔ "فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طویٰ۔" (طٰہٰ ۱۲)

موسیٰ! نعلین اُتار دو تم ایک پاکیزہ وادی میں ہو۔

۱۴۔ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔" (الحج ۳۰-۳۱)

خبردار! بتوں کی نجاست وخباثت سے دور رہو۔

۱۵۔ "لقد انزلنا من السماء ماءً بقدر۔" (مومنون ۱۸)

ہم نے آسمان سے مخصوص مقدار میں پانی نازل کیا ہے۔

۱۶۔ "وانزلنا من السماء ماءً طھورًا۔" (فرقان ۴۸)

ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا ہے۔

۱۷۔ "لا یمسّہ الّا المطھرون۔" (واقعہ ۷۹)

قرآن کو پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی مَس نہیں کرسکتا ہے۔

۱۸۔ "وثیابک فطھر والرجز فاھجر۔" (مدثر ۴-۵)

پیغمبر! لباس کو پاکیزہ رکھیں اور کثافت سے دور رہیں۔

نماز

۱۔ "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً۔" (نساء ۱۰۲)
نماز صاحبانِ ایمان پر وقت کی پابندی کے ساتھ لکھ دی گئی ہے۔

۲۔ "حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ۔" (بقرہ ۔ ۲۳۸)
تمام نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی پابندی کرو۔

۳۔ "وأمر اهلك بالصلوٰۃ واصطبر علیها۔" (طٰہٰ ۔ ۱۳۲)
اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور پھر صبر کرو۔

۴۔ "قد افلح المومنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون۔" (مومنون ۱-۲)
کامیابی ان صاحبانِ ایمان کے لیے ہے جو توجہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

۵۔ "اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر۔" (اسراء ۷۸-۷۹)
نماز زوالِ آفتاب، تاریکیٔ شب اور فجر کے ہنگام قائم کرو۔

۶۔ "اقم الصلوٰۃ طرفی النهار۔" (ہود ۱۱۵)
دن کے دونوں طرف نماز قائم کرو۔

۷۔ "وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها۔" (طٰہٰ ۱۳۰)
طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروب سے پہلے حمدِ پروردگار کی تسبیح کرو۔

۸۔ "وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب و من اللیل فسبحه وادبار السجود۔" (ق ۳۹-۴۰)
طلوع و غروب سے پہلے حمدِ خدا کی تسبیح کرو اور ہنگامِ شب اور بعدِ سجود بھی تسبیحِ پروردگار کرو۔

۹۔ "فولِّ وجهك شطر المسجد الحرام۔" (بقرہ ۔ ۱۴۴)
نماز میں اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف موڑ دو۔

۱۰۔ "ولله المشرق والمغرب فأینما تولوا فثم وجه الله۔" (بقرہ ۔ ۱۱۶)
مشرق و مغرب اللہ کے لیے ہیں۔ جدھر رُخ کرو گے اس کا جلوہ رہے گا۔

۱۱۔ "یا بنی آدم قد انزلنا لباساً۔" (اعراف ۲۵)
بنی آدم! ہم نے تمھارے لیے لباس نازل کیا ہے۔

۱۲۔ "یا بنی آدم خذوا زینتکم۔" (اعراف ۳۰)
بنی آدم! عبادت کے ہنگام زینت کا خیال رکھو۔

۱۳۔ "حُرّمت علیکم المیتۃ۔" (مائدہ ۳)
تمھارے لیے مُردار (کا لباس) حرام کر دیا گیا ہے۔

۱۴۔ "والانعام خلقھا لکم فیھا دِفْءٌ ومنافع۔" (نحل ۵)
جانوروں میں گرم لباس اور دیگر منافع بھی رکھے گئے ہیں۔

۱۵۔ "ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔" (بقرہ ۱۱۴)
مسجدوں میں ذکرِ خدا سے روکنے والے سے بڑا ظالم کون ہے۔

۱۶۔ "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ۔۔۔" (توبہ ۱۹)
مساجد کی تعمیر صاحبانِ ایمان وکردار کا کام ہے۔

۱۷۔ "واقیموا وجوھکم عند کل مسجد۔" (اعراف ۲۸)
ہر عبادت کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو۔

۱۸۔ "اذا نادیتم الی الصلوٰۃ اتخذوھا ھزواً ولعباً۔" (مائدہ ۵۸)
بے ایمانوں کو نماز کے لیے بُلایا جاتا ہے تو مذاق اُڑاتے ہیں۔

۱۹۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم۔" (حج ۷۷)
ایمان والو! رکوع، سجدہ اور عبادت پروردگار کرو۔

۲۰۔ "وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً۔" (جن ۱۸)
مساجد اللہ کے لیے ہیں لہٰذا کسی اور کو مت پکارو۔

۲۱۔ "فسبح باسم ربک العظیم۔" (واقعہ ۷۴)
خدائے عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔

۲۲۔ "سبح اسم ربک الاعلیٰ۔" (اعلیٰ ۱)

خدائے اعلیٰ کے نام کی تسبیح کرو۔

۲۳۔ "ولا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت بها۔" (اسراء ۱۱۰)

ساری نمازیں نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ۔

۲۴۔ "یا ایها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔" (احزاب ۵۶)

ایمان والو! پیغمبر پر صلوات وسلام بھیجو۔

۲۵۔ "فصل لربك وانحر۔" (کوثر ۲)

اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھو اور قربانی دو۔

۲۶۔ "فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله۔" (نحل ۹۸)

قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ باللہ کہو۔

۲۷۔ "قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه۔" (مزمل ۱-۲)

رات کو اُٹھو مگر کچھ کم۔ نصف یا اس سے بھی کم یا قدرے زیادہ۔

۲۸۔ "ان ربك یعلم انك تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل۔" (مزمل ۲۰)

تمھارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات قیام کرتے ہو۔

۲۹۔ "قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ۔" (انعام ۱۶۲)

میری نماز، میری عبادتیں اور موت وحیات سب اللہ کے لیے ہے۔

۳۰۔ "یقیمون الصلوٰة ویؤتون الزکوٰة وهم راکعون۔" (مائدہ ۵۵)

ولی وہ صاحبانِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰة دیتے ہیں۔

۳۱۔ "اقم الصلوٰة لذکری۔" (طٰہٰ ۱۴)

میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

۳۲۔ "وهو الذی جعل اللیل والنهار خلفة لمن اراد ان یذکر۔" (فرقان ۶۲)

خدا نے روز وشب کو ایک دوسرے کے بعد ذکر وشکر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

۳۳۔ "فان تابوا واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة فخلوا سبیلهم۔" (توبہ ۵)

یہ کفار اگر توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں، زکوٰة ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

۳۴۔ "یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔" (جمعہ ۹-۱۰-۱۱)
جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بُلایا جائے تو ذکر خدا کے لیے دوڑ پڑو۔

۳۵۔ "ولا تصل علی احد منھم مات ابدا۔" (توبہ ۸۵)
کفار مر جائیں تو ان کے جنازہ کی نماز مت پڑھنا۔

۳۶۔ "اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ۔" (نساء ۱۰۰)
سفر کرو تو نماز میں قصر کر دو۔

۳۷۔ "واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ۔" (نساء ۱۰۱)
اگر کفار کے درمیان نماز قائم کرو۔

۳۸۔ "فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم۔" (نساء ۱۰۳)
نماز تمام ہو جائے تو اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے ذکر خدا کرتے رہو۔

۳۹۔ "فان خفتم فرجالاً او رکباناً۔" (بقرہ-۲۳۹)
خوف کی منزل ہو تو پیادہ یا سواری ہی پر نماز پڑھ لو۔

۴۰۔ "فاذا فرغت فانصب۔" (انشراح ۷-۸)
پیغمبر! کار تبلیغ تمام ہو جائے تو بھی مزید زحمت برداشت کرو۔

۴۱۔ "واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔" (بقرہ ۴۳)
نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور جماعت کے ساتھ رکوع کرو۔

۴۲۔ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔" (اعراف ۲۰۴-۲۰۶)
قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے توجہ کے ساتھ سنو۔

روزہ

۱۔ "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام۔" (بقرہ-۱۸۳-۱۸۴)
ایمان والو! تم پر روزے واجب کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔" (بقرہ۔ ۱۸۵)
جو ماہ رمضان میں حاضر رہے اس کا فرض ہے کہ روزہ رکھے۔
۳۔ "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم۔" (بقرہ۔ ۱۸۷)
تمھارے لیے روزہ کی رات میں عورتوں سے مباشرت جائز ہے۔

زکوٰۃ

۱۔ "وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والمساکین والیتامیٰ وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔" (بقرہ۔ ۱۷۷)
نیکی ان کے لیے ہے جو راہِ خدا میں قرابت دار، مسکین، یتیم، مسافر، سائل اور غلام کو مال دیں۔
۲۔ "ویل للمشرکین الذین یؤتون الزکوٰۃ۔" (حٰمٓ السجدہ۔ ۷)
ان مشرکین کے لیے ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں۔
۳۔ "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ۔" (براءت ۳۴)
جو لوگ سونے چاندی کے ذخیرے کرتے ہیں اور راہِ خدا میں انفاق نہیں کرتے ہیں۔
۴۔ "وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔" (ذاریات ۱۹)
صاحبانِ ایمان کے مال میں سائل اور محروم سب کا حصہ رہتا ہے۔
۵۔ "خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔" (توبہ ۱۰۴-۱۰۵)
ان کے مال میں سے زکوٰۃ لے لیں تاکہ یہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں۔
۶۔ "انفقوا من طیبات ما کسبتم۔ ۔ ۔" (بقرہ۔ ۲۶۷)
اپنی پاکیزہ کمائی میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔
۷۔ "فآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل۔" (روم ۳۸)
قرابت دار، مسکین۔ مسافر کو اس کا حق دے دو۔
۸۔ "انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا۔ ۔ ۔" (توبہ ۶۰)

صدقات، فقراء، مساکین، عاملین، مقروض، مولفۃ القلوب، مسافر غربت زدہ اور راہِ خدا کے لیے ہیں۔

۹۔ "ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔" (بقرہ — ۲۷۱)

تم علی الاعلان صدقہ دو تو یہ بھی بہتر ہے۔

۱۰۔ "یسئلونک ماذا ینفقون۔" (بقرہ — ۲۱۵)

پیغمبر! یہ آپ سے انفاق کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

۱۱۔ "یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔" (بقرہ — ۲۱۹)

یہ پوچھتے ہیں کہ کس قدر انفاق کریں تو کہہ دیجیے کہ اپنے مال کا غیر ضروری حصہ سب!

۱۲۔ "مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ۔" (بقرہ — ۲۶۱)

جو راہِ خدا میں انفاق کرتے ہیں وہ ایک دانے سے سات سو دانے بناتے ہیں۔

۱۳۔ "الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا مناً ولا اذی۔" (بقرہ — ۲۶۲)

راہِ خدا میں انفاق کرنے والے احسان نہیں جتاتے ہیں اور نہ اذیت دیتے ہیں۔

۱۴۔ "لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ۔" (بقرہ — ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان اور اذیت کے ذریعہ بیکار مت کرو۔

خمس

۱۔ "واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ و للرسول ولذی القربیٰ۔" (انفال ۴۱)

یاد رکھو، تمہارے ہر فائدہ میں اللہ، رسول، قرابتداران رسول کا خمس واجب ہے۔

۲۔ "یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم۔" (بقرہ — ۲۶۷)

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے انفاق کرو۔

۳۔ "یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔" (انفال ۱)

یہ لوگ انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ یہ سب صرف اللہ و رسول کے لیے ہیں۔

حج

۱۔ "وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً۔" (آل عمران ۹۶)
بیت اللہ کے سفر کی استطاعت رکھنے والوں پر حج بیت اللہ واجب ہے۔

۲۔ "ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام۔" (حج ۲۵)
کفار راہِ خدا اور مسجد الحرام سے منع کرتے ہیں۔

۳۔ "واتموا الحج والعمرۃ للہ فان احصرتم فما استیسر من الھدی۔" (بقرہ ۱۹۶)
حج و عمرہ کو اللہ کے لیے تمام کرو اور مجبور ہو جاؤ تو قربانی دے کر آزاد ہو جاؤ۔

۴۔ "الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔" (بقرہ - ۱۹۷)
حج معین مہینوں کا عمل ہے اور اس کے دوران جماع، جھوٹ اور جدال جائز نہیں ہے۔

۵۔ "فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔" (بقرہ - ۱۹۸)
عرفات سے آگے بڑھو تو مشعر الحرام میں ذکر خدا کرو۔

۶۔ "ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔" (بقرہ - ۱۹۹)
پھر تمام لوگوں کے ساتھ منیٰ کی طرف بڑھ جاؤ۔

۷۔ "فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم۔" (بقرہ - ۲۰۰)
مناسک تمام بھی ہو جائیں تو خدا کو یاد رکھنا جس طرح اپنے بزرگوں کو یاد رکھتے ہو۔

۸۔ "واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ۔"
(بقرہ - ۲۰۳)
چند معین دنوں میں یادِ خدا کرو چاہے دو دن ہو یا تین دن۔

۹۔ "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ۔" (بقرہ - ۱۲۵)

مقامِ ابراہیمؑ کو مصلیٰ بنا کر نماز ادا کرو۔

۱۰۔"ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ"۔ (بقرہ ـ ۱۵۸)

صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔

۱۱۔"لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام"۔(فتح ۲۷)

اللہ نے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا ہے کہ تم مسجد الحرام میں داخل ہو گے۔

۱۲۔"یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حُرُم"۔ (مائدہ ـ ۹۵)

ایمان والو! حالت احرام میں شکار مت کرنا۔

۱۳۔"یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام"۔(مائدہ ـ ۲)

ایمان والو! شعائر اللہ اور ماہِ محرم کی حرمت کو ضائع نہ کرنا۔

۱۴۔"واذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا بلداً اٰمناً"۔ (بقرہ ـ ۱۲۶)

ابراہیمؑ نے دعا کی کہ خدایا! اس شہر کو "علاقہ محفوظ" بنا دے۔

جہاد

۱۔"کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم"۔ (بقرہ ـ ۲۱۶)

تم پر جہاد واجب کر دیا گیا ہے اگرچہ تمہیں ناگوار ہے۔

۲۔"یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر"۔(بقرہ ـ ۲۱۷)

یہ لوگ محترم مہینے میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔"جاھدوا فی اللہ حق جھادہ"۔ (حج ۷۸)

راہِ خدا میں جہاد کا حق ادا کرو۔

۴۔"وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا"۔ (بقرہ ـ ۱۹۰)

لوگ تم سے جنگ کریں ان سے راہِ خدا میں جنگ کرو لیکن زیادتی نہ کرنا۔

۵۔"واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم"۔

(بقرہ ـ ۱۹۱)

ان کفار کو جہاں پانا قتل کر دینا اور جیسے تم کو نکالا ہے انھیں بھی نکال باہر کر دینا۔

۶۔ "الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص" (بقرہ ـ ۱۹۴)

محترم مہینہ اور محترم شہر کا جواب اسی زمانہ میں قتال ہے۔

۷۔ "یا ایہا الذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا" (نساء ۹۴)

ایمان والو! راہِ خدا میں نکلو تو پہلے تحقیق کر لو۔

۸۔ "ان الذین توفّٰھم الملائکۃ ظالمین" (نساء ۹۷)

جن لوگوں کو ملائکہ نے اس حال میں اٹھایا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے۔

۹۔ "یا عبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون" (عنکبوت ۵۶)

میرے بندو! میری زمین وسیع ہے لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

۱۰۔ "والذین ھاجروا فی اللہ" (نحل ۴۱)

جن لوگوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔

۱۱۔ "وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا" (حجرات ۹)

مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو صلح کرا دو۔

۱۲۔ "یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم المومنات مہاجرات" (ممتحنہ ۱۰)

مومنات ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کرو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

۱۔ "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر" (آل عمران ـ ۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت دعوت خیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہونی چاہیئے۔

۲۔ "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ" (نحل ۹۰)

اللہ عدل، احسان اور قرابتداروں کے حقوق کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون

عن المنکر" (آل عمران ۱۱۰)
تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔

۴۔ "وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم" (نساء ۱۴۰)
یہ حکم خدا ہے کہ اس کی آیات کا انکار و استہزاء ہو رہا ہو تو ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔

کسب معاش

۱۔ "وجعلنا لکم فیھا معایش ومن لستم لہ برازقین" (حجر ۲۰)
زمین میں تمھارا بھی رزق ہے اور ان کا بھی ہے جن کے تم رازق نہیں ہو۔

۲۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً"۔ (بقرہ ۱۶۸)
ایمان والو! زمین کی نعمتوں میں سے حلال وطیب کو استعمال کرو۔

۳۔ "کلوا من طیبات ما رزقنا کم ولا تطغوا فیہ فیحل علیکم غضبی"۔ (طٰہٰ ۸۱)
ہمارے پاکیزہ رزق کو کھاؤ اور سرکشی نہ کرو کہ غضب نازل ہو جائے۔

کسب حرام

۱۔ "سمّٰعون للکذب اکّٰلون للسحت" (مائدہ ۴۲)
یہ لوگ جھوٹ سننے والے اور حرام کھانے والے ہیں۔

۲۔ "ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا" (نور ۳۳)
تمھاری عورتیں عفت چاہتی ہیں تو انھیں زنا پر مجبور نہ کرو۔

۳۔ "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان"۔ (مائدہ ۹۰)
شراب، جوا، پانسہ وغیرہ شیطانی اعمال اور رجس ہیں۔

۴۔ "لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علیٰ انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم۔" (نور ۶۱-۶۲)
اندھا، لنگڑا، بیمار انسان معذور ہے اور تم بھی اپنے مخصوص اعزا کے گھر کھا سکتے ہو۔

خرید و فروخت

۱۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض۔" (نساء ۲۹)
ایمان والو! طرفین کی رضامندی کے معاملہ کے بغیر ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھا جاؤ۔

۲۔ "احل اللہ البیع وحرم الربا۔" (بقرہ ۲۷۵)
اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام بنایا ہے۔

۳۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مومنین۔" (بقرہ ۲۷۸)
ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم صاحبانِ ایمان ہو۔

۴۔ "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون۔" (مطففین ۱-۳)
ایسے بے ایمانوں کے لیے ویل ہے جو دوسروں سے پورا لیتے ہیں اور خود ناپ تول میں کمی کر دیتے ہیں۔

۵۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃ۔" (آل عمران ۱۳۰)
ایمان والو! یہ دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔

۶۔ "لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔" (نساء ۱۴۱)
اللہ نے کافرین کو مومنین پر کوئی راہ نہیں دی ہے۔

قرض

۱۔ "یاایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ۔"
(بقرہ۔ ۲۸۲)

ایمان والو! قرض کا لین دین کرو تو مدت مقرر کرلو اور لکھ لو۔

۲۔ "وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ۔" (بقرہ۔ ۲۸۰)

مقروض تنگ دست ہے تو اسے مہلت ملنی چاہیئے۔

۳۔ "من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافًا کثیرۃ۔" (بقرہ۔ ۲۴۵)

کون ہے جو راہ خدا میں قرض دے کر خدا اسے کئی گنا بنا کر واپس کرے۔

۴۔ "ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللّٰہ قرضًا حسنا یضاعف لھم ولھم اجر کریم۔" (حدید ۱۸)

کار خیر کرنے والے اور قرض حسن دینے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔

۵۔ "ان تقرضوا اللّٰہ قرضا حسنا یضاعفہ لکم۔" (تغابن ۱۷)

ایمان والو! اللہ کو قرض دوگے تو کئی گنا بنا دے گا۔

رہن

۱۔ "وان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتبا فرھن مقبوضۃ۔" (بقرہ۔۲۸۳)

اگر حالت سفر میں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض کے لیے کوئی رہن رکھ دو۔

ضمانت

۱۔ "ولمن جاء بہ حمل بعیر وانا بہ زعیم۔" (یوسف ۷۲)

جو اسے لے آئے گا اسے ایک اونٹ کا بار انعام ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

۲۔ "سلھم ایھم بذٰلک زعیم۔" (قلم ۴۰)
ان سے پوچھئے کہ ان سب باتوں کا ذمہ دار کون ہے۔

صلح

۱۔ "لا خیر فی کثیر من نجوٰیھم الا من امر بصدقة او اصلاح بین الناس۔" (نساء ۱۱۴)
ان لوگوں کی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے جب تک صدقہ اور اصلاح کا حکم نہ دیں۔

۲۔ "فاتقوا اللّٰہ واصلحوا ذات بینکم۔" (انفال ۱)
اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کرو۔

۳۔ "ان یریدا اصلاحاً یوفق اللّٰہ بینھما۔" (نساء ۳۵)
یہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو خدا توفیق دے گا۔

۴۔ "وان امرأة خافت من بعلھا نشوزاً او اعراضاً فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحاً۔" (نساء ۱۲۸)
عورت کو شوہر سے کنارہ کشی اور حق تلفی کا خطرہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ دونوں صلح کرلیں۔

۵۔ "انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم۔" (حجرات ۱۰)
مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا صلح ضروری ہے۔

وکالت

۱۔ "الا ان یعفون او یعفوا الذی بیدہٖ عقدة النکاح۔" (بقرہ ۲۳۷)
مگر یہ کہ وہ خود معاف کردیں یا جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔

۲۔ "فابعثوا احدکم بورقکم ھٰذہٖ الی المدینة۔" (کہف ۱۹)

اس سکہ کو لے کر شہر جاؤ۔

۳۔ "فلما جاوزا قال لفتاہ اتنا غداءنا۔" (کہف ۶۲)

لاؤ ہمارا کھانا لاؤ کہ ہم اس سفر میں بہت خستہ حال ہو چکے ہیں۔

لزوم عقود

۱۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود۔" (مائدہ۔۱)

ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پر قائم رہو۔

شرکت

۱۔ "فکلوا مما غنمتم حلٰلاً طیباً۔" (انفال ۶۹)

باہمی فائدہ میں سے جو حلال و طیب ہے وہ استعمال کرو۔

۲۔ "فھم شرکاء فی الثلث۔" (نساء ۱۱)

یہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں۔

۳۔ "انما الصدقات للفقراء والمساکین۔" (توبہ ۶۱)

صدقات مشترکہ طور پر فقراء و مساکین کے لیے ہیں۔

اجارہ

۱۔ "یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔"

(قصص ۲۶)

بابا! انھیں اجرت پر رکھ لیں کہ یہ بہترین طاقتور اور امین آدمی ہیں۔

۲۔ "انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین علیٰ ان تاجرنی ثمانی حجج۔" (قصص ۲۷)

میں دو میں سے ایک لڑکی کا عقد تم سے کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ ۸ سال خدمت کرو۔

مضاربہ بالمعنی الاعم

۱۔ "فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔" (جمعہ ۱۰)
زمین میں منتشر ہو جاؤ اور فضل خدا تلاش کرو۔

۲۔ "واخرون یضربون فی الارض یبتغون۔" (مزمل ۲۰)
کچھ لوگ زمین میں سفر کر کے رزق خدا تلاش کر رہے ہیں۔

ودیعت

۱۔ "ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا۔" (نساء ۵۸)
پروردگار کا حکم ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہونچا دو۔

۲۔ "فان امن بعضکم بعضا فلیود الذی اؤتمن امانتہ۔" (بقرہ ۲۸۳)
اگر کوئی دوسرے کو امانت دار بنائے تو اس کی امانت کو واپس کرے۔

۳۔ "ومن اھل الکتاب من ان تامنہ۔" (آل عمران ۷۵)
بعض اہل کتاب بڑی بڑی امانتوں کو بھی واپس کر دیتے ہیں۔

عاریت

۱۔ "تعاونوا علی البر والتقویٰ۔" (مائدہ ۲)
نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

۲۔ "ویمنعون الماعون۔" (ماعون ۷)
یہ لوگ برتن تک عاریت نہیں دیتے ہیں۔

گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی

۱۔ "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔" (انفال ۶۰)

جہاں تک ممکن ہو دشمنوں کے لیے گھوڑے اور دیگر سامانِ جنگ فراہم رکھو۔

۲۔ "یا ابانا انا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عند متاعنا" (یوسف ۱۷)
بابا ہم دوڑ لگانے چلے گئے، اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ دیا۔

۳۔ "فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب" (حشر ۶)
جہاں گھوڑوں اور سواریوں کو دوڑنا نہیں پڑا ہے۔

مشقعہ

۱۔ "ولو شاء اللہ لاعنتکم" (بقرہ ۲۲۰)
خدا چاہتا تو تمھیں زحمت میں ڈال دیتا۔

۲۔ "وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل" (نساء ۳۶)
قرابت دار، یتیم، مسکین، قریب و دور کے ہمسایہ، پہلو نشین اور مسافروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

۳۔ "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (حج ۷۸)
تمھارے لیے دین میں کوئی مشقت نہیں رکھی گئی ہے۔

لقطہ

۱۔ "فالتقطہ اٰل فرعون" (قصص ۸)
موسیٰ کو فرعون والوں نے دریا سے اٹھا لیا۔

۲۔ "یلتقطہ بعض السیارۃ" (یوسف ۱۰)
یوسف کو کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی قافلہ اٹھا لے جائے۔

۳۔ "ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا" (نساء ۵۸)
اللہ کا حکم ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہونچا دو۔

۴۔ "تعاونوا علی البر والتقویٰ" (مائدہ - ۲)
نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

غصب

۱۔ "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" (بقرہ - ۱۸۸)
ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے نہ کھاجاؤ۔
۲۔ "ان کثیرا من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل" توبہ - ۳۴)
بہت سے راہب اور علماء نصاریٰ ہیں جو لوگوں کے مال کو حرام طریقے سے کھاجاتے ہیں۔
۳۔ "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم" (بقرہ - ۱۹۴)
جو تم پر ظلم کرے تم اس سے ویسا ہی سلوک کرو۔
۴۔ "ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیہم من سبیل" (شوریٰ ۴۱)
ظلم کے بعد اگر کوئی انتقام لے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔
۵۔ "ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً" (نساء ۱۰)
جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاجاتے ہیں وہ درحقیقت آگ کھارہے ہیں۔

اقرار

۱۔ "أأقررتم واخذتم علیٰ ذلکم اصری قالوا اقررنا" (آل عمران ۸۱)
کیا تم نے اقرار کرلیا اور ہمارے عہد کو قبول کرلیا؟ سب نے کہا کہ ہم نے اقرار کرلیا۔
۲۔ "کونوا قوامین بالقسط شہداء ولو علیٰ انفسکم" (نساء ۱۳۵)
عدل کے ساتھ قیام کرو اور گواہی دو چاہے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔

۲۔ "وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً۔" (توبہ ۱۰۲)
اور بعض لوگوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا کہ انھوں نے نیک و بد عمل کو مخلوط کر دیا ہے۔

۳۔ "فاعترفوا بذنبهم فسحقاً لاصحٰب السعیر۔" (ملک ۱۱)
جہنمیوں نے بالآخر اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور یہی تباہی کا سامان ہے۔

وصیّت

۱۔ "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف۔" (بقرہ ۔ ۱۸۰)
تمھارا فرض ہے کہ موت کے ہنگام خیر چھوڑ کر جا رہے ہو تو والدین اور قرابتداروں کے حق میں وصیت کرو۔

۲۔ "یا ایها الذین آمنوا شهادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل۔" (مائدہ ۔ ۱۰۶)
جب موت کا ہنگام ہو تو وصیت کے لیے دو عادل گواہ بنا لو۔

۳۔ "وآتوا الیتامیٰ اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب۔" (نساء ۲)
یتیموں کو ان کا مال دے دو اور طیب کے بدلے خبیث مت دو۔

۴۔ "وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منهم رشداً۔" (نساء ۵)
جب یتیم بالغ ہو جائیں تو اگر رشید بھی ہو گئے ہیں تو انھیں ان کا مال دے دو۔

۵۔ "ولیخش الذین لو ترکوا من خلفهم ذریۃ ضعافاً خافوا علیهم۔" (نساء ۸)
جو لوگ یتیموں پر ظلم کرتے ہیں انھیں اپنی اولاد کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔

صدقہ، ہبہ، وقف وغیرہ

۱۔ "لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون۔" (آل عمران ۹۲)

تم اس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے ہو جب تک اپنے محبوب مال میں سے انفاق نہ کرو

۲۔ "وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ" (مزمل ۲۰)
جو کچھ یہاں دے دو گے پروردگار کے یہاں مل جائے گا۔

۳۔ "واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب" (بقرہ ۔ ۱۷۷)
نیکی یہ ہے کہ راہ خدا میں قرابت دار، ایتام، مساکین، مسافر، سائل اور غلاموں کو مال دیا جائے۔

نذر

۱۔ "وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر" (بقرہ ۔ ۲۷۰)
جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے یا نذر کی ہے۔

۲۔ "یوفون بالنذر ویخافون یوماً کان شرہ مستطیرا" (دہر ۷)
یہ نیک بندے نذر کو پورا کرتے ہیں اور قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔

عہد

۱۔ "اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً" (اسراء ۳۴)
عہد کو پورا کرو کہ اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

۲۔ "وبعھد اللہ اوفوا" (انعام ۱۵۲)
اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

۳۔ "الذین یوفون بعھد اللہ" (رعد ۲۰)
جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

۴۔ "والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون" (معارج ۳۲)
صاحبان ایمان اپنی امانت اور عہد کا خیال کرتے ہیں۔

یمین (قسم)

۱۔ "ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لأیمانکم ان تبرّوا وتتّقوا وتصلحوا بین الناس" (بقرہ ۔ ۲۲۴)

اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ اسے نیکی، تقویٰ اور اصلاح کی راہ میں مانع بنا دو۔

۲۔ "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم" (بقرہ ۔ ۲۲۵)

اللہ مہمل قسموں کا مواخذہ نہیں کرتا ہے لیکن واقعی قسموں کا مواخذہ ضرور کرے گا۔

۳۔ "لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم" (مائدہ ۔ ۸۹)

اللہ لغو قسموں کا مواخذہ نہیں کرتا ہے۔

عتق (آزادی غلام)

۱۔ "واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ" (احزاب ۳۷)

جب آپ اس سے کہہ رہے تھے جس پر خدا نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی آزادی کا انعام کیا۔

۲۔ "والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً" (نور ۳۳)

جو لوگ اپنی آزادی کے لیے لکھا پڑھی چاہتے ہیں ان میں خیر پایا جاتا ہے تو معاہدہ کر لو۔

نکاح

۱۔ "وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم" (نور ۳۲)

اپنے غیر شادی شدہ آزاد اور صالح غلام وکنیز کے عقد کا انتظام کرو۔

۲۔ "ولیستعفف الذین لایجدون نکاحًا حتی یغنیھم اللہ من فضلہٖ۔" (نور ۳۳)
جن کے پاس نکاح کا امکان نہیں ہے انھیں عفت سے کام لینا چاہیئے یہاں تک کہ خدا غنی بنا دے۔

۳۔ "وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُبٰع۔" (نساء ۳)
اگر تمھیں خوف ہے کہ یتیموں میں انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے عقد کرو۔

۴۔ "والذین ھم لفروجھم حافظون الاعلیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم۔" (مومنون ۵-۶)
صاحبان ایمان ہر جگہ اپنی عفت کا تحفظ کرتے ہیں علاوہ ازواج اور کنیزوں کے۔

۵۔ "والمحصنٰت من النساء الّا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔" (نساء ۲۴)
تم پر شادی شدہ عورتیں حرام ہیں علاوہ ان کے جو کنیزیں بن جائیں کہ یہ خدا کا کھلا ہوا قانون ہے۔

۶۔ "ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم۔" (نساء ۲۵)
اگر تم آزاد عورتوں سے عقد کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو کنیزوں سے رشتہ قائم کرو۔

محرمات

۱۔ "ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم۔" (نساء ۲۲)
خبردار اپنے باپ کی منکوحہ سے عقد نہ کرنا۔

۲۔ "حرمت علیکم امھاتکم۔" (نساء ۲۳)

تمہاری مائیں تمہارے لیے حرام ہیں۔

۳۔"ولا تنکحوا المشرکٰت" (بقرہ ۔ ۲۲۱)

مشرک عورتوں سے عقد نہ کرنا۔

لوازم نکاح

۱۔"وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واٰتیتم احدٰیھن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئا" (نساء ۲۰)

اگر تم ایک عورت کے بدلے دوسری عورت سے عقد کرنا چاہتے ہو تو خبردار جو پہلی کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔

۲۔"ولاجناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسّوھن او تفرضوا لھن فریضہ" (بقرہ ۔ ۲۳۶)

اگر عورت کو مباشرت اور مہر کی تعیین سے الگ رکھا ہے تو طلاق کے بعد کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۳۔"وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم" (بقرہ ۔ ۲۳۷)

اگر مباشرت سے پہلے طلاق دی ہے اور مہر مقرر کر دیا ہے تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔

۴۔"الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض"۔(نساء ۳۴)

مرد عورتوں کے نگراں ہیں کہ پروردگار نے بعض کو بعض سے افضل قرار دیا ہے۔

۵۔"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل" (نساء ۱۲۹)

اگرچہ تم عورتوں کے درمیان مکمل انصاف نہیں کر سکتے ہو لیکن پھر بھی بالکل کسی ایک کی طرف نہ ہو جانا۔

۶۔"وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزاً او اعراضا فلاجناح علیھما

ان یصلح بینھما صلحاً۔" (نساء ۱۲۸)
اگر عورت کو شوہر سے حق تلفی یا کنارہ کشی کا خطرہ ہے تو آپس میں صلح کر لینا ہی زیادہ مناسب ہے۔

۷۔"اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن۔" (طلاق ۶)
مطلقہ عورتوں کو حیثیت کے مطابق رہائش دو اور تنگی کرنے کے لیے اذیت مت دو۔

۸۔"وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتیٰ یضعن حملھن فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن۔" (طلاق ۶)
اور اگر حاملہ ہیں تو وضع حمل تک کا خرچ بھی دو اور اس کے بعد اگر دودھ پلائیں تو اس کی اُجرت بھی دو۔

توابع نکاح

۱۔"قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم۔" (نور ۳۱)
مومنین سے کہہ دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

۲۔"وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن اوابائھن او اباء بعولتھن او ابناءھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن اوبنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللّٰه جمیعاً ایھا المومنون لعلکم تفلحون۔" (نور ۳۲)
مومنات سے بھی کہہ دیجئے کہ نگاہیں نیچی رکھیں، عفت کا تحفظ کریں، دوپٹہ

کو سینے پر ڈالے رہیں، اپنی زینت کا اظہار شوہر، باپ دادا، خسر، اپنی اولاد، شوہر کی اولاد، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں، کنیزیں، جنسیات سے بیگانہ نوکر اور جنسی شعور نہ رکھنے والے بچوں کے علاوہ کسی کے سامنے نہ کریں۔ اسی طرح پیر پٹک کر نہ چلیں کہ چھپی ہوئی زینت کا اظہار ہو جائے۔ ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ کامیابی حاصل کر سکو۔

۳۔ "یا ایہا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرّات من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظہیرۃ ومن بعد صلوٰۃ العشاء ثلاث عورات لکم۔" (نور ۵۸)

ایمان والو! تمھارے غلام اور نابالغ بچوں کا بھی فرض ہے کہ تمھارے پاس آنے کے لیے تین اوقات میں اجازت طلب کریں نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت جب کپڑے اتارے جاتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد کہ یہ پوشیدہ اوقات ہیں۔

۴۔ "اذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین من قبلہم۔" (نور ۵۹)

جب تمھارے بچے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی چاہیے کہ پہلے والوں کی طرح اجازت طلب کریں۔

۵۔ "والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحاً فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع علیم۔" (نور ۶۰)

بیٹھ رہنے والی عورتیں جن میں خواہش نکاح نہیں رہ گئی ہے۔ انھیں آزادی ہے کہ کپڑے اتار سکتی ہیں بشرطیکہ مقامات زینت کا اظہار نہ کریں اور عفت کا اختیار کرنا بہرحال بہتر ہے کہ خدا سمیع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔

۶۔ "نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم وقدموا لانفسکم واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم ملٰقوہ وبشر المومنین۔" (بقرہ۔۲۲۳)
تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو آسکتے ہو لیکن کچھ اپنے واسطے آگے بھی بھیجو اور اللہ سے ڈرو کہ اس سے بہرحال ملاقات ہونے والی ہے۔

۷۔ "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لاتکلف نفس الا وسعھا۔" (بقرہ۔ ۲۳۳)
ماؤں کو چاہیئے کہ مکمل دودھ پلانا ہے تو دو سال پلائیں اور جس کا فرزند ہے اس کا فرض ہے کہ ان کا کھانا کپڑا مہیا کرے۔ اور ہر شخص کو اس کے امکان برابر ہی تکلیف دی جاسکتی ہے۔

۸۔ "ولاجناح علیکم فیما عرضتم من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللّٰہ انکم ستذکرونھن ولکن لاتواعدوھن سرًّا الّا ان تقولوا قولاً معروفاً ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتیٰ یبلغ الکتاب اَجَلَہٗ۔" (بقرہ۔ ۲۳۵)
تم عورتوں کو اشارۃً عقد کا پیغام دے سکتے ہو یا اس بات کو دل میں رکھ سکتے ہو۔ لیکن ان سے خفیہ وعدہ نہیں لے سکتے ہو۔ مگر یہ کہ نیک گفتگو کرو اور جب تک عدّت پوری نہ ہو جائے عقد نکاح کا ارادہ بھی نہ کرنا۔

۹۔ "الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔" (نور ۲۶)
خبیث باتیں خبیث افراد کے لیے ہیں اور خبیث افراد خبیث چیزوں کے لیے ہیں اور یہی حال پاکیزہ افراد اور اشیاء کا ہے۔

"یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک تبتغی مرضات ازواجک۔"
(تحریم ۱)

پیغمبر! آپ ازواج کی رضامندی کے لیے حلال خدا کو اپنے اوپر کیوں حرام کیے لے رہے ہیں۔؟

طلاق

۱۔ "یاایھاالنبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ واتقوااللہ ربکم ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الاّ ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ۔" (طلاق ۱)
پیغمبر! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو عدت کا خیال کر کے اور پھر اس کا حساب بھی رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو اور خبردار انھیں ان کے گھروں سے باہر نہ نکالنا اور نہ وہ خود نکلیں جب تک کھلا ہوا جرم نہ کریں۔

۲۔ "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف۔" بقرہ۔۲۳۱)
اور جب عورتوں کو طلاق دو اور مدت عدہ پوری ہونے لگے تو یا تو نیکی کے ساتھ روک لو یا خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دو۔

۳۔ "واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف۔" (بقرہ۔۲۳۲)
اور جب عورتوں کو طلاق دو اور عدت پوری ہو جائے تو دوسرے عقد سے منع نہ کرو اگر ان میں آپس میں معقول معاملہ ہو جائے۔

۴۔ "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء ولا یحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن ان کنّ یومنّ باللہ والیوم الاٰخر وبعولتھن احق بردھن فی ذٰلک ان ارادوا اصلاحًا ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ۔" (بقرہ ۲۲۸)
مطلقہ عورتوں کو تین طہر تک انتظار کرنا چاہیے اور اپنے حمل کو چھپانا نہیں

چاہیئے۔ اگر ان کا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے اور شوہر واپس لانا چاہیں تو انھیں یہ حق حاصل ہے۔ انھیں بھی ویسا ہی حق ہے جیسا ان کے اوپر فرض ہے۔ اور مردوں کو ایک درجہ اور بھی حاصل ہے۔

۵۔ "واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔" (طلاق ـ ۴)

جو عورتیں حیض کی طرف سے مایوس ہوگئی ہیں اگر ان کی حالت مشتبہ ہے تو ان کا عدہ تین ماہ ہے اور یہی بغیر حیض والی عورتوں کا حال ہے۔ حاملہ عورتوں کا عدہ وضع حمل تک ہے۔

۶۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن وسرحوھن سراحا جمیلا۔" (احزاب ۴۹)

ایمان والو! اگر مومنہ سے نکاح کرکے تعلقات سے پہلے طلاق دے دو تو کوئی عدہ نہیں ہے لیکن کچھ سامان دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردو۔

۷۔ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔ (بقرہ ـ ۲۳۴)

تم میں سے کوئی مرجائے اور زوجہ چھوڑ جائے تو اسے ۴ مہینہ دس دن انتظار کرنا ہوگا۔

۸۔ "الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان۔" (بقرہ ـ ۲۲۹)

طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے جس میں اختیار ہے کہ نیکی کے ساتھ روک لے یا نیکی کے ساتھ رخصت کردے۔ (بقرہ ـ ۲۲۹)

۹۔ "فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ۔" (بقرہ ـ ۲۲۹)

اس کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دے دے تو دوسرا شوہر کیے بغیر حلال نہ ہوگی۔ پھر وہ بھی طلاق دے دے تو رجوع ہو سکتا ہے بشرطیکہ حدود الٰہیہ قائم رکھ سکیں۔

خلع و مبارات

۱۔ "ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اٰتیتموھن شیئاً الّا ان یخافا الّا یقیما حدود اللہ فان خفتم الّا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولٰئک ھم الظالمون۔" (بقرہ ــ ۲۲۹)

تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہے اسے واپس لینے کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ حدود الٰہیہ کا قیام خطرہ میں ہو تو ایسی صورت میں عورت سے فدیہ لیا جا سکتا ہے۔

ظہار

۱۔ "الذین یظاھرون منکم من نسائھم ما ھن امھاتھم ان امھاتھم الا الّائی ولدنھم وانھم لیقولون منکراً من القول وزوراً۔ والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر۔ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتلک حدود اللہ وللکافرین عذاب الیم۔" (مجادلہ ۱-۳)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتی ہیں۔ ماں صرف پیدا کرنے والی ہے۔ یہ ان کا بدترین قول ہے۔ پھر ظہار کرنے والا رجوع کرنا چاہے تو پہلے ایک غلام آزاد کرے اور یہ نہ ہو سکے تو مسلسل ۶۰ روزے رکھے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے کہ یہ سب حدود الٰہیہ ہیں۔

ایلاء

۱۔ "للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر فان فآؤ فان اللہ غفور رحیم ہ وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم۔"

(بقرہ — ۲۲۵-۲۲۶)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں انھیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ پھر راستہ پر آجائیں تو خدا مہربان ہے اور طلاق کا ارادہ کرلیں تو خدا اسے بھی سُن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔

لعان

۱۔ "والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین۔ والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرأعنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکاذبین۔ والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین۔"

(نور ۶-۹)

جو لوگ اپنی ازواج کو زنا کی تہمت دیتے ہیں اور اپنے علاوہ کوئی گواہ نہیں رکھتے ہیں انھیں چار مرتبہ قسم کھانا ہوگی کہ وہ سچے ہیں۔ اور پھر یہ کہنا ہوگا کہ جھوٹے ہیں تو ان پر خدا کی لعنت ہے۔ اس کے بعد عورت حد سے بچنا چاہے تو چار دفعہ قسم کھائے کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔

ابطال نکاح

۱۔ "ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔" (ممتحنۃ ۱۰)

خبردار! کافر عورتوں کی عصمت پکڑ کر نہ رکھو۔

اکل و شرب

۱۔ "ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ (بقرہ-۲۹)
اس خدا نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

۲۔ "یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین" (بقرہ - ۱۶۸)
اے لوگو! روئے زمین کی تمام حلال اور طیب چیزوں کو کھاؤ لیکن شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

۳۔ "یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون" (بقرہ - ۱۷۲)
ایمان والو! ہمارے پاکیزہ رزق کو کھاؤ اور شکر خدا کرو اگر واقعاً اس کی عبادت کرتے ہو۔

۴۔ "وکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً" (مائدہ - ۸۹)
جو رزق حلال و طیّب خدا نے دیا ہے اسے استعمال کرو۔

محرمات

۱۔ "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اُھلَّ لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق" (مائدہ - ۳)
تمہارے لیے مُردار، خون، سور کا گوشت اور جس کا ذبیحہ نام خدا کے بغیر ہو اور مختلف جاہلیت کے طریقوں کے ذبیحہ حرام ہیں۔

۲۔ "قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحًا او لحم خنزیر فانہ رجس او فسقاً اُھِلّ لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم۔" (انعام ۱۴۵)

پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری وحی میں صرف مُردار، ناجائز ذبیحہ اور سور کا گوشت حرام ہے کہ یہ رجس ہے۔ اسی طرح بغیر نام خدا کا ذبیحہ بھی حرام ہے۔ ہاں کوئی مجبور ہو جائے اور قانون کی دانستہ مخالفت نہ کرے تو خدا غفور و رحیم ہے۔

۳۔ "یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما۔"

یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن گناہ فائدوں سے زیادہ ہے۔

مباحات

۱۔ "یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات و ما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ۔" (مائدہ ۔ ۴)

یہ لوگ آپ سے حلال چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ تمام طیبات حلال ہیں اور جنھیں شکاری کتوں نے تمھاری تعلیم کے مطابق پکڑ لیا ہے ان پر نامِ خدا لے کر کھاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو۔

۲۔ "الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم۔" (مائدہ ۔ ۵)

آج تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا گیا ہے اور اہل کتاب کا خشک طعام تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

۳۔ "انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اُھِلّ بہ لغیر اللہ

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔" (بقرہ - ۱۷۳)
اللہ نے تمھارے اوپر مُردار، خون، سور کا گوشت اور بغیر نام خدا کے ذبیحہ کو حرام کر دیا ہے۔ اس کے بعد اضطراراً استعمال ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ "وما لکم الّا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرّم علیکم الّا ما اضطررتم الیہ۔" (انعام ۱۱۹)
آخر تم اسے کیوں نہیں کھاتے ہو جس پر نام خدا لیا گیا ہے جب کہ اس نے محرمات کی تفصیل بیان کر دی ہے علاوہ اس صورت کے جہاں مجبور ہو جاؤ۔

میراث

۱۔ "ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم۔" (نساء ۳۳)
اور جو کچھ والدین یا اقرباء نے چھوڑا ہے ہم نے سب کے لیے ولی اور وارث مقرر کر دئے ہیں اور جن سے تمھارا معاہدہ ہے انھیں بھی ان کا حق دے دو۔

۲۔ "واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الیٰ اولیاءکم معروفاً۔" (احزاب ۶)
مومنین و مہاجرین میں قرابتدار ایک دوسرے سے زیادہ اولویت رکھتے ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا چاہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ "للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قلّ منہ او کثر نصیباً مفروضاً۔" (نساء ۷)
جو کچھ ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے اس میں مردوں کا اپنا حصہ ہے اور عورتوں کا اپنا حصہ ہے وہ قلیل ہو یا کثیر، یہ بات کتاب خدا میں لکھی ہوئی موجود ہے۔

۴۔ "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین" (نساء ۱۱)

اللہ تمہیں اولاد کے بارے میں نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہے۔ پھر لڑکیاں دو یا اس سے زیادہ ہیں تو انھیں ترکہ کا $\frac{2}{3}$ ملے گا اور اگر ایک ہے تو نصف اور ماں باپ کا حصہ مرنے والے کی اولاد کے ہوتے ہوئے چھٹا حصہ ہے اور اگر اولاد نہ ہو تو ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ ہے بشرطیکہ مرنے والے کے بھائی نہ ہوں ورنہ $\frac{1}{6}$ ہے وصیت اور قرض کے نکالنے کے بعد!

۵۔ "ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار وصیۃ من اللہ واللہ علیم حکیم" (نساء ۱۲)

اولاد نہ ہونے کی صورت میں تمہارے لیے بیویوں کے ترکہ میں $\frac{1}{2}$ ہے اور اولاد ہونے کی صورت میں $\frac{1}{4}$، عورت کے لیے اولاد نہ ہونے میں $\frac{1}{4}$ اور ہونے میں $\frac{1}{8}$ ہے تمام وصیتوں اور قرضوں کے بعد۔۔۔ اور اگر کوئی مادری بہن یا بھائی کا وارث ہو رہا ہے اور ایک بھائی یا بہن ہے تو اس کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہے اور اگر زیادہ ہوں تو سب $\frac{1}{3}$ میں شریک ہوں گے لیکن وصیت اور قرض کے بعد بشرطیکہ یہ وصیت و قرض

ضرر پہونچانے کے لیے نہ ہو۔

۶۔ "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرء ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالاً و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شئی علیم۔" (نساء ۱۷۶)

یہ لوگ مادری بہن بھائی کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کی صرف بہن ہو تو اس کا حصہ نصف ہے اور اگر بہن مر جائے تو بھائی وارث ہے۔ پھر اگر بہنیں دو ہیں تو ترکہ کا ⅔ اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو لڑکے کا دوہرا حصہ ہوگا۔ اللہ تمام باتوں کو واضح کر رہا ہے تاکہ بہکنے نہ پاؤ کہ وہ ہر شے سے باخبر ہے۔

۷۔ "واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولاً معروفا۔" (نساء ۱۰)

اگر ترکہ کی تقسیم کے وقت غیر وارث قرابت دار اور ایتام و مساکین آجائیں تو انھیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نیک گفتگو کرو۔

حدود

۱۔ "واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتیٰ یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا۔" (نساء ۱۵)

تمھاری عورتوں میں جو بھی بدکاری کرے اس پر چار گواہ تلاش کرو اور جب گواہی ثابت ہو جائے تو گھر کے اندر بند کر دو یہاں تک کہ مر جائیں یا پروردگار کوئی دوسرا راستہ نکال دے۔

۲۔ "واللذان یاتینها منکم فاٰذوهما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما ان الله کان توابًا رحیمًا۔" (نساء ۱۶)
اور تم میں سے جو لوگ بدکاری کریں انھیں اذیت دو پھر اگر توبہ اور اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو کہ خدا بڑا تواب و رحیم ہے۔

۳۔ "الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله والیوم الاٰخر ولیشهد عذابهما طائفة من المومنین۔" (نور ۲)
زانی عورت اور مرد ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور خبردار دین خدا میں کسی مروت سے کام نہ لینا اگر تمھارا ایمان اللہ اور آخرت پر ہے اور اس سزا میں مومنین کی ایک جماعت کو گواہ بھی بنانا۔

قذف (تہمت زنا)

"والذین یرمون المحصنات ولم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدًا واولٰئك هم الفٰسقون الا الذین تابوا من بعد ذٰلك واصلحوا فان الله غفور رحیم۔" (نور ۴)
جو لوگ باعفت عورتوں پر الزام زنا لگاتے ہیں اور چار گواہ نہیں لاسکتے انھیں ۸۰ کوڑے لگاؤ اور پھر ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو کہ یہ سب فاسق ہیں مگر یہ کہ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں تو خدا غفور و رحیم ہے۔

سرقہ

۱۔ "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا نکالًا من الله والله عزیز حکیم۔" (مائدہ ۳۸)

چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو کہ یہ ان کے کیے کی سزا اور خدا کی طرف سے عذاب ہے اور خدا بڑا صاحب عزت و حکمت ہے۔

۲۔ "فمن تاب من بعد ظلمہٖ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم۔" (مائدہ۔ ۳۹)

پھر جو شخص ظلم کے بعد توبہ اور اصلاح کرلے خدا اس کی توبہ کو قبول کرلے گا کہ وہ غفور و رحیم ہے۔

رہزنی

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطّع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔" (مائدہ۔ ۳۳)

جو لوگ خدا اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں بدامنی پھیلاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیے جائیں یا انھیں ملک بدر کر دیا جائے کہ یہ دنیا کی رسوائی ہے اور اس کے بعد آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

جرائم

۱۔ "من اجل ذٰلک کتبنا علیٰ بنی اسرائیل انہ من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانّما قتل الناس جمیعًا ومن احیاھا فکانّما احییٰ الناس جمیعًا۔" (مائدہ۔ ۳۲)

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو شخص بھی فساد اور انتقام کے بغیر کسی کو قتل کرے گا اس نے گویا تمام دنیا کو قتل کر دیا اور جس نے کسی نفس

کو زندہ کیا اس نے تمام عالم انسانیت کو زندہ کر دیا۔

۲۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ فمن عفی لہ من اخیہ شیئٌ فاتباع بالمعروف واداءٌ الیہ باحسان ذٰلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک فلہ عذاب الیم" (بقرہ ۔ ۱۷۸)

ایمان والو! تم پر قصاص واجب ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔ اس کے بعد کسی کو معاف کر دیا جائے تو اچھا برتاؤ کرے اور اس کے حق کو ادا کر دے کہ پروردگار کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے ورنہ زیادتی کرنے والے کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۳۔ "ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" (بقرہ ۔ ۱۷۹)

عقل والو! تمھارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کر سکو۔

۴۔ "ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یسرف فی القتل انہ کان منصوراً" (اسراء ۳۳)

اور جس نفس کو خدا نے محترم بنایا ہے اسے حق کے بغیر قتل نہ کرنا کہ جو مظلوم مارا جائے گا اس کے ولی کو اختیار انتقام بھی دیا جائے گا۔ اگرچہ اسے بھی زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے۔

۵۔ "ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لھم عذاباً عظیماً" (نساء ۹۳)

جو کسی مومن کو قصداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم اور اس میں ہمیشگی ہے۔ پھر اس پر غضب و لعنت خدا بھی ہے اور عذاب عظیم بھی ہے۔

۶۔ "وما کان لمومن ان یقتل مومناً الا خطاً ومن قتل مومناً خطاً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الیٰ اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ وان کان من قوم

بینکم و بینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ و تحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ۔" (نساء ۹۲)

کوئی مومن کسی مومن کو دھوکہ ہی میں قتل کرسکتا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو ایک غلام آزاد کرے اور وارثوں کو دیت ادا کرے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ البتہ اگر مقتول کافر قوم کا ہے اور خود مومن ہے تو صرف غلام آزاد کرنا ہے دیت نہیں ہے اور اگر کافر قوم سے معاہدہ ہے تو دیت بھی ہے اور آزادی بھی۔ اور غلام ممکن نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے واجب ہیں کہ یہی خدائی توبہ ہے۔

۷۔ "وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔" (مائدہ ۔ ۴۵)

ہم نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت۔ اور پھر زخموں کا بھی قصاص ہے۔ ہاں کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا بھی کفارہ ہے۔

۸۔ "ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئک ما علیھم من سبیل۔" (شوریٰ ۴۱)

اور جو شخص ظلم کے بعد انتقام لینا چاہے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

۹۔ "وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفیٰ واصلح فاجرہ علی اللہ ان اللہ لا یحب الظالمین۔" (شوریٰ ۴۰)

برائی کا بدلہ برائی ہے لیکن کوئی شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے کہ وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

قضاوت و شہادت

۱۔ "وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم۔" (ص ۲۶)

ان کے درمیان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کے خواہشات کا اتباع نہ کرو۔

۲۔ "فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً" (نساء ۶۵)
تمہارے پروردگار کی قسم یہ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک اختلافات میں تم سے فیصلہ نہ کرائیں اور پھر کسی تنگی کا احساس نہ کریں۔

۳۔ "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" مائدہ ۔ ۴۴ ۔ ۴۵ ۔ ۴۷)
جو حکم خدا کے خلاف فیصلہ کریں وہ لوگ کافر ہیں۔

۴۔ "واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" (نساء ۵۸)
جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

۵۔ "انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما" (نساء ۱۰۵)
ہم نے آپ کی طرف کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ ان کے درمیان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کریں اور خیانت کاروں کا ساتھ نہ دیں۔

۶۔ "فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم" (مائدہ ۔ ۴۲)
اگر یہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو صحیح فیصلہ کر دو یا کنارہ کشی اختیار کر لو۔

۷۔ "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر" (نساء ۵۹)
ایمان والو! اللہ، رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد کسی شے میں اختلاف ہو جائے تو خدا و رسول کی طرف پلٹا دو اگر تمہارا ایمان اللہ اور روزِ آخرت پر ہے۔

۸۔ "الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ" (نساء ۶۰)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا خیال یہ ہے کہ ان کا تمام تنزیل پر ایمان ہے اور پھر طاغوت سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں حالانکہ انھیں طاغوت کے انکار کا حکم دیا گیا ہے

۹۔ "فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا۔" (بقرہ ـ ۲۵۶)

پس جو طاغوت کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے وہ مضبوط ریسمان ہدایت سے متمسک ہوگیا ہے۔

۱۰۔ "یا ایہا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبیّنوا ان تصیبوا قوماً بجہالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین۔" (حجرات ۔۶)

ایمان والو! جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ نادانی میں اقدام کر بیٹھو اور پھر شرمندہ ہونا پڑے۔

۱۱۔ "یا ایہا الذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط ولو علیٰ انفسکم اوالوالدین والاقربین۔" (نساء ۱۳۵)

ایمان والو! عدل کے ساتھ قیام کرو چاہے اپنے یا والدین یا اقربار کے خلاف کیوں نہ ہو۔

۱۲۔ "ومن اظلم ممن کتم شہادۃ عندہ من اللّٰہ وما اللّٰہ بغافل عما تعملون۔" (بقرہ ۱۴۰)

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو شہادت کو چھپائے جب کہ پروردگار تمھارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

۱۳۔ "والذین یکتمون ما انزلنا من البینات والہدیٰ من بعد ما بیّناہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنہم اللّٰہ ویلعنہم اللّٰعنون الا الذین تابوا واصلحوا وبیّنوا فاولٰئک اتوب علیہم وانا التواب الرحیم۔" (بقرہ ۔ ۱۶۰)

جو لوگ ہمارے بیّنات اور اصول ہدایت کو واضح ہوجانے کے بعد بھی چھپاتے ہیں۔ ان پر خدا اور لعنت کرنے والے سب کی لعنت ہے، علاوہ ان کے جو توبہ اور اصلاح کرلیں اور پھر وضاحت بھی کردیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرلیتا ہوں اور میں بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہوں۔

بسمہ سبحانہ

آیات الاحکام

کتاب تربیت ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کی ہر آیت سے کسی نہ کسی قانون حیات کا استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اشارہ ہے کہ ہر کام کا آغاز نام خدا سے ہونا چاہیئے۔
- الحمد للہ رب العٰلمین ــــ کام شروع ہو جائے تو شکر خدا کرنا چاہیئے۔
- الرحمٰن الرحیم ــــ ہمیشہ اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیئے۔
- مالک یوم الدین ــــ روزِ قیامت سے خوف زدہ رہنا چاہیئے۔
- ایاک نعبد ــــ صرف اُسی کی عبادت کرنا چاہیئے۔
- وایاک نستعین ــــ صرف اُسی کی مدد مانگنی چاہیئے۔
- اھدنا الصراط المستقیم ــــ ہمیشہ سیدھے راستہ کا طلبگار رہنا چاہیئے۔
- صراط الذین انعمت علیھم ــــ ہمیشہ صاحبانِ نعمت سے ارتباط قائم رکھنا چاہیئے۔
- غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ــــ ہمیشہ اہلِ غضب وضلالت سے بیزار رہنا چاہیئے۔

لیکن ان میں اکثر آیات کا تعلق عقیدہ سے ہے۔ اس لیے علماء اعلام نے آیات الاحکام

سے صرف ان آیات کو مراد لیا ہے جن کا تعلق براہ راست طریقۂ حیات اور اصولِ زندگی سے ہے اور ایسی آیات کی تعداد قدیم اعداد و شمار کے مطابق ۵۱۲ ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق یہ عدد ایک ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ جس کا ایک مختصر خاکہ تفصیلی شکل میں یہاں پیش کیا جارہا ہے اور باقی آیات کے لیے ایک اجمالی نشان دہی نقل کر دی جارہی ہے، تفصیلات کے طلبگار حضرات انھیں علامات کے ذریعہ اپنے مقصود و مدعا کو حاصل کر سکتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

جوادی ــــــ *

بسمہ سبحانہ

جدول آیات احکام

طہارت

بقرہ۔ ۱۲۴-۱۶۲-۱۷۳، ۲۱۹، ۲۲۲

نسار۔ ۳۸-۴۳

مائدہ۔ ۶-۳۱-۹۰-۹۱

انفال۔ ۱۱

توبہ۔ ۲۸-۱۰۸

رعد۔ ۸

نحل۔ ۶۶-۸۰-۱۲۰

طٰہٰ۔ ۱۲

حج۔ ۳۰-۳۱

مومنون۔ ۱۸

فرقان۔ ۴۸

یٰسٓ۔ ۷۸

شوریٰ۔ ۲۰

واقعہ۔ ۷۷-۷۸-۷۹-۸۰

جن - ۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵ - ۶ - ۷ - ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲
مدثر - ۴ - ۵
دہر - ۳
عبس - ۱۲ - ۱۳
طارق - ۵ - ۶ - ۹
بتینہ - ۵

صوم

بقرہ - ۱۸۳ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۱۸۶ - ۱۸۷ - ۱۸۹ - ۱۹۶
نسار - ۹۲
زمر - ۱۰
محمد - ۳۳
مجادلہ - ۴
بروج - ۳
طارق - ۹
فجر - ۲
قدر - ۱ - ۲ - ۳ - ۴ - ۵

اعتکاف

بقرہ - ۱۸۷

حج وعمرہ

بقرہ - ۱۲۵ - ۱۲۶ - ۱۴۲ - ۱۴۳ - ۱۵۸ - ۱۸۹ - ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ - ۱۹۹ -

خمس وانفال

جہاد

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اکل و شرب

صید و ذبح

احیاء موات

تجارت

اجارہ

صلح

بقرہ ۲۲۰ــــ نساء ۳۵، ۱۲۸،۱۱۴ــــ انفال ۱
حجرات ۹، ۱۰

مضاربہ

نساء ۱۰۱ــــ جمعہ ۱۰ــــ مزمل ۲۰

وکالت

بقرہ ۲۳۷ــــ کہف ۱۹، ۲۰، ۶۲ــــ سجدہ ۱۱

شفعہ

بقرہ ۸۵، ۲۲۰ــــ نساء ۳۶ــــ نحل ۴۴ــــ ص ۲۸

امانت

بقرہ ۲۸۳ــــ آل عمران ۷۵ــــ نساء ۵۸ــــ حج ۳۸
مومنون ۸ــــ طارق ۹

عاریہ

نساء ۵۸ــــ مائدہ ۲ــــ ماعون ۷

ہبہ

نساء ۸۶ــــ مائدہ ۲ــــ یوسف ۸۸ــــ اسراء ۲۹ــــ نمل ۳۵

روم ۳۹ ــ روٗ ۶ ــ الیل ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ ــ الضحیٰ ۱۰

جعالہ

یوسف ۷۲

رہن

بقرہ ۲۸۳ ــ ۵۸

قرض

بقرہ ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵ ــ نسار ۱۲، ۱۴۸ ــ حدید ۱۱ ــ ۱۸
تغابن ۱۷ ــ مزمل ۲۰

حجر وتغلیس

بقرہ ۲۲۰ ــ آل عمران ۷۵ ــ نسار ۲، ۵، ۶، ۹، ۱۰، ۳۶
یوسف ۲۲ ــ نحل ۷۵ ــ اسرار ۳۴، ۳۵ ــ نور ۵۸ ــ احقاف ۱۵

کفالت

یوسف ۶۶، ۷۸

ضمانت

یوسف ۷۲ ــ انبیار ۷۸، ۷۹ ــ قلم ۴۰

حوالہ

مائدہ ۱

وقف، صدقہ

بقرہ ۱۷۷، ۲۱۵ — آل عمران ۹۲ — حج ۲۲ — زخرف ۲۸
حدید ۱۸ — مزمل ۲۰

غصب

بقرہ ۱۸۸، ۱۹۴ — نساء ۱۰، ۲۹ — توبہ ۳۴ — شوریٰ ۴۰، ۴۱ مطففین ۱

لقطہ

بقرہ ۱۴۸ — نساء ۵۸ — مائدہ ۲ — یوسف ۱۰، ۱۹، ۲۰، ۲۱ — قصص ۸

سبق ورمایہ

انفال ۶۰ — یوسف ۱۶، ۱۷ — حشر ۶

نذر وعہد

بقرہ ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۷۰ — آل عمران ۳۵، ۷۷ — مائدہ ۱، ۸۹
انعام ۱۰۹، ۱۵۲ — توبہ ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۱۱۱ — رعد ۲۰
ابراہیم ۲۴، ۲۵ — نحل ۹۱ — اسراء ۳۴، ۳۵ — حج ۲۹، ۷۱
نور ۲۲ — صافات ۱۰۲ — صٓ ۴۴ — صف ۲ — قلم ۱۰ — دہر ۷

قسم

بقرہ ۲۲۴، ۲۲۵ — آل عمران ۳۵، ۷۷ — مائدہ ۱، ۸۹
انعام ۱۰۹ — توبہ ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۱۱۱ — حجر ۷۲ — نحل ۹۱ —

کفارات

نکاح

طلاق ورجوع

۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۸
نساء ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۵، ۱۲۸، ۱۴۱ — توبہ ۶۵، ۷۵، ۷۶، ۷۷
رعد ۸ — حج ۵ — احزاب ۲۹ — طلاق ۱، ۲، ۳، ۴، ۶ — تحریم ۱

خلع ومبارات

بقرہ ۲۲۹ — نساء ۲۰

ایلاء

بقرہ ۲۲۶، ۲۲۷

ظہار

احزاب ۴، ۵ — مجادلہ ۱، ۲، ۳، ۴

لعان

نور ۶، ۷، ۹، ۱۰

عداوت

بقرہ ۱۸۸، ۲۰۴ — آل عمران ۳۳
نساء ۳۵، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۵، ۱۰۵
مائدہ ۸، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۹۵
توبہ ۳۴ — یوسف ۱۸، ۲۶، ۲۷
انبیاء ۷۸، ۷۹ — نور ۴۸ — نمل ۱۷ — ص ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۶
حجرات ۶

شہادت

بقرہ ۱۴۰، ۱۵۹، ۱۶۰، ۲۸۲، ۲۸۳ — آل عمران ۱۱۸ — نساء ۶، ۱۵، ۱۳۵
مائدہ ۸، ۹۵، ۱۰۶، ۱۰۸ — انعام ۱۵۰ — توبہ ۱۱۹ — ہود ۸۰ — یوسف ۸۱
رعد ۴۳ — اسراء ۳۶ — حج ۳۰، ۳۱ — نور ۴، ۵ — فرقان ۷۲
زخرف ۸۶ — حجرات ۶، ۷ — حدید ۱۹ — طلاق ۲ — قلم ۱۶

اقرار

آل عمران ۸۱ — نساء ۱۳۵ — توبہ ۱۰۲ — روم ۴ — ملک ۱۱
قیامہ ۱۴، ۱۵ — دہر ۱ — طارق ۹

وصیت

بقرہ ۱۳۲، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲ — نساء ۵، ۹، ۱۱، ۱۲ — مائدہ ۱۰۶

میراث

نساء ۱، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۹، ۳۲، ۳۳، ۱۲۷، ۱۷۶
انفال ۷۲، ۷۵ — مریم ۵ — حج ۵ — نمل ۱۶ — احزاب ۶
زخرف ۲۸ — قیامہ ۳۹

حدود وتعزیرات

بقرہ ۱۰۲، ۱۰۴، ۲۱۷، ۲۲۲ — آل عمران ۹۶، ۹۷، ۱۰۶
نساء ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۵، ۸۵، ۸۹
مائدہ ۲۳، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۸، ۳۹، ۵۴، ۹۳

اعراف ۸۰، ۱۲۴ــ توبہ ۴، ۷، ۱۱۸ــ ہود ۸۲ ــ یوسف ۷۳
رعد ۸ ــ نحل ۹۰ ــ اسراء ۳۲، ۱۰۱ ــ مومنون ۷
نور ۲، ۴، ۵، ۱۱، ۱۳، ۲۲، ۳۳، ۶۱ ــ فرقان ۶۷ ــ نمل ۲۱
عنکبوت ۲۸ ــ احقاف ۱۵ ــ حجرات ۱۱، ۱۳ ــ حدید ۳ ــ ممتحنہ ۱
تحریم ۶ ــ قلم ۹ ــ قیامہ ۱۴، ۱۵ ــ مرسلات ۲۵ ــ بروج ۶، ۷ ــ بلد ۲۰

قصاص

بقرہ ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۹۴ ــ نساء ۲۹، ۹۲، ۹۳ ــ مائدہ ۲، ۳۲، ۳۵
انعام ۱۶۴ ــ توبہ ۹۱، ۹۲ ــ نحل ۱۲۶ ــ اسراء ۳۱، ۳۳، ۱۰۱ ــ نمل ۴۹
قصص ۱۵ ــ ص ۲۸ ــ شوریٰ ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲ ــ جاثیہ ۲۱
بروج ۶، ۷.

دیہ

بقرہ ۶۷ ــ نساء ۹۲، ۹۳ ــ مائدہ ۴۵ ــ انعام ۱۶۴ ــ نور ۲۸

عتق

نساء ۱ ــ مائدہ ۱۰۳ ــ توبہ ۶۵، ۷۵، ۷۶، ۷۷ ــ نور ۳۳
احزاب ۳۷ ــ بلد ۱۳ ــ اللیل ۵، ۶، ۷، ۸

ان اشارات کے علاوہ نماز سے متعلق آیات کی تفصیل درج کی جا چکی ہے جس کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید میں فروع دین کے مسائل کا تذکرہ ایک ہزار سے زیادہ آیات میں کیا گیا ہے اور ۵۱۳ کا عدد ان آیات کریمہ سے متعلق ہے جن میں براہ راست حکم کا انداز پایا جاتا ہے یا ان سے احکام کا براہ راست استفادہ

کیا جا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ فہرست کو "دار القرآن قم" کے کمپیوٹر ٹیکشن سے حاصل کیا گیا ہے جس میں آیات کے نمبر میں اشتباہ کا امکان بہر حال پایا جاتا ہے اور اس کے بعد کتابت میں غلطی کے امکانات بھی پہلے سے محفوظ ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود اردو زبان میں یہ پہلا اجمالی تحفہ ہے جو ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ طلاب و افاضل حوزات علمیہ یا علماء اعلام میں کوئی ایسا صاحب توفیق پیدا ہو جائے جو ان تمام آیات کی تفصیل اور ان سے حاصل ہونے والے مسائل اور ان کے انداز استنباط سے اردو داں طبقہ کو آشنا بنا سکے کہ یہ قوم کی عظیم ترین علمی اور فکری خدمت ہوگی اور اس طرح دانشوران قوم کو علماء اعلام کے زحمات اجتہاد کا بھی کسی مقدار میں اندازہ ہو سکے گا۔

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔

جوادی

یکم جنوری ۹۴ء

تفسیر انوار القرآن

قرآن مجید

ترجمہ و تفسیر:

علّامہ السیّد ذیشان حیدر جوادی

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ

اِنْجِیْلِ آلِ مُحَمَّدٍ علیہم السلام

زَبُوْرِ اَہْلبیت علیہم السلام

صحیفۂ سجّادیہ

المعروف بہ

صحیفۂ کاملہ

ادعیہ: امام رابع سیّد سجّاد زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام

مترجم: سرکار حجۃ الاسلام جناب مولانا السید علی صاحب قبلہ مجتہد العصر طاب ثراہ

خلف سرکار آیۃ اللہ مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ مجتہد رحمۃ اللہ علیہ

حواشی: حجۃ الاسلام مولانا مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون: 2431577

فلسفہ آلِ محمدؐ

از

علامہ ابن حسن رضوی جارچوی اعلیٰ اللہ مقامہ

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی 74000

فون : 2431577

علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی

کے

بیش بہا علمی کارنامے

قرآن مجید (ترجمہ و تفسیر)
مطالعہ قرآن
نہج البلاغہ (ترجمہ، تشریح، تفسیر، تقدیم)
اصول و فروع
نقوش عصمت (حیات چہاردہ معصومینؑ)
ذکر و فکر
قمر بنی ہاشم
ابوطالب مومن قریش
نص و اجتہاد
فدک تاریخ کی روشنی میں
مجھے راستہ مل گیا
کربلا

اسلامی بینک
پردہ
خاندان و انسان
عقیدہ و جہاد
اسلام دین عقیدہ و عمل
محافل و مجالس دو جلدیں
بضعتہ الرسول
عرفان رسالت
کربلا شناسی
رسالت انبیہ
کلام کلیم
سلام کلیم

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰

فون 2431577